اصول شرع اسلام

OSMANIA UNIVERSITY
جامعۂ عثمانیہ

نصابِ سلسلۂ تعلیم جامعۂ عثمانیہ

اصول شرع اسلام

(۳)

تالیف

رائٹ آنرایبل سر ڈنشا فرید ونجی مُلا نائٹ، سی آئی ای، ایم اے، ایل ایل ڈی

ترجمہ

مولوی مسعود علی صاحب بی اے (علیگ)

سابق سشن جج سرکار عالی حال رکن سررشتہ تالیف ترجمہ
جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی

سنہ ۱۳۵۸ھ م سنہ ۱۳۴۸ف م سنہ ۱۹۳۹ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 456905
Date 28-5-03
SRINAGAR
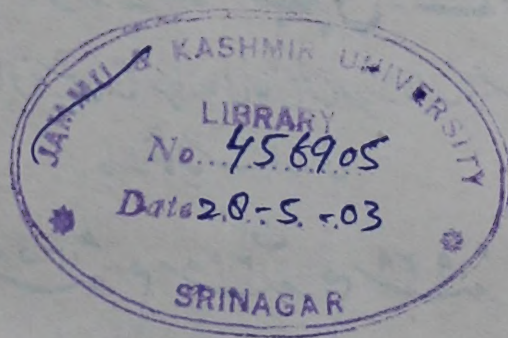
اُصول شرع اسلام

دیباچہ از مترجم

یہ کتاب برطانی ہند کی عدالتوں میں کام کرنے والے ججوں وکیلوں اور وہاں کے قانونی مدرسوں کے ان طلبا کی آسانی کے لیے جو عموماً عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں، لکھی گئی ہے۔ اور اس لحاظ سے شرع اسلام کے صرف اُن اصول سے بحث کی گئی ہے جو عدالتہائے مذکور میں برتے جاتے ہیں۔ اسی خیال سے مولف نے جو مسائل بیان کئے ہیں وہ صاف اور سیدھی سادی زبان میں لکھے ہیں۔ ترجمے میں بھی اسی کا لحاظ رکھا گیا ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکا فقہ کے غیر معروف اصطلاحات اور غیر مانوس الفاظ سے اجتناب کیا گیا ہے۔ مولف کا ماخذ وہ کتابیں ہیں جو شرع اسلام پر میگناٹن، ولسن، بیلی اور دوسرے یوروپین مولفین یا مترجمین نے لکھی یا ترجمہ کی ہیں اس لیے فقہائے اسلام کے طرز بیان سے اس کے طرز بیان کا مختلف ہونا ایک لازمی امر ہے۔ مولف سے ان مسائل میں بھی جو برطانی ہند کی عدالتوں میں مسلم ہیں بعض مقامات پر خفیف فروگزاشتیں ہو گئی ہیں جو پروفیسر صاحبان بروقت تعلیم

طلبا کو بتائیں گے، میں نے بھی دو ایک جگہ مختصر نوٹ لکھ دئے ہیں غرضکہ "اینگلو محمڈن لا" یعنی شرع اسلام مسلمہ عدالتہا ے برطانی ہند سے واقف ہونے کے لیے یہ کتاب بہت مفید اور کارآمد ہے۔ مولف نے جس شرح وبسط کے ساتھ فرائض کے نقشے اور نظائر کے حوالے دئے ہیں ان سے ممالک محروسۂ سرکار عالی کی عدالتوں کے ججوں اور وکیلوں کو بھی بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

مسعود علی بی۔ اے علیگ

سابق سشن جج

اصول شرع اسلام

فصل اوّل

برطانوی ہند میں شرع اسلام کا رواج

دفعہ ۱۔ شرع اسلام کا استعمال ـــــ برطانوی ہند کی عدالتیں مسلمانوں کے تمام معاملات میں نہیں، بلکہ صرف بعض معاملات میں شرع اسلام کے احکام سے کام لیتی ہیں۔ مسلمانوں سے شرع اسلام کے متعلق کرنے کا اختیار عدالتوں کو جزء شاہی پارلیمنٹ کے قوانین اور زیادہ تر ہند کے واضعان قوانین سے حاصل ہوا ہے[۱]۔

قوانین کے لیے دیکھو دفعہ ۶ اور ایکٹوں کے لیے دفعات ۷ تا ۱۴ -

[۱] شیخ قدرت اللہ بنام ماہینی موہن ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ ۱۳۴ و ۱۶۹؛ ابراہیم بنام منی ۱۸۸۰ء ۶ ایم۔ ایچ۔ سی ۲۶ و ۳۱؛ براجا کشور بنام کیرتی چندرا ۱۸۷۱ء ۷ بنگال لا رپورٹ ۱۹ و ۲۵ -

دفعہ ۲۔ حد استعمال —— جہاں تک برطانوی ہند کا تعلق ہے شرع اسلام کے احکام حسب ذیل تین اقسام میں منقسم ہو سکتے ہیں :-

(۱) وہ احکام جو واضعان قانون کی صریح ہدایت کے مطابق اہل اسلام سے متعلق کئے جانے چاہئیں جیسے جانشینی اور توریث کے احکام ؛

(۲) وہ احکام جو اہل اسلام سے انصاف نصفت اور نیک نیتی کی بنا پر متعلق کئے جاتے ہیں جیسے شرع اسلام کے شفعہ کے احکام ؛

(۳) وہ احکام جو فریقین مقدمہ کے اہل اسلام ہونے کے باوجود ان سے متعلق نہیں کئے جاتے جیسے شرع اسلام کے فوجداری یا شہادت کے احکام ؛

شرع اسلام کے جن اجزا سے برطانوی ہند کی عدالتیں اہل اسلام کے معاملات میں کام لیتی ہیں، ان کی تصریح ضمن (۱) اور (۲) میں کی جا چکی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے امور میں، اہل اسلام برطانوی ہند میں وہاں کے عام قوانین کے پابند ہیں۔

دفعہ ۳۔ صراحت سے بیان کردہ امور —— شرع اسلام کے جن احکام کو اہل اسلام سے متعلق کرنے کی بصراحت ہدایت ہے وہ ان سے متعلق کئے جاتے ہیں جہاں تک کہ وہ واضعان قانون کے کسی ایکٹ سے تبدیل یا منسوخ نہ ہو گئے ہوں۔

شرع اسلام کے احکام توریث کو مسلمانوں سے متعلق کرنے کی بصراحت ہدایت ہے۔ شرع مذکور کا ایک حکم یہ ہے کہ جو مسلمان مرتد ہو جائے وہ وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ حکم مذہبی آزادی کے ایکٹ نشان ۲۱ بابت سنہ ۱۸۵۰ء سے منسوخ ہو گیا ہے؛ اس لیے اس حکم سے کام نہیں لیا جا سکتا۔

دفعہ ۴۔ وہ امور جن کی صراحت نہیں کی گئی ہے —— شرع اسلام کا کوئی حکم جس کے استعمال کی بصراحت ہدایت نہیں کی گئی ہے، اہل اسلام سے متعلق نہیں کیا جا سکتا، اگر وہ واضعانِ قانون کے کسی ایکٹ سے صراحۃً یا معنًا منسوخ کر دیا گیا ہو۔

شرع اسلام کے احکام شفعہ کے استعمال کے متعلق کہیں بصراحت ہدایت نہیں ہے کہ وہ اہل اسلام سے متعلق کیا جائے۔ جن مقامات پر قاعدۂ مذکور اہل اسلام سے متعلق کیا جاتا ہے وہ بربنائے انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے ہے (دیکھو دفعہ ۱۷۸)۔ اودھ اور پنجاب میں شفعہ کا قاعدہ مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہے کیونکہ ان ممالک میں شفعہ کے خاص ایکٹ نافذ ہیں جو مسلمانوں سے بھی متعلق ہوتے ہیں (دیکھو دفعہ ۱۷۹)۔

شرع اسلام کے فوجداری احکام کے متعلق کسی جگہ بصراحت یہ ہدایت نہیں ہے کہ وہ اہل اسلام سے متعلق کئے جائیں گے۔ بلکہ ہندوستان کے قوانین فوجداری جیسے تعزیرات ہند اور ضابطۂ فوجداری واضعان قانون کے ایکٹوں کے ذریعے سے نافذ ہیں۔ بنائً علیہ شرع اسلام کے فوجداری احکام انصاف، نصفت اور نیک نیتی کی بنا پر بھی نافذ نہیں ہو سکتے۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان برطانوی ہند میں برطانوی ہند کے قوانین فوجداری کے پابند ہیں۔

دفعہ ۵۔ انصاف، نصفت، نیک نیتی — جن احکام کا دفعہ ۲ ضمن (۲) میں حوالہ دیا گیا ہے، وہ اگر عدالت کی رائے میں انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے خلاف معلوم ہوں تو وہ نافذ نہیں کئے جا سکتے۔ مگر احکام مندرجۂ دفعہ مذکور ضمن (۱)، یعنی، وہ احکام جن کے متعلق واضعان قانون نے بصراحت ہدایت کی ہے کہ وہ اہل اسلام سے متعلق کئے جائیں، ان کا متعلق کیا جانا لازم ہے اگرچہ عدالت کی رائے میں وہ انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے مطابق نہ ہوں دیکھو دفعہ ۲۰ الف۔

اسی لحاظ سے شرع اسلام کے احکام شفعہ کو جو دفعہ ۲ کے ضمن (۲) میں داخل ہوتے ہیں، احاطۂ مدراس کی عدالتیں نافذ نہیں کرتیں، اس بناء پر کہ وہ انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے خلاف ہیں۔ کیونکہ قاعدۂ شفعہ انتقال جائداد کی آزادی کو روکتا اور مالک جائداد کو اپنی جائداد سب سے پہلے اپنے پڑوسی کے ہاتھ

فروخت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ برخلاف اس کے بمبئی اور الہ آباد کے ہائیکورٹوں نے شرع اسلام کا قاعدۂ شفعہ مسلمانوں کے متعلق نافذ کیا ہے۔ ان عدالتوں نے جو تصور انصاف، نصفت اور نیک نیتی کا قایم کیا ہے وہ مدراس[1] ہائیکورٹ کے تصور سے بالکل مختلف اور بین طور سے قابل لحاظ ہے۔ دیکھو: دفعہ ۱۰۱۔

جن احکام کے نفاذ کے متعلق عدالتوں کو بصراحت ہدایت ہے کہ وہ اہل اسلام کے متعلق نافذ کئے جائیں، ان کا بلا لحاظ انصاف، نصفت، اور نیک نیتی کے نافذ کیا جانا لازم ہے۔ شرع اسلام کے احکام نکاح کے متعلق بصراحت ہدایت ہے کہ وہ بنگال، ممالک متحدہ اور آسام (دیکھو دفعہ ۷) میں مسلمانوں سے متعلق کئے جائیں۔ منجملہ احکام نکاح ایک حکم یہ ہے کہ جو طلاق شوہر دے وہ جائز متصور ہوگی اگرچہ وہ جبراً دلائی گئی ہو (دیکھو دفعہ ۲۴۴)۔ ایسی صورت میں برطانوی ہند کی کوئی عدالت ایسی طلاق کے جواز کی تسلیم سے انکار نہیں کر سکتی، اگرچہ یہ اس کے انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے تصور کے بالکل خلاف ہو[2]۔

دفعہ ۶۔ شرع اسلام پریسیڈنسی شہروں میں۔ (۱) حکومت ہند کے سنہ ۱۹۱۵ء کے ایکٹ کی دفعہ ۱۱۲ (۵ و ۶ جارج ۵ فصل ۶۱) میں پریسیڈنسی شہروں یعنی کلکتہ، مدراس اور بمبئی کے متعلق حسب ذیل حکم ہے:-

"کلکتہ، مدراس اور بمبئی کے ہائیکورٹ، ان مقدمات میں جو کلکتہ، مدراس اور بمبئی کے باشندوں کے مقابلے میں دائر ہوں گے، اپنے ابتدائی اختیارات سماعت کام میں لاکر اراضی، لگان اور مال کی توریث اور جانشینی اور معاہدات اور معاملات باہمی میں جبکہ دونوں فریق ایک ہی ذاتی قانون یا ایسے رواج کے

[1] ابراہیم بنام غنی سنہ ۱۸۷۰ء ۶ مدراس ہائیکورٹ ۲۶۔

[2] ابراہیم بنام عنایت سنہ ۱۹۰۶ء ۹ بمبئی لا رپورٹ ۱۳، ۱۔سی ۱۳۔

پابند ہوں جو قانون کا حکم رکھتا ہو، ان کے ذاتی قانون یا رواج کے مطابق فیصلہ کریں گی؛ اور جب فریقین مختلف ذاتی قوانین یا ایسے رواج کے پابند ہوں جو قانون کا حکم رکھتا ہو، تو فیصلہ اس قانون یا رواج کے مطابق ہوگا جس کا پابند مدعی علیہ ہوگا۔

اس دفعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر دونوں فریق مقدمہ اہل اسلام سے ہیں تو معاملات مذکورۂ بالا میں شرع اسلام کے احکام متعلق کیے جائیں گے۔ اسی طرح جب کوئی ایسا معاملہ پیش آئے گا جس میں ایک فریق ہندو اور ایک مسلمان ہے، اور اس معاملے کے متعلق ہندو نے مسلمان پر دعویٰ کیا ہے، تو ان کی نزاع کا فیصلہ شرع اسلام کے مطابق کیا جائے گا۔[1] لیکن یہ قانون (یعنی شرع اسلام) ہر دو حالت مذکورۂ بالا میں سے کسی صورت میں بھی کام میں نہ لایا جائے گا اگر وہ واضعان قانون کے کسی ایکٹ سے تبدیل یا منسوخ کر دیا گیا ہے [دیکھو آگے کا نوٹ]۔

(۲) پریسیڈنسی کی عدالتہائے مطالبہ خفیفہ انھی قوانین سے کام لیں گی جن سے اس پریسیڈنسی کی ہائیکورٹ فی الوقت اپنے معمولی ابتدائی دیوانی اختیارات میں کام لیتی ہے: دیکھو پریسیڈنسی کی عدالتہائے مطالبہ خفیفہ کا ایکٹ نشان ۱۵ بابت ۱۸۸۲ء دفعہ ۱۶۔

سابق کے قوانین — دفعہ ہذا کی ضمن (۱) میں جو احکام درج ہوئے ہیں انھی کے مطابق ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایکٹ ۱۷۸۱ء کی دفعہ ۱۷ (۲۱ جارج سوم، فصل ۷۰) میں احکام موجود تھے جو کلکتہ کی سپریم کورٹ سے متعلق تھا، اور اسی طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایکٹ ۱۷۹۷ء کی دفعہ ۱۳ [۳۷ جارج سوم، فصل ۱۴۲] میں بھی یہ احکام پائے جاتے تھے جس کا تعلق مدراس اور بمبئی ریکارڈر کورٹ سے تھا۔ یہ ایکٹ اور ہائی کورٹ کے ایکٹ بابت ۱۸۶۱ء، ۱۸۶۵ء اور ۱۹۱۱ء منسوخ کر دئے گئے، اور ان کے احکام کی تجدید حکومت ہند کے ایکٹ بابت ۱۹۱۵ء سے کی گئی۔ لیکن ان کی تنسیخ سے کسی منشور یا سند شاہی

---

[1] عظیم النسا بنام ڈالی ۱۸۷۱ء ۶ مدراس ہائیکورٹ ۴۵۵، ۴۵۷؛ ویسٹ اینڈ بوہلر کا ڈائجسٹ متعلق دھرم شاستر صفحہ ۶۔

کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا جو ان ایکٹوں کے تحت عطا ہوئی تھی
(دیکھو حکومت ہند کا ایکٹ بابت ۱۹۱۵ء دفعہ ۱۳۰)

وہ قانون جو توریث، جانشینی، معاہدات اور باہمی معاملات میں کام میں لایا جاتا ہے ۔۔۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل کو اختیار ہے کہ وہ اس قانون کو بدل دیں یا منسوخ کر دیں؛ دیکھو حکومت ہند کے ایکٹ بابت ۱۹۱۵ء کی دفعہ ۱۳۱، اور ضمیمۂ پنجم ایکٹ مذکور۔ حقیقت حال یہ ہے کہ شرع اسلام کے احکام معاہدات ایکٹ معاہدہ ۱۸۷۲ء اور دوسرے ایکٹوں سے تقریباً بالکل منسوخ ہو گئے ہیں۔ اور یہ اس اختیار کی بنا پر ہوا ہے جو گورنر جنرل باجلاس کونسل کو ذریعۂ انڈین کونسل ایکٹ ۱۸۶۱ء عطا کیا گیا تھا، خود یہ ایکٹ بھی منسوخ ہو گیا ہے مگر بڑی حد تک اس کے احکام کی تجدید حکومت ہند کے ایکٹ ۱۹۱۵ء سے کر لی گئی ہے۔[۱] ربا کے متعلق یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا اسلامی احکام جو ربا کی ممانعت کے متعلق ہیں وہ "یوزری لاز ریپیل" ایکٹ نشان ۲۸ ۱۸۵۵ء[۲] سے منسوخ ہو گئے یا نہیں۔ یہ سوال پریوی کونسل میں ایک حال کے مقدمہ میں پیش آیا تھا مگر اس کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔[۳] دیکھو دفعہ ۶۵ حکومت ہند کے ایکٹ ۱۹۱۵ء کی، اور کلکتہ، مدراس اور بمبئی کی ہائیکورٹوں کے منشور کے ضمن ۱۹ و ۴۴۔

وہ قانون جس کا مدعی علیہ پابند ہے ۔۔۔ حکومت ہند کے

---

[۱] دیکھو مادھب چندر بنام راج کمار ۱۸۷۴ء ۱۴ بنگال لا رپورٹ ۷۶؛ نوبن چندر بنام رومیش چندر ۱۸۸۷ء ۱۴ کلکتہ ۷۸۱۔

[۲] رام لال بنام ہرن چندر ۱۸۶۹ء ۳ بنگال لا رپورٹ (او ۔سی) ۱۳۰ (غیر منسوخ)؛ میاں خاں بنام بی بی جان ۱۸۷۰ء ۵ بنگال لا رپورٹ ۵۰۰ (منسوخ)۔

[۳] حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۰۰؛ ۳۸ الٰہ آباد ۵۸۱، ۵۸۷، ۵۸۸؛ ۳۶ انڈین کیسز ۸۷۔

ایکٹ کی دفعہ ۱۱۲ کے آخر حصے میں یہ حکم ہے کہ جب مقدمے کے فریق مختلف ذاتی قوانین کے پابند ہوں تو ان کی باہمی نزاع کا تصفیہ اس قانون سے کیا جائے گا جس کا پابند مدعی علیہ ہوگا۔ لیکن ان الفاظ سے یہ مفہوم نہیں نکل سکتا کہ جس حالت میں ایک ہندو نے ایک ایسی اراضی ایک یورپین سے خریدی ہو جس پر اس کی بیوی کو بربنائے مہر حق دعویٰ پہنچتا ہو، اور بیوی اپنے حق کے نفاذ کے لیے ہندو مشتری کے خلاف دعویٰ دائر کرے، تو ہندو مشتری اس کے دعوے کی اس بنا پر تردید کر سکے گا کہ دھرم شاستر مہر کو تسلیم نہیں کرتا۔ محض اس وجہ سے کہ دھرم شاستر مہر کے قاعدے کو تسلیم نہیں کرتا ایک ہندو مشتری کی حالت کسی طرح ایک یورپین مشتری سے بہتر نہیں ہو سکتی۔[1]

دفعہ ۸۔ بنگال، ممالک متحدہ اور آسام ــــ بنگال، ممالک متحدہ اور آسام کے لیے، باستثنائے ممالکِ مذکور کے ان حصوں کے جو فی الوقت ان ممالک کی ہائی کورٹوں کے معمولی دیوانی اختیارات سے خارج ہیں، یہ حکم ہے کہ ان ممالک کی دیوانی عدالتیں "توریث، جانشینی، نکاح، یا مذہبی رواج، یا مذہبی اداروں کے تمام مسائل" شرع اسلام کے احکام کے مطابق فیصلہ کریں گی جب کہ فریقین مقدمہ مسلمان ہوں گے؛ بشرطیکہ وہ احکام واضعانِ قانون کے کسی ایکٹ سے تبدیل یا منسوخ نہ کر دیے گئے ہوں۔ ان صورتوں میں جن کا ذکر اوپر نہیں کیا گیا ہے یا جن کیلئے کسی قانون نافذ الوقت میں کوئی حکم نہیں ہے، بلحاظ انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ بنگال، شمالی مغربی سرحدی اضلاع اور آسام کے سول کورٹس ایکٹ نشان ۱۲

[1] سرکینز بنام پرو سو نو موئی ۱۸۸۱ء ۷ کلکتہ ۷۹۴، اور ۸۰۵ - ۸۰۶ [۱۲ جارج ۳ فصل ۷۰ دفعہ ۱۷] نیز دیکھو عظیم النسا بنام ڈالی ۱۸۷۱ء ۶ مدراس ہائیکورٹ ۴۵۵، ۴۷۴ - ۴۷۵ [۲۷ جارج ۳، فصل ۱۴۲ دفعہ ۱۳]؛ لچھمن داس بنام دسرت ۱۸۸۰ء ۶ بمبئی ۱۶۸، ۱۸۳ - ۱۸۴؛ محمد بنام نارائن ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۵۸ و ۳۶۳ و ۳۶۸، ۳۰ انڈین کیسز ۹۳۹۔

سنہ ۱۸۸۷ء کی دفعہ ۳۷ کا خلاصہ ہے جب کہ ایکٹ مذکور بنگال اور آسام کے
لاز ایکٹ سنہ ۱۹۰۵ء کی دفعات ۲ و ۳ کے ساتھ ملا کر پڑھا جاتا ہے۔

رواج ——— ہندوستان میں قدیم سے خاص خاص خاندانوں میں وراثت
کے متعلق رواج کی پابندی تسلیم کی گئی ہے[1]۔ اس لیے ایسے خاندانی رواج
کے ثابت کرنے کے لیے جو شرع اسلام کے خلاف ہو شہادت پیش ہو سکتی
ہے، اگرچہ ایکٹ مذکورۂ بالا میں بصراحت ایسے رواج کو تسلیم نہ کیا گیا ہے[2]۔
ایسی صورتوں میں رواج کے ثابت کرنے کا بار اس فریق پر پڑتا ہے جو
رواج کا ہونا بیان کرتا ہے[3]۔ رواج کا قدیم، مسلسل، اور یکساں ہونا
اور اس کا صاف اور صریح شہادت سے ثابت کیا جانا ضرور ہے[4]۔ وہ
نظائر یا واجب العرض سے ثابت کیا جاتا ہے نہ کہ استقراء[5]۔ واجب العرض
کی شہادتی قیمت کے لیے دیکھو مقدمات مندرجہ حاشیہ[6]۔

انصاف، نصفت اور نیک نیتی ——— ان الفاظ کی جو تعبیر

۱۔ عبد الحسین بنام سونا دیرو سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ کلکتہ ۴۵۰ و ۴۶۲، ۴۵ انڈین اپیلز ۱۰ و ۱۴، ۴۳ انڈین کیسز ۳۰۶؛ روشن علیخاں بنام چودھری اصغر علی سنہ ۱۹۳۰ء ۵۷ انڈین اپیلز ۲۹، ۵ لکھنؤ ۸۰، ۱۲۱ انڈین کیسز ۱۷، سنہ ۱۹۳۰ء اپیلز پریوی کونسل ۳۵ [بیوائیں صرف حقیت حین حیاتی پاتی ہیں]۔

۲۔ محمد اسمٰعیل بنام لالہ شیو کھ سنہ ۱۹۱۳ء ۱۵ بمبئی لا رپورٹ ۷۶، ۱۷ سی۔ ڈبلیو۔ این ۹۷، ۱۸ انڈین کیسز ۱۵۷ [پی۔ سی]؛ علی اصغر بنام کلکٹر آف بلند شہر سنہ ۱۹۱۷ء ۳۹ الہ آباد ۵۷۴، ۴۰ انڈین کیسز ۷۵۳۔

۳۔ عبد الحسین بنام سونا دیرو سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ کلکتہ ۴۵۰، ۴۵ انڈین اپیلز ۱۰، ۴۳ انڈین کیسز ۳۰۶ جس میں مقدمہ دیا رام بنام سوہل سنگہ سنہ ۱۹۰۶ء پنجاب ریکارڈ نمبر ۱۱۰ کی توثیق کی گئی ہے۔

۴۔ محمد بنام شیخ ابراہیم سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۱۹، ۴۵ مدراس ۳۰۸، ۶۷ انڈین کیسز ۱۱۵، سنہ ۱۹۲۲ء اپیلز پریوی کونسل ۵۹ [جس میں کوئمبتور کے مسلمان لبعوں کی عورتیں محروم کی گئی ہیں]۔

۵۔ محرم علی بنام برکت علی سنہ ۱۹۳۱ء ۱۲ لاہور ۲۸۶، ۱۲۵ انڈین کیسز ۸۰۶، سنہ ۱۹۳۰ء الہ آباد لا رپورٹ ۷۹۵۔

۶۔ لال پرشاد بنام گندھارپ سنگھ سنہ ۱۸۸۶ء ۱۴ انڈین اپیلز ۱۲۷؛ بال گوبند بنام بدری پرشاد سنہ ۱۹۲۳ء ۵۰ انڈین اپیلز ۱۹۶، ۴۵ الہ آباد ۴۱۳، ۷۴ انڈین کیسز ۹۴۴، سنہ ۱۹۲۳ء اپیلز پریوی کونسل ۷۰؛ روشن علیخاں بنام چودھری اصغر علی سنہ ۱۹۳۰ء ۵۷ انڈین اپیلز ۲۹، ۵ لکھنؤ ۸۰، ۱۲۱ انڈین کیسز ۵۱۷، سنہ ۱۹۳۰ء اپیلز پریوی کونسل ۳۵۔

پریوی کونسل نے کی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے مراد انگلستان کے قوانین کے
احکام ہیں جہاں تک کہ وہ ہندوستان کے تمدن اور حالات کے لحاظ
سے کام میں لائے جاسکتے ہوں[ف۱]۔

دفعہ ۸۔ اضلاع احاطۂ مدراس میں ——— مدراس سول کورٹ ایکٹ نشان ۳ سنہ ۱۸۷۳ء کی دفعہ ۱۶ میں، اضلاع احاطۂ مدراس کے متعلق یہ حکم ہے، کہ مقدمہ کے فریقین کے مسلمان ہونے کی صورت میں جو مسائل "جانشینی، توریث، نکاح.... یا مذہبی عمل درآمد، یا رواج" کے متعلق پیش آئیں گے، ان کا تصفیہ شرع اسلام یا ایسے رواج سے کیا جائے گا جو قانون کا حکم رکھتا ہو۔ اور ان صورتوں میں جن کے لیے مخصوص احکام نہیں ہیں، عدالتیں انصاف، نصفت اور نیک نیتی سے کام لیں گی۔

رواج کے لیے دیکھو دفعہ، مذکورۂ بالا۔

انصاف، نصفت، اور نیک نیتی کے لیے بھی دیکھو دفعہ، مذکورۂ بالا۔

دفعہ ۹۔ اضلاع احاطۂ بمبئی میں ——— ریگولیشن نشان ۴ سنہ ۱۸۲۷ء کی دفعہ ۲۶ میں، اضلاع احاطۂ بمبئی کے متعلق یہ حکم ہے کہ "مقدمات کی تحقیقات میں پارلیمنٹ کے وہ ایکٹ اور حکومت کے وہ آئین جو مقدمہ سے متعلق ہو سکتے ہیں کام میں لائے جائیں گے۔ ایسے ایکٹ اور آئین کے نہ موجود ہونے کی حالت میں، اس ملک کے رواج سے جہاں مقدمہ پیدا ہوا؛ اور اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوگا، تو مدعی علیہ کے قانون سے؛ اور مخصوص قانون اور رواج نہ موجود ہونے کی صورت میں، صرف انصاف، نصفت، اور نیک نیتی سے کام لیا جائے گا۔"

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس دفعہ میں شرع اسلام کا بصراحت کہیں
ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے اضلاع احاطۂ بمبئی کی عدالتوں میں جو کچھ
مسلمانوں کے مقدمات میں شرع اسلام سے کام لیا جاتا ہے، وہ محض
انصاف، نصفت اور نیک نیتی کی بنا پر ہے۔ انصاف، نصفت،

ف۱۔ وگھیلا بنام شیخ مصلح الدین سنہ ۱۸۸۷ء ۱۱ بمبئی ۵۵۱ و ۵۶۱، ۱۴ انڈین اپیلز ۸۹ و ۹۶۔

نیک نیتی کے لیے دیکھو دفعہ، مذکورۂ بالا۔

رواج ـــــ بمبئی کے ریگولیشن مذکورۂ بالا کی دفعہ محولہ کے تحت اس رواج کی شہادت پیش ہو سکتی ہے کہ پدری رشتہ داروں کی توریث سے عورتوں کو کوئی حصہ نہیں دیا جاتا[1]۔ بمبئی کی ہائی کورٹ نے متوفی مسلمانوں کی قبروں پر ان خاص مراسم کے ادا کئے جانے کی اجازت دی جو بمبئی احاطہ میں رائج تھے، اور دھاروار کے مسلمان باشندوں کے مقدمے میں قبرستان کی اراضی کے خریدار کے نام حکم امتناعی دیا کہ وہ قبرستان میں مذہبی مراسم کی ادائی میں مزاحم نہ ہو[2] دیکھو نوٹ دفعہ ۷، مذکورۂ بالا۔

دفعہ ۱۰۔ پنجاب اور شمالی مغربی سرحدی اضلاع میں ـــــ پنجاب اور شمالی مغربی سرحدی اضلاع کے لیے، پنجاب کے لاز ایکٹ نشان ۴ سنہ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۵، اور شمالی مغربی سرحدی آئین ۷ سنہ ۱۹۰۱ء کی دفعات ۲۷، ۲۸ میں یہ حکم ہے کہ "جانشینی، ... منگنی، بیاہ، طلاق، جہیز، ... ولایت، نابالغی، عغیر صحیح العنبی، خاندانی رشتوں، وصیت، ہبہ، وصیتی ہبہ، تقسیم، یا کسی مذہبی رواج یا مذہبی ادارے کے مقدمات میں فیصلہ بطریق ذیل کیا جائے گا:

(۱) اس رواج کے مطابق جس کے فریقین مقدمہ پابند ہوں بشرطیکہ وہ انصاف، نصفت، اور نیک نیتی کے خلاف نہ ہو، اور ایکٹ ہذا یا کسی دوسرے ایکٹ سے تبدیل یا منسوخ نہ کر دیا گیا ہو، اور کسی جایز حکم سے باطل نہ قرار پایا ہو؛

(۲) شرع اسلام کے مطابق، ایسے مقدمات میں جن کے فریقین مسلمان ہوں، ... بجز اس کے کہ قانون مذکور واضعان قانون کے بنائے ہوے کسی ایکٹ سے تبدیل یا منسوخ ہو گیا ہو، یا ایکٹ ہذا کے احکام کے خلاف ہو، یا کسی ایسے رواج سے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اس میں کوئی تغیر ہو گیا ہو۔

[1] عبد الحسین بنام سونا دیرو سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ کلکتہ ۵۰، ۴۵، ۵ انڈین اپیلز ۱۰، ۴۳ انڈین کیسز ۳۰۶۔

[2] رام راؤ بنام رستم خاں سنہ ۱۹۰۱ء ۲۶ بمبئی ۱۹۸۔

"دوسرے مقدمات کا جن کے متعلق کوئی خاص حکم نہیں دیا گیا ہے حکام عدالت انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے اصول کے مطابق فیصلہ کریں گے"۔

رواج ـــ "مسلمانوں کے مذہب اور شرع میں بھی، زنا اسی طرح بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے جیسا کہ عیسائیوں کے مذہب اور قوانین میں"۔ اسی بنا پر پنجاب کی چیف کورٹ نے "کنچن رواج" (طوائف بیٹنگی) کو جس کا مقصد یہ تھا کہ زنا بطور ان کے خاندانی پیشہ کے جاری رہے تسلیم کرنے سے انکار کردیا؛ جسے مرافعہ میں پرایوی کونسل نے بھی بحال رکھا[۱]۔ دیکھو نوٹ متعلقہ دفعہ، گزشتہ۔

انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے لیے بھی دفعہ ۷ کے نوٹ دیکھے جائیں۔

دفعہ ۱۰ الف۔ اجمیر اور ماڑواڑ میں ـــ اجمیر اور ماڑواڑ کے آئین نشان ۳ بابت ۱۸۷۷ء کی دفعات ۴ اور ۵ میں تقریباً وہی احکام ہیں جو پنجاب کے لاز ایکٹ نشان ۴ ۱۸۷۲ء میں پائے جاتے ہیں [دیکھو دفعہ ۱۰ مندرجۂ بالا]۔

دفعہ ۱۱۔ اودھ میں ـــ اودھ کے لاز ایکٹ نشان ۸ ۱۸۷۶ء کی دفعہ ۳ میں، اس قانون کی بابت جو مسلمانوں سے متعلق ہوگا وہی احکام ہیں جو پنجاب کے لیے ہیں۔

دفعہ ۱۲۔ ممالک متوسط میں ـــ ممالک متوسط کے لاز ایکٹ نشان ۲۰ ۱۸۷۵ء کی دفعہ ۵ حسب ذیل ہے:-

"توریث، ... منگنی، بیاہ، جہیز، ... ولایت، نابالغی، غیر صحیح النسبی، خاندانی رشتوں، وصیت، ہبہ، وصیتی ہبہ، تقسیم یا مذہبی رواج یا مذہبی ادارہ کے مقدمات کا فیصلہ فریقین کے اہل اسلام ہونے کی صورت میں شرع اسلام سے کیا جائے گا.... بجز اس کے کہ وہ واضعان قانون کے بنائے ہوئے ایکٹ سے تبدیل یا منسوخ ہوگئی ہو، یا ایکٹ ہذا کے احکام کے خلاف ہو۔

---

[۱] گھسیٹی بنام امراؤ جان ۱۸۹۳ء ۲۱ کلکتہ ۱۴۹، ۲۰ انڈین اپیلز ۱۹۳۔

لیکن، اگر کسی فرقہ یا جماعت یا کسی خاندان کے ارکان میں کوئی ایسا رواج جاری ہو جو اس قانون کے مخالف ہو جو دفعہ ہذا کی رو سے ان لوگوں سے متعلق کیا جاتا ہے اور جو اس قانون سے مخالف نہ ہونے کی صورت میں قانوناً قابل نفاذ ہو سکتا تھا، وہ (رواج) باوجود احکام مندرجۂ دفعہ ہذا کے قابل نفاذ ہوگا۔

جن مقدمات کے متعلق فقرۂ بالا، یا کسی قانون نافذ الوقت میں کوئی حکم نہ ہو، ان کا فیصلہ عدالت انصاف، نصفت، اور نیک نیتی سے کرے گی۔"

رواج کے لیے دیکھو دفعہ، مذکورۂ بالا۔

انصاف، نصفت، اور نیک نیتی کے لیے دیکھو دفعہ، اور دفعات ۵ و ۲۸ الف۔

دفعہ ۱۳۔ برما میں ــــ برما کے لاز ایکٹ نشان ۱۳ بابت ۱۸۹۸ء دفعہ ۱۳ میں یہ حکم ہے کہ جانشینی، توریث، نکاح یا مذہبی رواج یا مذہبی اداروں کے متعلق جو مسایل ہوں گے، ان کا تصفیہ، فریقین مقدمہ کے مسلمان ہونے کی صورت میں شرع اسلام کی رو سے کیا جائے گا؛ بجز اس کے کہ وہ (شرع مذکور) کسی ایکٹ کی رو سے تبدیل یا منسوخ کر دی گئی ہو، یا وہ کسی ایسے رواج کے مخالف ہو جو قانون کا حکم رکھتا ہو۔ جن مقدمات کے متعلق مخصوص طور سے اوپر ذکر نہیں کیا گیا یا جن کے متعلق کسی قانون نافذ الوقت میں کوئی حکم نہیں ہے، ان کا فیصلہ انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے مطابق کیا جائے گا۔

رواج کے لیے دیکھو نوٹ دفعہ، مذکورۂ بالا۔

انصاف، نصفت، نیک نیتی ــــ دیکھو نوٹ دفعہ، مذکورۂ بالا۔

قبول اسلام

دفعہ ۱۴۔ مسلمان کون ہے — ہر وہ شخص جو مذہب اسلام کو قبول کرتا یعنے، یہ مانتا ہے کہ (۱) خدا ایک ہے، اور (۲) محمدؐ اس کے رسول ہیں، وہ مسلمان ہے[1]۔ ایسے شخص پر پیدائش یا تبدیل مذہب[2] سے مسلمان کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ خاص اعمال یا مراسم کا پابند، یا اس مذہب کا سچا معتقد ہو؛ کوئی عدالت مذہبی اعتقادات کے خلوص کا اندازہ یا جانچ نہیں کر سکتی[3]۔ اس کے واسطے صرف اسی قدر کافی ہے کہ وہ مذہب اسلام کا اس معنی میں اقرار کرے کہ

---

[1] نرائن تکھات بنام پراکل ۱۹۲۲ء ۵۴ مدراس ۹۸۶، ۱۷ انڈین کیسز ۶۵، ۱۹۲۳ء اے۔ ایم ۱۷۱؛ [فرقۂ احمدیہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہے]؛ حکیم خلیل بنام ملک اسرافی ۱۹۱۷ء ۲ پی اے ٹی ایل۔ جے ۱۰۸، ۳۷ انڈین کیسز ۳۰۲ [احمدی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہیں]؛ ملکۂ قیصرۂ ہند بنام رمضان ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۴۶۱؛ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ ۱۸۹۰ء الہ آباد ۴۹۴۔

[2] ابراہیم بنام ابراہیم ۱۸۶۳ء ۹ مور انڈین اپیلز ۱۹۵ و ۲۴۳۔

[3] عبدالرزاق بنام آغا محمد ۱۸۹۴ء ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶، ۶۴۔

وہ خدا کی وحدت اور محمدؐ کی پیغمبری کو تسلیم کرتا ہے۔

ور اگر بچے کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہوتا ہے تو شرع اسلام میں بچے کے مسلمان ہونے کے متعلق مفید قیاس قائم کیا جاتا ہے: بیلی جلد دوم، ۲۶۵ (احکام شیعہ)؛ ہدایہ، ۶۴ (احکام اہل سنت وجماعت)۔ مگر اس قیاس کی عام طرز عمل اور گرد وپیش کے حالات سے تردید ہو سکتی ہے۔ ایک ہندو کا حرامی لڑکا جو مسلمان عورت کے بطن سے ہو، اور جس کی پرورش ہندوؤں کی طرح ہوئی ہو اور جس کی شادی ایک ہندو لڑکی سے ہندوؤں کے طریقے پر ہوئی ہو، وہ خاص طرح ہندو سمجھا جا سکتا ہے، اگرچہ اس کی ماں مسلمان تھی۔[ف۱] پیدائشی مسلمان اس وقت تک مسلمان رہتا ہے جب تک کہ وہ اس مذہب کو ترک نہ کر دے۔[ف۲] ہندوؤں کے بعض عبادت کے طریقوں کا اختیار کر لینا ترک مذہب متصور نہیں ہوتا۔[ف۳]

دفعہ ۱۵۔ قبول اسلام اور ازدواجی حقوق —— (۱) ایک ہندو زوجہ کے مسلمان ہو جانے سے خود بخود اس کا نکاح اس کے شوہر سے فسخ نہیں ہو جاتا۔ اور اس لیے، وہ اس کی زندگی میں، کسی دوسرے شخص کے ساتھ بطریق جائز نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر وہ، مسلمان ہونے کے بعد کسی مسلمان سے نکاح کر لے گی تو وہ حسب دفعہ ۴۹۴ تعزیرات ہند "بائیگمی" کی مجرم قرار پائے گی۔[ف۴]

(۲) مقدمہ اسکنر بنام آرڈی، میں[ف۵] ایک عیسائی مرد نے جس کے نکاح میں ایک

ف۱۔ بھیا شیر بہادر بنام بھیا گنگا بخش سنگھ سنہ ۱۹۱۴ء ۱۴، انڈین اپیلز ۱۳۶؛ الہ آباد ۱۰۱، ۲۲ انڈین کیسز ۲۹۳۔

ف۲۔ بھگوان بخش بنام درگ بی جے سنہ ۱۹۳۱ء ۶ لکھنؤ ۸۴، ۱۳۲ انڈین کیسز ۷۷۹، سنہ ۳۱ء۔ اے۔ او ۳۰۱۔

ف۳۔ عظیمہ بی بی بنام منشی شملا نند سنہ ۱۹۱۲ء ۱۷ سی۔ ڈبلیو۔ این ۱۲۱، ۴۰ کلکتہ ۳۷۸، ۱۷ انڈین کیسز ۷۵۸۔

ف۴۔ حکومت بمبئی بنام گنگا سنہ ۱۸۸۰ء ۴ بمبئی ۳۳۰؛ مقدمہ رام کماری سنہ ۱۸۹۱ء ۱۸ کلکتہ ۲۶۴؛ مسماۃ ناندی بنام سرکار سنہ ۱۹۲۰ء ۱ لاہور ۴۴۰، ۵۹ انڈین کیسز ۳۳۔

ف۵۔ سنہ ۱۸۷۱ء ۱۴ مور انڈین اپیلز ۳۰۹۔

عیسائی عورت تھی، اپنے مسلمان ہو جانے کا اعلان کیا، اور ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا۔ پریوی کونسل نے اس نکاح کے جواز کو مشتبہ خیال کرنے میں ہائیکورٹ کی رائے سے اتفاق کیا۔

(۳) یہ امر ابھی تک غیر منفصلہ ہے، کہ اگر بعد ازدواج، زوج و زوجہ دونوں برضامندی اور سچائی کے ساتھ، بغیر اس نیت کے کہ قانون کو دھوکا دیں، دین اسلام قبول کر لیں، تو آیا یہ عمل ان حقوق میں جو ازدواج کے ساتھ لازم ہیں کوئی تبدیلی پیدا کر سکے گا؟

جو صورت ضمن (۳) میں بیان ہوئی ہے وہ پریوی کونسل کے ایک مقدمے[1] میں پیش آئی تھی، جس میں ایک مسلمان مرد اور ایک مسلمان عورت نے عیسائی مذہب اختیار کیا اور عیسائیوں کے طریقے پر باہم نکاح کر لیا۔ بعدہ وہ پھر مسلمان ہو گئے اور ان کا نکاح دوبارہ بطریق اسلام کیا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا وہ نکاح جو عیسائیوں کے طریقے پر کیا گیا تھا، وہ مسلمانوں کی طرح طلاق وید ینے سے ٹوٹ سکتا ہے یا نہیں۔ ججوں نے بربنائے واقعات طلاق کو ناثابت قرار دیا، اور اس کے متعلق کسی رائے کا اظہار نہیں کیا، کہ اگر طلاق ثابت ہو جاتی تو اس کا کیا اثر ہوتا۔

دیکھو دفعہ ۲۲۷ "اسلام سے ارتداد اور فسخ نکاح"۔

دفعہ ۱۵۔ الف۔ قبول اسلام اور حقوق وراثت ـــــ جو شخص دین اسلام قبول کرے، اس کی جایداد کی وراثت سے شرع اسلام کے احکام متعلق ہوں گے؛ بشرطیکہ کوئی رواج اس کے خلاف (دیکھو دفعات ۱۶ اور ۱۷) موجود نہ ہو[2]۔

شرع اسلام کے مطابق، کوئی ہندو کسی مسلمان کی جائداد کا وارث نہیں ہو سکتا۔

---

[1] اسکنر بنام اسکنر ۱۸۹۷ء، ۲۵ کلکتہ ۵۳۷، ۲۵ انڈین اپیلز ۳۴۔

[2] مترسین سنگھ بنام مقبول حسن خاں ۱۹۳۰ء، ۵۷ انڈین اپیلز ۳۱۳، ۳۵ سی۔ ڈبلیو۔ این ۸۹، ۱۲۸ انڈین کیسز ۲۶۸؛ ۱۹۳۰ء اے۔ پی سی ۲۵۱؛ چدم برم بنام مانائی می ۱۹۲۸ء، ۶ رنگون ۳۴۳، سوم انڈین کیسز ۲، ۱۹۲۸ء اے۔ آر ۱۷۹؛ بھگوان بخش بنام ورگیی جے ۱۹۳۱ء، ۶ لکھنؤ ۴۸۷، ۱۳۲ انڈین کیسز ۷۷۹، ۱۹۳۱ء اے۔ او ا ۳۰۱۔

اس لیے اگر ایک ہندو، جس کی ہندو زوجہ اور بچے ہوں مذہب اسلام قبول کرے، اور ایک مسلمان عورت سے نکاح کرے اور اس سے اولاد ہو، تو اس شخص کے مرنے کے بعد، اس کی جایداد مسلمان عورت اور اس کے بچوں کو پہنچے گی، نہ کہ ہندو عورت اور اس کے بچوں کو۔[۱]

دفعہ ۱۶۔ خوجے اور کچھی میمن — کسی خاص رواج کے ثابت کئے بغیر جو اس کے خلاف ہو، احاطہ بمبئی میں خوجوں اور کچھی میمنوں کی جانشینی اور وراثت کے معاملات میں شرع اسلام کے نہیں، بلکہ دھرم شاستر کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

خوجے اور کچھی میمن پہلے ہندو تھے۔ تقریباً چار سو سال ہوئے کہ وہ مسلمان ہو گئے، مگر وہ وراثت اور جانشینی میں اپنا قدیم قانون دھرم شاستر بطور رواجی قانون کے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے وراثت اور جانشینی کے معاملات میں دھرم شاستر کے احکام بربنائے رواج ان لوگوں سے متعلق کئے جاتے ہیں۔ یہ رواج ان میں اس قدر مضبوطی سے قایم ہو گیا ہے، کہ اگر ان دونوں فرقوں میں سے کوئی شخص وراثت کے متعلق کسی ایسے رواج کو پیش کرتا ہے جو دھرم شاستر کے احکام وراثت کے خلاف ہوتا ہے، تو اس کے ثابت کرنے کا بار خود اس کے ذمے رہتا ہے۔[۳]

لہ۔ سنہ ۱۹۲۸ء رنگون ۲۲۴، سوم انڈین کیسز ۲، سنہ ۲۸ اے۔ آر ۱۷۹ مذکورۂ بالا۔

سہ۔ خوجوں اور میمنوں کا مقدمہ سنہ ۱۸۴۷ء پیری او۔ سی ۱۱۰؛ ہیرابائی بنام گوربائی سنہ ۱۸۷۵ء ۱۲ بمبئی ہائی کورٹ ۲۹۴ [خوجے]؛ عبدالقادر بنام ٹرنر سنہ ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۵۸ [کچھی میمن]؛ محمد صدیق بنام حاجی احمد سنہ ۱۸۸۵ء ۱۰ بمبئی ۱ [کچھی میمن]؛ موسیٰ حاجی جوناس بنام حاجی عبدالرحیم سنہ ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۱۹۷؛ سابو صدیق بنام علی محمد سنہ ۱۹۰۴ء ۳۰ بمبئی ۲۷۰؛ جان محمد بنام داتو سنہ ۱۹۱۴ء ۳۸ بمبئی ۴۴۹، ۱۲۲ انڈین کیسز ۱۹۵؛ منگل داس بنام عبدل سنہ ۱۹۱۴ء ۱۶ بمبئی لا رپورٹ ۲۲۴، ۲۳ انڈین کیسز ۵۶۵۔

سے۔ عبدالرحیم بنام حلیمہ بائی سنہ ۱۹۱۵ء ۴۳ انڈین اپیلز ۳۵ و ۳۹، ۱۸ بمبئی لا رپورٹ ۶۳۵ و ۶۳۹، ۳۲ انڈین کیسز ۴۱۳؛ ہیرابائی بنام گوربائی سنہ ۱۸۷۵ء ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ ۲۹۴ تا ۳۰۵؛ رحمت بائی بنام ہیرابائی سنہ ۱۸۷۷ء ۳ بمبئی ۳۴؛ بقدمہ حاجی اسمعیل سنہ ۱۸۸۱ء ۶ بمبئی ۲۵۴؛ عائشہ بائی بنام حاجی طیب سنہ ۱۸۸۲ء ۹ بمبئی ۱۱۵؛ محمد صدیق بنام

مگر جن صورتوں میں، کچھی میمن ہندوستان سے باہر مثلاً ممباسہ وغیرہ میں جا کر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے لگتے ہیں، تو بآسانی یہ قیاس قایم کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے وراثت کے معاملات میں اسلامی رواج قبول کر لیا ہے۔[۱]

کچھی میمن ایکٹ ـــــ اب کچھی میمن ایکٹ نشان ۴۶ ۱۹۲۰ء کی دفعہ ۲ اور اس کے ترمیمی ایکٹ نشان ۴۴ ۱۹۲۳ء میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص حکام مقررہ کو اس امر کا اطمینان دلائے گا کہ:۔

(الف) وہ کچھی میمن ہے اور وہی شخص ہے جو وہ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے،

(ب) وہ قانون معاہدۂ ہند ایکٹ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۱۱ کے مفہوم میں معاہدہ کرنے کے قابل ہے، اور

(ج) وہ برطانوی ہند کا باشندہ ہے، تو وہ بطریق مقررہ بیان دے کر اور ایسے مقررہ حکام کے سامنے پیش کر کے، یہ ظاہر کر سکتا ہے کہ وہ اس ایکٹ سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ ان مراتب کے طے ہو جانے کے بعد سے مظہر اور اس کی نابالغ اولاد اور اس اولاد کی تمام نسل، جانشینی اور وراثت کے معاملات میں شرع اسلام کی پابند ہو جائے گی۔

ایکٹ ہذا کا منظہر کی جائداد کی وراثت سے تعلق ہے۔ اس سے خود مظہر کی جانشینی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ خود ایسے کچھی میمن کا وارث ہو سکتا ہے جس نے ایسا (پابندی شرع اسلام کا) اعلان یا اقرار

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ حاجی احمد ۱۸۸۵ء ۱۰ بمبئی ۱؛ بمقدمہ اسباب ٹل بائی ۱۸۶۶ء ۲ بمبئی ہائیکورٹ ۲۷۶۔ خاندان مشترک کی جائداد کے احکام مندرجۂ دھرم شاستر کچھی میمنوں سے متعلق نہیں کئے جاتے: حاجی عثمان بنام ہارون ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی ۳۶۹، ۶۸ انڈین کیسز ۸۶۲، ۱۹۲۳ء اے۔ بی ۱۴۸۔

[۱] ۱۹۱۵ء ۴۲ انڈین اپیلز ۳۵، ۱۸ بمبئی لا رپورٹ ۶۲۵، ۳۲ انڈین کیسز ۴۱۳ مذکورۂ بالا۔

نہ کیا ہو۔[1]

دفعہ ۱۶ ۔ الف ۔ کچھی میمنوں کا اختیار وصیت ۔۔۔۔ (۱) کوئی مسلمان اس کا مجاز نہیں ہے کہ بغیر اپنے وارثوں کی رضامندی کے اپنی جائداد کی ایک تہائی سے زیادہ کے متعلق وصیت کر سکے [دفعہ ۱۰۴]۔ لیکن ایک کچھی میمن اپنی کل جائداد کے متعلق وصیت کر سکتا ہے؛ یہ رواج کی بنا پر ہے۔[2]

(۲) کچھی میمن کے وصیت نامہ کی تعبیر ان قواعد کے مطابق کی جائے گی جو دھرم شاستر میں وصیت ناموں کے متعلق پائے جاتے ہیں۔[3]

ضمنی دفعہ (۱) ۔۔۔ اس میں شک کی زیادہ گنجائش نہیں کہ بمبئی کے کچھی میمنوں کا یہ رواج بمبئی کے خوجوں میں بھی موجود ہے۔

ضمنی دفعہ (۲) ۔۔۔ اس طور سے اگر ایک کچھی میمن کے وصیت نامہ میں مشروط ہبہ بالوصیت پائی جائے، اور اس کی تعبیر شرع اسلام کے مطابق کی جائے، تو وہ ناجائز قرار پائے گی، مگر دھرم شاستر سے تعبیر کرنے میں جائز متصور ہوگی۔

دفعہ ۱۶ ۔ ب ۔ ہلائی میمن ۔۔۔۔ ہلائی میمن جنھوں نے بمبئی میں توطن اختیار کر لیا ہے ہر لحاظ سے شرع اسلام کے پابند ہیں۔[4]

کاٹھیاوار میں پوربندر کے ہلائی میمن جانشینی اور وراثت کے معاملات میں

۱۔ عبدالشکور بنام ابوبکر ۱۹۳۰ء ۵۴ بمبئی ۳۵۸، ۱۲۷ انڈین کیسز ۱۰۴، ۱۹۳۰ء اے۔ بی ۱۹۱۔

۲۔ ایڈوکیٹ جنرل بنام جمبا بائی ۱۹۱۵ء ۴۱ بمبئی ۱۸۱، ۳۱ انڈین کیسز ۱۰۶؛ ایڈوکیٹ جنرل بنام کرم علی ۱۹۰۳ء ۲۹ بمبئی ۱۳۳ و ۱۴۸ ۔ ۱۴۹۔

۳۔ عبدالشکور بنام ابوبکر، مذکورۂ بالا، جس میں ایڈوکیٹ جنرل بنام جمبا بائی کے مقدمۂ مذکورۂ بالا کی ضمنی رائے سے اختلاف کیا گیا ہے۔

۴۔ خوجوں اور میمنوں کا مقدمہ ۱۸۴۷ء پیری کی او، سی ۱۱۰ و ۱۱۵؛ خاتو بائی بنام محمد حاجی ابو ۱۹۲۳ء ۵۰ انڈین اپیلز ۱۰۸، ۴۷ بمبئی ۱۴۶، ۷۲ انڈین کیسز ۲۰۲، ۱۹۲۳ء اے۔ پی سی ۱۴۴؛ بہ تائید ۱۹۱۰ء ۳۴ بمبئی ۷۴۶، ۵۱۵ انڈین کیسز ۵۱۳۔

شرع اسلام کے نہیں، بلکہ دھرم شاستر کے پابند، اور اس معاملے میں بمبئی کے ہلائی میمنوں سے مختلف ہیں۔ یہ امر مقدمۂ مندرجہ ذیل میں پوربندر کے ہلائی میمنوں کے رواج کے متعلق شہادت لے کر قرار پایا تھا۔[۱]

دفعہ ۱۷۔ گجرات کے سنی بوہرے، اور بھڑوچ کے مولی سالم گراسیا ـــــ گجرات کے مسلمان سنی بوہرے،[۲] اور بھڑوچ کے مولی سالم گراسیا،[۳] جانشینی اور وراثت کے معاملات میں دھرم شاستر کے پابند ہیں۔

یہ فرقے پہلے ہندو تھے، اور بعدہ مسلمان ہوئے۔ گجرات کے سنی بوہروں کو بمبئی کے بوہروں کے ساتھ نہ ملا دینا چاہئے جو کہ شیعہ ہیں۔ دیکھو دفعہ ۲۰ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۱۷۔ الف۔ کوئمبتور کے لبھے ـــــ ضلع کوئمبتور کے سنی مسلمان لبھوں میں عورتوں کو وراثت سے محروم رکھنے کا رواج نہیں ہے۔[۴]

کوئمبتور کے مسلمان لبھے ابتدا میں ٹامل بولنے والے ہندو تھے بعدہ مسلمان ہو گئے، مقدمۂ مذکورۂ بالا میں ایسی کافی شہادت نہ تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ انھوں نے عورتوں کو وراثت سے محروم رکھنے کا دھرم شاستر کا قاعدہ جاری رکھا ہے۔

---

[۱] سنہ ۱۹۲۳ء ۵۰ انڈین اپیلز ۱۰۸، ۴۷ بمبئی ۱۴۶، ۷۲ انڈین کیسز ۲۰۲، ۲۲ سنہ اے۔ پی سی ۱۴۴، مذکورۂ سابق۔

[۲] بائی بائی جی بنام بای سنتوک سنہ ۱۸۹۴ء ۲۰ بمبئی ۵۳۔

[۳] فتح سنگھ جی بنام ہری سنگھ جی سنہ ۱۸۹۴ء ۲۰ بمبئی ۱۸۱۔

[۴] محمد ابراہیم بنام شیخ ابراہیم سنہ ۱۹۲۲ء انڈین اپیلز ۱۱۹، ۴۵ مدراس ۳۰۸، ۶۷ انڈین کیسز ۱۱۵، ۲۲ سنہ اے۔ پی سی ۵۹، جس نے سنہ ۱۹۱۶ء ۳۹ مدراس ۴۶۶ کو بدل دیا، ۳۰ انڈین کیسز ۸۰۶۔

فصل سوم

مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور فرقے

دفعہ ۱۸۔ سنّی اور شیعہ ــــ مسلمان دو جماعتوں میں منقسم ہیں، یعنی سنّی اور شیعہ۔

مسلمانوں میں ایک اور فرقہ بھی ہے جو معتزلہ کے نام سے موسوم ہے۔
یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کوئی علیٰحدہ فرقہ ہے، یا شیعوں کی ایک شاخ ہے۔
بمبئی کے کچھی میمن اور ہلائی میمن سنی ہیں۔ دیکھیے دفعات ۱۶، ۱۶ الف اور ۱۶ ب۔

دفعہ ۱۹۔ سنیوں کے فرقے ــــ سنیوں میں چار فرقے یا مذاہب ہیں، یعنی، حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی۔

ہندوستان کے سنّی مسلمان زیادہ تر حنفی مذہب ہیں۔

سنی ہونے کے متعلق قیاس ــــ چونکہ اس ملک میں کثرت سنیوں کی ہے، اس لیے قیاس یہی کیا جائے گا کہ مقدمے یا کارروائی کے فریقین سنی ہیں جب تک کہ یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ وہ شیعہ ہیں[۱] لیکن شیعوں کا قانون

---

[۱] بفاتن بنام ولایتی خانم۔ ۱۹۰۳ء ۳۰ کلکتہ ۶۸۳، ۶۸۶۔

ملکِ غیر کا قانون نہ متصور ہوگا۔ وہ قانون ملک کا ایک جز ہے اور اس لیے
اس کے ثابت کرنے کے لیے کسی ماہر فن کی شہادت پیش نہیں ہوسکتی جیسا کہ
ملکِ غیر کے قانون کو ثابت کرنا پڑتا ہے۔[1]

دفعہ ۲۰۔ شیعوں کے فرقے ـــــ شیعوں میں تین فرقے یا مذاہب ہیں، یعنی، اثنا عشری، اسمعیلی اور زیدی۔

اثنا عشریوں میں بھی دو تفریقیں ہیں، یعنی (۱) اخباری، اور (۲)
اصولی۔ بمبئی کے خوجے اور بوہرے اسمعیلی ہیں۔ دیکھو دفعات ۱۲، ۱۶ (ب)
اور ۱۷۔

دفعہ ۲۱۔ ہر فرقے پر اس فرقے کا قانون نافذ کیا جاتا ہے ـــــ اہل مقدمہ جس فرقے یا مذہب کے ہوں انھی کی شرع اسلام ان پر نافذ کی جانی چاہیے۔[2]

اس لیے سنیوں کا قانون سنیوں سے، اور شیعوں کا قانون شیعوں
سے متعلق کیا جائے گا، اور ان میں سے ہر ذیلی فرقے کا مخصوص قانون
اس ذیلی فرقے پر نافذ ہوگا۔

دفعہ ۲۲۔ تبدیل فرقہ ـــــ ہر مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت جو سن بلوغ کو پہنچ گیا ہو، اپنے فرقے یا اس کے ذیلی فرقے کے اصول ترک کر کے، دوسرے فرقے یا ذیلی فرقے کے اصول اختیار کر سکتا ہے۔ اس عمل کے بعد سے وہ اس جدید فرقے یا ذیلی فرقے کے قوانین کا پابند ہو جائے گا۔[3]

دفعہ ۲۳۔ شیعہ مرد اور سنی عورت کا ازدواج ـــــ اس ازدواج سے عورت کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ـــــ اگر ایک سنی عورت ایک شیعہ مرد سے نکاح کر لے تو اس کی وجہ سے شیعہ قانون کی

---

[1] عزیز بانو بنام محمد ۱۹۲۵ء، ۴۷ الہ آباد ۸۲۳، ۸۹، انڈین کیسز ۶۹۰، ۱۹۲۵ء اے۔ آئی۔ آر۔ ۷۲۰۔

[2] دیدار حسین بنام ظہور النساء ۱۹۲۱ء، ۲ مدراس انڈین اپیلز ۴۴۴، ۷۷۔

[3] حیات النساء بنام محمد ۱۸۹۰ء، ۱۲ الہ آباد ۲۹۰، ۱۷، انڈین اپیلز ۷۳ (تبدیل فرقہ)؛ محمد بنام غلام ۱۸۶۴ء، ۱ بنگال ہائیکورٹ ۲۳۶ (تبدیل از مذہب شافعی بمذہب حنفی)۔

پابند نہیں ہوجاتی۔[1]

یہی صورت، بظاہر، اس حالت میں بھی صحیح ہوگی جبکہ ایک شیعہ عورت سنی مرد کے نکاح میں آجائے۔ دیکھو دفعہ ۱۹۹ الف۔

[1] نصرت بنام حمیدن سنہ ۱۸۸۲ء ۴ الہ آباد ۲۰۵۔
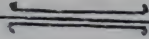
فصل چہارم

شرع اسلام کے ماخذ اور اس کی تعبیر

دفعہ ۲۴۔ شرع اسلام کے ماخذ — شرع اسلام کے ماخذ چار ہیں، (۱) قرآن مجید؛ (۲) حدیث، یعنی، حضرت پیغمبر محمدؐ کی تعلیم اور ان کے افعال و اقوال، جو ان کے زمانۂ حیات میں ضبط تحریر میں نہ آئے تھے، مگر روایتوں کے ذریعے سے محفوظ ہیں اور مستند اور معتبر اشخاص سے پہنچے ہیں؛ (۳) اجماع، یعنی، حضرت محمد رسول اللہ کے اصحاب اور ان کے تابعین کے فیصلے؛ (۴) قیاس، یعنی، متماثل استنباط جو تین مقدم الذکر ماخذوں کو مقابلہ کرنے سے مستخرج کیا جاتا ہے جبکہ کسی خاص صورت کے متعلق ان میں کوئی صریح حکم نہیں ملتا[1]۔

قیاس دلیل بالمثل ہے۔ امام ابوحنیفہ، جو سنیوں کے فرقۂ حنفیہ کے بانی ہیں، اکثر قیاس کو ایسی حدیث پر جس کا صرف ایک راوی ہوتا ہے (احاد) ترجیح دیتے ہیں۔ سنیوں کے دوسرے فرقوں کے بانیوں نے قیاس سے بہت کام لیا ہے[2]۔

[1] مورلے کا دیباچہ ۲۲۔

[2] مورلے کا دیباچہ ۲۳۔

دفعہ ۲۵۔ قرآن مجید کی تعبیر ـــــ شرع اسلام کے نافذ کرنے میں عدالتوں کو، بطور قاعدۂ عام، قرآن مجید کی کوئی ایسی تعبیر نہ کرنی چاہیئے جو مستند اور قدیم مفسرین اہلِ اسلام کی تعبیر کے خلاف ہو۔

جب قرآن مجید کی ایک آیت (سورہ ۲ آیۂ ۲۴۱-۲۴۲) کی تعبیر ہدایہ (سنیوں کی فقہ کی ایک کتاب) اور امامیہ فقہ (فقہ اہل تشیع کی ایک کتاب) دونوں میں ایک طریقے پر کی گئی تھی، تو پرایوی کونسل کے حکام نے یہ قرار دیا کہ کوئی جج اس کا مجاز نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کی تعبیر کسی دوسرے طریقے پر کرے[1]۔

دفعہ ۲۶۔ حدیث ـــــ قدیم فقہا کی کتابوں یا رسول اللہ کی حدیث کو لفظی طور سے اس طرح نہ لینا چاہیئے کہ اس سے شرع اسلام کے جدید قواعد متخرج ہو سکیں، خصوصاً ایسی حالت میں کہ مجوزہ جدید قواعد حقیقی انصاف کی تائید میں بھی نہ ہوں۔

دفعۂ ہذا کے الفاظ پرایوی کونسل کے ججوں کی اس تجویز سے لئے گئے ہیں جو انھوں نے مقدمۂ باقر علی بنام انجمن میں صادر کی تھی[2]۔

شرع اسلام کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ دوامی ہبہ اس وقت تک صحیح اور جائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی خیراتی کام کے لیے نہ ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہے کہ آیا ایک مسلمان کا اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے حق میں (کسی جائیداد کا) ہبہ کرنا خیراتی کام کہا جا سکتا ہے؟ بیکانی بیاں بنام شنک لال[3] کے مقدمے میں کلکتہ ہائی کورٹ کے اجلاس کامل نے بغلبۂ آرا اس سوال کا جواب نفی میں دیا جسٹس امیر علی کا جواب اختلافی تجویز میں اثبات میں تھا، انھوں نے محمد رسول اللہ کی اس حدیث سے استناد کیا تھا کہ: "خیرات اپنے خاندان کے لیے اس

---

[1] آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی ۱۸۹۷ء ۲۵ کلکتہ ۹، ۱۸؛ ۲۴ انڈین اپیلز ۱۹۶، ۲۰۴۔
[2] ۱۹۰۲ء ۲۵ الہ آباد ۲۳۶، ۲۵۴؛ ۳۰ انڈین اپیلز ۹۴۔
[3] ۱۸۹۳ء ۲۰ کلکتہ ۱۱۶۔

خیال سے کہ وہ محتاج نہ ہو جائے فقرا کے دینے سے بہت زیادہ بہتر ہے۔
صدقے کی بہترین شکل یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کو دیا جائے"۔ پریوی کونسل کے
ججوں نے ایک بعد کے مقدمے میں جسٹس امیر علی کی اس تجویز کی طرف
اشارہ کر کے یہ خیال ظاہر کیا کہ کسی خاص مضمون کے متعلق شرع اسلام کا
قاعدہ تعین کرنے کے لیے رسول اللہ کے کسی مجرد قول پر بغیر اس علم کے کہ
وہ کس حالت اور کس موقع پر ارشاد ہوا تھا بھروسا کر لینا صحیح نہیں متصور
ہو سکتا۔ اور یہ قرار دیا کہ اس مضمون کے متعلق شرع اسلام کا وہی قاعدہ
ہے جو اجلاس کامل نے بغلبۂ آرا قرار دیا تھا، اور وہ جدید قاعدہ جو
جسٹس امیر علی رسول اللہ کی حدیث سے استنباط کرنا چاہتے تھے
ایسا تھا کہ اس سے انصاف کو مدد ملتی ہو۔ اب صحت وقف اسلام
کے ایکٹ نشان ۶ ۱۹۱۳ء کی رو سے وقف علی الاولاد جائز قرار دیدیا گیا
ہے بشرطیکہ اس کا آخری مصرف خیرات ہو۔ دیکھو دفعات ۱۵۹ تا ۱۶۱
جو آگے آتی ہیں۔

دفعہ ۲۷۔ قدیم فقہا کی کتابیں ——— شرع اسلام میں جدید قاعدے جاری نہیں کئے جا سکتے اس بنا پر کہ وہ زمانۂ حال کے فقہا کی رائے میں منطقی طور سے قدیم فقہا کی کتابوں سے (خواہ وہ کتابیں کیسی ہی مستند کیوں نہ ہوں) مستنبط ہوتے ہیں، درآنحالیکہ خود قدیم فقہا نے ان سے وہ قاعدے یا نتائج مستخرج نہ کئے ہوں[۲]۔

دفعہ ۲۸۔ فقہ حنفی کی تعبیر کے عام قواعد ——— سنیوں کی فقہ حنفی کے تین بڑے شارح ہیں، ابو حنیفہ جو فقہ حنفی کے بانی (امام) ہیں، اور ان کے دو شاگرد، ابو یوسف اور امام محمد۔

ف ۱۔ ابو الفتح بنام رسمیا ۱۸۹۴ء ۲۲ کلکتہ ۶۱۹، ۶۳۱، ۶۳۲؛ ۲۲ انڈین اپیلز ۷۶، ۸۶؛ بریتائے مرافعہ ۱۸۹۱ء ۱۸ کلکتہ ۳۹۹۔

ف ۲۔ باقر علی بنام انجمن ۱۹۰۲ء ۲۵ الہ آباد ۲۳۶، ۲۵۴؛ ۳۰ انڈین اپیلز ۹۴؛ آغا علی خان بنام الطاف حسین خاں ۱۸۹۲ء ۱۴ الہ آباد ۴۲۹، ۴۴۸۔

فقہ حنفی کی تعبیر کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جب ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں ابو یوسف اور امام محمد میں اختلاف رائے ہوتا ہے تو شاگردوں کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے[۱]۔ جہاں ابو حنیفہ اور امام محمد کی رائے میں اختلاف واقع ہوتا ہے، وہاں وہ رائے قابل قبول قرار پاتی ہے جس کے ساتھ ابو یوسف کو اتفاق ہوتا ہے[۲]۔ جب دونوں شاگرد اپنے استاد سے اور نیز باہم مختلف الرائے ہوتے ہیں، وہاں عموماً ابو یوسف کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے[۳]، مگر یہ قواعد ایسے نہیں ہیں کہ ان میں تبدیلی نہ ہو سکتی ہو۔

جن صورتوں میں اختلاف رائے ہو، اور عدالت کی رہنمائی کے لیے کوئی خاص قاعدہ موجود نہ ہو، وہاں عدالت کو اس رائے کی پیروی کرنی چاہئے جو سب سے زیادہ انصاف، نصفت اور نیک نیتی کے مطابق ہو[۴]۔

دفعہ ۲۸ الف۔ نصفت کے قواعد — نصفت کے قواعد اور نصفتی تصورات سے، جن کا اس قدر لحاظ چانسری کی عدالتوں میں کیا جاتا ہے، شرع اسلام ناآشنا نہیں ہے، بلکہ ایسے مقدمات میں جو اس شرع کے

۱۔ آغا علی خاں بنام الطاف حسین خاں سنہ ۱۸۹۲ء ۱۴ الہ آباد ۴۲۹، ۴۳۸؛ عبد القدیر بنام سلیمہ سنہ ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۱۴۹، ۱۶۶ — ۱۶۷۔

۲۔ سنہ ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۱۴۹، صفحہ ۱۶۲، بالا۔

۳۔ کلثوم بی بی بنام غلام حسین سنہ ۱۹۰۵ء ۱۰ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۴۹، ۴۸۸؛ خواجہ حسین بنام شاہزادی سنہ ۱۸۶۹ء ۱۲ ویکلی رپورٹ ۳۴۴، ۳۴۶، جس کی تائید سنہ ۱۸۶۹ء ۱۲ ویکلی رپورٹ ۴۹۸ میں کی گئی۔ نیز دیکھو دفعہ ۱۵۱ آئندہ۔ مقدمہ محمد بنام لیگل ریمیم برنسر سنہ ۱۸۹۳ء ۱۵ الہ آباد ۳۲۱، ۳۲۳، میں یہ قرار پایا تھا کہ امام محمد کی رائے کو ابو یوسف کی رائے پر ترجیح دی جانی چاہئے۔ عدالت نے (غلطی سے) یہ خیال کیا تھا کہ بمقدمہ بیکانی میاں بنام شک لال سنہ ۱۸۹۳ء ۲۰ کلکتہ ۱۱۶ میں اجلاس کامل کی یہی رائے تھی۔

۴۔ عزیز بانو بنام محمد سنہ ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۸۲۳، ۸۹۱ انڈین کیسز ۶۹۰، سنہ ۲۵ء اے۔اے ۲۰۷ [شیعوں کے فقہا میں اختلاف]۔

مطابق طے کئے جاتے ہیں اکثر ان کا حوالہ دیا جاتا اور ان سے کام لیا جاتا ہے[1]۔

---

[1] حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی ۱۹۱۵ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۰۱ - ۳۰۲، ۳۸ الہ آباد ۵۸۱، ۵۸۲، ۳۶ انڈین کیسز ۸۷۔ دیکھو ہدایہ فصل ۲۰ صفحہ ۴۳۳ "فرائض قاضی"۔

وراثت اور اہتمام ترکہ

[ایکٹ وراثت ہند ۱۹۲۵ء کے نفاذ کے قبل ہندوستان میں اشخاص متوفی کے اہتمام ترکہ کے متعلق دو خاص قانون، ایکٹ وراثت بابت ۱۸۶۵ء اور ایکٹ پروبیٹ و اہتمام ترکہ بابت ۱۸۸۱ء نافذ تھے۔ ایکٹ وراثت ہند بابت ۱۸۶۵ء سوائے ہندو، مسلمانوں اور بدھ مذہب والوں کے، اہل یورپ، پارسیوں، ایسٹ انڈین اور بقیہ تمام ہندوستان کے باشندوں سے متعلق تھا۔ اور ایکٹ پروبیٹ و اہتمام ترکہ ہندو، مسلمان اور بدھ مذہب والوں سب پر نافذ تھا۔ ایکٹ وراثت ہند ۱۹۲۵ء سے دونوں مذکورہ بالا ایکٹ منسوخ کر کے ان کے احکام ایکٹ وراثت ہند میں داخل کر دیئے گئے ہیں]۔

دفعہ ۲۹۔ متوفی مسلمان کی جائداد کا اہتمام ـــــ متوفی مسلمان کی جائداد علی الترتیب مفصلہ ذیل اخراجات کی ادائی میں لگائی جانی چاہئے ـــ (۱) اسکی تجہیز و تکفین اور مرض الموت کے اخراجات میں؛ (۲) پروبیٹ، سند اہتمام ترکہ یا صداقت نامۂ وراثت کے حصول کے اخراجات میں؛ (۳) ان خدمات کی اجرت میں جو شخص متوفی کے مرنے سے تین ماہ کے اندر کوئی مزدور، کاری گر یا

خانگی ملازم بجا لایا ہو؛ (۴) متوفی کے دوسرے دیون کی علی الترتیب ادائی ہیں بلحاظ ترتیب تقدم و تاخر کے (اگر کوئی ہو)؛ (۵) ان اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جائے اس کا ایک تہائی ہبہ بالوصیت میں۔ بقیہ جائداد متوفی کے وارثوں میں اس فرقے کے قانون کے مطابق تقسیم ہونی چاہئے جس فرقے سے متوفی کا بوقت وفات تعلق تھا[۵]۔

جو ترتیب اوپر بیان ہوئی وہ ایکٹ وراثت ہند ۱۹۲۵ء کی دفعات ۳۲۰ ــ ۳۲۲ اور دفعہ ۳۲۵ کے مطابق ہے۔ ضمن (۵) کے متعلق یہ امر قابل بیان ہے کہ اخراجات تجہیز و تکفین اور دیون کی ادائی کے بعد جو جائداد باقی رہے اس میں سے ایک تہائی سے زیادہ کی بابت کوئی مسلمان ہبہ بالوصیت نہیں کر سکتا، تا وقتیکہ اس کے وارث اس پر راضی نہ ہوں [دفعہ ۱۰۴]۔

اگر شخص متوفی مرنے کے وقت سنی تھا، تو اس کی جائداد سنیوں کے قانون کے مطابق اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی۔ اگر وہ شیعہ تھا، تو شیعوں کے قانون کے مطابق تقسیم عمل میں آئے گی۔ یا یوں کہو، کہ ایک مسلمان متوفی کی جائداد کی وراثت اس فرقے کے قانون کی تابع ہے جس سے بوقت وفات اس کا تعلق تھا، نہ کہ اس فرقے کے قانون کی جس سے دعویدار وارث کا تعلق ہے[۶]۔

ایک متوفی مسلمان کی جائداد کے اہتمام کا، یعنی اس طرح کے اہتمام کا جس کا ذکر دفعہ ۱۲ میں کیا گیا ہے، سب سے پہلے وہ وصی ہے جسے متوفی نے اپنے وصیت نامے کے ذریعے سے مقرر کیا ہو۔ اگر متوفی نے کوئی وصیت نامہ نہیں چھوڑا تو وہ شخص اس کی جائداد کے اہتمام کا مستحق ہوگا جسے سند اہتمام ترکہ دی جائے۔ ایسا شخص

۵۔ حیات النساء بنام محمد ۱۸۹۰ء ۱۲ الہ آباد ۲۹۰، ۱۷ انڈین اپیلز ۷۳۔
۶۔ حیات النساء بنام محمد ۱۸۹۰ء ۱۲ الہ آباد ۲۹۰، ۱۷ انڈین اپیلز ۷۳۔

"مہتمم ترکہ" (Administrator) کہلاتا ہے۔ سند اہتمام ترکہ کے مستحق سب سے پہلے متوفی کے وارث ہوتے ہیں: [وراثت ہند ایکٹ بابت ۱۹۲۵ء دفعہ ۲۱۸]۔ وصی یا مہتمم ترکہ کے نہ ہونے کی صورت میں، جائداد کے اہتمام کے مستحق متوفی کے وارث ہوتے ہیں۔

دفعہ ۳۰۔ جائداد کا وصی اور مہتمم کو حاصل ہونا ـــــ متوفی مسلمان کا "وصی یا مہتمم ترکہ، جیسی صورت ہو، حسب احکام مندرجۂ دفعہ ۲۱۱ ایکٹ وراثت ہند بابت ۱۹۲۵ء، تمام مقاصد کے لیے اس کا قانونی قائم مقام ہے۔ اور متوفی کی تمام جائداد اس حیثیت سے اس کے زیر اختیار ہے۔" وصی نے اگرچہ پروبیٹ نہ حاصل کی ہو، تب بھی اسے جائداد حاصل ہو جاتی ہے۔[1]

چونکہ بعد ادائے اخراجات تجہیز و تکفین و دیون جو کچھ ترکہ رہ جاتا ہے اس کی ایک تہائی سے زیادہ کے متعلق کوئی مسلمان وصیت نہیں کر سکتا، اور چونکہ جائداد کا بقیہ دو تہائی حصہ غیر وصیت شدہ ہونے سے (بشرطیکہ وارثوں نے ایک تہائی سے زیادہ جائداد کے وصیت کیے جانے کو منظور نہ کر لیا ہو) وارثوں کو پہنچے گا، اس لیے وصی، حصول جائداد کے بعد اس کے دو تہائی کی بابت وارثوں کا سادہ امین (Bare trustee) اور مقاصد وصیت کے لیے ایک تہائی کا امین خاص (Active trustee) متصور ہوتا ہے؛ اور دو ان امانتوں میں سے، ایک ایکٹ پروبیٹ سے اور بلالحاظ وصیت کے، اور دوسری وصیت سے بتائید پروبیٹ قائم ہوتی ہے۔[2]

---

[1] ۔ وِنکٹا سبما بنام رامیا ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱۱۲، ۵۵ مدراس ۴۴۳، ۱۳۶ انڈین کیسز ۱۱۱، ۱۹۳۲ اے۔ پی سی ۹۲ [مقدمہ متعلق بوصیت ہندو جو مسلمانوں کی وصیت سے بھی متعلق ہوتا ہے]؛ شمائل بنام احمد عمر ۱۹۳۱ء ۳۳ بمبئی لا رپورٹ ۱۰۵۶، ۱۹۳۱ اے۔ بی ۵۴۳؛ محمد یوسف بنام ہرگوبنداس ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی ۲۳۱، ۷۰ انڈین کیسز ۲۶۸، ۱۹۲۲ اے۔ بی ۳۹۲؛ رکینہ بی بی بنام محمد اسحاق ۱۹۱۱ء ۳۷ کلکتہ ۹۴۳، ۸ انڈین کیسز ۵۵۱ (یہ اب صحیح قانون نہیں سمجھا جاتا)۔

[2] ۔ قرۃ العین بنام نزہت الدولہ ۱۹۰۵ء ۳۳ کلکتہ ۱۱۶ و ۱۲۸، ۳۲ انڈین اپیلز ۲۴۴ و ۲۵۷۔

دفعۂ ہذا کا فقرۂ اول ایکٹ وراثت ہند ۱۹۲۵ء کی دفعہ ۲۱۱ کی نقل ہے۔ شرع اسلام میں (Executor) کو "وصی" کہتے ہیں، جس کا ماخذ لفظ وصیت (will) ہے۔ اگرچہ شرع اسلام میں وصی مانا جاتا ہے، مگر مہتمم ترکے کا وجود نہیں، کیونکہ شرع مذکور میں 'سند اہتمام ترکہ' کے مماثل کوئی انتظام نہیں پایا جاتا۔ شرع اسلام میں وصی جائداد کا صرف ایک منتظم ہوتا تھا، متوفی کی جائداد کا کوئی جز بھی اس کو اس حیثیت سے حاصل نہیں ہوجاتا تھا۔ بحیثیت منتظم کے جو کچھ وہ کرسکتا تھا وہ صرف اسی قدر تھا کہ حسب ہدایت وصیت نامہ متوفی کے دیون ادا کرے اور جائداد تقسیم کردے۔ وہ متوفی کے دیون کی ادائی کے لیے بھی، متوفی کی جائداد رہن یا فروخت کردینے کا مجاز نہ تھا۔ پروبیٹ اور اہتمام ترکہ کے ایکٹ ۱۸۸۱ء کی رو سے پہلی مرتبہ یہ اختیار اسے دیا گیا۔ ایکٹ مذکور کی دفعہ ۴ کی رو سے، ایک مسلمان موصی کی کل جائداد وصی کو حاصل ہوجاتی تھی، وراثت ہند کے ایکٹ ۱۹۲۵ء کی دفعہ ۲۱۱ کا اب بھی یہی اثر ہے۔ بغیر حصول پروبیٹ بھی جائداد وصی کو حاصل ہوجاتی ہے۔ جائداد کے حاصل ہوجانے کا یہ نتیجہ ہے کہ 'وصی'، ترکے کے باضابطہ اثنائے اہتمام میں جائداد حاصل شدہ کو منتقل وغیرہ کرنے کا مجاز ہوگیا ہے، جس کا وہ ایکٹ پروبیٹ اور اہتمام ترکہ ۱۸۸۱ء کے نفاذ سے قبل مجاز نہ تھا۔ دیکھو دفعہ ۹۰ ایکٹ مذکور، جو اب ایکٹ وراثت ہند ۱۹۲۵ء کی دفعہ ۳۰۷ ہے۔

دفعہ ۳۱۔ انتقال وراثت — بپابندی احکام مندرجۂ دفعات ۲۹، ۳۰ مندرجۂ بالا، ایک متوفی مسلمان کی تمام جائداد اگر وہ بلا وصیت فوت ہوا ہے، یا اس قدر جائداد جس کا تصفیہ وصیت سے نہیں ہوگیا ہے، اگر اس نے کوئی وصیت نامہ چھوڑا ہے (دفعہ ۱۰۴)، اس کے مرتے ہی اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوجاتی ہے: محض اس بنا پر کہ ابھی متوفی کے دیون ادا نہیں ہوئے ہیں وہ معرض التوا میں

نہیں رہتی[1]۔ ورثا اپنے مخصوص حصص پر شرکائے مشترک کی حیثیت سے جائداد کے مالک ہوجاتے ہیں[2]۔

شرع اسلام میں قائم مقامی نہیں ہے ــــ شرع اسلام میں قائم مقامی کا اصول نہیں ہے۔ اس کے احکام کے مطابق متوفی کی جائداد اس کے مرنے کے ساتھ ہی وارثوں کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، درمیان میں وصی یا مہتمم ترکہ وغیرہ کو نہیں پہنچتی، جیسا کہ ایکٹ وراثت ہند میں قرار پایا ہے[3]۔

میعاد سماعت اس مقدمے کی جو کوئی وارث اپنے حصے کے لیے دائر کرے ــــ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ وارث اپنے اپنے حصوں کے شرکائے مشترک کی حیثیت سے جائداد کے مالک ہوتے ہیں۔ جب وارث بلاتقسیم مخصوص حصص کے شرکائے مشترک کی حیثیت سے قابض جائداد ہوں، اور بعدہ ان میں سے ایک وارث اپنے حصے کے لیے دعویٰ دائر کرے، تو میعاد سماعت کا آغاز متوفی کی تاریخ انتقال سے نہیں، بلکہ اس وارث کے بیدخل کئے جانے یا اس کے حق سے انکار کئے جانے سے ہوگا؛ دوسرے الفاظ میں، ایکٹ میعاد سماعت بابت سنہ ۱۹۰۸ء کے ضمیمہ اول کی مد ۱۴۴ اس سے متعلق ہوگی نہ کہ مد ۱۲۳[4]۔

---

[1] جعفری بیگم بنام امیر محمد سنہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۸۲۲؛ محمد عوض بنام ہرسہائے سنہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۷۱۶۔

[2] عبدالقادر بنام چدمبرم سنہ ۱۹۰۹ء ۳۲ مدراس ۲۷۶ و ۲۷۸، ۳ انڈین کیسز ۸۷۶؛ عبدالمجید بنام کرشنا چاریہ سنہ ۱۹۱۷ء ۴۰ مدراس ۲۴۳ و ۲۵۴، ۴۰ انڈین کیسز ۲۱۰۔ نیز دیکھو مقدمات مندرجۂ تحت حاشیہ ۲ ع ۳۲ و ۳۳۔

[3] مقدمہ امیر دلہن بنام بیج ناتھ سنہ ۱۸۹۴ء ۲۱ کلکتہ ۳۱۱ و ۳۱۵۔

[4] غلام محمد بنام غلام حسین سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۷۴، ۵۴ الہ آباد ۹۳، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۸۵،

مقدمہ اہتمام ترکہ۔۔۔ متوفی کا کوئی وارث یا اس کا دائن متوفی کی جائداد کے اہتمام کے لیے مقدمہ دائر کر سکتا ہے: اسے تقسیم جائداد کا دعویٰ کرنا لازم نہیں ہے[1]۔

دفعہ ۳۲۔ ادائے دیون سے قبل وارث کا اپنے حصے کو منتقل کر دینا۔۔۔ (۱) ہر وارث اس کا مجاز ہے، کہ جائداد کی تقسیم سے پہلے ہی اپنا حصہ کسی شخص کی طرف منتقل کر دے (دیکھو دفعہ ۳۷)، اور نیک نیت منتقل الیہ کو بعوض قیمت باضابطہ حق عطا کرے، اگرچہ شخص متوفی کا کوئی دین ہنوز غیر مودّیٰ ہو[2] [تمثیل (الف) و (ج)]۔

انتقال کا بہ قیمت ہونا ضرور ہے، یعنی بدل کے ساتھ، مثلاً ذریعہ بیع یا رہن نہ بطور ہبہ وغیرہ کے۔

(۲) کسی وارث کے حصے کا ایسی ڈگری کی تعمیل میں فروخت ہو جانا جو وارث کے داین نے مقدمہ دائر کر کے حاصل کی ہو، ضمنی دفعہ (۱) کے مفہوم میں "انتقال" متصور ہو گا، اور کارروائی تعمیل میں جو شخص اسے خریدے گا اس کی طرف بطریق جائز حق منتقل ہو جائے گا [تمثیل (ب)]۔ لیکن اگر ڈگری محض رقم کی ہو جس کے بعد بصیغۂ تعمیل فروخت کا عمل نہ ہوا ہو تو ایسا نہ ہو سکے گا[3]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ سنہ ۳۲ء انڈین پرایوی کونسل ۸۱؛ کلن گوادا بنام بی بی شایا سنہ ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۹۴۳، ۵۸ انڈین کیسز ۲۴؛ نورالدین بنام بوامراؤ سنہ ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۵۱۹، ۵۹ انڈین کیسز ۸۰، سنہ ۲۱ء اے۔ بی ۵۶؛ بائی جیوی بنام بائی بی بانبو سنہ ۱۹۲۹ء ۳۱ بمبئی لا رپورٹ ۱۹۹؛ ۱۱۸ انڈین کیسز ۵۸۷، سنہ ۲۹ء اے۔ بی ۱۴۱؛ مسماۃ جانو بنام نارسنگھ داس سنہ ۱۹۳۰ء ۱۱ لاہور ۲۹، ۱۱۷ انڈین کیسز ۸۰۳، سنہ ۲۹ الہ آباد لا رپورٹ ۹۴۹؛ مابی بنام ماخاتون سنہ ۱۹۲۹ء رنگون ۴۴۷، ۱۲۱ انڈین کیسز ۵۸۷، سنہ ۳۰ء اے۔ آر ۲۷؛ رستم خاں بنام جانکی سنہ ۱۹۲۹ء ۵۱ الہ آباد ۱۰۱، ۱۱۱ انڈین کیسز ۸۰۹، سنہ ۲۸ اے۔ اے ۶۷۴۔

[1] یوسف علی بنام عبد علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۵۵، ۵۹ انڈین کیسز ۳۹۶، سنہ ۲۱ اے۔ بی ۴۲۴۔

[2] بضاعت حسین بنام دولی چند سنہ ۱۸۷۸ء ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱، ۴ کلکتہ ۴۰۲؛ وحید النسا بنام شبراتن سنہ ۱۸۷۰ء ۶ بنگال لا رپورٹ ۵۴، لینڈ مارٹگیج بینک بنام بدھیا دھاری سنہ ۱۸۸۰ء ۷ کلکتہ لا رپورٹ ۴۶۰۔

[3] بھولا ناتھ بنام مقبول النسا سنہ ۱۹۰۳ء ۲۶ الہ آباد ۲۸، جس میں مقدمہ یٰسین خان بنام محمد سنہ ۱۸۹۷ء ۱۹ الہ آباد ۵۰۴ سے بحث کی گئی ہے۔

(۳) اگر وہ حصہ جو وارث نے منتقل کیا ہے متوفی کی جائداد غیر منقولہ کا ایک جزء ہے، اور انتقال اس مقدمے کے دوران میں عمل میں آیا ہے جو متوفی کی بیوہ نے اپنے مہر کے متعلق دائر کیا ہے، اور متوفی کی جائداد پر دین مہر کا بار کفالت ذریعۂ ڈگری عائد کردیا گیا ہے، تو وارث کا حصہ منتقل الیہ کی طرف اس بار کفالت کے ساتھ منتقل ہوگا۔[1] لیکن اگر مہر کی ڈگری محض رقم کی ہے تو منتقل شدہ حصے پر کوئی بار کفالت عائد نہ ہوگا۔[2] [تمثیل (د)]۔ دیکھو دفعہ ۵۲ ایکٹ انتقال جائداد بابت سنہ ۱۸۸۲ء اور دفعہ ۲۲۳ آیندہ۔

تمثیلات

[(الف) ایک مسلمان چند وارث چھوڑ کر مرجاتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے تمام وارث بغیر اس کے دیون ادا کئے اس کی تمام جائداد فروخت کردیتے ہیں۔ جائداد کے فروخت ہوجانے کے بعد، متوفی کا ایک دائن اپنے دین کی بابت دعویٰ دائر کرکے وارثوں کے مقابلے میں ڈگری حاصل کرتا ہے، اور ڈگری کی تعمیل اس جائداد کی قرقی اور فروخت سے چاہتا ہے جو مشتری کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی ایسی درخواست ناقابل قبول ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک متوفی مسلمان کا دائن متوفی کی وہ جائداد نہیں حاصل کرسکتا جو بمعاوضۂ قیمت ایک نیک نیت مشتری کے قبضے میں ہو: دیکھو مقدمۂ لینڈ مارٹگیج بنک بنام بدھیا دھاری سنہ ۱۸۸۰ء، ۷ کلکتہ لا رپورٹ ۴۶۰ (جس میں واقعات کسی قدر بدلے ہوئے ہیں)۔

(ب) ایک مسلمان صرف دو بہنیں وارث چھوڑ کر فوت ہوجاتا ہے۔ اس کے فوت ہوجانے کے بعد (زید)، اس کا ایک دائن اپنے دین کی بابت بہنوں کے مقابلے میں ڈگری حاصل کرتا ہے۔ اس کے بعد

---

[1] محمد واجد بنام بضاعت حسین سنہ ۱۸۷۸ء ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱ و ۲۲۳ – ۲۲۴، ۴ کلکتہ ۴۰۲۔

[2] بھولا ناتھ بنام مقبول النساء سنہ ۱۹۰۳ء ۲۶ الہ آباد ۲۸؛ عبدالرحمٰن بنام عنایتی بی بی سنہ ۳۱ء ۱۔او ۶۲، ۱۳۰ انڈین کیسز ۱۱۳۔

بہنوں کا ایک دائن اپنے دین کی بابت ان کے مقابلے میں ڈگری حاصل کرتا ہے، اور متوفی کی جو جائداد ان کے قبضے میں آئی وہ ڈگری کی تعمیل میں 'عمرو' کے ہاتھ فروخت ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں 'زید' اپنی ڈگری کی تعمیل میں اس جائداد کو قرق نہیں کرا سکتا جو 'عمرو' کے پاس ہے: وحید النسا بنام خیراتن ۱۸۷۰ء ۶ بنگال لا رپورٹ ۵۴ [حالات میں تھوڑی سی تبدیلی ہے]۔

نوٹ — تمثیل (الف) میں فروخت خانگی معاہدے کے ذریعے سے عمل میں آئی تھی۔ تمثیل (ب) میں فروخت بہ تعمیل ڈگری تھی۔ دونوں فروختوں کی حیثیت ایک ہے۔ دونوں تمثیلوں میں مشتری نیک نیت اور بمعاوضۂ قیمت تھا۔

(ج) ایک مسلمان ایک بیوہ اور ایک بیٹا چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ بیوہ کے دین مہر کی ایک کثیر رقم واجب الادا ہے۔ [مہر ایک دین ہے اور اس حد تک بیوہ اپنے متوفی شوہر کی جائداد کی دائن ہے۔ مگر ساتھ اس کے وہ محفوظ دائن نہیں ہے۔ دیکھو دفعہ ۲۲۳] بیٹے کا جائداد میں جو حصہ ہے وہ اسے بغیر دین مہر ادا کئے 'زید' کے پاس رہن کر دیتا ہے۔ رہن کے بعد، بیوہ اپنے دین مہر کے متعلق بیٹے کے مقابلے میں جو تمام جائداد پر قابض ہے ڈگری حاصل کرتی، اور اس کی تعمیل میں بیٹے کا حصہ قرق کراتی ہے۔ بعدہ مرتہن بیٹے کے اس حصے کے فروخت کے لیے جو اس کے پاس رہن ہے ڈگری لیتا ہے۔ اور ڈگری کی تعمیل میں اس کا حصہ فروخت ہوتا ہے جسے 'عمرو' خرید لیتا ہے۔ چونکہ رہن قرقی کے قبل کا تھا، اس لیے 'عمرو' بیٹے کے حصے کے پانے کا بلالحاظ قرقی مستحق ہے: بضاعت حسین بنام ڈولی چند ۱۸۸۱ء ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱، ۴ کلکتہ ۴۰۲۔

نوٹ — تمثیل (الف) اور (ب) میں جائداد کو سب وارثوں نے مل کر فروخت کیا تھا۔

تمثیل (ج) میں فروخت منجملہ وارثوں کے صرف ایک وارث کی طرف سے تھی۔

(د) ایک مسلمان تین بیوائیں اور ایک فرزند، اور کثیر جائداد منقولہ وغیر منقولہ چھوڑ کر مرا۔ اس کے مرنے کے بعد، تینوں بیواؤں نے متوفی کی جائداد کے اہتمام اور جائداد سے اپنے دیونِ مہر کی ادائی کے واسطے فرزند کے مقابلے میں دعویٰ دائر کیا جو کہ کل جائداد پر قابض تھا۔ مقدمہ ڈگری ہوا اور فرزند کو ہدایت کی گئی کہ وہ متوفی کی اس جائداد کا جو اس کے قبضے میں آئی حساب دے، اور جائداد سے مہر کی ادائی کا انتظام کرے۔ (یہ محض رقم کی ڈگری نہ تھی، بلکہ ایسی ڈگری تھی جس سے جائداد پر بار کفالت عائد ہوتا تھا)۔ بیواؤں نے تعمیل ڈگری کی درخواست پیش کی۔ دوران تعمیل میں (جو کہ دوران مقدمہ کے مساوی ہے)، فرزند نے اپنا حصہ 'زید' کے پاس رہن کر دیا۔ 'زید' نے بربنائے رہن فرزند پر مقدمہ چلایا اور اس حصے کے فروخت کے متعلق جو اس کے پاس رہن تھا ڈگری پائی۔ ڈگری کی تعمیل میں جو حصہ فروخت ہوا وہ 'عمرو' نے ڈگری کی اطلاع اور علم کے ساتھ خریدا۔ ان واقعات پر پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ 'عمرو' نے جو حصہ خریدا وہ بیوائوں کی ڈگری کے بار کفالت کے ساتھ تھا: محمد واجد بنام بضاعت حسین ۱۸۷۸ء ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱ و ۲۲۳ - ۲۲۴، ۴ کلکتہ ۴۰۲۔

نوٹ — اگر رہن قبل مقدمہ عمل میں آیا ہوتا، تو اس پر ڈگری کا کوئی اثر نہ پڑتا: بضاعت حسین بنام ڈولی چند ۱۸۷۸ء ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱، ۴ کلکتہ ۴۰۲۔]

دفعہ ۳۳۔ دیون کی بابت وارثوں کی ذمہ داری کی حد —

متوفی کے دیون کا ہر وارث بہ تناسب اس حصے کے جو جائداد مذکور سے اسے

ملتا ہے ذمہ دار ہوتا ہے۔[۱]

[ایک مسلمان، زید کا تین ہزار دو سو کا مقروض تھا، وہ ایک بیوہ، ایک بیٹا اور دو بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ وارثوں نے بغیر قرض ادا کئے جائداد تقسیم کر لی، بیوہ کو جائداد کا $\frac{1}{8}$، بیٹے کو $\frac{7}{16}$، اور ہر لڑکی کو $\frac{7}{32}$ ملا۔ زید نے اپنے اس تمام قرض کی بابت جو متوفی سے واجب الوصول تھا صرف بیوہ اور بیٹے پر دعویٰ کیا۔ قرار پایا کہ بیوہ $(3200 \times \frac{1}{8}) = 400$ اور بیٹا $(3200 \times \frac{7}{16}) = 1400$ کا ذمہ دار ہے؛ اور وہ تمام قرض کے ذمہ دار نہیں ہیں: مقدمہ پرتھی پال سنگھ بنام حسینی جان ۱۸۸۲ء ۴ الہ آباد ۳۶۱۔]

دفعہ ۳۴۔ تقسیم جائداد —— چونکہ متوفی کی موت کے ساتھ ہی جائداد وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اس لیے وہ متوفی کی موت کے بعد جس وقت چاہیں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ادائے قرض تک تقسیم کا التوا لازم نہیں ہے۔

الہ آباد ہائی کورٹ کے دو مقدمات[۲] اور کلکتے کے ہائی کورٹ کے ایک مقدمے میں[۳]، ہدایہ کے ایک فقرے کی بنا پر یہ طے ہوا تھا کہ اگر جائداد دیوالیہ ہو تو، وہ تقسیم نہیں ہو سکتی، مگر بعدہ الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک مقدمے میں[۴] جسٹس محمود نے بیان کیا کہ فقرۂ مذکور اصل عربی عبارت کی سرسری شرح ہے، اور یہ رائے ظاہر کی کہ جائداد دیوالیہ

---

[۱] پرتھی پال سنگھ بنام حسینی جان ۱۸۸۲ء ۴ الہ آباد ۳۶۱؛ امبا شنکر بنام سید علی ۱۸۹۴ء ۱۹ بمبئی ۲۷۳، بسنتی رام بنام کمال الدین ۱۸۸۵ء ۱۱ کلکتہ ۴۲۱، ۴۳۸؛ عباس ناسکر بنام صدر ڈسٹرکٹ بورڈ چوبیس پرگنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۶۹۱؛ رام چرن بنام حنیفہ خاتون ۱۹۳۲ء اے۔ ا ے ۵۹۱۔

[۲] ہمیر سنگھ بنام ذکیہ ۱۸۷۵ء ۱ الہ آباد ۵۷، ۵۹، [الیف۔ بی]؛ پرتھی پال سنگھ بنام حسینی جان ۱۸۸۲ء ۴ الہ آباد ۳۶۱، ۳۶۶۔

[۳] بسنتی رام بنام کمال الدین ۱۸۸۵ء ۱۱ کلکتہ، ۴۲۱، ۴۲۸۔

[۴] جاجری بیگم بنام امیر محمد ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۸۲۲، ۸۳۸۔

ہونے کی حالت میں بھی تقسیم ہوسکتی ہے۔

دفعہ ۳۵۔ دائن کا مقدمہ بمقابلہ وصی یا مہتمم کے ــــ اگر جائداد کی قائم مقامی کوئی وصی یا مہتمم کرتا ہو، تو متوفی کے دائن پر لازم ہے کہ وہ مقدمہ وصی یا مہتمم پر، جیسی صورت ہو دائر کرے۔

دفعہ ۳۶۔ دائن کا مقدمہ بمقابلہ وارثوں کے ــــ اگر کوئی وصی یا مہتمم نہ ہو، تو دائن متوفی کے وارثوں کے نام دعویٰ دائر کرسکتا ہے۔ البتہ اس امر میں اختلاف رائے ہے کہ آیا جو ڈگری دائن متوفی کے چند وارثوں کے مقابلے میں حاصل کرے وہ دوسرے وارثوں پر بھی نافذ ہوگی یا نہیں۔

ہائیکورٹ کلکتے کے فیصلوں کے مطابق، شخص متوفی کا ہر دائن وارثوں میں سے ہر ایسے وارث کے مقابلے میں اپنے کل قرضے کا دعویٰ دائر کرسکتا ہے جو کل جائداد یا اس کے کسی جزء پر قابض ہو بغیر اس کے کہ دوسرے وارثوں کو بھی مدعی علیہ بنائے۔ اور عدالت ایسے مقدمے میں نہ اس مخصوص وارث کے حصۂ جائداد بلکہ متوفی کی کل جائداد کی فروخت کی ڈگری دے سکتی ہے جو وارث مذکور کے قبضے میں ہو۔ جس صورت میں ایسی ڈگری صادر ہو، اور بہ تعمیل ڈگری فروخت عمل میں آئے، تو فروخت سے مشتری کی طرف نہ صرف اس مخصوص وارث کی حقیت جائداد بلکہ دوسرے وارثوں کی حقیت بھی (بشمول نابالغین کے) اگرچہ وہ مقدمے میں کوئی فریق نہ تھے[1] منتقل ہوجائے گی باستثنائے اس صورت کے کہ ڈگری فریب سے حاصل کی گئی ہو، یا برضامندی لی گئی ہو[2] [تمثیل (الف) و (ب)]۔ یہ فیصلے اس نظریے پر مبنی تھے کہ دائن کا مقدمہ اہتمام ترکہ کا مقدمہ ہوتا ہے، اور وارث قابض جائداد اس مقدمے کے مقصد کے لیے جائداد کا قائم مقام ہوتا ہے۔ مگر حال کے ایک مقدمے میں ہائیکورٹ مذکور نے یہ تجویز کی کہ مذکورۂ بالا فیصلے اسی وقت متعلق ہوسکتے ہیں جب کہ وہ وارث جس پر مقدمہ دائر کیا گیا جائداد پر دوسرے

---

[1] موتی جان بنام احمد علی سنہ ۱۸۸۲ء ۸ کلکتہ ۳۷۰؛ امیر دلہن بنام بیجناتھ سنہ ۱۸۹۴ء ۲۱ کلکتہ ۳۱۱۔

[2] اسا ماتھم بنام رائے لچھمی پت سنگھ سنہ ۱۸۷۸ء ۴ کلکتہ ۱۴۲، ۱۵۵۔

وارثوں کی طرف سے قابض ہو، نہ کہ اس صورت میں کہ وہ جائداد پر اپنے حق کی بنا پر قابض ہو۔[1]

بمبئی ہائیکورٹ نے بعض مقدمات[2] میں وہی رائے قائم کی تھی جو کلکتہ ہائیکورٹ کی سابق مقدمات میں تھی، اس فرق کے ساتھ کہ وارث قابض کے خلاف جو ڈگری ہو وہ دوسرے وارثوں پر صرف اسی وقت موثر ہو سکتی ہے جب کہ وارث مدیون ڈگری کل جائداد پر قابض ہو۔ [تمثیل (ج) و (د)]۔ بمبئی ہائی کورٹ نے جو رائے قائم کی تھی اس کے وجوہ اگرچہ کلکتہ ہائی کورٹ کے وجوہ سے مختلف تھے۔ لیکن یہ رائے بھی حال کے مقدمات میں ناپسند کی گئی، اور یہ قرار پایا کہ دائن کے مقدمے میں وارث قابض کے خلاف ڈگری کی تعمیل میں جو فروخت عمل میں آئے، اس سے مشتری کی طرف جائداد کے ان وارثوں کی حقیت منتقل نہیں ہو جاتی جو اس مقدمے میں فریق نہ تھے، اگرچہ وہ وارث جس کے خلاف ڈگری صادر ہوئی کل جائداد پر قابض تھا۔[3] [تمثیل (ھ)]۔ یہ اس رائے کے مطابق ہے جو الہ آباد ہائی کورٹ نے قایم کی ہے۔

مدراس ہائی کورٹ نے مقدمۂ فاطمہ بی بنام وکھل میں[4] بمبئی ہائیکورٹ کے ابتدائی فیصلوں کا اتباع کیا ہے، مگر بلحاظ اس نکتہ چینی کے جو جسٹس عبدالرحیم

---

[1] عباس ناسکر بنام صدر ڈسٹرکٹ بورڈ چوبیس پرگنہ سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۶۹۱۔

[2] خورشید بی بنام کیشو ونایک سنہ ۱۸۸۷ء ۱۲ بمبئی ۱۰۱؛ داوالادا بنام بھیم جی سنہ ۱۸۹۵ء ۲۰ بمبئی ۳۳۸ جس کا اتباع مقدمۂ ویرچند بنام کونڈو سنہ ۱۹۱۵ء ۳۹ بمبئی ۲۹، میں کیا گیا، ۳۱ انڈین کیسز ۱۸۰ [ڈگری رہن]۔

[3] بھاگیرتی بائی بنام روشن بی سنہ ۱۹۱۹ء ۴۳ بمبئی ۴۱۲، ۵۱ انڈین کیسز ۱۸، جس میں ۱۲ بمبئی ۱۰۱، اور ۲۰ بمبئی ۳۳۸، مذکورۂ سابق سے اختلاف کیا گیا ہے؛ شاہ صاحب بنام سداشیو سنہ ۱۹۱۹ء ۴۳ بمبئی ۵۷۵ و ۵۸۱، ۵۱ انڈین کیسز ۲۲۳ (مقدمۂ رہن)، جس میں سنہ ۱۹۱۵ء ۳۹ بمبئی ۲۹، ۳۱ انڈین کیسز ۱۸۰، مذکورۂ بالا سے اختلاف کیا گیا ہے؛ لالہ میاں بنام منوبی بی سنہ ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی ۷۱۲، ۷۳، انڈین کیسز ۲۴۶، سنہ ۲۳ اے۔ بی۔ ۴۱۱۔

[4] سنہ ۱۹۰۲ء ۲۶ مدراس ۷۳۸ و ۷۳۴۔

نے مقدمۂ عبدالمجید بنام کرشنا چاریہ[1] میں مقدمۂ سابق الذکر کے متعلق کی ہے، اور جس میں انھوں نے الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے کو ترجیح دی ہے، مدراس ہائیکورٹ کی سابق رائے صحیح نہیں سمجھی جاتی۔

الہ آباد ہائی کورٹ کے نظائر کے لحاظ سے، جو ڈگری ایک مسلمان متوفی کے دیون کے متعلق ایک نزاعی یا غیر نزاعی مقدمہ (یعنی ایسا مقدمہ جس میں جواب دہی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو) میں، صرف ایسے وارثوں کے خلاف صادر ہوئی ہو جو کل یا جزء جائداد متوفی پر قابض ہوں، تو وہ ہر ایک مدعی علیہ پر اس کے حصۂ جائداد کے تناسب سے موثر ہوگی[2] مگر دوسرے وارثوں پر، جو غیر حاضری یا کسی دوسرے سبب سے قابض جائداد نہیں ہیں، اس طور سے موثر نہ ہوگی کہ ان وارثوں کی حقیت جو فریق ڈگری نہ تھے تعمیل ڈگری کی فروخت میں مشتری کی طرف منتقل ہو جائے۔ اگر ایسے وارث اس امر کے استقرار کا دعویٰ کریں گے کہ فروخت ان کے مقابلے میں غیر موثر قرار دی جائے، اور یہ ثابت ہوگا کہ قرض جائداد فروخت شدہ کی قیمت سے ادا کر دیا گیا ہے، تو بلحاظ نصفت ان کی درخواست کی منظوری سے پہلے ان سے چاہا جائے گا کہ وہ بہ تناسب اپنے حصے کے رقم قرض ادا کریں[3]۔ [تمثیل (و) (نسا)]۔

اودھ کی چیف کورٹ نے وہی رائے قایم کی ہے جو اس بارہ میں الہ آباد ہائی کورٹ کی ہے[4]۔

تمثیلات

[(الف)۔ ایک مسلمان ایک بیوہ، ایک لڑکی اور دو بہنیں

---

[1] سنہ ۱۹۱۷ء۔ ۴۰ مدراس ۲۴۳ و ۲۵۵ و ۲۵۷، ۴۰ انڈین کیسز ۲۱۰۔

[2] دلو مل بنام ہری داس سنہ ۱۹۰۱ء ۲۳ الہ آباد ۲۶۳ و ۳۶۵۔

[3] جعفری بیگم بنام امیر محمد خاں سنہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۸۲۲؛ محمد عوض بنام ہر سہلے سنہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۷۱۶؛ ہمیر سنگھ بنام ذکیہ سنہ ۱۸۷۵ء ۱ الہ آباد ۵۷۔ نیز دیکھو محمد الہ داد بنام محمد اسمٰعیل سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۲۹۔

[4] امیر جہاں بنام خادم حسین سنہ ۳۱ء ۱۔ او ۳، ۲۵۳، ۲۳۲ انڈین کیسز ۷۵۔

چھوڑ کر مرتا ہے۔ متوفی کے مرنے کے بعد، اس کا ایک دائن، بیوہ اور لڑکی کے مقابلے میں جو کہ تنہا تمام جائداد پر قابض ہیں، مقدمہ دائر کر کے متوفی کی جائداد پر ڈگری حاصل کرتا ہے۔ متوفی کی متروکہ جائداد پر جو ڈگری ملتی اور تعمیل میں جو فروخت عمل میں آتی ہے، وہ بہنوں کے مقابلے میں بھی نافذ ہوگی اگرچہ وہ مقدمے میں فریق نہ تھیں: موتی جان بنام احمد علی ۱۸۸۲ء ۸ کلکتہ ۳۷۰۔ نیز دیکھو نوٹ تحت تمثیل (ب)۔

(ب) - ایک مسلمان ایک بیوہ اور دوسرے وارث چھوڑ کر فوت ہوتا ہے۔ متوفی کا ایک دائن صرف بیوہ کے مقابلے میں مقدمہ دائر کرتا ہے جو کہ متروکہ جائداد کے ایک جزو پر قابض ہے، دوسرے وارث مقدمے کے لازمی فریق نہیں ہیں، اور دائن نہ صرف بیوہ کے حصۂ متروکہ بلکہ اس تمام جائداد پر ڈگری پانے کا مستحق ہے جو بیوہ کے ہاتھ آئی، اور ان دیون کی ادائی میں صرف نہیں کی گئی جو اس کے شوہر کے مرنے کے وقت واجب الادا تھے: امیر دلہن بنام بیجا تھ ۱۸۹۴ء ۲۱ کلکتہ ۳۱۱۔

نوٹ --- مقدمات مندرجۂ تمثیل (الف) و (ب)، کی نسبت ہائی کورٹ کلکتہ نے ایک حال کے مقدمے میں یہ ظاہر کیا کہ ان مقدمات کے مدعی علیہم جملہ وارثوں کی جانب سے قابض جائداد تھے؛ اگر ایسا نہ ہوتا تو دائن جس ڈگری کا مستحق ہوتا وہ بہ تناسب حصۂ دین ہوتی: عباس ناسکر بنام صدر ڈسٹرکٹ بورڈ چوبیس پرگنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۶۹۱۔

(ج) ایک مسلمان عورت 'خدیجہ' نامی ایک نابالغ لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ کر مرجاتی ہے، اس کے انتقال کے بعد اس کا ایک دائن، مقدمہ بعنوان "خدیجہ متوفیہ بہ قائم مقامی اس کے نابالغ فرزند بہ قائم مقامی ولی فرزند نابالغ" دائر کرتا ہے[1]؛ اور اسی شکل میں

---

[1] ضلاع بمبئی میں، ایک زمانے میں، مقدمات کا اس شکل میں دائر ہونا عام تھا، حال ہی ہائیکورٹ بمبئی نے اس طریقے کو ناپسند اور متروک کردیا ہے۔

اسے ڈگری مل جاتی ہے۔ متوفیہ کا ایک حصہ 'کھوٹی وطن' میں تھا' اس حصے میں خدیجہ کا جو "حق' استحقاق' حقیت" تھی وہ بہ تعمیل ڈگری فروخت ہو جاتی ہے۔ مشتری کو جو حق حاصل ہو جاتا ہے اس پر لڑکی اعتراض نہیں کر سکتی' اگرچہ وہ مقدمہ یا بعد کی تعمیلی کارروائی میں کوئی فریق نہ تھی: خورشید بی بی بنام کیشو ونایک ۱۸۸۶ء ۱۲ بمبئی ۱۰۱ [اس مقدمے کی تجویز میں نہ کلکتے کے مقدمات مندرجۂ بالا اور نہ ان الہ آباد کے مقدمات کا حوالہ دیا گیا تھا جو تمثیل (ھ) میں درج ہیں]۔

(ط) ایک مسلمان ایک بیوہ' ایک نابالغ بیٹا اور دو بیٹیاں چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد اس اراضی کا مرتہن جو خود متوفی نے رہن کی تھی بیٹے پر ذریعۂ ولی اور ماں کے مقابلے میں مقدمہ چلاتا' اور رہن نامے کے فقرہ 'گاہن لاہن' کی بناء پر اراضی مرہونہ کے قبضے کی استدعا کرتا ہے۔ جائداد پر بیوہ کا قبضہ ہے' یک طرفہ ڈگری اس کے خلاف صادر ہوتی ہے اور یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اراضی مرتہن کے حوالے کر دی جائے' حسبہ اراضی پر مرتہن کا قبضہ کرا دیا جاتا ہے۔ یہ ڈگری بیٹیوں کو بھی پابند کرتی ہے اگرچہ وہ فریق مقدمہ نہ تھیں' اور انھیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مرتہن یا اس کے مشتری سے اراضی انفکاک کرا سکیں: مقدمہ داوالا بنام بھیم جی ۱۸۹۵ء ۲۰ بمبئی ۳۸ ۳۔

(ظ) ایک مسلمان ایک بیوہ اور ایک لڑکی چھوڑ کر مرتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد متوفی کا ایک دائن 'زید' اپنے دین واجب الوصول کے لیے 'ہندہ' کے مقابلے میں مقدمہ دائر کر کے

۱۔ لحاظ کرو کہ اس مقدمے میں "کھوٹی" کی آمدنی کا کوئی حصہ متوفیہ کے کسی وارث کے حقیقی قبضے میں نہ تھا"۔

ہما ہو سے (۳۲۷ روپے) کی ڈگری متوفی کی جائداد پر حاصل کرتا ہے۔ ڈگری کی تعمیل میں، متوفی کا حق، استحقاق اور حقیت جو اسے ایک مکان میں حاصل تھی فروخت کی جاتی ہے اور اسے 'عمرو' خریدتا ہے۔ بعدہ لڑکی جو مقدمے میں فریق نہ تھی 'عمرو' پر مکان میں بذریعۂ تقسیم اپنا حصہ دلا پانے کا دعویٰ کرتی ہے۔ بخلاف مقدمات مندرجۂ تمثیلات (ج) و (د) قرار پایا کہ "لڑکی 'زید' کے مقدمے میں کوئی فریق نہ تھی" اس لیے اس مقدمے میں جو ڈگری ہوئی اس کی وہ پابند نہ تھی، اور فروخت سے اس کی جو حقیت مکان میں تھی وہ 'عمرو' کی طرف منتقل نہیں ہوئی، اور وہ مکان میں اپنا حصہ پانے کی مستحق ہے۔ بھاگیرتی بائی بنام روشن بی ۱۹۱۹ء ۴۳ بمبئی ۴۱۲، انڈین کیسز ۱۸۱۔ [اس مقدمے میں بیوہ جس کے مقابلے میں ڈگری حاصل کی گئی تھی کل مکان پر قابض تھی؛ دیکھو صفحہ ۴۲۷ رپورٹ سطر ۲۷-۲۸]۔

(و) متوفی مسلمان کا ایک دائن "ایک رہن نامے کی بنا پر بغرض وصول قرض بہ نفاذ حق امتناع (Lien)" متوفی کے ایک ایسے وارث کے مقابلے میں جو جائداد پر قابض ہے ڈگری حاصل کرتا ہے۔ ڈگری کی تعمیل میں تمام جائداد نیلام ہو جاتی ہے اور ڈگری دار ہی اسے خرید لیتا ہے۔ اس کے بعد متوفی کا ایک دوسرا وارث، جو مقدمے کی کارروائی میں کوئی فریق نہ تھا، ڈگری دار مشتری کے مقابلے میں اپنے حصے کا دعویٰ کرتا ہے۔ الٰہ آباد ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق، وہ اپنا حصہ پانے کا مستحق ہے، بشرطیکہ وہ بہ تناسب اپنے حصے کے متوفی کے قرض کی ادائی میں شریک ہو، اگر متوفی کا قرض جائداد کی قیمت سے ادا کر دیا گیا ہے: محمد عوض بنام ہر سہائے ۱۸۸۵ء ۷ الٰہ آباد ۱۶۹، باتباع مقدمۂ جعفری بیگم بنام امیر محمد ۱۸۸۵ء ۷ الٰہ آباد ۸۲۲۔

(س ۱) متوفی مسلمان کا ایک دائن متوفی کے ایک وارث کے مقابلے میں جو قابض جائداد ہے زر نقد کی ڈگری حاصل کرتا ہے، اور ڈگری کی تعمیل میں منجملہ اس جائداد کے بعض غیر منقولہ جائداد قرق کراتا ہے جس کی قیمت مدعی علیہ کے حصے سے زاید ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق، مدعی علیہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان وارثوں کے حق اور استفادہ کی بنا پر جو فریق مقدمہ نہ تھے اس قرقی اور فروخت پر معترض ہو، اس عذر کے ساتھ کہ وہ جائداد پر دوسرے وارثوں کے امین کی حیثیت سے قابض تھا: دلول بنام ہری داس سنہ ۱۹۰۱ء ۲۳ الہ آباد ۲۶۳۔]

دفعہ ۳۷۔ ادائے دیون کے لیے منجملہ وارثوں کے ایک وارث کا جائداد کو منتقل کرنا۔ متوفی مسلمان کے چند وارثوں میں سے کسی ایک وارث کو، اگرچہ وہ متوفی کی تمام جائداد پر قابض ہو، یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ متوفی کا دین ادا کرنے کے لیے دوسرے وارثوں کے حصے منتقل کرے۔ اگر وہ متوفی کی اس جائداد میں سے جو اس کے قبضے میں ہے، متوفی کا قرض ادا کرنے کے لیے بھی کوئی جائداد فروخت کرتا ہے، تو اس فروخت سے جائداد مذکور میں جو خود اس کی حقیت ہے صرف وہی منتقل ہو جائے گی؛ اور فروخت مذکور متوفی کے دوسرے وارثوں یا دائنین پر موثر نہ ہوگی۔[۱]

یہ رائے مدراس ہائیکورٹ کے اجلاس کامل کی ہے

جس میں ہائی کورٹ مذکور نے اپنی ہی سابق تجویز کو جو مقدمۂ فاطمہ بی

---

[۱] عبدالمجید بنام کرشنما چاریہ سنہ ۱۹۱۷ء ۴۰ مدراس ۲۴۳، انڈین کیسز ۲۱۰ [الیف - بی]۔ سکر بنام عصمت سنہ ۱۹۲۳ء ۵۰ کلکتہ ۷۸، ۹۶، ۷۹ انڈین کیسز ۱۹۴، سنہ ۲۴ اے - سی ۳۸۴۔ دیکھو غلام غوث بنام سری رام ۱۹۱۹ء ۴۳ بمبئی ۴۸۷، ۵۱ انڈین کیسز ۷۹ [فروخت نصف انفکاک ایک وارث کی طرف سے ـــ مقدمہ بغرض انفکاک دوسرے ورثا کی طرف سے میعاد۔]

بنام وغل[1] کی بھی منسوخ کیا، اور الہ آباد ہائی کورٹ کی تجویز سے جو مقدمۂ حسن علی بنام مہدی حسین ہوئی تھی اختلاف کیا[2]۔

ظاہری ملکیت کے متعلق دیکھو مقدمۂ مبارک النساء بنام محمد جو[3] ایکٹ انتقال جائداد سنہ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۴۱ کے تحت تھا۔

دفعہ ۳۸ ـ متوفی کے واجب الوصول دیون کا ذریعۂ عدالت وصول کیا جانا ـــــ کوئی عدالت کسی مسلمان متوفی کے مدیون کے خلاف یہ ڈگری صادر نہ کرے گی کہ وہ اپنے قرض کی رقم ایسے شخص کو ادا کرے جو بوجہ حق جانشینی متوفی کی جائداد یا اس کے کسی جزو کا دعویدار ہو۔ اور نہ ادائے قرض کے لیے ایسے دعویدار استحقاق کی درخواست پر مدیون مذکور کے خلاف کسی ڈگری یا حکم کی تعمیل کی کارروائی کرے گی، جب تک کہ دعویدار مذکور مفصلۂ ذیل صداقت ناموں یا اسناد میں سے کوئی صداقت نامہ یا سند نہ پیش کرے گا۔ پروبیٹ یا سند اہتمام ترکہ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ متوفی کی جائداد کا اہتمام اس کے سپرد ہوا ہے یا ایسا صداقت نامہ جو اسے اڈمنسٹریٹر جنرل کے ایکٹ سنہ ۱۹۱۳ء کی دفعات ۳۱، ۳۲ کے تحت ملا ہو اور جس میں دین کی مقدار کی صراحت ہو۔ یا ایسا صداقت نامۂ جانشینی جو وراثت ہند کے ایکٹ سنہ ۱۹۲۵ء کے حصۂ دہم کی رو سے عطا کیا گیا ہو اور جس میں مقدار قرض کی صراحت ہو۔ یا وہ صداقت نامہ جو صداقت نامۂ وراثت کے ایکٹ سنہ ۱۸۸۹ء کے تحت ملا ہو۔ یا وہ صداقت نامہ جو بمبئی کے آئین ہشتم سنہ ۱۸۲۷ء کی رو سے یکم مئی سنہ ۱۸۸۹ء کے بعد ملا ہو اور اس میں قرض کی مقدار بتائی گئی ہو۔

توضیح ـــــ اس دفعہ میں لفظ "قرض" ہر قرض پر حاوی ہے بجز اس کرایہ لگان یا منافع کے جو زراعتی زمین کی بابت واجب الادا ہو۔

---

[1] سنہ ۱۹۰۲ء ۲۶ مدراس ۷۳۴۔

[2] سنہ ۱۸۷۷ء الہ آباد ۵۳۳۔

[3] سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۳۷۷، ۷۹ انڈین کیسز ۱۷۴؛ سنہ ۲۴ اے۔ ائی۔ آر ۴۸ ۳۸۔

دفعۂ ہذا میں مضامین مندرجۂ دفعہ ۲۱۴ ایکٹ وراثت ہند ۱۹۲۵ء کا اعادہ کیا گیا ہے۔

پروبیٹ و سند اہتمام ترکہ — ایک مسلمان کی وصیت کے متعلق یہ ضرور نہیں ہے کہ وصی اپنا حق قایم کرنے کے لیے کسی عدالت سے پروبیٹ (نقل وصیت نامہ) حاصل کرے [ایکٹ وراثت ہند ۱۹۲۵ء دفعہ ۲۱۳ (۲)][1] اور نہ ایک ایسے مسلمان کے وارثوں کے لیے جس نے کوئی وصیت نامہ نہ چھوڑا ہو متوفی کی جائداد کے کسی جزو پر اپنا حق قایم کرنے کے لیے سند اہتمام ترکہ کا حاصل کرنا لازم ہے [ایکٹ وراثت ہند ۱۹۲۵ء دفعہ ۲۱۲ (۲)]۔ لیکن جب کوئی مقدمہ متوفی کے واجب الوصول قرض کے دلاپانے کے متعلق دایر کیا جائے گا تو جب تک پروبیٹ (نقل وصیت نامہ) یا سند اہتمام ترکہ یا صداقت نامہ مذکورۂ دفعہ ہذا نہ پیش ہوگا کوئی عدالت ڈگری نہ صادر کرے گی۔

وصول قرض ذریعۂ عدالت — یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ جو قاعدہ دفعۂ ہذا میں بیان ہوا ہے وہ اس صورت میں متعلق ہوتا ہے جبکہ متوفی کے واجب الوصول قرض کی نسبت چاہا جاتا ہے کہ وہ عدالت کے ذریعے سے وصول کیا جائے۔ شخص متوفی کا مدیون اپنا قرض وصی کو ادا کر سکتا ہے اگرچہ وصی نے سند اہتمام ترکہ نہ لی ہو، یا اگر متوفی بغیر وصیت کے فوت ہو گیا ہے، تو متوفی کا مدیون اپنا قرض متوفی کے ورثا کو ادا کر سکتا ہے اگرچہ انھوں نے سند اہتمام ترکہ یا صداقت نامہ نہ حاصل کیا ہو، اور اس طرح کی ادائی سے مدیون بری الذمہ ہو جائے گا۔ لیکن مدیون کا منجملہ چند وارثوں کے کسی

---

[1] ۔ ونکٹا سبما بنام رامیا ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱۱۲، ۵۵ مدراس ۴۴۳، ۱۳۶ انڈین کیسیز ۱۱۱ سنہ ۳۲

[2] ۔ پی سی ۹۲؛ شیخ موسیٰ بنام شیخ عیسیٰ ۱۸۸۴ء ۸ بمبئی ۲۴۱، ۲۵۵۔

ایک وارث کو رقم ادا کر دینا اسے تمام وارثوں کے مطالبے سے بری نہیں کر سکتا۔[1]

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب قرض کا قانونی کارروائی سے وصول کرنا مقصود ہو، تو مدعی کے لیے یہ ضرور نہیں ہے کہ اس نے دعوی دائر کرنے سے قبل پروبیٹ (نقل وصیت نامہ) یا سند اہتمام ترکہ یا صداقت نامہ حاصل کر لیا ہو۔ صرف ڈگری کے صادر ہونے سے پہلے ایسے کسی وثیقہ کا پیش کر دینا کافی ہے۔[2]

دین —— خاندان کے ایک رکن کا خاندانی جائداد میں سے اپنا حصہ پانے کے لیے دوسرے ارکان پر دعوی دائر کرنا قرض دلا پانے کا دعویٰ نہیں ہے۔[3] جو مقدمہ بابت رہن بہ استدعائے ڈگری ذاتی بمقابلہ راہن دائر کیا جائے وہ "قرض" کا مقدمہ ہے۔ اس امر میں البتہ اختلاف آرا ہے کہ آیا وہ مقدمہ جو جائداد مرہونہ کی فروخت کے لیے دائر کیا جائے وہ قرض کا مقدمہ ہے یا نہیں۔ الہ آباد کی ہائی کورٹ کی یہ رائے ہے کہ وہ قرض کا مقدمہ ہے۔[4] کلکتہ،[5] بمبئی[6] اور مدراس کی ہائی کورٹوں کی یہ رائے ہے کہ وہ قرض کا مقدمہ نہیں ہے۔

---

[1] فاطمہ بی بنام وٹھل ۲۵۵ سنہ ۱۹۰۲ء ۲۶ مدراس ۴۳۴، ۴۹، مقابلہ کرو سیتارام بنام سری دھر سنہ ۱۹۰۳ء ۲۷ بمبئی ۲۹۲ سے؛ نیز دیکھو امینسا بی بی بنام عبد القادر سنہ ۱۹۰۱ء ۲۵ مدراس ۲۶، ۳۹۔
[2] چندرا کشور بنام پرسنا کماری سنہ ۱۹۱۰ء ۳۸ کلکتہ، ۳۲۷، ۳۸ انڈین اپیلز، ۷، ۹ انڈین کیسز ۱۲۲۔
[3] شیخ موسیٰ بنام شیخ عیسیٰ سنہ ۱۸۸۴ء ۸ بمبئی ۲۴۱ و ۲۵۵۔
[4] فتح چند بنام محمد سنہ ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۲۵۹۔
[5] محمد یوسف بنام عبد الرحیم سنہ ۱۹۰۰ء ۲۶ کلکتہ ۸۳۹۔
[6] نانچند بنام ینا وا سنہ ۱۹۰۴ء ۲۸ بمبئی ۶۳۰۔
[7] پالانیاندی بنام ویرمل سنہ ۱۹۰۵ء ۲۹ مدراس ۷۷۔

دفعہ ۳۹۔ اہتمام ترکہ کے متعلق ایکٹ ـــــ ان امور میں جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اوپر نہیں ہوا ہے، ایک مسلمان متوفی کی جائداد کے اہتمام میں مفصلۂ ذیل ایکٹوں کے احکام سے اس حد تک کام لیا جاتا ہے جس حد تک کہ وہ مسلمانوں سے متعلق ہو سکتے ہیں:۔

(۱) ایکٹ وراثت ہند بابت ۱۹۲۵ء؛

(۲) اڈمنسٹریٹر جنرل ایکٹ ۱۹۱۳ء اور

(۳) آئین بمبئی ہشتم بابت ۱۸۲۷ء۔

اڈمنسٹریٹر جنرل کے ایکٹ کے وہ احکام جو مسلمانوں سے متعلق ہیں اس وقت کام میں لائے جاتے ہیں جب کہ کوئی مسلمان اپنی جائداد کلکتہ، مدراس یا بمبئی ہائیکورٹ کے معمولی ابتدائی دیوانی اختیارات کے حدود اراضی کے اندر چھوڑ کر مرجاتا ہے۔ ایسی صورت کے پیش آنے پر، عدالت کسی ایسے شخص کی درخواست پر جو جائداد میں کوئی غرض رکھتا ہو، اڈمنسٹریٹر جنرل کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ متوفی کی جائداد کے اہتمام کے لیے تحریک کرے، بشرطیکہ درخواست گزار عدالت کو اس امر کے متعلق مطمئن کر دیتا ہے کہ متوفی کی جائداد کے تحفظ کے لیے ایسی سند کا دیا جانا ضرور ہے۔ (دیکھو دفعہ ۱۰ ایکٹ مذکور اور دفعہ ۱۱)۔

فصل ششم

وراثت ـــ عام قواعد

دفعہ ۴۰۔ جائداد قابل وراثت ـــ مسلمانوں کے قانون وراثت میں منقولہ اور غیر منقولہ اور موروثی اور مکسوبہ جائدادوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

دفعہ ۴۱۔ حق پیدائش تسلیم نہیں کیا جاتا ـــ ولی عہد یا وارث قیاسی کا حق پہلی مرتبہ مورث کے فوت ہوجانے پر پیدا ہوتا ہے، اس سے قبل اسے اس جائداد میں جس کا وہ مورث کی موت کے بعد بشرط زندگی وارث ہونے والا ہے کوئی حق نہیں ہوتا۔[1]

[زید جس کا ایک بیٹا عمرو ہے، ایک شخص خالد کے نام اپنی جائداد ہبہ کردیتا ہے۔ عمرو اس بیان کے ساتھ کہ ہبہ ناجائز اثرات سے حاصل کیا گیا؛ زید کی زندگی میں خالد پر نالش دائر کرتا ہے،

[1]۔ عبدالواحد بنام نورن بی بی سنہ ۱۸۸۵ء ۱۱ کلکتہ ۵۹۷، ۱۲ انڈین اپیلز ۹۱؛ حمیدہ بنام بدلن سنہ ۱۸۷۲ء ۱۷ ویکلی رپورٹ ۵۲۵؛ حسن علی بنام نازو سنہ ۱۸۸۹ء ۱۱ الہ آباد ۴۵۶؛ عبدل بنام غلام سنہ ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۳۰۴۔

اس بنا پر کہ وہ زید کے انتقال کے بعد جائداد کا وارث ہونے والا ہے۔
ایسا مقدمہ قابل اخراج ہے۔ عمرو خالد کے مقابلے میں نالش نہیں کر سکتا؛
کیونکہ جب تک زید زندہ ہے زید کی جائداد میں عمرو کو کوئی حق
نہیں پہنچتا: حسن علی بنام نازو سنہ ۱۸۸۹ء ۱۱ الہ آباد ۵۶ ۴ و ۵۸ ۴۔ اگر
یہ مقدمہ زید کی وفات کے بعد اندرون میعاد دائر کیا جاتا تو ہبہ کی
تنسیخ کا امکان تھا: قرۃ العین بنام نزہت الدولہ سنہ ۱۹۰۵ء ۳۳ کلکتہ
۱۱۶، ۳۲ انڈین اپیلز ۲۴۴۔]

جس حق کا عمرو تمثیل بالا میں دعوے دار ہے وہ محض
(Spes successionis) یعنی امید وراثت زید ہے، بشرطیکہ
وہ زید کے مرجانے کے بعد زندہ رہے۔[1] شرع اسلام میں امید وراثت
کا حق جو کسی شخص کے مرنے کے بعد پیدا ہونے والا ہو، تسلیم نہیں کیا جاتا
اور جب تک مورث کی موت واقع نہیں ہوتی، جو حسب قواعد
وراثت، شخص مستحق میں وارث ہونے کا حق پیدا کرتی ہے۔
ایسے کسی قسم کا حق حاصل نہیں ہوتا۔[2]

دفعہ ۴۲۔ اصول قائم مقامی — سنیوں کے اصول کے مطابق ولی عہد کا حق وراثت آئندہ توریث کے ذریعے سے ولی عہد کے وارث کی طرف نہیں منتقل ہوتا، اور نہ وہ وصیت کے ذریعے سے موہوب لہ کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔[3] شیعوں کے اصول کے مطابق، وہ توریث کے ذریعے سے ان صورتوں میں منتقل ہو سکتا ہے جن کی صراحت آئندہ دفعہ ۸۰ میں کی گئی ہے۔

[زید ایک سنی مسلمان کے دو بیٹے 'عمرو اور خالد' ہیں۔ عمرو زید
کی زندگی میں ایک بیٹا 'بکر' چھوڑ کر مرجاتا ہے۔ اس کے بعد زید

---

[1] عبدل بنام غلام سنہ ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۳۰۴۔
[2] حسن علی بنام نازو سنہ ۱۸۸۹ء ۱۱ الہ آباد ۴۵۶ و ۵۸ ۴۔
[3] عبدالواحد بنام نوران بی بی سنہ ۱۸۸۵ء ۱۱ کلکتہ ۵۹۷ و ۶۰۷، ۱۲ انڈین اپیلز ۹۱۔ میکناٹن صفحہ ۱ دفعہ ۹۔

ایک بیٹا خالد، اور ایک پوتا بکر، چھوڑ کر مرتا ہے۔ زید کی کل جائداد خالد پائے گا اور بکر بالکل محروم رہے گا۔ بکر یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اسے عمرو کا حصہ عمرو کے قائم مقام کی حیثیت سے ملنا چاہیئے:

ملا قاسم بنام ملا عبدل سنہ ۱۹۰۵ء ۳۳ کلکتہ ۱۷۳، ۳۲ انڈین اپیلز ۱۷۷۔]

مقدمۂ مذکورۂ بالا میں معزز ججان پریوی کونسل نے یہ رائے ظاہر کی: کہ "شرع اسلام کا یہ مشہور اور معروف اصول ہے کہ اگر کسی شخص کا بیٹا اولاد چھوڑ کر، اس شخص کی جائداد میں وراثت کا عمل شروع ہونے کے قبل (یعنی مورث کی حین حیات) فوت ہوجاتا ہے، تو پوتے اپنے چچاؤں اور پھپیوں کی موجودگی میں محجوب الارث ہوجاتے ہیں"

مقدمۂ مذکورۂ بالا میں، عمرو نے اس جائداد کا ایک جز جو اسے زید سے ملنے والا تھا ذریعۂ وصیت نامہ عامر کے نام منتقل کردیا عامر کو کچھ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ "محض امکان (جیسے وارث کی امید وراثت)، توریث یا ہبہ وغیرہ سے اس وقت تک کہ موجودہ مالک کی وفات سے وہ 'حق' حقیقی طور سے وجود میں نہ آجائے، منتقل نہیں ہوسکتا[1]۔"

دفعہ ۴۳۔ انتقال امید وراثت: وراثت پانے کے امکانی حق سے دست برداری ــــ مسلمان وارث کو جائداد پانے کا جو امکانی حق ہوتا ہے اسے وہ بطریق جائز منتقل نہیں کرسکتا اور نہ اس سے دست بردار ہوسکتا ہے[2]۔

---

[1] عبدالواحد بنام نورن بی بی سنہ ۱۸۸۵ء ۱۱ کلکتہ ۵۹۷، ۱۲ انڈین اپیلز ۹۱۔

[2] خانم جان بنام جان بی بی سنہ ۱۸۲۷ء ۴ بنگال ایس۔ ڈی۔ اے۔ ۲۱؛ شمس الدین بنام عبدالحسین سنہ ۱۹۰۶ء ۳۱ بمبئی ۱۶۵؛ اسابیری بنام کرویان سنہ ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۳۶۵، ۴۴ انڈین کیسز ۳۵، جس میں مقدمۂ کنہی بنام کنہی سنہ ۱۸۹۶ء مدراس ۱۷۶ سے اختلاف کیا گیا ہے۔ نیز دیکھو حرمت النسا بیگم بنام اللہ دیا خاں سنہ ۱۸۷۱ء

تمثیلات

[زید کا ایک بیٹا عمرو اور ایک بیٹی ہندہ ہے۔ زید ہندہ کو ایک ہزار روپیہ دے کر اس کے معاوضے میں ایک تحریر اس مضمون کی لکھوا لیتا ہے، کہ اسے زید کی جائداد کی وراثت میں کوئی حق نہ رہے گا۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہو جاتا ہے، اور ہندہ، عمرو کے مقابلے میں زید کی ایک تہائی جائداد کا دعویٰ کرتی ہے۔ عمرو جواب دہی میں ہندہ کی وہ تحریر دست برداری پیش کرتا ہے جو اس نے اپنے باپ کو لکھ دی تھی۔ یہ تحریر مقدمے میں جواب دہی کے لیے ناکافی ہے، اور ہندہ اپنا حصہ پانے کی مستحق ہے، کیونکہ جو کچھ اس نے منتقل کیا تھا، وہ "امید وراثت" سے زیادہ نہ تھا، اور اس حیثیت سے وہ ناقابل نفاذ تھا۔ مگر جو کچھ اسے باپ سے ملا تھا وہ اسے حساب میں لانا پڑے گا: شمس الدین بنام عبدالحسین سنہ ۱۹۰۶ء ۳۱ بمبئی ۱۶۵، بانو بیگم بنام میر عبدالعلی سنہ ۱۹۰۸ء ۳۲ بمبئی ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۵۔]

شرع اسلام کا یہ قاعدہ کہ وارث اپنے حق وراثت سے دست بردار نہیں ہو سکتا اس قاعدہ سے مختلف نہیں ہے جو انتقال جائداد کے ایکٹ سنہ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۶ (الف) میں بتایا گیا ہے۔ دفعہ مذکور میں یہ حکم ہے کہ "یہ امکان کہ کوئی ولی عہد کوئی جائداد وراثتہً پائے، یا یہ امکان کہ کوئی رشتہ دار کسی قرابت دار کی وفات پر کوئی موہوبہ شے پائے، یا اس قسم کی کوئی اور شے جو محض ممکن الوقوع ہے، قابل انتقال نہیں۔"

ایک شوہر کچھ جائداد غیر منقولہ بعوض مہر اپنی بیوی کو دیتا ہے، اور اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ بیوی کے مرنے کے بعد وہ بحیثیت

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ ۱۷ ویکلی رپورٹ ۱۰۸ [پی-سی]

اس کے وارث کے جائداد مذکور میں سے کسی حصے کا دعویٰ نہ کرے گا۔
کیا یہ اقرار جائز اور قابل نفاذ ہے؟ الہ آباد ہائیکورٹ کی یہ رائے
ہے کہ شوہر پر ایسے اقرار کی پابندی لازم ہے۔[۱]

دفعہ ۴۴۔ حقیت حین حیاتی (Life estate) اور بقیہ حقیت بعد ختم حق خاص (Vested remainders) —— (۱) سنیوں کا اصول ہبہ۔
سنیوں کے اصول کے مطابق "عمریٰ یا حین حیاتی ہبہ، ہبہ اور شرط کے سوائے کچھ اور نہیں ہے؛ شرط ناقابل نفاذ ہے، اور ناقابل نفاذ شرط کے لگا دینے سے ہبہ ناجائز نہیں ہو جاتا" (ہدایہ ۴۸۹)۔ اس لیے اگر ایک سنی مسلمان اپنی جائداد 'زید' کو اس کی حین حیات تک کے لیے ہبہ کرے، تو یہ شرط کہ 'زید' صرف اس کی آمدنی سے اپنی زندگی تک مستفید ہوتا رہے گا باطل ہے؛ اور جائداد کی قطعی حقیت 'زید' کو حاصل ہو جائے گی گویا اس کے ساتھ کوئی اور شرط نہیں لگائی گئی تھی۔ اسی طرح، اگر ایک جائداد 'زید' کے لیے اس کی حین حیات کے واسطے، اور اس کے فوت ہو جانے کے بعد 'عمرو' کے لیے ہبہ کی جائے تو وہ قانونی لحاظ سے 'زید' کے حق میں قطعی ہبہ متصور ہوگی، اور 'عمرو' کو اس ہبہ سے کچھ نہ ملے گا [تمثیل (الف)]۔ دیکھو دفعہ ۱۳۸ آئندہ۔

(۲) **خاندانی تملیک** —— ارکان خاندان کی باہمی تملیک (یعنی جائداد کے آئندہ تصرف اور ایک دوسرے کو پہنچنے کی قرارداد) سے حین حیاتی حقیت قائم ہو سکتی ہے، خواہ وہ قرارداد نزاع کے آغاز سے پہلے ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن حین حیاتی حقیت کا قائم کرنا مسلمانوں کے عام دستور کے مطابق نہیں ہے، اس لیے ایسی غیر معمولی قرارداد کا بین ثبوت ہونا چاہیئے" [تمثیل (ب) اور (ج)]۔ ایسی قرارداد بلحاظ اپنی نوعیت کے معاملۂ بالبدل کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس لیے اس میں اور خالص ہبہ میں جس کا ذکر دفعۂ ہذا کے ضمن (۱) میں کیا گیا ہے امتیاز کیا جانا ضرور ہے۔

---

[۱] نثار الحق بنام فیاض الرحمان ۱۹۱۱ء ۳۳ الہ آباد ۴۵، ۹ انڈین کیسز ۵۳۰۔

(۳) **ہبہ بالعوض** ـــ جو قاعدہ دفعۂ ہذا کے ضمن (۱) میں بیان کیا گیا ہے وہ ہبہ بالعوض سے متعلق نہیں ہے [تمثیل (د)]۔ ہبہ بالعوض کے لیے دیکھو دفعہ ۱۴۱ آئندہ۔

(۴) **شیعوں کا اصول** ـــ شیعوں کے اصول کے مطابق حین حیاتی حقیت اور بقیہ حقیت بعد ختم حق خاص قائم ہو سکتی ہے [تمثیل (ھ)]۔

(۵) **وقف** ـــ سنیوں اور شیعوں دونوں کے اصول سے وقف کے ذریعے سے حین حیاتی حقیت قائم ہو سکتی ہے: دیکھو دفعہ ۱۶۰۔

نوٹ۔ انگلستان کے قانون کے مطابق، جب کوئی جائداد الف کو اس کی زندگی کے لیے اور اس کے بعد ب کو دی جائے تو الف کو حین حیاتی حقیت اور ب کو بقیہ حقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ ب کی حقیت حاصل شدہ حقیت ہوتی ہے، اس لیے وہ اسے بحالت زندگی یا ذریعۂ وصیت کسی کے نام منتقل کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ اگر وہ بلا وصیت فوت ہو جائے گا تو اس کی حقیت اس کے وارثوں کو پہنچے گی، اگرچہ وہ خود الف سے قبل ہی فوت ہو جائے۔ حسب رائے چیف جسٹس جنکنس و جسٹس ہیٹن بمقدمۂ بانو بیگم مندرجۂ تمثیل (ھ) یہی اصول اہل تشیع کا ہے۔ مگر جسٹس ہیوین نے، دوسرے دو مقدمات میں یہ رائے ظاہر کی کہ بانو بیگم کے مقدمے میں جس عربی عبارت سے استدلال کیا گیا ہے اس سے وہ نتیجہ نہیں نکلتا جو مقدمۂ مذکور میں نکالا گیا ہے؛ اور یہ کہ حین حیاتی اور بقیہ حقیت کے مسئلے سے اہل سنت وجماعت کی فقہ کی طرح اہل تشیع کی فقہ بھی ناآشنا ہے۔[۱]

تمثیلات

(الف)۔ زید اپنا گھر عمرو کو اس کی حین حیات کے لیے اور

---

[۱] جینا بائی بنام ستھنا س ۱۹۱۰ء ۳۴ بمبئی ۶۰۴ و ۶۱۲ ـــ ۶۱۳، ۶ انڈین کیسز ۵۱۳؛ قاسم علی بنام کریم بھائی

اس کی موت کے بعد خالد کو ہبہ کرتا ہے۔ سنیوں کے اصول کے مطابق عمرو کو قطعی حقیت اس مکان میں حاصل ہو جاتی ہے۔ شیعوں کے اصول کے مطابق، عمرو کو حین حیاتی اور خالد کو بقیہ حقیت حاصل ہوتی ہے: دیکھو تمثیل (ھ) آئندہ۔

(ب) پریوی کونسل کا پہلا مقدمہ جس میں سنیوں کے اصول کے مطابق حین حیاتی حقیت کے جواز کا مسئلہ پیش آیا حمیدہ بیگم بنام بدلن ۱۸۷۲ء ۱۷ ویکلی رپورٹ ۵۲۵ تھا۔ اس مقدمے میں ماں اور بیٹے میں ایک قرارداد ہوئی تھی۔ ہائی کورٹ نے تجویز کی تھی کہ اس قرارداد کا نتیجہ یہ ہے کہ ماں کو اس کی زندگی تک ایک مخصوص حقیت حاصل رہے گی، اور اس کے فوت ہو جانے کے بعد وہ حقیت بطور بقیہ حقیت کے بیٹے کو پہنچے گی۔ مگر اس تجویز کو پریوی کونسل نے مرافعے میں منسوخ کر دیا۔ ہائی کورٹ کی تجویز کے متعلق ججان پریوی کونسل نے یہ خیال ظاہر کیا: کہ "ایسی حین حیاتی حقیت کا قیام مسلمانوں کے عام دستور کے مطابق نہیں ہے، اس لیے ایسی غیر معمولی قرارداد کا بین ثبوت ہونا چاہیے۔" کونسل مذکور نے اسی کا اتباع مقدمۂ عبدالواحد بنام نورن بی بی ۱۸۸۵ء ۱۱ کلکتہ ۵۹۷، ۱۲ انڈین کیسز ۹۱، میں کیا جس کے واقعات مقدمۂ سابق کے واقعات کے تقریباً مماثل تھے۔ اس مقدمے میں ججان پریوی کونسل نے کہا: کہ "ایسی حقیت (یعنی، حقیت بعد ختم حق خاص) فقہ اسلام میں قابل تسلیم نہیں معلوم ہوتی۔" اور نیز یہ، کہ یہ تسلیم کرنا، کہ اس قرارداد سے بیٹے کو ایسی حقیت حاصل ہو گئی جو ماں کی زندگی میں بیٹے کے مرنے کے بعد بیٹے کے وارثوں کو پہنچے، فقہ اسلام کے خلاف ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: ۱۹۱۱ء ۳۶ بمبئی ۲۱۴ و ۲۵۳ — ۲۵۴، ۱۲ انڈین کیسز ۲۲۵۔

(ج) ایک حنفی مسلمان نے ایک وصیت نامہ اس مضمون کا لکھا کہ میرے مرنے کے بعد میری بیوی جائداد مندرجۂ وصیت نامہ کی مالک ہوگی، مگر وہ اسے منتقل نہ کر سکے گی، اور اس کے مرنے کے بعد تمام جائداد میرے بھتیجوں کو پہنچے گی۔ اسی دن اس نے ایک اور تحریر لکھی جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ اپنی زندگی تک جائداد پر قابض رہے گا۔ اس واقعے کے تقریباً گیارہ سال کے بعد، اس نے ایک اور دستاویز تحریر کی جس میں، وصیت نامہ اور تحریر مذکور کا حوالہ، اور حسب ذیل مضمون تھا: "چونکہ میری یہ خواہش ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری بیوی کو تمام جائداد پر قبضہ حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے، اس لیے میں اس دستاویز کے ذریعے سے اپنی تمام جائداد مندرجۂ ذیل اس شرط کے ساتھ اس کے حق میں بلا معاوضہ ہبہ کرتا ہوں، کہ منجملہ تمام جائداد کے پانچ ہزار کی قیمت کے حصے اس کے قبضے میں اس طور سے رہیں گے کہ وہ انھیں حسب مرضی خود ذریعۂ رہن، بیع یا ہبہ، منتقل کر سکے گی، اور بقیہ دس ہزار قیمت کے حصص کے متعلق اسے کوئی حق انتقال نہ ہوگا، بلکہ صرف اپنی زندگی تک ان پر قابض رہے گی موہوب لہا کی موت کے بعد تمام جائداد جو اس دستاویز کی رو سے اسے دی گئی ہے، میرے قرابت داروں یعنی. . . کی طرف منتقل ہوگی، اور میرے وہ وارث کامل اختیارات کے ساتھ جائداد کے مالک ہوں گے؛ اور موہوب لہا کے وارثوں کو اس میں کوئی حق نہ ہوگا۔ موہوب لہا اور میرے وارثوں نے اس پر رضا مندی کا اظہار کیا ہے اور اس سے متفق ہیں۔ میں نے جائداد موہوبہ پر موہوب لہا کو قابض کر دیا ہے۔" سبارڈینیٹ جج نے تجویز کی کہ یہ دستاویز ایک قسم کی خاندانی قرارداد ہے، اور اس لحاظ سے زوجہ کو جائداد کی صرف ایک تہائی پر قطعی حقیت حاصل ہوگی۔

مرافعہ ہونے پر، مسٹر وزیر حسن جوڈیشل کمشنر نے یہ رائے قائم کی کہ یہ معاملہ بالبدل ہے، اور زوجہ کو جائداد پر حین حیاتی حقیت حاصل ہے، اور منجملہ جائداد کے ایک تہائی کو وہ منتقل کر سکتی ہے۔ پریوی کونسل کے مرافعے میں ججوں کی یہ رائے ہوئی کہ دستاویز سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ واہب کا منشا یہ تھا کہ وہ جائداد میں حین حیاتی حقیت عطا کرے، اور جائداد کی ایک تہائی کے متعلق موہوب لہا کو انتقال کا حق دے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور امور مندرجۂ دستاویز کی بنا پر یہ فیصلہ کیا کہ "جس نتیجہ پر مسٹر وزیر حسن پہنچے ہیں وہ صحیح ہے۔" امجد خاں بنام اشرف خاں ۱۹۲۹ء ۵۶ انڈین کیسز ۲۱۳، ۴ لکھنو ۳۰۵، ۱۱۶ انڈین کیسز ۴۰۵، ۱۹۲۹ء اے پی سی ۱۴۹۔

(د) ایک سنی مسلمان نے ایک جائداد کا "مقرری" پٹہ ایک روپیہ سالانہ پر اپنی زوجہ ثانی کو اس شرط کے ساتھ دیا کہ اگر وہ لاولد مر جائے گی تو وہ اس کی زوجہ متوفیہ کے بیٹے کے نام منتقل ہو جائے گا۔ زوجۂ ثانی کے کوئی اولاد تھی۔ پٹہ دہندہ کی زندگی ہی میں ایک ڈگری دار نے زوجۂ متوفیہ کے بیٹے کے اس حق کو جو ذریعۂ دستاویز دیا گیا تھا قرق کرالیا، اور پٹہ دہندہ کی وفات کے بعد بیٹے کی حقیت فروخت ہو گئی۔ سوال یہ پیش آیا کہ جو حقیت بیٹے کو ذریعۂ دستاویز دی گئی تھی وہ قرق ہو سکتی تھی یا نہیں۔ پریوی کونسل نے یہ تصفیہ کیا کہ بیٹے کو ذریعۂ دستاویز ایک متعین حقیت ملی تھی جو مثل اس حقیت کے تھی جسے انگلستان کے قانون میں بقیہ حقیت بعد ختم حق خاص، (Vested remainder کہتے ہیں اور صرف پٹہ دہندہ کی زوجۂ ثانی کے بطن سے بیٹا پیدا ہونے کی صورت میں زائل ہو سکتی تھی، اور چونکہ وہ محض امید، یا محض مشروط یا امکانی حق نہ تھا، اس لیے وہ تعمیل ڈگری میں قرق اور فروخت

ہو سکتا تھا۔ شرع اسلام کے اصول کا نہ وکیل کی بحث اور نہ عدالت کی تجویز میں کوئی حوالہ دیا گیا۔ یہ مقدمہ، ہبہ بالعوض کا معلوم ہوتا ہے' عوض وہ لگان تھا جو موہوب لہ سے واجب الادا قرار پایا تھا: ایس چندر سرکار بنام ظہور فاطمہ سنہ ۱۸۹۰ء ۱۷ انڈین اپیلز ۲۰۱۔

(۵) ایک مقدمے میں جس میں فریقین شیعہ مسلمان تھے، برضامندی اس مضمون کی ڈگری صادر ہوئی تھی کہ ایک مکان پر ہندہ' تا حین حیات قابض اور متصرف رہے' اور اس کے مرنے کے بعد مکان مذکور فروخت کر دیا جائے اور جو قیمت آئے وہ ہندہ کے سوتیلے بیٹوں میں تقسیم ہو جائے۔ تجویز ہوئی کہ 'ہندہ' کی حقیت حین حیاتی تھی' اور اس کے سوتیلے بیٹوں کی متعین حقیت تھی مثل اس حقیت کے جو انگلستان کے قانون میں 'بقیہ حقیت بعد ختم حقیت خاص' کے نام سے موسوم کی جاتی ہے: بانو بیگم بنام میر عبد علی سنہ ۱۹۰۸ء ۳۲ بمبئی ۱۷۲؛ سراج حسین بنام مشاف حسین (۹) سنہ ۱۹۲۱ء ۲ اودھ کیسز ۳۲۱' ۴۹ انڈین کیسز ۸۰۵۔ یہ سوال کہ 'بقیہ حقیت بعد ختم حقیت خاص' کا جواز شیعوں کی شرع میں تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں' مقدمہ محمد رضا بنام عباس باندی بی بی سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۳۶' ۱۳۷ انڈین کیسز ۳۲۱' ۳۲ اے۔ پی سی ۱۳۸ میں پیش آیا' مگر اس کا کوئی تصفیہ نہ ہوا' کیونکہ اس مقدمے میں جس دستاویز کی تعبیر کرنی تھی وہ ایک صلح نامہ تھا' اور اس لیے بالبدل تھا۔

دفعہ ۵۴۔ وراثت محصلہ (VESTED INHERITENCE)

وراثتِ محصلہ' وہ حصہ ہے جو وارث کو مورث کے انتقال کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر تقسیم سے پہلے' وارث کا انتقال ہو جائے تو وراثت کا وہ حصہ جو اسے حاصل ہو چکا ہے ان لوگوں کی طرف منتقل ہو جائے گا جو مرنے کے وقت اس کے

وارث ہیں۔ اس لحاظ سے حصص کا ہر موت پر تعین کرنا ہوتا ہے۔[۱] دیکھو دفعہ ۳۱ گزشتہ۔

[زید ایک لڑکا 'عمرو' اور ایک لڑکی 'ہندہ' چھوڑ کر مر جاتا ہے۔
قبل تقسیم جائداد عمرو بھی ایک لڑکا 'خالد' چھوڑ کر مرتا ہے۔ اس صورت میں 'زید' کے مرنے پر' دو تہائی ترکہ 'عمرو' کو اور ایک تہائی 'ہندہ' کو پہنچتا ہے۔ 'عمرو' کی موت کے بعد زید کے ترکے کی تقسیم کے وقت' دو تہائی جو عمرو کو پہنچتا تھا' وہ اس کے بیٹے 'خالد' کو ملنا چاہیے۔]

دیکھو میگناٹن صفحہ ۲۷ دفعہ ۹۶؛ ریمزے کا قانون وراثت اہل اسلام فصل ۹؛ ریمزے کی سراجیہ ۴۳-۴۴۔

دفعہ ۴۶۔ خاندان مشترکہ اور خاندان مشترکہ کا کاروبار۔—(۱) جب مسلمانوں کے کسی خاندان کے ارکان مل کر رہتے ہیں، تو ان پر خاندان مشترکہ کا ان معنوں میں اطلاق نہیں ہوتا جن معنوں میں یہ اصطلاح دھرم شاستر میں استعمال کی جاتی ہے۔[۲] مزید براں، شرع اسلام میں، دھرم شاستر کی طرح یہ قیاس نہیں کیا جاتا کہ ایسے خاندان کے ارکان جو ایک جگہ رہتے سہتے اور کھاتے پیتے ہیں وہ جو کچھ کماتے یا حاصل کرتے ہیں وہ خاندان کے نفع کے لیے ہوتا ہے۔[۳] لیکن اگر خاندان کی یکجائی کے زمانے میں، منتظم خاندان کے نام سے جائدادیں لی جاتی ہیں، اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان پر سب ارکان خاندان کا مشترکہ قبضہ تھا، تو یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ جائدادیں

---

[۱] مساۃ جوائی بنام حسین بخش سنہ ۱۹۲۲ء ۳ لاہور ۸۰، ۶۷ انڈین کیسز ۱۵۴، سنہ ۲۲ الہ آباد لا رپورٹ ۲۹۸۔

[۲] حاکم خاں بنام گل خاں سنہ ۱۸۸۲ء ۸ کلکتہ ۸۲۶؛ صدرۃ النسا بنام ماجدہ خاتون سنہ ۱۸۷۸ء ۳ کلکتہ ۶۹۴، عبد الاحد بنام محمد مکمل سنہ ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۵۶۲؛ عبد القادر بنام چیتیمبرم سنہ ۱۹۰۸ء ۳۲ مدراس ۲۷۶؛ عبد الصمد بنام بی بی جان سنہ ۱۹۲۵ء ۴۹ مدراس لا جرنل ۶۷۵، ۹۱ انڈین کیسز ۶۱۸، سنہ ۲۵ اے۔ ایم ۱۱۴۹۔

[۳] عبد القادر بنام باپو بھائی سنہ ۱۸۹۸ء ۲۳ بمبئی ۱۸۸؛ محمد امین بنام حسن سنہ ۱۹۰۶ء ۳۱ بمبئی ۱۴۳؛ مجی الدین بدنی بنام سید میر سنہ ۱۹۱۵ء ۳۸ مدراس ۱۰۹۹، ۱۱۰۱؛ ۳۲ انڈین کیسز ۱۰۰۲، نیز دیکھو آصف احمد بنام ابراہیم جی سنہ ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۵۸۸ و ۶۱۲ — ۶۱۳، ۴۱ انڈین کیسز ۶۷۱۔

خاندان کی ہیں، نہ کہ تنہا خاندان کے اس رکن کی جس کے نام پر وہ ہیں[۱]۔

(۲) اگر ایک مسلمان کے مرجانے کے بعد اس کے بالغ فرزند اپنے باپ کا کاروبار جاری رکھتے، اور اس کاروبار میں اسی کی بضاعت سے کام لیتے ہیں، تو متوفی کے دوسرے وارثوں کے ساتھ ان کے تعلقات امینانہ متصور ہوں گے، اور اس حیثیت سے اس کاروبار میں انھیں جو منافع ہوگا اس کے حساب دینے کے مستوجب قرار پائیں گے[۲]۔ اگر بیٹوں کے فوت ہوجانے کے بعد ان کے بیٹے یا دوسرے وارث کاروبار جاری رکھیں گے، تو وہ بھی اسی طرح حساب دینے کے ذمہ دار ہوں گے[۳]۔

(۳) مسلمان خاندان کے ارکان جو بشراکت کاروبار کرتے ہیں، وہ اس معنی میں "خاندان مشترکہ کا تجارتی کارخانہ" نہیں قائم کرتے جس معنی میں یہ اصطلاح دھرم شاستر میں مستعمل ہوئی ہے کہ اس پر وہ تمام قانونی عوارض عائد ہوسکیں جو ایسے کارخانوں پر عائد ہوتے ہیں[۴]۔

دفعہ ۴۷۔ قتل انسان —— (۱) سنیوں کے اصول کے مطابق ایک شخص جو دوسرے شخص کی موت کا باعث ہوتا ہے، خواہ بالارادہ ہو، یا خطا، یا غفلت، یا سوء اتفاق، سے وہ شخص مقتول کی وراثت سے محروم ہوجاتا ہے۔

(۲) شیعوں کے اصول سے قتل مانع ارث نہیں ہے جب تک کہ وہ قتل بالارادہ نہ ہو۔

ریمزے کی سراجیہ ۱۴؛ بیلی حصہ دوم ۲۶۶ و ۲۶۹۔

موانع ارث —— سراجیہ میں حسب ذیل چار موانع ارث بیان کئے گئے ہیں: یعنی، (۱) قتل (۲) غلامی (۳) اختلاف مذہب

---

[۱] امین الدین بنام تاج الدین ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۱۴۵، ۱۳۸ انڈین کیسز ۶۱۷، ۱۹۳۲ء اے۔ سی ۵۳۸۔

[۲] سوداگر بنام سوداگر ۱۹۳۱ء ۵۴ مدراس ۳۴۲، ۱۳۵ انڈین کیسز ۲۵۷، ۱۹۳۱ء اے۔ ایم ۵۵۳۔

[۳] شکر اللہ بنام مساۃ زہرہ ۱۹۳۲ء اے۔ اے ۵۱۲۔

[۴] ملاحظہ ہو سلیمہ بی بی بنام حافظ محمد ۱۹۲۶ء ۵۴ کلکتہ ۶۰۸، ۱۰۴ انڈین کیسز ۸۳۳، ۱۹۲۷ء اے۔ سی ۸۳۶۔

(۴) اختلاف اتباع۔ قتل کے مانع ارث ہونے کی بحث دفعۂ ہذا میں ہو چکی ہے؛ دوسرا مانع، ایکٹ نشان ۵ سنہ ۱۸۴۳ء کی رو سے جس نے غلامی کے طریقے کو مسدود کر دیا رفع ہو گیا؛ اور تیسرا، ایکٹ نشان ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء سے جو ایسے ہر قانون یا رواج کے اس قدر جزو کو منسوخ کرتا ہے جو تبدیل مذہب کی وجہ سے کسی شخص کے حق وراثت پر موثر ہو۔ اختلاف اتباع کا مانع، مسلمانوں کی اعلیٰ حکومت کے نہ باقی رہنے سے خود بخود دور ہو گیا۔

جو شخص مذکورۂ بالا موانع میں سے کسی ایک مانع کی وجہ سے ناقابل ارث قرار پاتا ہے وہ غیر موجود سمجھا جاتا ہے، اور جائداد حسب تقسیم کر دی جاتی ہے۔ لیکن ایسا شخص دوسرے کو محروم الارث نہیں کرتا (۲۷-۲۸ سراجیہ)۔ مثلاً اگر "زید" ایک بیٹا "عمرو" اور ایک پوتا "خالد ابن عمرو" اور ایک بھائی "بکر" چھوڑ کر مر جائے، اور "عمرو" اس کی موت کا باعث ہوا ہو، تو "عمرو" اس کے ورثے سے بالکل محروم رہے گا۔ لیکن وہ اپنے بیٹے خالد کا حاجب نہ ہوگا۔ تقسیم وراثت میں یہ سمجھا جائے گا کہ "عمرو" فوت ہو گیا ہے، اور اس لحاظ سے "خالد" تمام جائداد کا وارث قرار پائے گا، کیونکہ "بکر" وارث بعید ہے۔

دفعہ ۴۷۔ الف۔ بیٹیوں کا رواج یا قانون وراثت کی وجہ سے محروم رہنا — جن صورتوں میں بیٹیاں رواج[1] یا کسی قانون[2] کے ذریعے سے محروم الارث رہتی ہیں، ان میں ان کا وجود ہی تسلیم نہ کیا جانا چاہئے، اور دوسرے وارثوں کے حصص اس طریقے پر متعین کئے جائیں جیسے بیٹیوں کے نہ موجود ہونے کی صورت میں متعین کئے جاتے۔

---

[1] محمد کامل بنام امتیاز فاطمہ سنہ ۱۹۰۸ء ۳۶ انڈین اپیلز ۲۱۰۔

[2] امینہ بی بنام اپا صاحب سنہ ۱۹۳۱ء ۵۵ بمبئی ۱۰۴، ۱۳۶ انڈین کیسز ۸۹۲ سنہ ۱۹۳۱ء اے۔ بی ۲۶۶۔

بمبئی کا وطن ایکٹ ۱۸۸۶ء ـــــ اگر ایک مسلمان وطن دار ایک بیوہ، اور ایک بیٹی، اور ایک چچا چھوڑ کر مرجائے، تو لڑکی کو از روئے ایکٹ مذکور وطن کی اراضی میں سے کچھ نہ ملے گا، وہ سلسلۂ توریث میں معطل چھوڑ دی جائیگی۔ اراضی بیوہ اور چچا میں قابل تقسیم ہوگی، گویا کہ بیٹی کا وجود ہی نہ تھا۔ بیوہ کو اراضی کا ۱/۴، اور چچا کو ۳/۴ حصہ ملے گا۔ بیوہ کی حقیت حین حیاتی ہوگی۔ اگر بیٹی محروم نہ ہوجاتی، تو اسے ۱/۲، بیوہ کو ۱/۸، اور چچا کو ۳/۸ ملتا۔ شرع اسلام کا جو قاعدہ نوٹ زیر تمثیل (ھ) دفعہ (۵۰) میں بیان ہوا ہے وہ اس صورت سے متعلق نہیں ہوتا۔

حنفی قانون وراثت

مستند کتب: سراجیہ اور شریفیہ ۔۔۔۔۔ حنفی قانون وراثت کی مستند کتابیں سراجیہ اور شریفیہ ہیں۔ سراجیہ کے مولف شیخ سراج الدین اور شریفیہ کے مولف، جو سراجیہ کی شرح ہے، سید شریف ہیں۔ اس فصل اور بعد کی فصلوں میں سراجیہ کا حوالہ جابجا دیا گیا ہے اور صفحوں کا حوالہ سر ولیم جونس کے اس ترجمے کا ہے جس کی تدوین مسٹر ریمز ڈ نے کی ہے کیونکہ یہی ایڈیشن بآسانی دستیاب ہو سکتی ہے۔ نیز دیکھو سیل کا ترجمہ قرآن مجید صفحات ۶۰، ۶۱ اور ۸۰۔

الف۔ وارثوں کی تین قسمیں

دفعہ ۴۸۔ وارثوں کے اقسام ۔۔۔۔۔ وارث تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) ذوی الفروض (۲) عصبات (۳) ذوی الارحام۔

(۱) ذوی الفروض، وہ ہیں جو وراثت میں ایک مقررہ یا معین حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہیں۔

(۲) عصبات، وہ ہیں جو کوئی معین حصہ نہیں پاتے، بلکہ ذوی الفروض کے حصوں کے دینے کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے وہ ان کو ملتا ہے۔

(۳) ذوی الارحام، وہ تمام نسلی قرابت دار ہیں جو نہ ذوی الفروض میں داخل ہوتے ہیں اور نہ عصبات میں[1]۔

سراجیہ ۱۲-۱۳- ایک مسلمان متوفی کی متروکہ جائداد، مصارف تجہیز و تکفین، دیون اور وصیتی ہبہ جات کے ادا کرنے کے بعد، سب سے پہلے ذوی الفروض میں ان کے معین اور مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم ہونی چاہئے۔ اس کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو وہ ایسے عصبات کو دی جائے جو اس کے مستحق ہوں۔ ذوی الفروض اور عصبات کے نہ موجود ہونے کی صورت میں ترکہ ایسے ذوی الارحام میں تقسیم ہوگا جو اس کے مستحق ہوں گے۔ ذوی الفروض اور عصبات کی موجودگی میں ذوی الارحام کو ترکے میں سے کچھ نہ ملے گا۔ البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں ذوی الارحام کو ذوی الفروض کے ساتھ ترکہ ملتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ذوی الفروض متوفی یا متوفیہ کی زوجہ یا زوج ہو۔ بناءً علیہ اگر ایک مسلمان ایک زوجہ اور ذوی الارحام کو چھوڑ کر مرجاتا ہے، تو زوجہ بحیثیت ذی فرض کے ترکے کا $\frac{1}{4}$ پائے گی اور بقیہ $\frac{3}{4}$ ذوی الارحام کو ملے گا۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان عورت زوج اور ذوی الارحام چھوڑ کر مرے گی، تو شوہر کو بحیثیت ذی فرض کے $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{2}$ ذوی الارحام کو ملے گا۔ ایک صاف اور سادی صورت اور لیجئے: زید ایک ماں، ایک بیٹا اور ایک نواسہ چھوڑ کر مرتا ہے، ماں بحیثیت ذی فرض کے $\frac{1}{6}$ پائے گی، اور بقیہ $\frac{5}{6}$ بیٹے کو ملے گا؛ نواسہ چونکہ ذوی الارحام میں سے ہے اس لیے اسے ترکے میں سے کچھ نہ ملے گا۔

[1] عبدل سیرنگ بنام ٹی بی بی سنہ ۱۹۰۲ء ۲۹ کلکتہ ۷۳۰۔

یہ سوال کہ ذوی الفروض، عصبات یا ذوی الارحام میں سے کون کون لوگ ترکہ پانے کے مستحق ہوتے ہیں، ہر معاملے کی صورت حال پر منحصر ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک متوفی کے پس ماندگان میں صرف باپ اور دادا ہے، تو باپ دادا کو محروم کر کے تمام ترکے کا مستحق ہوگا، اگرچہ دونوں ذوی الفروض ہیں۔ اسی طرح اگر پس ماندگان میں ایک بیٹا اور ایک پوتا ہے، تو کل متروکہ جائداد بیٹے کو ملے گی، پوتا کچھ نہ پائے گا، اگرچہ دونوں کا شمار عصبات میں ہوتا ہے۔ اسی طرح، اگر پس ماندگان ذوی الارحام ہیں، مثلاً نواسہ اور پرنواسہ، تو کل متروکہ نواسے کو ملے گا۔ توریث کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ قریب کا رشتہ دار بعید کے رشتہ دار کو محجوب (محروم) کر دیتا ہے۔

دفعہ ۴۹۔　　تعریفات:-

(الف) 'جد صحیح'، سے مراد وہ مورث از قسم ذکور ہے جس کے اور متوفی کے درمیان کوئی عورت نہ داخل ہوتی ہو۔

اس لحاظ سے دادا، پردادا، سکڑدادا اور اس سے اوپر کے سلسلے کے تمام دادا 'صحیح اجداد' سمجھے جاتے ہیں۔

(ب) 'جد فاسد'، سے مراد وہ مورث از قسم ذکور ہے جس کے اور متوفی کے درمیان کوئی عورت داخل ہوتی ہو۔

اس لحاظ سے نانا، پرنانا، سکڑنانا وغیرہ سب جد فاسد ہیں۔

(ج) 'جدۂ صحیحہ'، سے مراد وہ مورث از قسم اناث ہے۔ جس کے اور متوفی کے درمیان کوئی جد فاسد نہ داخل ہوتا ہو۔

اس طور سے دادی، نانی، پردادی، پرنانی، سکڑدادی

اور سکڑ نانی وغیرہ سب جدۂ صحیحہ ہیں۔

(د) جدۂ فاسدہ، سے مراد وہ مورث از قسم اناث ہے جس میں اور متوفی کے درمیان جد فاسد داخل ہوتا ہو۔

اس لحاظ سے نانا کی ماں جدۂ فاسدہ ہے۔ تمام اجداد فاسد اور جداۃ فاسدہ ذوی الارحام میں شمار ہوتے ہیں۔

(ھ) "پوتا خواہ کتنا ہی نیچے درجے کا ہو" بیٹے کے بیٹے اور پوتے کے بیٹے، اور بیٹے کے تمام بیٹوں پر خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجے کے ہوں، حاوی ہے۔

(و) "پوتی خواہ کتنے ہی نیچے درجے کی ہو" بیٹے کی بیٹیوں، پوتے کی بیٹیوں اور بیٹے کی تمام بیٹیوں پر خواہ کتنے ہی نیچے درجے کی ہوں حاوی ہے۔

ب۔ ذوی الفروض

دفعہ ۵۔ ذوی الفروض —— تجہیز اور تکفین کے مصارف، اور دیون اور وصیتی ہبہ جات کے ادا کرنے کے بعد، ایک مسلمان متوفی کے متروکے کی تقسیم میں سب سے پہلا کام یہ دریافت کرنا ہوتا ہے کہ پس ماندہ رشتہ داروں میں ذوی الفروض کون ہیں۔ اور وراثت میں وہ کس قدر حصہ پانے کے مستحق ہیں۔ ان کے متعین ہو جانے کے بعد، ہر ذی فرض کو متروکے کا وہ حصہ دینا ہوتا ہے جس کا وہ بلحاظ حالات موجودہ مستحق ہوتا ہے۔ نقشۂ منسلکہ کے پہلے خانے میں ذوی الفروض کے نام درج ہیں؛ دوسرے خانے میں ہر ایک کا معمولی حصہ دیا گیا ہے؛ تیسرا خانہ ان حالات کی صراحت کرتا ہے جن میں ان کو اپنا معمولی حصہ ملتا ہے؛ چوتھے خانے میں وہ حصے بتائے گئے ہیں جن میں مخصوص حالات کے لحاظ سے تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ دیکھو نقشۂ منسلکہ۔

تمثیلات

نوٹ ـــــ اس فصل کی مفصلۂ ذیل اور دوسری تمثیلوں میں جن لوگوں کے نام لکھے گئے ہیں انھیں متوفی کے پس ماندگان سمجھنا چاہئے۔ اور ان تمام تمثیلوں میں حصص کا مجموعہ اکائی قرار دیا گیا ہے:ـــ

باپ، زوج اور زوجہ

(الف)	باپ	$\frac{1}{6}$	(بطور ذوی فرض کے کیونکہ لڑکیاں موجود ہیں)
	دادا		(باپ کی وجہ سے محجوب ہے)
	ماں	$\frac{1}{6}$	(کیونکہ لڑکیاں موجود ہیں)
	نانی		(ماں سے محجوب ہے)
	دو لڑکیاں	$\frac{2}{3}$	
	پوتی		(لڑکیوں کی وجہ سے محجوب ہے)
(ب)	زوج	$\frac{1}{2}$	
	باپ	$\frac{1}{2}$	(بطور عصبہ کے)
(ج)	چار بیوائیں	$\frac{1}{4}$	(ہر ایک کو $\frac{1}{16}$)
	باپ	$\frac{3}{4}$	(بطور عصبہ کے)

ماں

(د)	ماں	$\frac{1}{3}$	

باپ $\frac{1}{2}$ (بطور عصبہ کے)

(ھ) ماں $\frac{1}{6}$ (کیونکہ دو بہنیں موجود ہیں)

دو بہنیں (باپ کی وجہ سے محجوب ہیں)

باپ $\frac{5}{6}$ (بطور عصبہ)

نوٹ ـــــ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اگرچہ بہنوں کو کوئی حصہ ترکے میں نہیں ملتا، مگر وہ ماں کے حصے پر اثر ڈالتی ہیں اور اسے $\frac{1}{3}$ نہیں پہنچنے دیتیں۔ یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ ایک شخص، گو خود ترکے سے کوئی حصہ نہ پاتا ہو مگر دوسروں کو کلیتہً یا جزءً محروم کر سکتا ہے (سراجیہ ۲۸)۔ موجودہ صورت میں نقصان جزئی ہے، یعنی ماں کے حصے میں کمی ہو گئی ہے، اسے بجائے $\frac{1}{3}$ کے صرف $\frac{1}{6}$ ملتا ہے؛ اگر متوفی کی بہنیں نہ ہوتیں تو وہ $\frac{1}{3}$ پاتی۔ تمثیل (س) میں بھی ماں کا نقصان جزئی ہے۔ البتہ تمثیل (ف) میں کلی نقصان ہوا ہے۔ سراجیہ کے صفحہ (۲۸) پر بیان کیا گیا ہے کہ "ایک محجوب شخص دوسرے اشخاص کو محجوب کر سکتا ہے، اور اس پر تمام علما کا اتفاق ہے" مثلاً، اگر دو بھائی یا دو بہنیں یا اس سے زیادہ ہوں، خواہ کسی جانب سے ہوں، وہ متوفی کے باپ کے ساتھ متروکے میں سے کوئی حصہ نہیں پاتیں، باوجود اس کے وہ ماں کا حصہ $\frac{1}{3}$ سے $\frac{1}{6}$ کر دیتی ہیں" یہ صورت تمثیل (ھ)

اور (سا) میں الگ الگ کردی گئی ہے۔ تمثیل (ف) اسی قاعدے کی دوسری صورت ہے۔ یہ بیلی صاحب کے ڈائجسٹ حصہ اول صفحہ ۷۰۶ سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ قاعدہ اس جگہ نہیں چلتا جہاں کوئی مخصوص وارث رواج یا قانون کی رو سے محجوب ہو جاتا ہے: دیکھو دفعہ ۷۴ الف گزشتہ۔

(و) ماں $\frac{1}{3}$

بہن ۰ (باپ کی وجہ سے محجوب)

باپ $\frac{2}{3}$ (بطور عصبہ)

(سا) ماں $\frac{1}{6}$ (کیونکہ ایک بھائی اور ایک بہن موجود ہے)

بھائی ۰ (باپ کی وجہ سے محجوب)

(حقیقی، علاتی یا اخیافی) ۰ (" " " ")

بہن ۰ (" " " ")

(حقیقی، علاتی یا اخیافی) ۰ (" " " ")

باپ $\frac{5}{6}$ (بطور عصبہ)

نوٹ ـــــ ماں کو $\frac{1}{6}$ حصہ جائداد کا ملتا ہے نہ کہ $\frac{1}{3}$، جہاں دو یا دو سے زیادہ بھائی یا دو یا دو سے زیادہ بہنیں، یا ایک بھائی اور ایک بہن، یا دو یا دو سے زیادہ بھائی اور بہنیں موجود ہوتی ہیں۔ اگرچہ تمام بھائی اور بہنیں باپ

کی وجہ سے محجوب الارث ہیں، مگر ماں کو بڑا حصہ یعنی $\frac{1}{3}$ ملنے میں مانع ہوتی ہیں: دیکھو نوٹ تحت تمثیل (ھ)۔

(ح) زوج $\frac{1}{2}$

ماں $\frac{1}{6}$ ($= \frac{1}{2}$ کا $\frac{1}{3}$)

باپ $\frac{1}{3}$ (بحیثیت عصبہ)

نوٹ ــــ اس صورت میں اگر زوج اور باپ نہ ہوتے تو ماں کو $\frac{1}{3}$ ملتا کیونکہ اولاد اور بھائی بہنیں موجود نہ تھیں۔ مگر چونکہ متوفیہ نے زوج اور باپ کو چھوڑا ہے، اس لیے ماں، شوہر کو حصہ دینے کے بعد جو بچتا ہے اس کا ایک تہائی پانے کی مستحق ہے۔ شوہر کا حصہ $\frac{1}{2}$ ہے؛ $\frac{1}{2}$ جو باقی رہتا ہے اس کا $\frac{1}{3}$، یعنی $\frac{1}{2}$ کا $\frac{1}{3} = \frac{1}{6}$ ہوتا ہے۔ اس قاعدے کی وجہ صاف ہے، کیونکہ اگر ماں کو $\frac{1}{3}$ دیدیا جاتا تو باپ کا حصہ صرف $1 - (\frac{1}{2} + \frac{1}{3}) = \frac{1}{6}$ ہوتا، یعنی ماں کے حصے سے نصف۔ اور عام قاعدہ یہ ہے کہ مساوی درجے کے مرد کو عورت سے دوگنا ملنا چاہیئے (سراجیہ ۱۲)۔ ایسی صورت کے لیے جس میں متوفی ایک بیوہ اور باپ چھوڑکر مرتا ہے: دیکھو تمثیل (ی) آئندہ۔

(ط) زوج $\frac{1}{2}$

ماں $\frac{1}{3}$

دادا $\frac{1}{6}$ (بحیثیت عصبہ)

نوٹ ـــ ماں کو $\frac{1}{3}$ ملتا ہے، کیونکہ دادا جملہ جائداد کے $\frac{1}{3}$ کو جو ماں کے حصے میں آیا ہے، اسے زوج کے حصے کی منہائی کے بعد جو کچھ رہ جاتا ہے اس کی $\frac{1}{3}$ (یعنی $\frac{1}{6}$) نہیں کر دیتا۔

(ی) بیوہ $\frac{1}{4}$

ماں $\frac{1}{4}$ (= $\frac{3}{4}$ کا $\frac{1}{3}$)

باپ $\frac{1}{2}$ (بحیثیت عصبہ)

نوٹ ـــ اس صورت میں، ماں کو $\frac{1}{3}$ ملتا اگر بیوہ اور باپ نہ ہوتے، کیونکہ متوفی کے نہ اولاد ہے اور نہ بھائی بہنیں۔ چونکہ بیوہ اور باپ پس ماندہ وارث ہیں، اس لیے ماں بیوہ کے حصے کی منہائی کے بعد جو باقی رہتا ہے اس میں سے $\frac{1}{3}$ کی مستحق ہے۔ بیوہ کا حصہ $\frac{1}{4}$ ہے، بقیہ $\frac{3}{4}$ رہ جاتا ہے، اس بقیہ $\frac{3}{4}$ کا $\frac{1}{3}$ یعنی $\frac{1}{4}$ ماں کا حصہ ہے دیکھو تمثیل (ح) گزشتہ اور اس کا نوٹ

(ک) بیوہ $\frac{1}{4}$

ماں $\frac{1}{3}$

دادا $\frac{5}{12}$ (بحیثیت عصبہ)

نوٹ ـــ ماں کو $\frac{1}{3}$ ملتا ہے، کیونکہ دادا ماں کے حصے کو

بجائے جملہ جائداد کی $\frac{1}{3}$ کے، بیوہ کے حصے کی منہائی کے بعد جو رہ جاتا ہے اس کی $\frac{1}{3}$ نہیں کر دیتا۔

جدِ صحیح وجدۂ صحیحہ

(ل) دادی (چونکہ پدری جدۂ صحیحہ ہے، لہٰذا باپ کی وجہ سے مجوب ہے)

نانی $\frac{1}{6}$ (چونکہ مادری جدۂ صحیحہ ہے، اس لیے باپ سے مجوب نہیں ہوتی)

باپ $\frac{5}{6}$ (بحیثیت عصبہ)

(م) دادی، نانی $\frac{1}{6}$ (ہر ایک کو $\frac{1}{12}$ ملے گا)

دادا $\frac{5}{6}$ (بحیثیت عصبہ)

نوٹ — دادی، دادا کے ہونے سے مجوب نہیں ہوتی کیونکہ دادا درمیانی نہیں ہے بلکہ سادی جدِ صحیح ہے۔

(ن) دادا کی ماں (دادا کی وجہ سے مجوب ہے)

دادا (بحیثیت عصبہ کے کل جائداد کا مستحق ہے)

نوٹ — دادا کی ماں، دادا سے مجوب ہو گئی ہے، کیونکہ وہ درمیانی جدِ صحیح ہے، اور دادا کی ماں کا رشتہ متوفی کے ساتھ اسی کے ذریعے سے قائم ہوتا ہے۔

(س) دادی کی ماں $\frac{1}{6}$

دادا　$\frac{5}{6}$　(بحیثیت عصبہ)

نوٹ ــــ دادی کی ماں (جو باپ کی جانب سے جدۂ صحیحہ ہے) دادا کی وجہ سے محجوب نہیں ہوتی (جو کہ جد صحیح ہے)، کیونکہ اگرچہ وہ رشتے میں قریب تر ہے، مگر وہ دادی کی ماں کے لحاظ سے درمیانی جد صحیح نہیں ہے، اور دادی کی ماں کا رشتہ متوفی کے ساتھ اس کے ذریعے سے نہیں، بلکہ باپ کے ذریعے سے قائم ہوتا ہے۔

(ع) دادی　$\frac{1}{6}$

نانی　۰　(دادی سے محجوب ہے جو کہ قریب تر جدۂ صحیحہ ہے)

دادا　$\frac{5}{6}$　(بحیثیت عصبہ)

(ف) دادی　۰　(باپ سے محجوب ہے)

پرنانی　(دادی سے محجوب ہے جو کہ قریب تر جدۂ صحیحہ ہے)

باپ　(بحیثیت عصبہ کل ترکہ پائے گا)۔

نوٹ ــــ یہ تمثیل بیلی سے لی گئی ہے صفحہ ۷۰۶۔ دادی اگرچہ خود باپ کی وجہ سے محجوب ہو گئی ہے، مگر پرنانی کو محجوب کر دیتی ہے۔ یہ اسی قاعدے پر مبنی ہے کہ جو خود محجوب ہو وہ دوسرے کو کلاً یا جزءً محجوب کر سکتا ہے۔ دیکھو نوٹ تحت تمثیل (ھ):۔ اس صورت میں ماں کا حجب بہن

کی وجہ سے جزئی تھا، کیونکہ اسے ایک حصہ، یعنی، متروکے کا
$\frac{1}{4}$ ملا تھا۔ موجودہ صورت میں پرنانی کا حجب کامل ہے۔
اس امر کے بیان کی زیادہ ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اگر
متوفی کی دادی موجود نہ ہوتی، تو پرنانی کو متروکے کا $\frac{1}{4}$ ملتا،
کیونکہ وہ مادری جدۂ صحیحہ ہونے کی وجہ سے، باپ کی موجودگی
سے محجوب نہیں ہو سکتی تھی۔

بیٹیاں اور بیٹے کی بیٹیاں خواہ کتنے ہی نیچے درجے کی ہوں

(ص) باپ $\frac{1}{6}$ (بحیثیت ذی فرض کے)

ماں $\frac{1}{6}$

۳ پوتیاں
جن میں سے ایک ایک
بیٹے کی بیٹی، اور دو دوسرے
بیٹے کی بیٹیاں ہیں $\frac{2}{3}$ (ہر ایک کو $\frac{2}{9}$ ملے گا)

نوٹ — پوتیوں میں بالراس تقسیم ہوتی ہے نہ کہ بالنسب۔
اس لیے متروکے کا $\frac{2}{3}$ دو حصوں میں تقسیم کر کے، ایک حصہ ایک
بیٹے کی تنہا بیٹی کو، اور دوسرا حصہ دوسرے بیٹے کی دو بیٹیوں کو
نہیں دیا گیا، بلکہ جتنی پوتیاں تھیں اسی قدر حصوں میں تقسیم کیا گیا

بلا لحاظ ان بیٹیوں کی تعداد کے جن کے ذریعے سے یہ پوتیاں متوفی سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے حنفی مذہب میں حق نمائندگی یا قائم مقامی تسلیم نہیں کیا جاتا (دیکھو دفعہ ۴۲)، پوتیاں بحیثیت اپنے باپوں کے قائم مقام کے نہیں، بلکہ خود اپنے حق کی بنا پر متوفی کی پوتی ہونے کی حیثیت سے حصہ پاتی ہیں۔ اور یہی اصول پوتوں، اور بھتیجوں، اور چچا کے بیٹوں، وغیرہ، سے متعلق کیا جاتا ہے۔ دیکھو نقشۂ عصبات۔

(ق) باپ $\frac{1}{6}$ (بحیثیت ذی فرض)

ماں $\frac{1}{6}$

بیٹی $\frac{1}{2}$

۴ پوتیاں $\frac{1}{6}$ (ہر ایک کو $\frac{1}{24}$)

نوٹ — چونکہ بیٹی ایک ہی ہے، اس لیے پوتیاں کلاً محجوب نہیں ہوئی ہیں، بلکہ انھیں $\frac{1}{6}$ ملا ہے، جو بیٹی کے $\frac{1}{2}$ کے ساتھ مل کر $\frac{2}{3}$ ہو جاتا ہے، اور یہی بیٹیوں کا پورا حصہ ہے۔

(ر) باپ $\frac{1}{6}$ (بحیثیت ذی فرض)

ماں $\frac{1}{6}$

۲ پوتیاں $\frac{2}{3}$

پرپوتی (پوتیوں سے محجوب ہے)

(ش) باپ $\frac{1}{6}$ (بحیثیت ذی فرض)

ماں	$\frac{1}{6}$
پوتی	$\frac{1}{2}$
پرپوتی	$\frac{1}{6}$

نوٹ ـــــ وراثت کا جو قاعدہ بیٹیوں اور پوتیوں میں ہے، وہی بیٹیوں کے نہ موجود ہونے کی صورت میں اعلیٰ درجے کی پوتیوں اور ادنیٰ درجے کی پوتیوں سے متعلق ہوگا (سراجیہ ۱۸)۔ اس تمثیل میں پوتی صرف ایک ہے، اس لیے پرپوتی بالکل محجوب نہیں ہوئی ہے، اسے $\frac{1}{6}$ ملا ہے جو پوتی کے $\frac{1}{2}$ کے ساتھ ملکر $\frac{2}{3}$ ہو جاتا ہے، اور یہی بیٹیوں کے نہ ہونے کی صورت میں پوتیوں کا کامل حصہ ہے۔

بہنیں

(ت) ماں　$\frac{1}{6}$

۲ حقیقی بہنیں　$\frac{2}{3}$　(ہر ایک کو $\frac{1}{3}$ ملے گا)

علاتی بہن　(حقیقی بہن سے محجوب)

اخیافی بہن (یا اخیافی بھائی)　$\frac{1}{6}$

(ث) ۲ حقیقی بہنیں (یا علاتی بہنیں)　$\frac{2}{3}$　(ہر ایک کو $\frac{1}{3}$ ملے گا)

۲ اخیافی بہنیں (یا اخیافی بھائی)　$\frac{1}{3}$　(ہر ایک کو $\frac{1}{6}$ ملے گا)

(خ) حقیقی بہن $\frac{1}{2}$

۲ علاتی بہنیں $\frac{1}{6}$ (ہر ایک کو $\frac{1}{12}$ پہنچے گا)

اخیافی بھائی }
اخیافی بہن } $\frac{1}{3}$ (ہر ایک $\frac{1}{6}$ پائے گا)

نوٹ — چونکہ حقیقی بہن صرف ایک ہے، اس لیے علاتی بہنیں محجوب الارث نہیں ہیں۔ انھیں $\frac{1}{6}$ ملتا ہے جو حقیقی بہن کے $\frac{1}{2}$ کے ساتھ مل کر $\frac{2}{3}$ ہو جاتا ہے جو حقیقی بہنوں کا مجموعی حصہ ہے (سراجیہ ۲۱)۔

سراجیہ (۱۴ — ۲۳) ذوی الفروض کے نقشے میں جو اہم امور تھے ان کی ان نوٹوں میں جو تمثیلوں کے نیچے دئے گئے ہیں مناسب مواقع پر توضیح کردی گئی ہے۔ تمثیلوں کو نہایت غور سے پڑھنا چاہئے، کیونکہ وراثت کے قواعد کا بغیر ان کے سمجھ میں آنا بہت مشکل ہے۔ قواعد وراثت جن اصول پر مبنی ہیں وہ دفعہ ۵۲ کے نوٹ میں بتا دئے گئے ہیں جو آگے آتی ہے۔ تمثیلوں کے ملاحظے سے معلوم ہوگا کہ وہ اس طرح مرتب کی گئی ہیں کہ حصص کا مجموعہ ایک سے نہ بڑھنے پائے۔ ایسی صورتوں کے لیے جن میں حصص کا مجموعہ ایک سے بڑھ جاتا ہے، دیکھو آئندہ دفعہ۔

ذوی الفروض کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں سے چھ ایسے ہیں جو مخصوص حالات میں بطور عصبہ کے ورثہ پاتے ہیں، وہ

چھ یہ ہیں: باپ، جد صحیح، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، اور علاتی بہن

دیکھو فہرست عصبات جو آئندہ دفعہ ۵۲ اور اس کے نوٹ میں

دی گئی ہے۔

دفعہ ۵۱۔ عول[۱] (Increase) ـــــ اگر ذوی الفروض کے حصے متعین کرنے کے بعد یہ معلوم ہو کہ ان کے کسری حصص کا مجموعہ ایک سے بڑھ جاتا ہے تو تمام حصص کو ایک مشترک نسب نما (denominator) پر لا کر اور ان میں کچھ اضافہ کر کے ہر ذی فرض کے حصے میں بہ تناسب کمی کر دی جاتی ہے تاکہ نسب نما شمار کنندہ (Numerator) کی تعداد کے مساوی ہو جائے۔

تمثیلات

(الف) زوج $\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$ یہ کم کر کے $\frac{3}{7}$ کر دیا جاتا ہے۔

۲ حقیقی بہنیں $\frac{2}{3} = \frac{4}{6}$ 〃 〃 〃 $\frac{4}{7}$ 〃 〃

$\frac{7}{6}$ 1

نوٹ (۱)۔ $\frac{1}{2}$ اور $\frac{2}{3}$ کا مجموعہ ایک سے بڑھ جاتا ہے

اس لیے یہ دونوں کسری حصے ایک مشترک نسب نما پر لائے جاتے

ہیں، موجودہ صورت میں ان کا مشترک نسب نما (۶) ہے شمار

کنندوں کی مجموعی تعداد (۷) ہوتی ہے، پس ان کسرات $\frac{3}{6}$، $\frac{4}{6}$

کا نسب نما بجائے (۶) کے (۷) کر دیا جاتا ہے۔ اس عمل سے

---

[۱] اس عمل کو فقہی اصطلاح میں "عول" اور انگریزی میں "Increase" (اضافہ) کہتے ہیں۔ عربی میں عول کے معنی مدد چاہنے کے بھی آتے ہیں چونکہ ایسی صورتوں میں بیرونی مدد سے مدد لینے کی ضرورت ہوتی ہے غالباً اسی لحاظ سے وہ اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مترجم۔

حصوں کا مجموعہ ایک کے مساوی ہو جاتا ہے۔

(ب) زوج $\frac{۱}{۲} = \frac{۳}{۶}$ جو $\frac{۳}{۷}$ کر دیا جاتا ہے

حقیقی بہن $\frac{۱}{۲} = \frac{۳}{۶}$ جو $\frac{۳}{۷}$ " " "

علاتی بہن $\frac{۱}{۶}$ جو $\frac{۱}{۷}$ " " "

$\frac{۷}{۶}$ ۱

(ج) ۲ حقیقی بہنیں $\frac{۲}{۳} = \frac{۴}{۶}$ جو $\frac{۴}{۷}$ " " "

۲ اخیافی بھائی (ہر ایک کو $\frac{۱}{۶}$) $\frac{۱}{۳} = \frac{۲}{۶}$ جو $\frac{۲}{۷}$ " " "

ماں $\frac{۱}{۶} = \frac{۱}{۶}$ جو $\frac{۱}{۷}$ " " "

$\frac{۷}{۶}$ ۱

(د) زوج $\frac{۱}{۲} = \frac{۳}{۶}$ جو $\frac{۳}{۸}$ " " "

۲ حقیقی بہنیں $\frac{۲}{۳} = \frac{۴}{۶}$ جو $\frac{۴}{۸}$ " " "

ماں $\frac{۱}{۶} = \frac{۱}{۶}$ جو $\frac{۱}{۸}$ " " "

$\frac{۸}{۶}$ ۱

(ھ) زوج $\frac{۱}{۲} = \frac{۳}{۶}$ جو $\frac{۳}{۸}$ " " "

حقیقی بہن $\frac{۱}{۲} = \frac{۳}{۶}$ جو $\frac{۳}{۸}$ " " "

۳ اخیافی بہنیں $\frac{۱}{۳} = \frac{۲}{۶}$ جو $\frac{۲}{۸}$ " " "

(ہر ایک کو $\frac{۱}{۹}$) $\frac{۸}{۶}$ ۱

(و) زوج $\frac{۱}{۲} = \frac{۳}{۶}$ جو $\frac{۳}{۹}$ " " "

۲ حقیقی بہنیں ۲/۳ = ۴/۶ جو ۴/۹ کر دیا گیا ہے

۲ اخیافی بہنیں اور ۱/۳ = ۲/۶ جو ۲/۹ " " "
ایک اخیافی بھائی (۲/۶)/(۹/۶) (۲/۹)/۱
(ہر ایک کو ۱/۹)

(ز) زوج ۱/۲ = ۳/۶ جو ۳/۹ " " "

حقیقی بہن ۱/۲ = ۳/۶ جو ۳/۹ " " "

۲ اخیافی بہنیں
۲ اخیافی بھائی } ۱/۳ = ۲/۶ جو ۲/۹ " " "
(ہر ایک کو ۱/۱۲)

ماں ۱/۶ = ۱/۶ جو ۱/۹ " " "
(۱/۶)/(۹/۶) (۱/۹)/۱

(ح) زوج ۱/۲ = ۳/۶ جو ۳/۱۰ " " "

۲ حقیقی بہنیں ۲/۳ = ۴/۶ جو ۴/۱۰ " " "

۳ اخیافی بہنیں
اور ۵ اخیافی بھائی } ۱/۳ = ۲/۶ جو ۲/۱۰ " " "
(ہر ایک کو ۱/۲۴)

ماں ۱/۶ = ۱/۶ جو ۱/۱۰ " " "
(۱/۶)/(۱۰/۶) (۱/۱۰)/۱

(ط) بیوہ ۱/۴ = ۳/۱۲ جو ۳/۱۳ " " "

۲ علاتی بہنیں $\frac{۲}{۳} = \frac{۸}{۱۲}$ جو $\frac{۸}{۱۳}$ کر دیا گیا ہے

ماں $\frac{۱}{۶} = \frac{۲}{۱۲}$ جو $\frac{۲}{۱۳}$ " " " "

$\frac{۱۳}{۱۲}$ — ۱

(ی) زوج $\frac{۱}{۴} = \frac{۳}{۱۲}$ جو $\frac{۳}{۱۳}$ " " " "

ماں $\frac{۱}{۶} = \frac{۲}{۱۲}$ جو $\frac{۲}{۱۳}$ " " " "

۲ بیٹیاں $\frac{۲}{۳} = \frac{۸}{۱۲}$ جو $\frac{۸}{۱۳}$ " " " "

$\frac{۱۳}{۱۲}$ — ۱

(ک) زوج $\frac{۱}{۴} = \frac{۳}{۱۲}$ جو $\frac{۳}{۱۳}$ " " " "

ماں $\frac{۱}{۶} = \frac{۲}{۱۲}$ جو $\frac{۲}{۱۳}$ " " " "

بیٹی $\frac{۱}{۲} = \frac{۶}{۱۲}$ جو $\frac{۶}{۱۳}$ " " " "

پوتی $\frac{۱}{۶} = \frac{۲}{۱۲}$ جو $\frac{۲}{۱۳}$ " " " "

$\frac{۱۳}{۱۲}$ — ۱

(ل) بیوہ $\frac{۱}{۴} = \frac{۳}{۱۲}$ جو $\frac{۳}{۱۳}$ " " " "

ماں $\frac{۱}{۳} = \frac{۴}{۱۲}$ جو $\frac{۴}{۱۳}$ " " " "

حقیقی بہن $\frac{۱}{۲} = \frac{۶}{۱۲}$ جو $\frac{۶}{۱۳}$ " " " "

$\frac{۱۳}{۱۲}$ — ۱

(م) بیوہ $\frac{۱}{۴} = \frac{۳}{۱۲}$ جو $\frac{۳}{۱۵}$ " " " "

۲ حقیقی بہنیں $\frac{۲}{۳} = \frac{۸}{۱۲}$ جو $\frac{۸}{۱۵}$ " " " "

۲ اخیافی بہنیں $\frac{۱}{۳} = \frac{۴}{۱۲}$ جو $\frac{۴}{۱۵}$ " " " "

$\frac{۱۵}{۱۲}$ — ۱

(ل) بیوہ ۱/۴ = ۳/۱۲ جو ۳/۱۵ کر دیا گیا ہے
۲ حقیقی بہنیں ۲/۳ = ۸/۱۲ جو ۸/۱۵ " " "
اخیافی بہن ۱/۶ = ۲/۱۲ جو ۲/۱۵ " " "
ماں ۱/۶ = ۲/۱۲ جو ۲/۱۵ " " "
۱۵/۱۲ ۱

(س) زوج ۱/۴ = ۳/۱۲ جو ۳/۱۵ " " "
باپ ۱/۶ = ۲/۱۲ جو ۲/۱۵ " " "
ماں ۱/۶ = ۲/۱۲ جو ۲/۱۵ " " "
۲ بیٹیاں ۲/۳ = ۸/۱۲ جو ۸/۱۵ " " "
۱۵/۱۲ ۱

(ع) بیوہ ۱/۴ = ۳/۱۲ جو ۳/۱۷ " " "
۲ حقیقی بہنیں ۲/۳ = ۸/۱۲ جو ۸/۱۷ " " "
۲ اخیافی بہنیں ۱/۳ = ۴/۱۲ جو ۴/۱۷ " " "
ماں ۱/۶ = ۲/۱۲ جو ۲/۱۷ " " "
۱۷/۱۲ ۱

(ف) زوجہ ۱/۸ = ۳/۲۴ جو ۳/۲۷ " " "
۲ بیٹیاں ۲/۳ = ۱۶/۲۴ جو ۱۶/۲۷ " " "
باپ ۱/۶ = ۴/۲۴ جو ۴/۲۷ " " "
ماں ۱/۶ = ۴/۲۴ جو ۴/۲۷ " " "
۲۷/۲۴ ۱

از سراجیہ، ۲۹ —— ۳۰- ان صورتوں کے لیے جن میں
مجموعی حصص ایک سے کم آتے ہیں، دیکھو دفعہ ۵۳ جو آگے آتی ہے۔

ج۔ عصبات

دفعہ ۵۲۔ عصبات —— اگر ذوی الفروض نہ ہوں، یا اگر ذوی الفروض ہوں، اور ان کے مقررہ حصوں کے دینے کے بعد کچھ بچ رہے، تو کل متروکہ یا اس کی بچی ہوئی مقدار، جیسی صورت ہو، اس ترتیب سے عصبات کو ملتی ہے جس کی توضیح نقشۂ منسلکہ میں کی گئی ہے۔

تمثیلات

[نوٹ —— ذوی الفروض کے حصص دینے کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے اس کی حالت ذیل کی تمثیلوں میں دکھائی گئی ہے۔]

نشان ا۔ بیٹے اور بیٹیاں

(الف) بیٹا　$\frac{2}{3}$
بیٹی　$\frac{1}{3}$
} بحیثیت عصبات

نوٹ —— بیٹی کو بحیثیت ذی فرض کے کچھ نہیں ملتا

جبکہ بیٹا موجود ہوتا ہے۔ لیکن اگر وارثوں میں ایک بیٹی اور ایک پوتا ہو، تو بیٹی بطور ذوی فرض کے ۱/۲ لے گی اور پوتا بحیثیت عصبہ کے بقیہ ۱/۲ پائے گا۔

(ب) ۲ بیٹے ۴/۷ (بطور عصبہ کے، ہر بیٹا ۲/۷ پائے گا)

۳ بیٹیاں ۳/۷ (بطور عصبہ، ہر بیٹی ۱/۷ پائے گی)

(ج) بیوہ ۱/۸ (بطور ذوی فرض)

بیٹا ۷/۸ کا ۲/۳ = ۱۴/۱۲ } (بحیثیت عصبات)

بیٹی ۷/۸ کا ۱/۳ = ۷/۲۴ }

نوٹ ــــ بیوہ کو دینے کے بعد جو کچھ بچ رہتا ہے وہ ۷/۸ ہے۔

(د) زوج ۱/۴ (بطور ذوی فرض)

ماں ۱/۶ (〃 〃 〃)

بیٹا ۷/۱۲ کا ۲/۳ = ۱۴/۱۸ } (بطور عصبات)

بیٹی ۷/۱۲ کا ۱/۳ = ۷/۳۶ }

نوٹ ــــ اس تمثیل میں پس انداز ۱ - (۱/۴ + ۱/۶) = ۷/۱۲ ہے، اگر دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہوتیں تو ہر ایک بیٹے کو ۷/۱۲[۱] کا ۲/۷ = ۱/۶،

---

[۱] اصل کتاب میں ہر بیٹے کا حصہ ۷/۲۵ کا ۲/۷ بتایا گیا ہے جو کتابت کی غلطی ہے۔ مترجم۔

اور ہر بیٹی کو $\frac{7}{12}$ کا $\frac{1}{7}$ = $\frac{1}{12}$ ملتا۔

نشان ۲۔ پوتے اور پوتیاں خواہ درجے میں کتنے ہی نیچے کیوں نہ ہوں

(ھ) پوتا　$\frac{2}{3}$
پوتی　$\frac{1}{3}$
} (بحیثیت عصبات)

نوٹ ــــ جب پوتا ہو، تو پوتی کو بطور ذوی فرض کے ترکہ نہیں ملتا بلکہ اس کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح، پوتے کی بیٹی پوتے کے بیٹے کے ساتھ عصبہ ہو کر ترکہ پاتی ہے اور کسی صورت سے نہیں پاتی۔

(و) ۲ بیٹیاں　$\frac{2}{3}$　(بطور ذوی الفروض)
پوتا　$\frac{1}{3}$　(بحیثیت عصبہ)
پرپوتا　۰　(پوتے سے محجوب)
پرپوتی　۰　(بیٹیوں اور پوتوں سے محجوب۔ دیکھو لفقرہ ۶ ذوی الفروض نشان ۸)

(ز) ۲ بیٹیاں　$\frac{2}{3}$　(بحیثیت ذوی الفروض)

پوتا	$\frac{2}{3}$ کا $(\frac{1}{3}) = \frac{2}{9}$	(بحیثیت عصبات)
پوتی	$\frac{1}{3}$ کا $(\frac{1}{3}) = \frac{1}{9}$	

(ح) بیٹی	$\frac{1}{2}$	(بحیثیت ذی فرض)
پوتا	$\frac{2}{3}$ کا $(\frac{1}{2}) = \frac{1}{3}$	(بحیثیت عصبات)
پوتی	$\frac{1}{3}$ کا $(\frac{1}{2}) = \frac{1}{6}$	

نوٹ ـــــ چونکہ بیٹی ایک ہی ہے اس لیے پوتی کو $\frac{1}{6}$ بطور ذی فرض کے ملنا چاہیئے تھا (دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان ۸) بشرطیکہ متوفی کا پوتا نہ موجود ہوتا۔ لیکن پوتا وارثوں میں ہے، اس لیے پوتی اس کے ساتھ عصبہ ہو کر ورثہ پا سکتی ہے۔

(ط) پوتی	$\frac{1}{2}$	(بحیثیت ذی فرض)
پرپوتا	$\frac{1}{2}$	(بحیثیت عصبہ)

نوٹ ـــــ اس صورت میں پوتی کو ذی فرض کے حصہ ملنے میں کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ کوئی ایسا رشتہ دار موجود نہیں ہے جو بحیثیت ذی فرض اس کے حصہ پانے میں حارج ہو۔ (دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان ۸ کالم دوم)۔ اور نقشۂ عصبات کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ

پوتی پر پوتے کے ساتھ (جو کہ ایک درجے نیچے کا پوتا ہے) صرف اسی حالت میں بطور عصبہ ترکہ پاتی ہے جبکہ وہ بطور ذی فرض کے حصہ نہ پا سکتی ہو [دیکھو تمثیل (ک) جو آگے آتی ہے]۔

(ی) بیٹی　$\frac{1}{2}$　(بطور ذی فرض کے)

پوتی　$\frac{1}{6}$　(بطور ذی فرض کے دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان ۸)

پرپوتا　$(\frac{1}{3})$ کا $\frac{2}{3} = \frac{2}{9}$
پرپوتی　$(\frac{1}{3})$ کا $\frac{1}{3} = \frac{1}{9}$
(بطور عصبات)

نوٹ ــــ بیٹی صرف ایک ہے، اس لیے پوتی بطور ذی فرض کے $\frac{1}{6}$ پاتی ہے۔ چونکہ اس کے بطور ذی فرض کے حصہ پانے میں کوئی مانع نہیں ہے، اس لیے وہ پرپوتے کے ساتھ (جو کہ ایک درجہ نیچے کا پوتا ہے) عصبہ نہیں ہو جاتی۔

(ک) ۲ بیٹیاں　$\frac{2}{3}$　(بطور ذی فرض)

پوتی　$(\frac{1}{3})$ کا $\frac{1}{3} = \frac{1}{9}$
پرپوتا　$(\frac{1}{3})$ کا $\frac{2}{3} = \frac{2}{9}$
(بطور عصبات)

نوٹ ـــــ دو بیٹیوں کے ہونے سے، پوتی بطور ذی فرض کے حصہ نہیں پا سکتی۔ اس لیے وہ پرپوتے کے ساتھ (جو کہ اس سے ایک درجہ نیچے کا پوتا ہے) بطور عصبہ ترکہ پاتی ہے۔

(ل) ۲ پوتیاں $\frac{2}{3}$ (بطور ذی فرض)

(بطور عصبات)
- پرپوتا $(\frac{1}{3})$ کا $\frac{2}{3} = \frac{2}{9}$
- پرپوتی $(\frac{1}{3})$ کا $\frac{1}{3} = \frac{1}{9}$

نوٹ ـــــ اس صورت میں پوتیاں پرپوتے کے ساتھ عصبہ ہو کر حصہ نہیں پاتیں، کیونکہ ان کے بطور ذوی الفروض حصہ پانے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

(ھ) ۲ بیٹیاں $\frac{2}{3}$ (بطور ذی فرض)

(بحیثیت عصبات)
- پرپوتا $(\frac{1}{3})$ کا $\frac{2}{4} = \frac{1}{6}$
- پوتی $(\frac{1}{3})$ کا $\frac{1}{4} = \frac{1}{12}$
- پرپوتی $(\frac{1}{3})$ کا $\frac{1}{4} = \frac{1}{12}$

نوٹ ـــــ دو بیٹیوں کی موجودگی میں، پوتی بطور ذی فرض حصہ نہیں پا سکتی۔ اس لیے وہ پرپوتے کے ساتھ (جو اس سے ایک درجہ نیچے کا پوتا ہے) بحیثیت عصبہ حصہ پاتی ہے۔ پرپوتی پرپوتے کے ساتھ جو کہ اس کے مساوی درجے کا پوتا ہے

بطور عصبہ حصہ پانے کی مستحق ہے۔ اس لیے یہ دونوں رشتہ دار عورتیں (یعنی پوتی اور پرپوتی) پرپوتے کے ساتھ بطور عصبہ حصہ پاتی ہیں، ہر ایک کو $\frac{1}{12}$ پہنچتا ہے۔ اس تمثیل میں دو مخصوص امور قابل لحاظ ہیں؛ ایک یہ کہ پرپوتی کو اگرچہ وہ ایک درجہ بعید تر ہے پوتی کے مساوی حصہ ملتا ہے۔ دوسرا یہ کہ پوتی اپنے سے ایک درجہ نیچے پوتے کے ساتھ عصبہ ہو کر ترکہ پاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو پرپوتی پوتی کو ترکہ سے محجوب کر دیتی، جو اس اصول کے قطعاً مخالف ہے کہ قریب تر رشتہ دار کو پہلے حصہ ملنا چاہیئے (سراجیہ ۱۸-۱۹)۔

نشان ۳ - باپ

(ن) باپ $\frac{1}{6}$ (بطور ذی فرض)

بیٹا $\frac{5}{6}$ (بطور عصبہ)

یا پوتا کسی نیچے درجہ کا

نوٹ — یہاں باپ بطور ذی فرض کے حصہ پاتا ہے۔ دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان ۱۔

(س) ماں $\frac{1}{3}$ (بطور ذی فرض)

باپ $\frac{2}{3}$ (بطور عصبہ)

نوٹ ــــــ یہاں باپ بطور عصبہ کے حصہ پاتا ہے، کیونکہ کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد موجود نہیں ہے دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان ا۔

(ع) بیٹی (بحیثیت ذی فرض) = $\frac{1}{2}$

باپ $\frac{1}{6}$ (بحیثیت ذی فرض) + $\frac{1}{3}$ (بحیثیت عصبہ) = $\frac{1}{2}$

نوٹ ــــــ اس تمثیل میں باپ کو بطور ذی فرض اور بطور عصبہ دونوں طرح حصہ ملتا ہے۔ بطور ذی فرض، اس وجہ سے کہ بیٹی موجود ہے، اور $\frac{1}{3}$ پس انداز بطور عصبہ ملنے کی یہ وجہ ہے کہ نہ بیٹے ہیں اور نہ کسی درجے کے پوتے۔ باپ ان دونوں حیثیتوں سے حصہ پا سکتا ہے۔ اسے محض بحیثیت ذی فرض اس وقت حصہ ملتا ہے جب بیٹا یا پوتا کسی درجے کا موجود ہو [دیکھو تمثیل (ن) گزشتہ]۔ اور محض بحیثیت عصبہ اس وقت جب نہ بیٹے ہوں اور نہ کسی درجے کے پوتے [دیکھو تمثیل (س) گزشتہ]۔ وہ ذی فرض اور عصبہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ صرف بیٹیاں یا کسی درجے کی پوتیاں ہوں، اور بیٹے یا کسی درجے کے بھی پوتے نہ ہوں، جیسا کہ موجودہ

تمثیل میں ہے۔ یہی قاعدہ دادا سے بھی متعلق ہے۔ باپ اور دادا ہی دو ایسے رشتہ دار ہیں جو ایک ساتھ ان دو حیثیتوں سے حصہ پا سکتے ہیں۔

نشان ۴۔ جد صحیح خواہ کتنے ہی اوپر درجے کا ہو۔

نوٹ ـــــ تمثیلات (ل)، (س) اور (ع) میں بجائے باپ کے جد صحیح (دادا) قائم کر لو، پس دادا کو اسی حیثیت سے اور وہی حصہ ملے گا جو باپ کو تمثیلات مذکورہ میں ملا ہے۔

نشان ۵ و ۷۔ بھائی اور بہنیں

(ف) زوج	$\frac{1}{2}$	(بحیثیت ذی فرض)
ماں	$\frac{1}{6}$	(" " ")
بھائی	($\frac{1}{3}$) کا $\frac{2}{3} = \frac{2}{9}$	(بحیثیت عصبہ)
بہن	($\frac{1}{3}$) کا $\frac{1}{3} = \frac{1}{9}$	(بحیثیت عصبہ)

نوٹ ـــــ بھائی کی موجودگی میں بہن بطور ذی فرض حصہ نہیں پا سکتی، البتہ جو بچ رہتا ہے وہ بھائی کے ساتھ پاتی ہے۔

حقیقی بھائی[1]	$\frac{2}{3}$	(بحیثیت عصبہ)

---

[1] عبدالکریم بنام سماۃ امۃ الحبیب ۱۹۲۲ء ۳ لاہور ۳۹۷، ۷۰ انڈین کیسز ۲۰۵؛ ۱۹۲۳ء الہ آباد لا رپورٹ ۱۲۱۔

حقیقی بہن	$\frac{1}{2}$	(بحیثیت عصبہ)
علاتی بہن	۰	(حقیقی بھائی سے محجوب)

نشان ۱۶ حقیقی بہنیں بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ

(ص) بیٹی (یا کسی درجے کی پوتیاں)	$\frac{1}{2}$	(بحیثیت ذی فرض)
حقیقی بہن	$\frac{1}{2}$	(بحیثیت عصبہ نشان ٦)
بھتیجا	۰	(حقیقی بہن سے جو قریب تر عصبہ ہے محجوب ہے)

نوٹ — حقیقی بہن تین مختلف حیثیتوں سے ترکہ پاتی ہے: (۱) بحیثیت ذی فرض ان حالات میں جن کی تصریح نقشۂ ذوی الفروض میں کی گئی ہے؛ (۲) بحیثیت عصبہ حقیقی بھائی کے ساتھ اگر کوئی بھائی ہوتا ہے اور ان دونوں حیثیتوں میں کچھ نہ پانے کی صورت میں؛ (۳) بیٹیوں، یا کسی درجے کی پوتیوں، یا ایک بیٹی اور کسی درجے کی پوتی کے ساتھ عصبہ ہو کر، بشرطیکہ کوئی اور قریب تر عصبہ موجود نہ ہو۔ تمثیل ہذا میں، بہن بطور ذی فرض حصہ نہیں پا سکتی، کیونکہ ایک بیٹی (یا کسی درجے کی پوتی) موجود ہے۔ اور چونکہ کوئی بھائی نہیں ہے، اس لیے وہ منجملہ تین مذکورۂ بالا حیثیتوں کے

دوسری حیثیت سے بھی استفادہ نہیں کر سکتی - اس لیے
ذی فرض کے دینے گئے بعد جو $\frac{1}{2}$ بچ رہتا ہے وہ اسے
بیٹی (پوتی) کے ساتھ عصبہ ہو جانے کی وجہ سے ملتا ہے،
کیونکہ اور کوئی قریب تر عصبہ موجود نہیں ہے - اگر ایسا
نہ ہوتا، تو بقیہ $\frac{1}{2}$ اس کو ملنے کی جگہ بھتیجے کو ملتا، جو کہ
بعید کا رشتہ دار ہے -

(ق)	۲ بیٹیاں (یا پوتیاں خواہ کسی درجے کی ہوں)	$\frac{2}{3}$	(بطور ذی فرض)
	حقیقی بہن	$\frac{1}{3}$	(بحیثیت عصبہ نشان ۶)
(ر)	۲ بیٹیاں[1]	$\frac{2}{3}$	(بطور ذی فرض)
	زوج	$\frac{1}{4}$	(" " ")
	حقیقی بہن	$\frac{1}{12}$	(بحیثیت عصبہ نشان ۶)
	باپ کے چچا کا بیٹا	.	(حقیقی بہن سے محجوب جو قریب تر عصبہ ہے)
(ش)	بیٹی	$\frac{1}{2}$	(بطور ذی فرض)
	پوتی	$\frac{1}{6}$	(" " ")
	حقیقی بہن	$\frac{1}{3}$	(بطور عصبہ نشان ۶)

[1] - مہر جان بنام شاہزادی ۱۸۹۹ء ۲۴ بمبئی ۱۱۲ -

(ت)	بیٹی	$\frac{1}{2}$	(بطور ذی فرض)
	پوتی	$\frac{1}{6}$	(" " ")
	ماں	$\frac{1}{6}$	(" " ")
	حقیقی بہن	$\frac{1}{6}$	(بطور عصبہ نشان ۶)
(ث)	بیٹی	$\frac{1}{2}$	(بطور ذی فرض)
	پوتی	$\frac{1}{6}$	(" " ")
	زوج	$\frac{1}{4}$	(" " ")
	حقیقی بہن	$\frac{1}{12}$	(بطور عصبہ نشان ۶)
(خ)	بیٹی	$\frac{1}{2}$	(بطور ذی فرض) = $\frac{6}{12}$ کم ہو کر $\frac{6}{13}$ ہو جاتے ہیں
	پوتی	$\frac{1}{6}$	(" " ") = $\frac{2}{12}$ " $\frac{2}{13}$ " "
	زوج	$\frac{1}{4}$	(" " ") = $\frac{3}{12}$ " $\frac{3}{13}$ " "
	ماں	$\frac{1}{6}$	(" " ") = $\frac{2}{12}$ " $\frac{2}{13}$ " "
	حقیقی بہن	۰	(محجوب)
			$\frac{13}{12}$ " 1

نوٹ ــــ اس صورت میں حقیقی بہن کو صرف
بیٹی اور پوتی کے ساتھ عصبہ ہو جانے کی حالت میں
بطور عصبہ کے حصہ مل سکتا تھا۔ لیکن عصبہ کو پس انداز

اگر کچھ ہو، اسی وقت ملتا ہے جبکہ تمام ذوی الفروض کے
حصے ادا ہو جائیں، بحالت موجودہ کچھ پس انداز نہیں ہوتا۔
ذوی الفروض کے حصوں کا مجموعہ اکائی سے بڑھ جاتا ہے،
اور یہ "عول" کی ایک شکل ہے۔

نشان ۸۔ علاتی بہنیں بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ خواہ کسی درجے کی ہوں

نوٹ ـــــ حقیقی بہنوں کے نہ ہونے کی صورت
میں علاتی بہنیں بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ بطور عصبہ
کے حصہ پاتی ہیں۔ (ص) سے (خ) تک کی تمثیلوں
میں بجائے حقیقی بہنوں کے اگر علاتی بہنیں رکھی جائیں تو
بقیہ تمام وارثوں کے حصے حسب سابق قائم رہتے ہیں،
اور حقیقی بہنوں کی جگہ علاتی بہنیں آجاتی ہیں۔ تمثیل (ص)
کے نوٹ میں بھی "علاتی بھائی" حقیقی بھائی کی جگہ قائم
کر لیجئے۔

دوسرے عصبات

(ذ)	حقیقی بہن	$\frac{1}{2}$	(بطور ذوی فرض)
	علاتی بہن	$\frac{1}{6}$	(" " ")

ماں	$\frac{1}{6}$	(بطور ذی فرض)
بھتیجا	$\frac{1}{6}$	(بطور عصبہ)
(ض) بیوہ	$\frac{1}{4}$	(بطور ذی فرض)
ماں	$\frac{1}{3}$	(" " ")
چچا	$\frac{5}{12}$	(بطور عصبہ)
(ظ) حقیقی بہن[۵۱]	$\frac{1}{2}$	(بطور ذی فرض)
چچازاد بھائی	$\frac{1}{2}$	(بطور عصبہ)

سراجیہ - ۱۸-۲۱ اور ۲۳-۲۶ - عصبات کے نقشے کے بعض اہم امور کی توضیح تمثیلوں کے نوٹوں میں کی گئی ہے۔

عصبات کی تقسیم —— تمام عصبات کا تعلق متوفی کے ساتھ بذریعۂ ذکور کے ہوتا ہے۔ اخیافی بھائی بہن کی رشتہ داری متوفی کے ساتھ ایک عورت، یعنی ماں کے ذریعے سے ہوتی ہے، اس لیے وہ عصبات کی فہرست میں داخل نہیں ہوتے۔ سراجیہ میں عصبات تین قسموں میں منقسم کئے گئے ہیں —— (۱) عصبہ بنفسہ: یہ وہ سب ذکور ہیں جن کا نام نقشۂ عصبات میں دیا گیا ہے؛ (۲) عصبہ لغیرہ: یہ چار اناث عصبات ہیں، یعنی، بیٹی بیٹے کے (سبب یا) حق سے؛ پوتی خواہ کسی درجے کی ہو پوتے کے (سبب یا) حق سے خواہ وہ کسی

۵۱۔ مساۃ غلامن بنام نور حسن سنہ ۱۹۲۲ء ۳ لاہور ۲۷۸، ۶۹ انڈین کیسز ۱۰۰؛ سنہ ۱۹۲۲ء الہ آباد لاء رپورٹ ۴۰۶۔

درجے کا ہو، حقیقی بہن حقیقی بھائی کے (سبب یا) حق سے، اور علاتی بہن علاتی بھائی کے (سبب یا) حق سے؛ (۳) عصبہ مع غیرہ یعنی حقیقی اور علاتی بہنیں جبکہ وہ بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ خواہ کسی درجے کی ہوں بطور عصبات کے حصہ پاتی ہیں۔

اگر جانشینی کی ترتیب کا لحاظ کیا جائے تو عصبات چار اقسام میں تقسیم ہو سکتے ہیں: ــ پہلی قسم متوفی کی اولاد، دوسری قسم اس کے آباد اجداد، تیسری قسم متوفی کے باپ کی اولاد، چوتھی قسم متوفی کے جد صحیح کی اولاد خواہ وہ جد صحیح کتنا ہی اوپر درجے کا کیوں نہ ہو۔ نقشۂ عصبات میں یہی تقسیم ملحوظ رکھی گئی ہے۔ ذوی الارحام کی چار قسموں میں بھی تقسیم اسی بنا پر ہے۔

وہ عصبات جو دراصل ذوی الفروض ہیں

ذوی الفروض اور عصبات کے نقشوں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ چھ ذوی الفروض ایسے ہیں جو مخصوص حالات میں عصبات کی طرح ترکہ پاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں :ــ باپ اور دادا خواہ کسی قدر اوپر درجے کا کیوں نہ ہو، بیٹی اور پوتیاں خواہ کتنے ہی نیچے درجے کی کیوں نہ ہوں، اور حقیقی اور علاتی بہن۔ ان میں سے، صرف باپ اور دادا ایسے ہیں جو بعض حالات میں بطور ذوی الفروض اور عصبات دونوں حیثیتوں سے ترکہ پاتے ہیں۔ [دیکھو تمثیل (ع) گزشتہ، اور اس کا نوٹ]۔ اور صرف یہی ایسے رشتہ دار ہیں جنھیں دونوں حیثیتوں سے حصہ ملتا ہے۔ بقیہ چار کو، جو کہ طبقۂ اناث سے ہیں، یا بطور ذوی الفروض کے حصہ ملتا ہے یا بطور عصبات کے۔ جن صورتوں میں انھیں بطور ذوی الفروض کے ترکہ ملتا ہے ان کی تصریح ذوی الفروض کے نقشے میں کر دی گئی ہے۔ وہ بطور عصبات کے صرف اسی صورت میں ترکہ پاتی ہیں جبکہ وہ اپنے متوازی درجے کے ذکور رشتہ داروں کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔

اس طور سے بیٹی کو بطور ذی فرض اسی وقت حصہ ملتا ہے جبکہ
کوئی بیٹا نہیں ہوتا۔ بیٹے کی موجودگی میں وہ بطور عصبہ کے حصہ
پاتی ہے، اور صرف اسی حیثیت سے حصہ پا سکتی ہے؛ اس کے
معنی یہ نہیں ہیں کہ بیٹے کی موجودگی میں وہ محروم الارث ہوجاتی
ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس صورت میں اسے بطور عصبہ کے
حصہ ملتا ہے، بیٹے کے موجود ہونے سے اس کی وراثت کی نوعیت
بدل جاتی ہے۔ اسی طرح، ہر درجے کی پوتی کو بطور عصبہ کے
حصہ ملتا ہے جبکہ وہ مساوی درجے کے پوتے کے ساتھ ہوتی ہے۔
اسی طریقے پر، حقیقی اور علاتی بہن علی الترتیب اپنے حقیقی اور
علاتی بھائیوں کے ساتھ ہونے سے بطور عصبات کے ورثہ پاتی
ہے۔ ایک متجسس طبیعت کا شخص یہ سوال کرسکتا ہے کہ مذکورۂ بالا
چار عورتوں کے اپنے مساوی درجے کے مردوں کے ساتھ ہونے کی
حالت میں بطور ذوی الفروض حصہ نہ پانے کی کیا وجہ ہے؟۔
بظاہر اس کا یہی جواب ہوسکتا ہے کہ اگر حالات مذکور میں انھیں
بطور ذوی الفروض حصے دیے جاتے، تو ممکن تھا کہ ان کے ہم درجہ
ذکور کے لیے (جو سب صرف عصبہ ہیں) کچھ باقی نہ رہتا: یعنی،
اگرچہ عورتوں کو وراثت سے حصہ ملتا، مگر اسی درجے کے
مرد، وراثت سے بالکل محروم رہ جاتے۔ مثال کے طور سے یہ
صورت لو: کہ ہندہ زوج، باپ، ماں، ایک بیٹی، اور ایک
بیٹا چھوڑ کر مرگئی۔ زوج $\frac{1}{4}$، باپ $\frac{1}{6}$، اور ماں $\frac{1}{6}$ لے لیتی
ہے۔ اگر بیٹی کو بھی بطور ذی فرض حصہ دلایا جاتا، جس کا حصہ
$\frac{1}{2}$ ہوتا ہے، تو تمام حصوں کا مجموعہ $\frac{13}{12}$ ہوجاتا، اور بیٹے کے لیے
کچھ باقی نہ رہتا۔ اسی وجہ سے مذکورۂ بالا عورتوں کو جب کہ وہ
اپنے ہم درجہ مردوں کے ساتھ ہوں بطور ذوی الفروض حصہ
دلانے کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ ان کے ہم رتبہ مرد بس انداز

جائداد کے پانے سے محروم نہ رہ جائیں۔

حقیقی اور علاتی بہنوں کی بیٹیوں اور ہر درجے کی پوتیوں کیساتھ عصبات ہو جانے کا جو اصول ہے، وہ تمثیل (ص) کے نوٹ میں بتا دیا گیا ہے۔

اناث عصبات ـــــ عصبہ عورتوں کے متعلق دو امر اور قابل لحاظ ہیں، جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:- (۱) جو عورتیں عصبہ ہوتی ہیں ان کی تعداد چار ہے، جن میں سے دو متوفی کی اولاد یعنی، اس کی بیٹیاں اور پوتیاں ہیں (خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجے کی کیوں نہ ہوں) اور (۲) دو متوفی کے باپ کی اولاد یعنی حقیقی اور علاتی بہنیں ہیں۔ ان کے سوائے کوئی اور عورت عصبہ نہیں ہو سکتی۔

(۲) یہ چاروں عورتیں اپنے متوازی درجے کے ہم رتبہ مردوں کے ساتھ عصبہ ہو کر حصہ پاتی ہیں۔ لیکن سوائے پوتیوں کے (خواہ وہ کتنی ہی نیچے درجے کی کیوں نہ ہوں) کوئی اور عورت اپنے سے کم درجہ مرد کے ساتھ عصبہ ہو کر حصہ نہیں پاتی۔ اس لحاظ سے بیٹی پوتے کے ساتھ، اور بہن بھتیجے کے ساتھ عصبہ ہو کر حصہ نہیں پا سکتی؛ لیکن پوتی نہ صرف پوتے بلکہ پرپوتے یا اس سے بھی نیچے پوتے کے ساتھ عصبہ ہو کر حصہ پاتی ہے: دیکھو تمثیل (ھ) اور اس کے متعلق نوٹ۔

ذوی الفروض اور عصبات میں توریث کے اصول ـــ

ذوی الفروض اور عصبات کے نقشوں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ بعض رشتہ دار دوسرے رشتہ داروں کو توریث سے کلیۃً محروم کر دیتے ہیں۔ یہ اُن اصول مفصلۂ ذیل پر مبنی ہے جو سراجیہ کے باب "حجب" میں درج کئے گئے ہیں:-

(۱) جس شخص کا رشتہ متوفی سے کسی دوسرے شخص کے ذریعے

سے ہوگا وہ اس دوسرے شخص کی زندگی تک متوفی کی وراثت نہ پاسکے گا۔ (سراجیہ ۲۷)۔ اس اصول کے مطابق باپ بھائی اور بہنوں کو محجوب کردیتا ہے۔ اور چونکہ اخیافی بھائیوں اور بہنوں کا رشتہ متوفی کے ساتھ ماں کے ذریعے سے ہوتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ ماں سے اخیافی بھائی بہن محجوب ہوجاتے۔ مگر ذوی الفروض کے نقشے کے ملاحظے سے واضح ہوگا، کہ یہ رشتہ دار ماں کے سبب سے محجوب نہیں ہوتے۔ وجہ یہ ہے کہ ماں، جبکہ وہ تنہا ہوتی ہے، تمام ترکے کی ایک ہی حیثیت سے مستحق نہیں قرار پاتی جیسا کہ باپ قرار پاتا ہے جبکہ وہ تنہا ہوتا ہے، بلکہ ماں کو کچھ حصہ بطور ذوی فرض اور کچھ حصہ بطور رد کے ملتا ہے (سراجیہ ۲۷، شریفیہ ۴۹)۔ لہٰذا اگر باپ شخص متوفی کا تنہا وارث باقی رہے تو اسے بحیثیت عصبہ کے جملہ ترکہ ملے گا۔ لیکن اگر ماں تنہا وارث باقی رہے گی تو اسے $\frac{1}{3}$ بطور ذوی فرض، اور بقیہ $\frac{2}{3}$ ذریعۂ رد ملے گا (دیکھو دفعہ ۵۳ آئندہ)۔ یہی وجہ ہے کہ ماں اخیافی بھائی بہنوں کے اپنے ساتھ ترکہ پانے میں مانع نہیں ہوتی۔

(۲) "نسلاً جو قریب تر ہو، (ترکہ) اسی کو ملنا چاہئے" (سراجیہ ۲۷)، قریب تر بعید تر کو محجوب کردیتا ہے۔ دادا کا باپ سے، نانا کا ماں سے، اور پوتے کا بیٹے سے، محجوب ہوجانا اسی اصول پر مبنی ہے۔ یہ حالتیں اس اول اصول کے بھی مطابق ہیں جو اوپر بیان ہوا ہے۔

یہ امر غالباً پیش نظر ہوگا کہ بیٹی، اگرچہ درجے میں قریب تر ہے، مگر وہ بھتیجے اور بھتیجے کے بیٹے کو محروم نہیں کرتی۔ اگر متوفی کے وارثوں میں ایک بیٹی اور ایک بھتیجا رہ جائے، تو $\frac{1}{2}$ بیٹی کو اور باقی ماندہ جائداد بھتیجے کو ملے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بیٹی بطور ذوی فرض کے، اور بھتیجا بطور عصبہ کے حصہ پاتا ہے،

اور جو اصول اوپر بیان ہوا ہے وہ صرف ہم درجہ رشتہ داروں سے متعلق ہوتا ہے۔ اس لیے اصول مذکورۂ بالا اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:
"وارثوں کے ہر طبقے کی حد کے اندر، قریب تر درجے کا رشتہ دار بعید تر رشتہ دار کو محجوب کر دیتا ہے۔"

یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ باپ اگرچہ رشتے میں قریب تر ہے، مگر وہ نانی یا پرنانی کو محروم نہیں کرتا؛ اور نہ ماں دادا یا پردادا کو محروم کرتی ہے۔ اس وجہ سے اصول مذکورۂ بالا کو مزید قیود لگا کر بڑھنا پڑے گا، ان قیود کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اگرچہ نہ وہ سراجیہ میں بیان ہوئے ہیں، اور نہ کسی دوسری مستند کتاب میں، مگر ذوی الفروض اور عصبات کی توریث کے قواعد میں بلا کسی تعریض کے ان کا تسلیم کر لیا جانا ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) دو مندرجۂ بالا اصول بیان کرکے، سراجیہ کے (صفحہ ۲۸) پر بتایا گیا ہے کہ "حسب اجماع فقہا ایک محجوب شخص دوسرے اشخاص کو محجوب کر سکتا ہے۔" دیکھو تمثیلات (ھ)، (س) اور (ف) متعلق بدفعہ ۵۰ گزشتہ، اور تمثیل (ھ) کا نوٹ۔

وارثوں میں پانچ وارث ایسے ہیں جنھیں وراثت سے ہمیشہ کوئی حصہ ملنا ضرور ہے، اور وہ کسی حالت میں محروم نہیں کیے جا سکتے اور وہ یہ ہیں: (۱) اولاد یعنی بیٹا یا بیٹی، (۲) باپ، (۳) ماں، (۴) زوج، اور (۵) زوجہ (سراجیہ ۲۷)۔ یہ مستحق ترین وارث ہیں، جنھیں ہم آیندہ اختصاراً "اصلی وارثوں" کے نام سے یاد کریں گے۔ ان پانچ کے بعد، تین اور وارث ہیں، یعنی، (۱) بیٹے کی اولاد (خواہ درجے میں کتنی ہی نیچی کیوں نہ ہو)، (۲) دادا (کتنے ہی اوپر طبقے کا کیوں نہ ہو)، (۳) دادی کتنے ہی اوپر طبقے کی کیوں نہ ہو) یہ تین وارث اپنے مقابلے کے اصلی وارثوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ زوج اور زوجہ کا کوئی قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ مفصلۂ ذیل

تفصیل سے ایک نظر میں اصلی اور قائم مقام وارث ظاہر ہوجائیں گے:۔

اصلی وارث	اولاد	باپ	ماں
قائم مقام وارث	بیٹے کی اولاد (خواہ کتنے ہی نیچے طبقے کی ہو)	دادا	نانی

قائم مقام وارثوں کے حق وراثت کے متعلق مفصلۂ ذیل قواعد کی پابندی کی جاتی ہے:۔

(۱) کوئی قائم مقام وارث وراثت نہیں پاتا جب تک کہ اس کے مقابلے کا اصلی وارث موجود رہتا ہے۔ اس کا ایک استثنا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب بیٹا نہیں ہوتا، بلکہ ایک بیٹی اور ایک پوتی ہوتی ہے، تو اس صورت میں بیٹی $\frac{1}{2}$، اور پوتی (اگرچہ قائم مقام وارث ہے) $\frac{1}{6}$ پاتی ہے: دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان ۸۔

(۲) بیٹے کی اولاد (خواہ کتنی ہی نیچے درجے کی ہو) ہمیشہ مستحق وراثت ہے، جب کہ متوفی کی اولاد موجود نہ ہو۔

(۳) دادا ہمیشہ مستحق وراثت ہے جب کہ باپ موجود نہ ہو۔

(۴) نانی ہمیشہ مستحق وراثت ہے، جبکہ ماں موجود نہ ہو۔ دادی ہمیشہ مستحق وراثت ہے، جبکہ نہ ماں اور نہ باپ موجود ہوں۔

(۵) تمام رشتہ دار جو اصلی وارثوں سے محروم ہوجاتے ہیں وہ ان کے قائم مقاموں سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔ اس طرح حقیقی اور علاتی بہنیں اور اخیافی بھائی بہنیں جو متوفی کی اولاد اور باپ سے محروم ہوجاتی ہیں، وہ بیٹے کی اولاد (خواہ کسی درجہ کی ہو) اور دادا سے بھی محروم ہوجاتی ہیں[1]

[1]۔ یہ امر اس موقع پر قابل اظہار ہے، کہ اگرچہ حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق، دادا (جد صحیح) حقیقی

پس انداز یا بچت ـــــ بیٹا، عصبہ ہونے کی حیثیت سے، اس باقی ماندہ جائداد کا مستحق ہوتا ہے جو ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد بچ رہتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وراثت میں بیٹا ہمیشہ کسی نہ کسی حصے کا ضرور مستحق قرار پاتا ہے۔ بیٹے کو ہر وراثت میں حصہ ملنے کے لیے، یہ ضرور ہے کہ جب پس ماندہ وارثوں میں بیٹا ہو تو جائداد میں سے کچھ نہ کچھ بچ رہے، اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے؛ کیونکہ حصوں کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے اور وراثت کے قواعد اس طریقے سے وضع کئے گئے ہیں کہ جب وارثوں میں بیٹا ہوتا ہے، تو کچھ نہ کچھ جائداد پس انداز ہوتی ہے۔ اور چونکہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں دادا (خواہ کسی قدر اونچا ہی کیوں نہ ہو) کو وراثت سے کچھ نہ کچھ حصہ ملنا چاہیئے، اس لیے ہر ایسی صورت میں بھی جس میں دادا متوفی کے پسماندہ وارثوں میں ہوتا ہے جائداد کے کسی حصے کا بچ رہنا ضرور ہے، نتیجہ یہ ہے کہ پس ماندہ وارثوں میں کسی عصبہ کے موجود رہنے کے بعد ''عول'' کی مطلق ضرورت پیش نہیں آتی۔

دفعہ ۵۳۔ رد (Return) ـــــ اگر ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد متروکہ کا کوئی جز بچ رہتا ہے، اور کوئی عصبہ نہ ہو، تو وہ ذوی الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور یہی عمل شرعی اصطلاح میں ''رد'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

استثنا ـــــ کسی ذی فرض یا ذی رحم وارث کی موجودگی میں، زوج یا زوجہ دونوں رد کے مستحق نہیں ہوتے۔ لیکن اگر کوئی اور وارث نہ موجود ہوگا تو زوج

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ یا علاتی بھائی بہنوں کو محروم کر دیتا ہے، مگر امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرتا، بلکہ اسے بعض حصص میں سے کسی ایک حصے کے انتخاب کا حق دیا جاتا ہے (سراجیہ ۴۰-۴۲)۔ لیکن موخر الذکر رائے عام طور سے اختیار نہیں کی جاتی، اس لیے اس کی تفصیل یہاں بیان کرنا غیر ضروری ہے۔

یا زوجہ کو، جیسی صورت ہو، رد سے حصہ ملے گا۔

تمثیلات

(الف) ایک مسلمان صرف ایک بیوہ چھوڑ کر مرجاتا ہے بیوہ کو $\frac{1}{4}$ بطور ذی فرض، اور بقیہ $\frac{3}{4}$ ذریعۂ رد ملے گا۔ $\frac{3}{4}$ بربنائے لاوارثی بحق سرکار ضبط نہ ہوگا: مقدمۂ محمد ارشاد بنام ساجدہ بانو سنہ ۱۸۷۸ء ۳ کلکتہ ۷۰۲؛ لفاتن بنام ولایتی خانم سنہ ۱۹۰۳ء ۳۰ کلکتہ ۶۸۳؛ سیرالیسب بنام الیسب سنہ ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۷۴۹، ۵۸ انڈین کیسز ۴۸۔

(ب) زوج $\frac{1}{2}$

ماں $\frac{1}{2}$ ($\frac{1}{3}$ بطور ذی فرض اور $\frac{1}{6}$ ذریعۂ رد)

نوٹ — زوج رد کا مستحق نہیں ہے، کیونکہ ماں ایک ذی فرض موجود ہے۔ اس لیے $\frac{1}{6}$ جو پس انداز ہے وہ ذریعۂ رد ماں ہی کو ملے گا۔

(ج) زوج $\frac{1}{4}$

بیٹی $\frac{3}{4}$ ($\frac{1}{2}$ بطور ذی فرض کے اور $\frac{1}{4}$ ذریعۂ رد)

(د) زوجہ $\frac{1}{4}$

بہن (حقیقی یا علاتی) $\frac{3}{4}$ ($\frac{1}{2}$ بطور ذی فرض اور $\frac{1}{4}$ ذریعۂ رد)

(ھ) زوجہ $\frac{1}{8}$

پوتی $\frac{7}{8}$ ($\frac{1}{2}$ بطور ذی فرض اور $\frac{3}{8}$ ذریعۂ رد)

(و) ماں $\frac{1}{6}$ جو بڑھ کر $\frac{1}{4}$ ہو جاتا ہے

پوتی	$\frac{1}{2} = \frac{\frac{3}{6}}{\frac{4}{6}}$	جو بڑھ کر $\frac{\frac{3}{4}}{1}$ ہو جاتا ہے

نوٹ — اس میں اور تمثیلات از (ز) تا (ک) میں پس ماندہ وارثوں میں زوج اور زوجہ نہیں ہیں۔ ایسی صورتوں میں قاعدہ یہ ہے کہ وارثوں کے کسراتی حصوں کا نسب نما ایک کر لیا جاتا ہے، اور ان حصوں کا نسب نما گھٹا کر شمار کنندوں کے اعداد کے مساوی کر دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ تمثیل میں، جب اصلی حصے، ایک نسب نما پر لائے جاتے ہیں، تو وہ $\frac{1}{6}$ اور $\frac{3}{6}$ ہو جاتے ہیں۔ شمار کنندوں کا مجموعہ ۱ + ۳ = ۴ ہوتا ہے، اس لیے اخیر حصے $\frac{1}{4}$ اور $\frac{3}{4}$ قرار پاتے ہیں۔

(ز) دادی نانی	$\frac{1}{6}$	} یہ بڑھا کر $\frac{1}{5}$ کر دیا جاتا ہے (ہر ایک کو $\frac{1}{10}$ ملتا ہے)
۲ بیٹیاں	$\frac{2}{3} = \frac{\frac{4}{6}}{\frac{5}{6}}$	یہ بڑھا کر $\frac{\frac{4}{5}}{1}$ کر دیا جاتا ہے
(ح) ماں	$\frac{1}{6}$	جو بڑھا کر $\frac{1}{5}$ کر دیا گیا ہے
بیٹی	$\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$	" " " $\frac{3}{5}$ " " "
پوتی	$\frac{\frac{1}{6}}{\frac{5}{6}}$	" " " $\frac{\frac{1}{5}}{1}$ " " "
(ط) دادی نانی	$\frac{1}{6}$	" " " $\frac{1}{5}$ " " "
حقیقی بہن	$\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$	" " " $\frac{3}{5}$ " " "
علاتی بہن	$\frac{\frac{1}{6}}{\frac{5}{6}}$	" " " $\frac{\frac{1}{5}}{1}$ " " "
(ی) حقیقی بہن	$\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$	" " " $\frac{3}{5}$ " " "

علاتی بہن	$\frac{1}{6}$	جو بڑھا کر $\frac{1}{5}$ کر دیا جاتا ہے
اخیافی بہن	$\frac{1}{6}$	" " $\frac{1}{5}$ " "
	$(\frac{5}{6})$	$(\frac{}{1})$
(ک) ماں	$\frac{1}{6}$	" " $\frac{1}{5}$ " "
حقیقی بہن	$\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$	" " $\frac{3}{5}$ " "
اخیافی بھائی	$\frac{1}{6}$	" " $\frac{1}{5}$ " "
	$(\frac{5}{6})$	$(\frac{}{1})$
(ل) زوج	$\frac{1}{4}$	" " $\frac{4}{16}$
ماں	$\frac{1}{6}$	جو بڑھا کر $(\frac{3}{4})$ کا $\frac{1}{4} = \frac{3}{16}$ کر دیا جاتا ہے
بیٹی	$\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$	" $(\frac{3}{4})$ کا $\frac{3}{4} = \frac{9}{16}$ " " "
	$(\frac{11}{12})$	$(\frac{}{1})$

نوٹ۔۔ تمثیل ہذا اور تمثیلات از (ھ) تا (ص) میں پس ماندہ وارثوں میں زوج یا زوجہ میں سے کوئی نہ کوئی پایا جاتا ہے۔ چونکہ زوج یا زوجہ دوسرے ذوی الفروض کی موجودگی میں رد کے مستحق نہیں ہوتے، اس لیے ان کے حصے بدستور رہیں گے، اور دوسروں کے حصوں میں اضافہ کیا جائے گا اس طرح کہ ان کے حصے ایک نسب نما پر لے آئے جائیں گے، اور بعدہٗ ان کے اصلی کسراتی حصوں کے نسب نماؤں کو گھٹا کر شمار کنندوں کے مجموعے کے مساوی کر لیا جائے گا، اور اس طریقے سے جو جدید کسراتی حصے قائم ہوئے ہیں انھیں اس بقیہ جائداد کے حصے سے جو زوج یا زوجہ کے دینے کے بعد باقی رہ گیا ہے ضرب دیدیں گے۔ موجودہ تمثیل میں جب ماں اور بیٹی کے حصے، ایک نسب نما پر لائے جاتے ہیں، تو علی الترتیب $\frac{1}{6}$ اور $\frac{3}{6}$ ہو جاتے ہیں شمار کنندوں

کا مجموعہ ۱ + ۳ = ۴ ہوتا ہے، اس لیے جدید کسراتی حصے $\frac{۱}{۴}$ اور $\frac{۳}{۴}$ ہوں گے۔ کل جائداد میں سے زوج کے $\frac{۱}{۴}$ چلے جانے کے بعد، $\frac{۳}{۴}$ باقی رہ جاتا ہے، اس لیے اخیر حصے ماں اور بیٹی کے علی الترتیب $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۳}{۱۶}$ اور $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۳}{۴}$ = $\frac{۹}{۱۶}$ قرار پاتے ہیں۔

(ہ) زوجہ $\frac{۱}{۸}$ — $\frac{۴}{۳۲}$

ماں $\frac{۱}{۶}$ — جو بڑھا کر ($\frac{۷}{۸}$ بقیہ جائداد) کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۷}{۳۲}$ ہوتا ہے

بیٹی $\frac{۱}{۲}$ = $\frac{۳}{۶}$ — ,, ,, $\frac{۷}{۸}$,, $\frac{۳}{۴}$ = $\frac{۲۱}{۳۲}$,,

($\frac{۱۹}{۲۴}$) — ($\frac{۱}{۱}$)

(ن) زوجہ = $\frac{۱}{۸}$ — $\frac{۵}{۴۰}$

ماں $\frac{۱}{۶}$ — جو بڑھا کر ($\frac{۷}{۸}$ بقیہ جائداد) کا $\frac{۱}{۵}$ = $\frac{۷}{۴۰}$ ہوتا ہے

۲ پوتیاں $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۴}{۶}$ — ,, ,, ($\frac{۷}{۸}$ بقیہ جائداد) کا $\frac{۴}{۵}$ = $\frac{۲۸}{۴۰}$ ہوتا ہے

($\frac{۲۳}{۲۴}$) — ($\frac{۱}{۱}$)

(س) زوج = $\frac{۱}{۲}$ — $\frac{۲}{۴}$

اخیافی بھائی $\frac{۱}{۶}$ — جو بڑھا کر ($\frac{۱}{۲}$ بقیہ جائداد) کا $\frac{۱}{۲}$ = $\frac{۱}{۴}$ ہوتا ہے

اخیافی بہن $\frac{۱}{۶}$ — ,, ,, ($\frac{۱}{۲}$ بقیہ جائداد) کا $\frac{۱}{۲}$ = $\frac{۱}{۴}$ ہوتا ہے

($\frac{۵}{۶}$) — ($\frac{۱}{۱}$)

(ع) زوجہ = $\frac{۱}{۴}$ — $\frac{۲}{۸}$

اخیافی بھائی $\frac{۱}{۶}$ — جو بڑھا کر ($\frac{۳}{۴}$ بقیہ جائداد) کا $\frac{۱}{۲}$ = $\frac{۳}{۸}$ ہوتا ہے

,, بہن $\frac{۱}{۶}$ — ,, ($\frac{۳}{۴}$ بقیہ جائداد) کا $\frac{۱}{۲}$ = $\frac{۳}{۸}$ ہوتا ہے

($\frac{۷}{۱۲}$) — ($\frac{۱}{۱}$)

(ف) زوجہ	۱/۴	= ۴/۱۲
حقیقی بہن	۱/۲ = ۳/۶	جو بڑھا کر (۳/۴ بقیہ جائداد) کا ۳/۴ = ۹/۱۶ ہوتا ہے
علاتی بہن	۱/۶ (۱۱/۱۲)	" (" " ۳/۴) ۱/۴ = ۳/۱۶ " (۱/۱)
(ص) زوجہ	۱/۴	۱/۴ "
اخیافی بھائی	۱/۶	" " (۳/۴ " ") " ۱/۲ = ۱/۴ "
" بہن	۱/۶	" " " ۱/۴ "
ماں	۱/۶ (۹/۱۲)	" " " ۱/۴ = " (۱/۱)
(ق) زوج	۱/۲	
نواسہ	۱/۲	

نوٹ — نواسہ ذوی الارحام میں ہے۔ اس لیے زوج کو جائداد باقی ماندہ ذریعۂ رد نہیں مل سکتی وہ نواسہ بحیثیت ذی رحم پائے گا۔

(س) زوجہ	۱/۴
بھتیجی	۳/۴

نوٹ — بھتیجی ذوی الارحام میں ہے۔ بقیہ جائداد اسی کو ملے گی، کیونکہ زوجہ رد کی مستحق نہیں ہے[۱] سراجیہ، ۳۰ تا ۴۰۔

عصبات بوجہ خاص — عصبہ بوجہ خاص وہ شخص ہے جو آزاد کردہ شخص سے اسی آزاد کرنے کی بنا پر ترکہ پاتا ہے[۲]۔ شرع اسلام

---

[۱] کناری بنام دالم ۱۸۸۸ء ۱۱ کلکتہ ۱۴۳۔

[۲] ریمزے کا قانون وراثت حسب شرع اسلام، ۱۶۴۔

کی رو سے، اگر آزاد کردہ غلام کسی عصبہ رشتہ دار وارث کے چھوڑے بغیر فوت ہو جائے، تو بجائے اس کے کہ بقیہ جائداد ذریعۂ "رد" اس کے ذوی الفروض میں تقسیم ہو، اس غلام کا آزاد کرنے والا اس کا مستحق ہو گا (سراجیہ ۲۵ - ۲۶)۔ لیکن اس شرع اسلام میں جواب۔ برطانوی ہند کی عدالتوں میں برتی جاتی ہے، ایسے عصبہ کا کوئی وجود نہیں رہا ہے، کیونکہ ۱۸۴۳ء سے غلامی کا دستور قطعاً موقوف کر دیا گیا ہے۔

زوج و زوجہ ـــــ زوج اور زوجہ کو رد پہنچنے کے حق کے متعلق جو قاعدہ استثنا میں بیان کیا گیا ہے وہ سراجیہ کے مندرجہ قاعدے سے مختلف ہے۔ کتاب مذکور کی رو سے، زوج اور زوجہ کسی صورت میں بھی رد کے مستحق نہیں قرار پاتے، جو کچھ بچ رہے وہ بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جانا چاہئے" سراجیہ ۳۷۔ "اگرچہ ابتدائی قاعدہ یہی تھا، مگر اس زمانے میں ایک نفیضی عمل درآمد جاری ہو گیا ہے۔ اور ذوی الفروض رشتہ داروں اور ذوی الارحام کے نہ موجود ہونے کی صورت میں جو کچھ بچ رہتا ہے وہ بطور رد زوج اور زوجہ کو دیدیا جاتا ہے" اور یہ عمل درآمد برطانوی ہند کی عدالتوں نے بھی اختیار کر لیا ہے۔ دیکھو وہ مقدمات جن کا حوالہ تمثیل (الف) میں دیا گیا ہے۔

رد اور عول کا فرق ـــــ رد، عول کے برعکس ہے۔ رد کا عمل اس وقت ہوتا ہے جبکہ وارثوں کے حصوں کا مجموعہ اکائی سے کم ہوتا ہے، اور عول کا عمل اس حالت میں کیا جاتا ہے جبکہ وارثوں کے حصوں کا مجموعہ اکائی سے بڑھ جاتا ہے۔ سابق الذکر صورت میں وارثوں کے حصوں میں بہ تناسب اضافہ؛ اور موخر الذکر صورت میں بہ تناسب کمی ہو جاتی ہے۔

باپ اور دادا (جد صحیح) ـــــ جب صرف ایک ذی فرض

ہوتا ہے، تو اسے کل ترکہ ملتا ہے، بحیثیت ذی فرض وہ اپنا شرعی حصہ، اور بقیہ ذریعۂ رد پاتا ہے۔ باپ تنہا وارث رہ جانے کی حالت میں، بحیثیت عصبہ تمام جائداد کا مالک ہوتا ہے، کیونکہ جب متوفی کی یا متوفی کے بیٹے کی کسی درجے کی بھی اولاد نہیں ہوتی تو باپ بطور ذی فرض کے حصہ نہیں پا سکتا (دیکھو نقشہ ذوی الفروض نشان ۱)۔ یہی حالت دادا کی ہے جبکہ وہ تنہا وارث ہوتا ہے۔

د ۔ ذوی الارحام

دفعہ ۵۴۔ ذوی الارحام ــــــ (۱) اگر ذوی الفروض یا عصبات نہیں ہوتے، تو متروکہ ذوی الارحام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۲) اگر ذوی الفروض میں صرف زوج یا زوجہ ہو، اور کوئی ایسا رشتہ دار موجود نہ ہو جو عصبہ ہو سکتا ہو، تو زوج یا زوجہ کو اس کا کامل حصہ دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ ذوی الارحام میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

سراجیہ ۱۳۔ دفعات سابق سے یہ معلوم ہو چکا کہ زوج اور زوجہ باوجود ذوی فرض ہونے کے، ذوی الارحام کی توریث میں مانع نہیں ہوتے جبکہ وہ متوفی کے تنہا پس ماندہ وارث ہوتے ہیں۔ دیکھو دفعہ ۳۵ اور اس کے تمثیلات (ق) اور (سا)

دفعہ ۵۵۔ چار قسمیں ــــــ (۱) ذوی الارحام کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں:۔

(۱) متوفی کی وہ اولاد جو نہ ذوی الفروض میں ہو اور نہ عصبات میں؛

(۲) متوفی کے وہ آبا اور اجداد جو نہ ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات؛

(۳) متوفی کے والدین کی وہ اولاد جو نہ ذوی الفروض میں ہو اور نہ عصبات میں؛

(۴) متوفی کے آبا و اجداد کی اولاد خواہ کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہو جو عصبات میں داخل نہ ہوتی ہو۔ میراث پانے میں متوفی کی اولاد کو اس کے آبا و اجداد پر، اور

متوفی کے آبا و اجداد کو اس کے والدین کی اولاد پر، اور والدین کی اولاد کو اس کے اجداد کی اولاد پر ترجیح حاصل ہے۔

(۲) مذکورۂ بالا چار اقسام حسب ذیل ذوی الارحام پر مشتمل ہیں:۔

اول متوفی کی اولاد:۔

(۱) بیٹی کی اولاد اور اس اولاد کی اولاد؛

(۲) بیٹے کی بیٹی (یعنی پوتی) کی اولاد، کتنے ہی نیچے درجے کی کیوں نہ ہو۔

دوم۔ متوفی کے آبا و اجداد:۔

(۱) اجداد فاسد کتنے ہی اوپر درجے کے ہوں؛

(۲) جدات فاسد کتنے ہی اوپر درجے کی ہوں۔

سوم۔ والدین کی اولاد:۔

(۱) حقیقی بھائی کی بیٹیاں اور ان کی اولاد؛

(۲) علاتی بھائیوں کی بیٹیاں اور ان کی اولاد؛

(۳) اخیافی بھائی کی اولاد اور اس اولاد کی اولاد؛

(۴) حقیقی بھائی کے بیٹوں (خواہ کسی درجے کے ہوں) کی بیٹیاں اور ان کی اولاد؛

(۵) علاتی بھائی کے بیٹوں (خواہ کسی درجے کے ہوں) کی بیٹیاں اور ان کی اولاد؛

(۶) حقیقی، علاتی، اخیافی بہنوں کی اولاد اور ان کی اولاد۔

چہارم۔ درمیانی اجداد (خواہ وہ صحیح ہوں یا فاسد) کی اولاد:۔

(۱) حقیقی چچاؤں کی لڑکیاں اور ان کی اولاد؛

(۲) علاتی چچاؤں کی لڑکیاں اور ان کی اولاد؛

(۳) اخیافی چچا اور ان کی اولاد اور اس اولاد کی اولاد؛

(۴) حقیقی چچاؤں کے بیٹوں (خواہ کسی درجے کے ہوں) کی بیٹیاں اور ان کی اولاد؛

(۵) علاتی چچاؤں کے بیٹوں (خواہ کسی درجے کے ہوں) کی بیٹیاں اور ان کی اولاد؛

(۶) پھوپیاں (حقیقی ہوں، یا علاتی، یا اخیانی) اور ان کی اولاد اور اس اولاد کی اولاد؛

(۷) ماموں، اور خالائیں، اور ان کی اولاد، اور اس اولاد کی اولاد۔

اور

اولاد بعید تر اجداد کی (خواہ کتنے ہی اوپر درجے کے ہوں اور خواہ صحیح ہوں یا فاسد)۔

(۳) ذوی الارحام کے ہر درجے کے لوگوں کی وراثت پانے کی ترتیب اور وہ قواعد جن سے اس ترتیب کا تعین ہوتا ہے دفعہ ۵۶ سے لے کر ۶۶ تک بیان کئے گئے ہیں۔

سراجیہ ۴۴—۴۶۔ سراجیہ میں جملہ ذوی الارحام کی تفصیل نہیں دی گئی ہے، صرف بعض کے نام بتائے گئے ہیں۔ اس لیے (غالباً انگریزی عدالتوں میں) ایک زمانے میں یہ خیال کیا گیا تھا کہ "ذوی الارحام" صرف وہی ہیں جن کا ذکر اس میں کیا گیا ہے۔ لیکن مدت ہوئی کہ یہ خیال غلط سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے، اب مسلم طور سے یہ قرار پایا ہے کہ جو رشتہ دار ذوی فرض یا عصبہ نہیں ہوتے وہ سب ذوی الارحام میں داخل ہیں[1]۔

---

[1] عیدل سرانگ بنام پٹی بی بی سنہ ۱۹۰۲ء ۲۹ کلکتہ ۷۳۸۔

ذوی الارحام کی پہلی قسم

امام محمد اور امام ابو یوسف کی رائے کا اختلاف۔۔۔ ذوی الارحام کی ہر قسم کے متعلق، ہمیں دو قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ایک وہ قاعدہ جس سے توریث کی ترتیب کا تعین کیا جاتا ہے، اور دوسرا وہ جس سے ہر ایک کا حصہ قرار پاتا ہے۔ ہر قسم میں ہمیں پہلے یہ تعین کرنا ہوتا ہے کہ ذوی الارحام میں کون کون شخص وراثت میں حصہ پانے کے مستحق ہیں؛ اس کا تعین ان قواعد سے کیا جاتا ہے جو قواعد حجب کے نام سے موسوم ہیں۔ اس کے بعد، ان رشتہ داروں کے حصے بتانے ہوتے ہیں، یہ عمل بعض دوسرے قواعد کی مدد سے کیا جاتا ہے۔

جب ہم ذوی الارحام کے مضمون پر پہنچتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے دو بڑے مشہور شاگردوں، امام محمد اور امام ابو یوسف کی رائے میں بڑا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف کی رائے بہت سیدھی سادی ہے، مگر افسوس ہے کہ وہ ہندوستان کے حنفیوں میں مقبول اور مروج نہیں۔ ہندوستان کے حنفی امام محمد کی رائے کا اتباع کرتے ہیں، جو ضرورت سے زیادہ پیچیدہ ہے[1] اور یہی رائے صاحب سراجیہ اور بظاہر صاحب شریفیہ نے اختیار کی ہے[2]۔ فتاویٰ عالمگیری میں کسی رائے کو ترجیح نہیں دی گئی ہے[3]۔ کلکتہ ہائی کورٹ نے بھی امام محمد کی رائے کو مرجح قرار

---

[1] میگناٹن صفحہ ۹ (فٹ نوٹ)؛ بیلی صاحب کا قانون وراثت اہل اسلام صفحہ ۹۲؛ ریمزے صاحب کا قانون وراثت اہل اسلام صفحہ ۶۵؛ امیر علی مرحوم جلد ۲ صفحہ ۷۸۔

[2] سراجیہ ۴۹-۵۰؛ شریفیہ ۹۵۔

[3] بیلی صاحب ۷۱۶، ۷۱۷۔

دیا ہے۔[۱] چونکہ ہندوستان میں امام ابو یوسف کی رائے پر عمل نہیں کیا جاتا، اس لیے ہم نے دفعات ذیل کو صرف امام محمد کی رائے تک محدود رکھا ہے، اور ان دو نظاموں میں جو فرق ہے وہ نوٹ کے ذریعے سے ظاہر کرتے گئے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے، کہ یہ دونوں امام ہر لحاظ سے اور ہر موقع پر ایک دوسرے سے مختلف ہی رہتے ہیں۔ جب تک درمیانی مورث اپنی جنس یا قرابت میں مختلف نہیں ہوتے، ان دونوں نظاموں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ اختلاف صرف انھیں صورتوں میں واقع ہوتا ہے جب کہ درمیانی مورث ــــ

(۱) مختلف جنس کے ہوتے ہیں، مثلاً ایک ہی پشت (بطبقہ) میں کچھ ذکور اور کچھ اناث ہوتے ہیں؛ یا جہاں وہ

(۲) مختلف القرابت ہوتے ہیں، مثلاً ایک ہی پشت (بطبقہ) میں کچھ حقیقی اور کچھ علاتی وغیرہ ہوں۔

امام ابو یوسف درمیانی مورثوں یعنی "اصول" کی جنس یا قرابت کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ ان کی رائے کے مطابق حقیقی دعویداروں یعنی "فروع" کی جنس اور قرابت کا لحاظ کیا جانا چاہئے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے اصول کے مطابق جائداد اسی طرح تقسیم ہونی چاہئے جس طرح بحیثیت عصبات پوتوں اور پوتیوں میں تقسیم ہوتی ہے: یعنی "بالراس" ــــ ہر دعویدار مرد ہر دعویدار عورت سے دگنا حصہ پائے۔

امام محمد کی رائے کے مطابق، نہ صرف حقیقی دعویداروں بلکہ درمیانی مورثوں کی جنس اور قرابت کا بھی لحاظ کیا جانا ضرور ہے۔

---

[۱] اکبر علی بنام ابھاری بی ۱۹۳۱ء، ۵۸ کلکتہ ۲۶۶، ۱۳۰ انڈین کیسز ۸۷۳، ۱۹۳۱ء اے، سی ۵، ۱۵۵۔

جب درمیانی مورث مختلف الجنس ہوتے ہیں، تو یہ دونوں نظام ان حصوں کے متعلق جو دعویداروں کو ملنے چاہییں مختلف ہو جاتے ہیں۔ حصوں کا اختلاف اس حالت میں ظاہر ہوتا ہے جبکہ دعویدار فروع سے ہوتے ہیں، خواہ وہ متوفی کی اولاد از قسم اول ہوں، یا بھائی اور بہن کی اولاد از قسم سوم، یا چچاؤں اور پھپھیوں کی اولاد از قسم چہارم۔ جب درمیانی مورثوں میں قرابت کا اختلاف واقع ہوتا ہے، تو دونوں نظاموں میں ترتیب توریث کے متعلق اختلاف ہو جاتا ہے۔ ترتیب توریث کا اختلاف قسم سوم میں اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب کہ پس ماندہ رشتہ دار کچھ حقیقی یا علاتی اور اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد ہوتے ہیں۔ یہ اختلاف قسم اول اور قسم دوم میں ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ ان اقسام میں درمیانی مورثوں میں قرابت کا کوئی اختلاف واقع نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ قسم چہارم میں ظاہر ہوتا ہے، جہاں دعویدار چچاؤں اور پھپھیوں کی اولاد ہوتی ہے۔

قبل اس کے کہ ہم آگے بڑھیں، ہمیں یہ ظاہر کر دینا چاہیے کہ عصبات میں ذوی الارحام کی طرح درمیانی مورثوں کی جنس یا قرابت میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا۔

دفعہ ۵۶۔ قواعد حجب —— قسم اول کے ذوی الارحام میں متوفی کی وہ اولاد داخل ہے جو نہ ذوی الفروض ہے اور نہ عصبات۔ اس قسم کے لوگوں میں ترتیب توریث کا تعین مفصلۂ ذیل دو قواعد کی علی الترتیب پابندی سے کیا جاتا ہے [سراجیہ ۴۷]:-

قاعدۂ اول —— قریب تر رشتہ دار بعید تر رشتہ دار کو محجوب کر دیتا ہے۔

سراجیہ ۷۔ اس لحاظ سے نواسہ یا نواسی، پرپوتی سے مرجح ہے۔ نواسہ اور نواسی قریب تر ذوی الارحام ہیں؛ اور وہ تمام بعید

ذوی الارحام کو محجوب کر دیتے ہیں۔

قاعدۂ دوم ـــــ ایک ہی درجے کے رشتہ داروں میں ذوی الفروض اور عصبات کی اولاد کو دور کے رشتہ داروں پر ترجیح حاصل ہے۔

سراجیہ ۴۷ - اس طور سے پوتی کا بیٹا' ذی فرض (پوتی) کی اولاد ہونے کی وجہ سے نواسی کے بیٹے سے مرجح ہے' نواسی کا بیٹا ایک بعید رشتہ دار عورت (نواسی) کی اولاد ہے۔

دفعہ ۵۷ - ترتیب وراثت ـــــ جو قواعد دفعہ ۵۶ میں بیان ہوئے ہیں ان کے لحاظ سے قسم اول کے ذوی الارحام میں وراثت کی ترتیب حسب ذیل قرار پاتی ہے:-

(۱) بیٹی کی اولاد۔

(۲) پوتی کی اولاد۔

(۳) بیٹی کے پوتے اور پوتیاں۔

(۴) پوتے کی بیٹی کی اولاد۔

(۵) بیٹی کے پر پوتے اور پر پوتیاں اور پوتیوں کے پوتے اور پوتیاں۔

(۶) متوفی کی دوسری اولاد اسی ترتیب سے۔

زمرہ ہائے مذکورۂ بالا میں سے ہر زمرے کے تمام ارکان کے ختم ہو جانے کے بعد دوسرے زمرے کے ارکان وراثت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

دیکھو نشان (۱) کے لوگ دوسری' اور نشان (۲) اور (۳) کے تیسری' اور نشان (۴) اور (۵) کے لوگ چوتھی پشت میں ہیں نشان (۲) کے لوگ حسب اصول مندرجۂ دفعہ ۵۶ قاعدۂ دوم نشان (۳) کے لوگوں کو محجوب کر دیتے ہیں۔ اور اسی لحاظ سے نشان (۴) کے لوگ نشان (۵) کے لوگوں کو۔

دفعہ ۵۸ - حصوں کا دیا جانا ـــــ اس امر کے متعین ہو جانے کے بعد کہ متوفی کی اولاد میں سے کون کون لوگ وراثت کے مستحق ہیں' ان میں جائداد کا تقسیم

کر دینا باقی رہ جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں تقسیم کے قواعد حسب ذیل ہیں:۔
قاعدۂ اول ـــــ اگر درمیانی مورث مختلف الجنس نہیں ہیں، تو جائداد دعویداروں میں بالراس تقسیم ہوتی ہے، اس طرح کہ ذکور کو اناث سے دگنا حصہ دیا جاتا ہے (سراجیہ ۴۷)۔

تمثیلات

(الف) نواسہ $\frac{2}{3}$
نواسی $\frac{1}{3}$

(ب) نواسے کا بیٹا $\frac{2}{3}$
" کی بیٹی $\frac{1}{3}$

(ج) ۲ بیٹے ہندہ نامی دختر کے $\frac{4}{5}$ (ہر ایک کو $\frac{2}{5}$)

۱ بیٹی عارفہ نامی دختر کی $\frac{1}{5}$

نوٹ۔ بالنسب تقسیم یہ ہے کہ $\frac{1}{2}$ جائداد دو بیٹوں کو دی جائے، اور $\frac{1}{2}$ بیٹی کو، جو علی الترتیب ان کے مورثوں ہندہ اور عارفہ کا حصہ ہے۔

(د) ۲ بیٹے دختر کی دختر زاہدہ کے $\frac{4}{6}$ (ہر ایک کو $\frac{2}{6}$ یا $\frac{1}{3}$)

۲ بیٹیاں دختر کی دختر عابدہ کی $\frac{2}{6}$ (ہر ایک کو $\frac{1}{6}$)

نوٹ۔ بالنسب تقسیم کے لحاظ سے $\frac{1}{2}$ جائداد دو بیٹوں اور $\frac{1}{2}$ دو بیٹیوں کو ملنی چاہئے۔

امام ابو یوسف کا اصول ـــــ امام ابو یوسف کے اصول کے مطابق بھی تقسیم اسی طرح ہوگی۔ مفصلۂ بالا صورتوں میں

نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ہر ایک صورت میں درمیانی مورث
ایک ہی جنس کے ہیں۔ لیکن اگر دعویدار دختر کی دختر کا بیٹا اور دختر
کے بیٹے کی بیٹی ہو، تو اس صورت میں درمیانی مورثوں کی جنس مختلف
ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں امام ابو یوسف کے اصول کے مطابق
قاعدۂ اول کی پابندی کی جانی چاہئے، اس طرح کے مقدم الذکر کو
ذکور میں ہونے سے ۲/۳، اور موخر الذکر کے طبقۂ اناث میں ہونے
سے ۱/۳ جائداد دی جائے؛ وجہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف صرف
دعویداروں کی جنس کا لحاظ فرماتے ہیں (دیکھو امام محمد اور امام ابو یوسف
کے اصول کا فرق صفحہ ۱۱۳)۔ امام محمد کے اصول کے لحاظ سے،
درمیانی مورثوں کی جنس کا بھی لحاظ کیا جانا ضرور ہے اور تقسیم قاعدۂ دوم
کے مطابق عمل میں آنی چاہئے جو درج ذیل ہے۔ اور
جس میں تقسیم بالنسب ہوتی ہے، اگرچہ وہ بعینہ ویسی نہیں ہوتی
جیسی کہ اہل تشیع کے قانون میں ہے۔

قاعدۂ دوم —— اگر درمیانی مورث مختلف الجنس ہوں، تو جائداد حسب
قواعد ذیل تقسیم ہوگی [سراجیہ ۴۸ تا ۵۰]۔

(الف) سب سے زیادہ صاف صورت یہ ہے کہ صرف دو دعویدار
ہوں، اور ایک مورثوں کے ایک سلسلے سے دعویٰ کرتا ہو، اور دوسرا مورثوں کے
دوسرے سلسلے سے۔ تو ایسی صورت کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ پہلے سلسلۂ اسفل میں
جہاں درمیانی مورثوں کی جنس میں اختلاف واقع ہوتا ہو، وہاں ٹھہر کر، مرد مورث کو
عورت مورث سے دگنا حصہ دینا چاہئے۔ مرد مورث کو جو حصہ دیا گیا ہے وہ اس
دعویدار کو پہنچے گا جو اس مرد کے ذریعے سے دعویٰ کرتا ہے، اور جو عورت مورث کو
دیا گیا ہے وہ اس دعویدار کو ملے گا جو عورت مورث کے ذریعے سے دعویدار ہے،
خود دعویداروں کے ذکور یا اناث ہونے کی حیثیت کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا۔

تمثیلات

ایک مسلمان بیٹی کے بیٹے کی بیٹی اور بیٹی کی بیٹی کا بیٹا حسب نقشۂ ذیل

چھوڑ کر مرجاتا ہے:-

مورث

بیٹی پشت اول	بیٹی
بیٹا پشت دوم	بیٹی
بیٹی پشت سوم	بیٹا
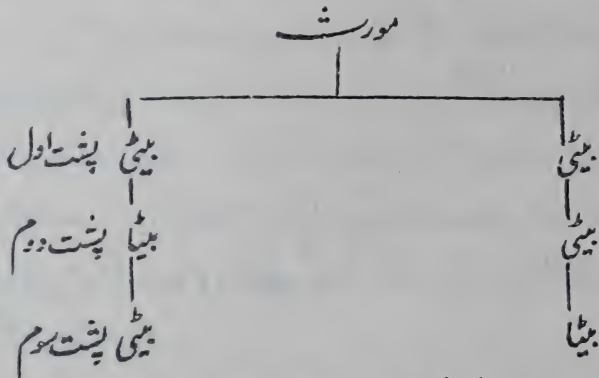
اس مثال میں، مورثوں کی جنس میں دوسری پشت میں اختلاف واقع ہوتا ہے، اور یہیں مرد کو عورت سے دگنا حصہ دینے کا قاعدہ کام میں لاکر بیٹی کے بیٹے کو $\frac{2}{3}$ اور بیٹی کی بیٹی کو $\frac{1}{3}$ جائداد دی جاتی ہے۔ بیٹی کے بیٹے کا $\frac{2}{3}$ اس کی بیٹی کو، اور بیٹی کی بیٹی کا $\frac{1}{3}$ اس کے بیٹے کو ملے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ

بیٹی کے بیٹے کی بیٹی $\frac{2}{3}$

اور

بیٹی کی بیٹی کا بیٹا $\frac{1}{3}$ پائے گا۔

امام ابویوسف کے اصول کے مطابق، یہ حصے علی الترتیب $\frac{1}{3}$ اور $\frac{2}{3}$ ہونے چاہئے تھے۔

نوٹ۔ جب متوفی چوتھی یا اس سے بھی بعید تر پشت کی اولاد چھوڑتا ہے تو ہر ایسی پشت میں جہاں درمیانی مورثوں میں اختلاف جنس واقع ہوتا ہے، مرد کو عورت سے دگنا حصہ دینے کا قاعدہ کام میں لایا جاتا ہے۔ دیکھو تمثیل (ب) ضمنی قاعدہ (ج) جو آگے آتا ہے۔

(ب) دوسری صورت وہ ہے جس میں تین یا تین سے زیادہ دعویدار ہوتے ہیں، اور ہر دعویدار مختلف مورثوں کے سلسلے سے دعویٰ کرتا ہے۔ اس صورت میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ پہلی پشت میں جہاں درمیانی مورثوں کی جنس میں

اختلاف واقع ہوتا ہے، وہاں مورث مرد کو مورث عورت سے دُگنا حصہ دیدیا جاتا ہے۔ مگر اس حالت میں ہر مورث کا انفرادی حصہ اس کی اولاد کو اس طرح نہیں پہنچتا ہے جس طرح صورت مقدم الذکر میں پہنچتا ہے، بلکہ تمام مورث مردوں کا مجموعی حصہ اس اولاد میں جو ان کے ذریعے سے دعویدار ہوتی ہے، اور تمام مورث عورتوں کا مجموعی حصہ اس اولاد میں جو ان کے ذریعے سے دعویدار ہوتی ہے، اس قاعدے کے مطابق جو ایک ہی طبقے کے وارثوں میں مرد کو عورت سے دگنا دینے کا جاری ہے، تقسیم ہوتا ہے۔

تمثیلات

(الف) ایک مسلمان، بیٹی کے بیٹے کی بیٹی، اور بیٹی کی بیٹی کا بیٹا، اور بیٹی کی بیٹی کی بیٹی، چھوڑ کر مرگیا جیسا کہ نقشۂ ذیل میں دکھایا گیا ہے:-

اس صورت میں، درمیانی مورثوں کی جنس میں دوسری پشت میں اگر اختلاف واقع ہوتا ہے۔ اس پشت میں ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔ پس مرد کو دُہرا حصہ دینے کا قاعدہ پہلی مرتبہ یہیں کام میں لایا جائے گا اور حصے یوں قرار پائیں گے۔
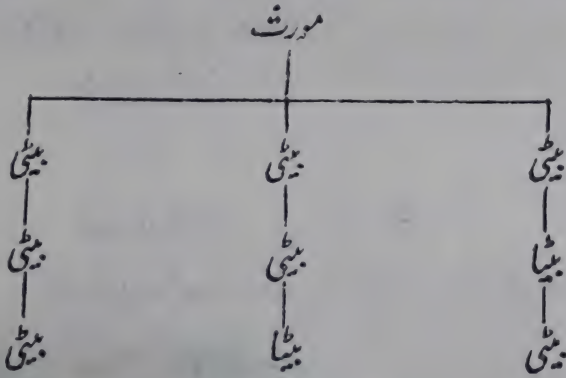
بیٹی کا بیٹا $\frac{1}{2}$

بیٹی کی بیٹی $\frac{1}{4}$ } $\frac{1}{2}$ (مورث عورتوں کا مجموعی حصہ)

بیٹی کی بیٹی $\frac{1}{4}$ }

بیٹی کا بیٹا اکیلا ہے، اس لیے اس کا حصہ اس کی بیٹی پائے گی۔

دو مورث اناث، یعنی، بیٹوں کی بیٹیاں، ایک ہی زمرے کی ہیں، اور ان کے حصص کا مجموعہ $\frac{1}{2}$ ہوتا ہے، جو ان کی اولاد، یعنی، بیٹی کی بیٹی کے بیٹے اور بیٹی کی بیٹی کی بیٹی میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم ہوگا: مقدم الذکر $\frac{1}{2}$ کا $\frac{2}{3}$ = $\frac{1}{3}$، اور موخر الذکر $\frac{1}{2}$ کا $\frac{1}{3}$ = $\frac{1}{6}$ پائے گی۔ اس طرح ہر ایک کا حصہ حسب ذیل قرار پائے گا:۔

بیٹی کے بیٹے کی بیٹی	$\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$
بیٹی کی بیٹی کا بیٹا	$\frac{1}{3} = \frac{2}{6}$
بیٹی کی بیٹی کی بیٹی	$\frac{1}{6} = \frac{1}{6}$

امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، یہ حصے علی الترتیب $\frac{1}{3}$، $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{6}$ ہوتے ہیں۔

(ب) ایک مسلمان، بیٹی کی بیٹی کا بیٹا، اور بیٹی کے بیٹے کا بیٹا اور بیٹی کے بیٹے کی بیٹی، جیسا کہ نقشۂ ذیل میں دکھایا گیا ہے چھوڑ کر مر گیا:۔
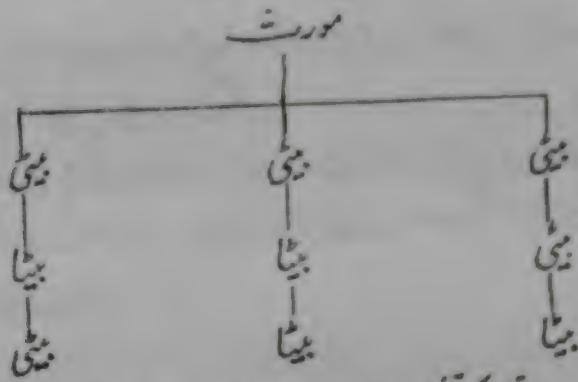
[اس سے قبل کی تمثیل میں، جہاں پہلی پشت میں جنس کا اختلاف واقع ہوتا تھا وہاں ایک مرد اور دو عورتیں تھیں۔ موجودہ تمثیل میں، ایک عورت اور دو مرد ہیں]

سب سے پہلے یہ متعین کرو کہ اولاد کی وہ کونسی پشت ہے جس میں جنس کا اختلاف واقع ہوتا ہے۔ موجودہ تمثیل میں وہ دوسری پشت ہے۔

اس کے بعد، اس پشت کے جتنے رشتہ دار ہیں انھیں خود متوفی کی اولاد فرض کر کے اسی حیثیت سے انھیں حصے دو۔ اس لحاظ سے بیٹی کی بیٹی کا حصہ $\frac{1}{5}$، اور ہر بیٹی کے بیٹے کا حصہ $\frac{2}{5}$، اور دونوں بیٹیوں کے بیٹوں کا مجموعی حصہ $\frac{4}{5}$ ہوگا۔ بیٹی کی بیٹی کا $\frac{1}{5}$ حصہ اس کے بیٹے کو دیدو۔ بعدہ، دو مذکر مورثوں کا حصہ $\frac{4}{5}$ ان کے وارثوں میں اسی طرح تقسیم کرو کہ گویا وہ ایک ہی مورث کی اولاد ہیں، اور مرد کو عورت کا دُگنا حصہ دو۔ اس طور سے بیٹی کے بیٹے کا بیٹا $\frac{4}{5}$ کا $\frac{2}{3} = \frac{8}{15}$، اور بیٹی کے بیٹے کی بیٹی $\frac{4}{5}$ کا $\frac{1}{3} = \frac{4}{15}$ پائے گی۔ اور ہر ایک کا حصہ یہ قرار پائے گا:-

بیٹی کی بیٹی کا بیٹا $\frac{1}{5} = \frac{3}{15}$

بیٹی کے بیٹے کا بیٹا $\frac{8}{15}$

بیٹی کے بیٹے کی بیٹی $\frac{4}{15}$

امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، یہ حصے علی الترتیب $\frac{2}{5}$، $\frac{2}{5}$، $\frac{1}{5}$ ہوں گے۔

(ج)۔ ایک مسلمان، بیٹی کے بیٹے کا بیٹا، بیٹی کے بیٹے کی بیٹی، بیٹی کی بیٹی کا بیٹا، اور بیٹی کی بیٹی کی بیٹی، حسب نقشۂ ذیل چھوڑ کر مرجاتا ہے:-

یہاں دوسری پشت میں پہلی مرتبہ مورثوں کی جنس میں اختلاف
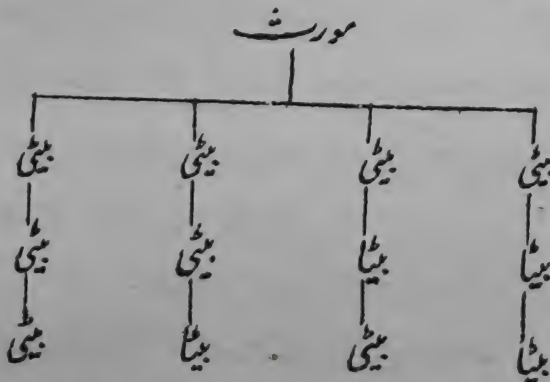
واقع ہوتا ہے۔ دو مذکر مورثوں کا مجموعی حصہ $\frac{4}{6}$، اور دو مؤنث مورثوں کا مجموعی حصہ $\frac{2}{6}$ قرار پاتا ہے۔ جو بیٹیوں کے بیٹوں کا $\frac{4}{6}$ بیٹی کے بیٹے کے بیٹے اور بیٹی کے بیٹے کی بیٹی میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ مقدم الذکر کو $\frac{4}{6}$ کا $\frac{2}{3} = \frac{8}{18}$، اور موخر الذکر کو $\frac{4}{6}$ کا $\frac{1}{3} = \frac{4}{18}$ ملے گا۔ اور بیٹوں کی بیٹیوں کا $\frac{2}{6}$ بیٹی کی بیٹی کے بیٹے اور بیٹی کی بیٹی کی بیٹی میں تقسیم ہوگا، مقدم الذکر $\frac{2}{6}$ کا $\frac{2}{3} = \frac{4}{18}$، اور موخر الذکر $\frac{2}{6}$ کا $\frac{1}{3} = \frac{2}{18}$ پائے گا۔ اس طرح تمام حصوں کی صورت یہ ہوگی :-

بیٹی کے بیٹے کا بیٹا	$\frac{8}{18}$
بیٹی کے بیٹے کی بیٹی	$\frac{4}{18}$
بیٹی کی بیٹی کا بیٹا	$\frac{4}{18}$
بیٹی کی بیٹی کی بیٹی	$\frac{2}{18}$

امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، یہ حصے علی الترتیب $\frac{2}{6}$، $\frac{1}{6}$، $\frac{2}{6}$، $\frac{1}{6}$ ہوں گے۔

نوٹ ـــــ جب کوئی شخص چوتھی پشت یا اس سے بعید تر پشت کی اولاد چھوڑ کر مرے تو "جو طریقہ [قاعدۂ بالا میں] پشت اول میں مورثوں کی جنس میں اختلاف واقع ہونے کا بتایا گیا ہے وہی اور نیچے کی پشت میں بھی برتا جائے گا"، لیکن کسی ایک شخص یا ایک گروہ کی اولاد، جو ایک مرتبہ جدا کر دی گئی ہے وہ تمام عمل میں جدا ہی رہے گی، یا یوں کہو کہ اسے کسی دوسرے شخص یا گروہ کے زمرے میں شامل نہ کرنا چاہئے[۵۱]۔ دیکھو تمثیل (ب) ضمنی قاعدہ (ج) کی۔

(ج) — اخیر صورت یہ ہے کہ ایک ہی درمیانی مورث کے ذریعے

۵۱۔ ویزے کی شرع اسلام قانون وراثت صفحات ۶۸ تا ۶۹۔

سے دو یا دو سے زیادہ اشخاص دعویدار ہوں، ایسی صورت میں، یہ مزید قاعدہ کام میں لایا جاتا ہے کہ ہر ایسے مورث کے لیے، اگر وہ مرد ہو، اتنے ہی مرد فرض کر لیے جاتے ہیں جتنے اس مورث کے واسطے سے دعویدار ہوتے ہیں؛ اور اگر وہ مورث عورت ہے، تو اتنی ہی عورتیں فرض کر لی جاتی ہیں جس قدر اس کے واسطے سے دعویدار ہوتی ہیں؛ دعویداروں کی جنس کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔

تمثیلات

(الف) ایک مسلمان، پرپوتے اور پرپوتیاں چھوڑ کر مرجاتا ہے جن کی تعداد (۵) ہے، جیسا کہ نقشۂ ذیل سے ظاہر ہوگا:۔

یہاں مورث دوسری پشت میں جا کر پہلی مرتبہ مختلف الجنس ہو جاتے ہیں، جس میں ایک مرد اور ایک عورت ہے۔ بیٹی کا بیٹا دو مرد تصور کیا جائے گا کیونکہ اس کی اولاد میں دو دعویدار ہیں، اور بیٹی کی بیٹی تین عورتیں تصور کی جائیں گی کیونکہ اس کی تین اولادیں ہیں۔

اس لحاظ سے

بیٹی کا بیٹا $\frac{4}{7}$

اور
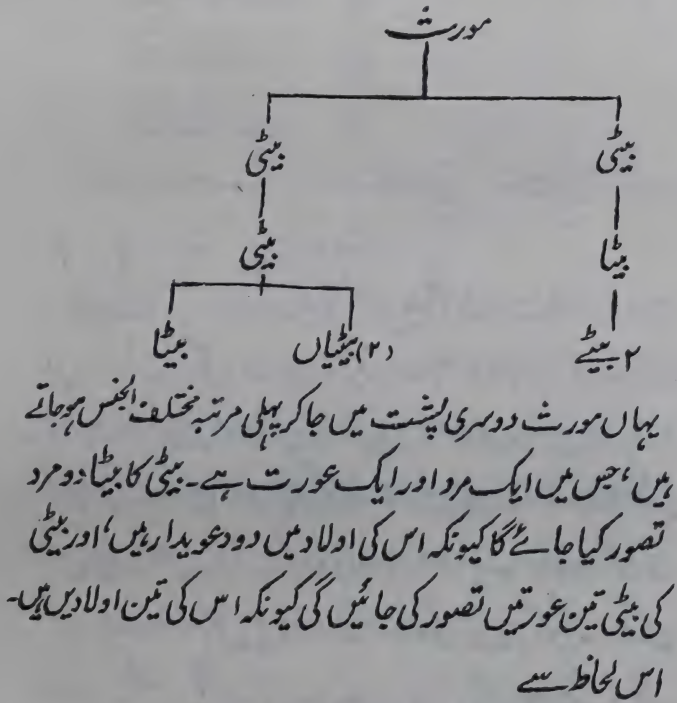
بیٹی کی بیٹی $\frac{3}{7}$ پائے گی۔

بیٹی کے بیٹے کا $\frac{4}{7}$ اس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہوگا۔ اور بیٹی کی بیٹی کا $\frac{3}{7}$ اس کی اولاد کو ملے گا، بیٹا $\frac{3}{7}$ کا $\frac{2}{4}$ = $\frac{6}{28}$ اور ہر بیٹی $\frac{3}{7}$ کا $\frac{1}{4}$

= $\frac{۳}{۲۸}$ پائے گی۔ اور جملہ حصوں کی صورت یہ ہوگی :-

بیٹی کے بیٹے کے بیٹے $\frac{۴}{۷}$ = $\frac{۱۶}{۲۸}$ (ہر ایک $\frac{۸}{۲۸}$)

بیٹی کی بیٹی کا بیٹا $\frac{۶}{۲۸}$

بیٹی کی بیٹی کی بیٹیاں $\frac{۶}{۲۸}$ (ہر ایک $\frac{۳}{۲۸}$)

امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، یہ حصے حسب ذیل ہوں گے :-

ہر ایک بیٹی کے بیٹے کا بیٹا $\frac{۲}{۸}$

بیٹی کی بیٹی کا بیٹا $\frac{۲}{۸}$

ہر بیٹی کی بیٹی کی بیٹی $\frac{۱}{۸}$

نوٹ — جب مورث چوتھی یا اس کے بعد کی کسی پشت کی اولاد چھوڑ جاتا ہے، تو جو عمل قاعدۂ بالا میں بتایا گیا ہے وہ ہر ایسے موقع پر کیا جائے گا جہاں جنسوں کو ایک جگہ جمع کر لینے کی ضرورت ہوگی۔ دیکھو تمثیل ذیل :-

(ب) نوٹ — مفصلۂ ذیل صورت سراجیہ سے لی گئی ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ (الف)، (ب)، اور (ج) کے ضمنی قواعد کا ایک ساتھ عمل کس طرح ہوتا ہے، جب کہ دعویدار چوتھی پشت کے ہوتے ہیں۔ دیکھو نوٹ جو (الف) اور (ب) کے ضمنی قواعد کے آخر میں دئے گئے ہیں، اور نیز وہ نوٹ جو تمثیل (الف) گزشتہ کے آخر میں ہے۔

ایک مسلمان، چوتھی پشت کی پانچ اولادیں چھوڑ کر فوت ہوتا ہے جیسا کہ نقشۂ ذیل سے ظاہر ہوگا [سراجیہ ۴۹] :-

مورث

بیٹی	بیٹی	بیٹی
بیٹا [بیٹا نشان (۱)]	بیٹی [بیٹی نشان (۱)]	بیٹی [بیٹی نشان (۲)]
بیٹی	بیٹی [بیٹی نشان (۳)]	بیٹا [بیٹا نشان (۲)]
۲ بیٹیاں [بیٹی نشان (۴)، بیٹی نشان (۵)]	۲ بیٹے [بیٹے نشان (۳)، بیٹے نشان (۴)]	بیٹی [بیٹی نشان (۶)]
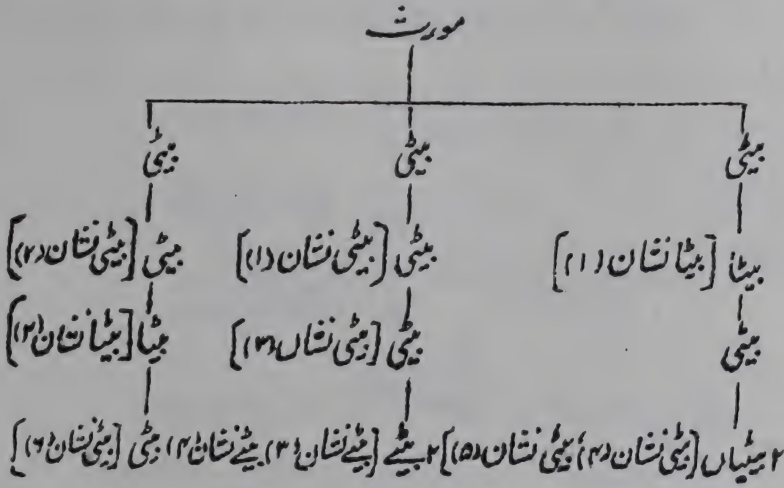
یہاں دوسری پشت میں اختلاف جنس واقع ہوا ہے۔ بیٹا نشان (۱) جس کے دو دعویدار ہیں دو مرد یا چار عورتیں متصور ہوگا۔ بیٹی نشان (۱) کے بھی دو دعویدار ہیں اس لیے وہ دو عورتیں سمجھی جائے گی۔ بیٹی نشان (۲) کی اولاد صرف ایک ہے اس لیے وہ صرف ایک مانی جائے گی۔ اس لیے جائداد حسب ذیل حصوں میں تقسیم ہوگی:-

بیٹا نشان (۱) $\frac{4}{7}$

بیٹی نشان (۱) $\frac{2}{7}$ ⎫
⎬ $\frac{3}{7}$ (مجموعی حصہ مورثان اناث کا)۔
بیٹی نشان (۲) $\frac{1}{7}$ ⎭

بیٹا نشان (۱) اکیلا ہے، یعنی اس کے ساتھ کوئی اور مرد نہیں ہے، اس لیے اس کا حصہ $\frac{4}{7}$ اس کی دو اولادوں بیٹی نشان (۴) اور بیٹی نشان (۵) میں مساوی طور سے تقسیم ہو جائے گا، اور ہر ایک کو $\frac{2}{7}$ پہنچے گا۔ بیٹی نشان (۱) اور بیٹی نشان (۲) کے مجموعی حصص $\frac{3}{7}$ ان کی بلا واسطہ اولاد یعنی بیٹی نشان (۳) اور بیٹے نشان (۲) کو ملیں گے؛ بیٹی نشان (۳) دو دعویدار ہونے سے دو عورتیں سمجھی جائے گی، اور بیٹے نشان (۲) کا صرف ایک

وعہدیدار ہے اس لیے وہ ایک مرد یا دو عورتیں متصور ہوگا۔ اور مجموعی حصہ $\frac{۳}{۷}$ چار حصوں میں بطریق ذیل تقسیم ہوگا:۔

بیٹی نشان (۳) = $\frac{۳}{۷}$ کا $\frac{۲}{۴}$ = $\frac{۳}{۱۴}$

بیٹا نشان (۲) = $\frac{۳}{۷}$ کا $\frac{۲}{۴}$ = $\frac{۳}{۱۴}$

بیٹی نشان (۳) کا حصہ بیٹے نشان (۳) اور بیٹے نشان (۴) کو پہنچے گا، اور ہر ایک $\frac{۳}{۲۸}$ پائے گا۔ بیٹے نشان (۲) کا حصہ اس کی اولاد بیٹی نشان (۶) پائے گی۔ اس لیے آخری حصے حسب ذیل ٹھہرتے ہیں:۔

بیٹی نشان (۴) $\frac{۳}{۷}$؛

بیٹی نشان (۵) $\frac{۲}{۷}$؛

بیٹا نشان (۳) $\frac{۳}{۲۸}$؛

بیٹا نشان (۴) $\frac{۳}{۲۸}$؛

بیٹی نشان (۶) $\frac{۳}{۱۴}$ ۔

امام ابو یوسف کے نزدیک، یہ حصے حسب ذیل ہوں گے:۔

بیٹی نشان (۴) = $\frac{۱}{۷}$؛

بیٹی نشان (۵) = $\frac{۱}{۷}$؛

بیٹا نشان (۳) = $\frac{۲}{۷}$؛

بیٹا نشان (۴) = $\frac{۲}{۷}$؛

بیٹی نشان (۶) $\frac{۱}{۷}$ ۔

ذوی الارحام کی دوسری قسم

دفعہ ۵۹۔ ترتیب وراثت —— (۱) اگر قسم اول کا کوئی ذی رحم موجود نہ ہو، تو تمام جائداد ماں کے باپ (نانا) کو ملے گی کیونکہ دوسری قسم کے ذوی الارحام میں سب سے قریب وہی ہے [دیکھو قاعدہ (۱) آیندہ]۔

(۲) اگر نانا نہ ہوگا تو جائداد تیسرے درجے کے ان اجداد فاسد کو پہنچے گی جن کا رشتہ متوفی سے ذوی الفروض کے ذریعے سے ہوگا، یعنی، باپ کی ماں کے باپ اور ماں کی ماں کے باپ کو؛ ان میں سے مقدم الذکر کا تعلق پدری اور موخر الذکر کا تعلق مادری ہونے سے، انھیں جائداد علی الترتیب ۲/۳ اور ۱/۳ ملے گی [دیکھو قواعد (۲) اور (۳) آیندہ]۔

خیال رکھو کہ باپ کی ماں اور ماں کی ماں ذوی الفروض میں داخل ہیں۔

(۳) اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو، تو جائداد تیسرے درجے کے بقیہ اجداد فاسد، یعنی، ماں کے باپ کے باپ اور ماں کے باپ کی ماں کو ملے گی۔ چونکہ ان دونوں کا تعلق مادری ہے، اور درمیانی اجداد بھی ہم جنس ہیں، اس لیے مقدم الذکر کو مذکر ہونے سے جائداد ۲/۳، اور موخر الذکر کو مونث ہونے سے جائداد کا ۱/۳ حصہ پہنچے گا، حسب قاعدہ (۱) دفعہ ۵۸ [سراجیہ صفحات ۵۱-۵۲]۔

خیال رکھو کہ جن دو اجداد کا ضمنی دفعہ (۳) میں ذکر ہوا ہے ان دونوں کی قرابت متوفی کے ساتھ بعید رشتہ داروں، یعنی، ماں کے باپ (نانا) کے ذریعے سے ہے۔

قواعد وراثت —— دوسرے درجے کے ذوی الارحام کی وراثت میں قواعد ذیل کی پابندی کی جاتی ہے:—

قاعدہ (۱) قریب تر بعید تر کو محجوب کر دیتا ہے۔

قاعدہ (۲) —— ایک ہی درجے کے دعویداروں میں، ان دعویداروں کو جن کا تعلق متوفی سے بذریعہ

ذوی الفروض ہے، ان دعویداروں پر جن کا تعلق
ذوی الارحام کے ذریعے سے ہے، ترجیح حاصل ہے۔
قاعدہ (۳) ــــ اگر دعویدار پدری سلسلے کے
بھی ہوں اور مادری سلسلے کے بھی، تو پدری سلسلے
والوں کو ⅔، اور مادری کو ⅓ دیا جائے۔ اور جو کچھ
پدری سلسلے والوں کو ملے وہ باپ کے اجداد میں، اور
جو کچھ مادری سلسلے والوں کو ملے وہ ماں کے اجداد
میں، حسب قواعد دفعہ ۵۸ تقسیم کر دیا جائے۔
امام ابو یوسف کا اصول ــــ اس کا صاف طور سے
پتا نہیں چلتا کہ درمیانی مورثوں کے اختلاف جنس کی حالت میں
آیا (امام ابو حنیفہ کے) دو شاگردوں کی رائے میں وہی اختلاف ہے
جو قسم اول میں پایا جاتا ہے یا نہیں۔ بہر حال ایسا کوئی اختلاف
اس وقت تک نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ چوتھی پشت کے
اجداد کی نوبت نہیں آتی۔

ذوی الارحام کی تیسری قسم

دفعہ ۶۰۔ قواعد حجب ــــ اگر اول اور دوم قسم کے ذوی الارحام
موجود نہیں ہوتے، تو جائداد تیسرے درجے کے ذوی الارحام کو پہنچتی ہے۔ یہ قسم
ان بھائیوں اور بہنوں کی اولاد پر مشتمل ہے جو نہ ذوی الفروض ہیں اور نہ عصبہ۔
اس قسم کے لوگوں میں مفصلۂ ذیل تین قواعد کے استعمال سے ترتیب وراثت کا
تعین ہوتا ہے [سراجیہ ۵۲-۵۴]:۔
قاعدہ (۱) ــــ قریب تر بعید تر کو محجوب کر دیتا ہے۔
اس طور سے بھائیوں اور بہنوں کی اولاد، ان کے پوتوں اور
پوتیوں کو محجوب کر دیتی ہے۔
قاعدہ (۲) ــــ ایک ہی درجے کے دعویدار رشتہ داروں میں،

عصبات کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح دی جاتی ہے۔

اس طور سے حقیقی بھائی کے بیٹے کی بیٹی، جو کہ (حقیقی بھائی کے بیٹے) عصبہ کی اولاد ہے، حقیقی بہن کی بیٹی کے بیٹے پر جو کہ ذی رحم (حقیقی بہن کی بیٹی) کی اولاد ہے، مرجح ہے۔ اسی لحاظ سے، علاتی بھائی کے بیٹے کی بیٹی کو حقیقی بہن کی بیٹی کے بیٹے پر ترجیح دی جائے گی اگرچہ مقدم الذکر کے ساتھ علاتی اور موخر الذکر کے ساتھ حقیقی رشتہ ہے۔

قاعدہ (۳) — ایک ہی درجے کے دعویدار رشتہ داروں میں، جو قاعدہ (۲) مذکورۂ بالا کی رو سے مجحوب نہ ہو گئے ہوں، حقیقی بھائیوں کی اولاد علاتی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کو مجحوب کر دیتی ہے۔

لیکن حقیقی بہنوں کی اولاد علاتی بھائیوں یا بہنوں کی اولاد کو مجحوب نہیں کرتی، بلکہ یہ لوگ وہ پاتے ہیں جو حقیقی بہنوں اور اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کو ان کے حصے دینے کے بعد کچھ بچ جاتا ہے۔

اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد، حقیقی یا علاتی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد سے مجحوب نہیں ہو جاتی، بلکہ وہ اس کی وراثت میں حصہ پاتی ہے۔

بطور خاص اس کا خیال رکھو کہ جو معیار نسل کا قاعدہ (۳) میں مقرر کیا گیا ہے وہ اس وقت تک کام میں نہیں لایا جاتا جب تک کہ وہ معیار نہ برتا جائے جو قاعدہ (۲) میں بتایا گیا ہے۔ چچاؤں اور پھپھیوں کی اولاد میں یہ معیار بہ ترتیب منقلب کام میں لایا جاتا ہے: دیکھو وہ نوٹ جو دفعہ ۶۳ آئندہ میں "وراثت اولاد کے قواعد" کے تحت دیے گئے ہیں [قواعد (۳) اور (۴)]۔

دفعہ ۶۱۔ ترتیب وراثت — قواعد مذکورۂ بالا سے تیسری قسم کے ذوی الارحام میں وراثت کی جو ترتیب قائم ہوتی ہے، وہ یہ ہے:-

(۱) حقیقی بھائیوں کی بیٹیاں، حقیقی بہنوں کی اولاد، اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد۔

(۲) حقیقی بہنوں کی اولاد، اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد، علاتی بھائیوں کی بیٹیاں، علاتی بہنوں کی اولاد، علاتی زمرے کے لوگ جائداد باقی ماندہ پاتے ہیں (اگر کچھ باقی رہ جائے)۔

(۳) علاتی بھائیوں کی بیٹیاں، علاتی بہنوں کی اولاد، اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد۔

(۴) حقیقی بھائیوں کے بیٹوں کی بیٹیاں (اولاد عصبات)۔

(۵) علاتی بھائیوں کے بیٹوں کی بیٹیاں (اولاد عصبات)۔

(۶) حقیقی بھائیوں کی بیٹیوں کی اولاد، حقیقی بہنوں کے پوتے پوتیاں، اخیافی بھائیوں اور بہنوں کے پوتے پوتیاں۔

(۷) حقیقی بہنوں کے پوتے پوتیاں، اخیافی بھائیوں اور بہنوں کے پوتے پوتیاں، علاتی بھائیوں کی بیٹیوں کی اولاد اور علاتی بہنوں کے پوتے پوتیاں، علاتی زمرے کے لوگ بقیہ جائداد پاتے ہیں (اگر کچھ بچ رہے)۔

(۸) علاتی بھائیوں کی بیٹیوں کی اولاد، علاتی بہنوں کے پوتے پوتیاں، اخیافی بھائیوں اور بہنوں کے پوتے پوتیاں۔

(۹) بھائیوں اور بہنوں کی بعید تر اولاد اسی ترتیب سے۔

مذکورۂ بالا زمروں میں سے ہر ایک زمرے کے ختم ہو جانے کے بعد اس کے بعد کے زمرے کے لوگ وراثت پاتے ہیں۔

جس اولاد کا اوپر ذکر ہوا، ان میں سے نشان (۱) سے لے کر نشان (۳) تک بھتیجے، بھتیجیاں، بھانجے اور بھانجیاں ہیں؛ اور نشان (۴) سے لے کر نشان (۸) تک بھتیجے، بھتیجیوں، اور بھانجے بھانجیوں کی اولاد۔ اس کو اچھی طرح یاد رکھو کہ حقیقی اور علاتی بھائیوں کے بیٹے عصبات ہیں؛ اور اسی وجہ سے فہرست بالا میں ان کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔

امام ابو یوسف کا اصول ـــــ امام ابو یوسف کے یہاں بھی

حجب کے تین ہی قاعدے ہیں، اول دو قاعدے وہی ہیں جو دفعۂ بالا میں درج کیے گئے۔ امام موصوف کا تیسرا قاعدہ، جو مذکورۂ بالا دونوں قاعدوں کے استعمال کے بعد کام میں لایا جاتا ہے، یہ ہے کہ حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد، علاتی بھائیوں اور بہنوں کو محجوب کردیتی ہے؛ اور علاتی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد سے، اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد محجوب ہوجاتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف دعویداروں کی "نسل" (قرابت) کا خیال کرتے ہیں، اور امام محمد اصول کی "نسل" (قرابت) کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف وراثت کی جو ترتیب قرار دیتے ہیں وہ امام محمد کی ترتیب سے مختلف ہوجاتی ہے۔

دفعہ ۶۲۔ حصوں کا دیا جانا۔۔۔ یہ دریافت ہوجانے کے بعد کہ بھائیوں اور بہنوں کی اولاد میں سے کون لوگ وراثت کے مستحق ہیں، دوسرا کام یہ ہوتا ہے کہ جائداد ان میں تقسیم کردی جائے۔ اور یہ عمل مفصلۂ ذیل قواعد کو بہ ترتیب کام میں لانے سے ہوتا ہے (سراجیہ ۵۳ تا ۵۴):۔

قاعدہ (۱)۔۔۔ جائداد ابتداءً اصول میں تقسیم کرو، یعنی، بھائیوں اور بہنوں میں (یہ فرض کرکے کہ وہ زندہ ہیں) اور اس عمل میں ہر بھائی کو، جس کی دو یا دو سے زیادہ اولادیں دعویدار ہوں، دعویداروں کی تعداد کے مطابق بھائی فرض کرلو؛ اور اسی طرح ہر بہن کو جس کی دو یا دو سے زیادہ اولادیں دعویدار ہوں، دعویداروں کی تعداد کے مطابق بہنیں فرض کرلو۔ اگر ان اصول کو ان کے حصے دینے کے بعد کچھ جائداد باقی رہ جائے، اور اصول میں کوئی عصبہ [یعنی حقیقی یا علاتی بھائی] نہ ہو، تو قاعدۂ رد کو کام میں لاؤ جو دفعہ ۵۲ میں بیان کیا جاچکا ہے۔ چونکہ مفروضہ دعویدار بھائی اور بہنیں ہیں، اس لیے عول کا کوئی امکان نہیں [دفعہ ۱۵]۔

تیسری قسم کے ذوی الارحام رشتہ دار حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد ہوتے ہیں، اس لیے بھائی اور بہنیں "اصول" ہیں۔ ان میں سے، اخیافی بھائی اور بہنیں بطور ذوی الفروض کے

حصہ پاتی ہیں؛ اگر ایک ہے تو اسے $\frac{1}{6}$ اور دو یا دو سے زیادہ ہیں
تو $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا۔ حقیقی اور علاتی بھائیوں کو ہمیشہ بطور عصبہ کے
حصہ ملتا ہے۔ حقیقی بھائیوں کے نہ ہونے کی صورت میں حقیقی بہنیں
ذوی الفروض ہو جاتی ہیں، اگر ایک ہے تو اسے $\frac{1}{2}$ اور اگر دو یا
دو سے زیادہ ہیں تو انھیں $\frac{2}{3}$ ملتا ہے؛ لیکن اگر حقیقی بھائی
موجود ہیں تو حقیقی بہنیں ان کے ساتھ عصبہ ہو کر حصہ پاتی ہیں۔
یہی حالت علاتی بہنوں کی ہے۔ دیکھو نقشہ ذوی الفروض از
نشان ۹ تا ۱۲؛ و نقشہ عصبات از نشان ۵ تا ۷۔

اگر دعویداران وراثت میں اخیانی اور حقیقی بھائی ہوں،
تو اخیانی بھائی کو $\frac{1}{6}$، اور بقیہ $\frac{5}{6}$ حقیقی بھائی کو ملے گا لیکن
اگر اخیانی بھائی اور حقیقی بھائی کی اولادیں سے دو یا دو سے زیادہ
دعویدار ہوں، تو اخیانی بھائی کا مفروضہ حصہ $\frac{1}{3}$ ہوگا، جو
دو یا دو سے زیادہ اخیانی بھائیوں کا حصہ ہے، اور حقیقی بھائی کا
مفروضہ حصہ $\frac{2}{3}$ ٹھیرے گا۔ اگر دعویداروں میں ایک اخیانی
بہن اور ایک حقیقی بہن ہے، تو اخیانی بہن کو $\frac{1}{6}$، اور حقیقی بہن
کو $\frac{1}{2}$ ملے گا، اور بقیہ $\frac{1}{3}$ انھیں کی طرف رد کر دیا جائے گا اخیانی
بہن $\frac{1}{4}$ اور حقیقی بہن $\frac{3}{4}$ پائے گی۔ لیکن اگر دعویداروں میں اخیانی
بہن کی پانچ اولادیں، اور حقیقی بہن کی نو اولادیں ہوں تو اخیانی
بہن کا مفروضہ حصہ $\frac{1}{3}$ ہوگا، جو دو یا دو سے زیادہ اخیانی بہنوں
کا حصہ ہے، اور حقیقی بہن کا حصۂ مذکور $\frac{2}{3}$ ہوگا، جو دو یا دو سے
زیادہ حقیقی بہنوں کا حصہ ہے [دیکھو تمثیل (ب) قاعدہ (۳)
آیندہ میں]۔

اگر دعویدار ایک حقیقی بھائی اور ایک حقیقی بہن ہوں، تو وہ
بطور عصبات کے حصہ پائیں گے، حقیقی بھائی کو $\frac{2}{3}$ اور حقیقی بہن
کو $\frac{1}{3}$ ملے گا۔ لیکن اگر حقیقی بھائی کی تین اولادیں، اور حقیقی بہن کی

یا راولادیں دعوی کرتی ہیں، توحقیقی بھائی تین مردوں یعنی ٦ عورتوں کے مساوی، اور حقیقی بہن چار عورتوں کے مساوی قرار دی جائے گی۔ اور جائداد دس حصوں میں تقسیم ہو کر حقیقی بھائی کا حصہ ٦/١٠، اور حقیقی بہن کا حصہ ٤/١٠ قرار پائے گا [مقابلہ کرو تمثیل (الف) قاعدہ (۳) سے جو آگے آتا ہے]۔ علاتی بھائی اور علاتی بہن کی حالت بعینہ حقیقی بھائی اور حقیقی بہن کی ہے [مقابلہ کرو تمثیل (ھ) قاعدہ (۳) کے ساتھ جو آگے آتا ہے]۔

اصول سے قاعدۂ رد کو متعلق کرنے کی نسبت، دیکھو تمثیل (ط) قاعدہ (۳) جو آگے آتا ہے۔

قاعدہ (۲) —— اصول کے مفروضہ حصے معین کر لینے کے بعد، دوسرا کام یہ ہے کہ اخیافی زمرے کے لوگوں کے حصے دے دئے جائیں۔ اگر اس زمرے میں صرف ایک ہی دعویدار رہے تو اسے ١/٦ دیا جائے، جو اس کے والدین کا فرضی حصہ ہے۔ لیکن اگر اس زمرے میں دو یا دو سے زیادہ دعویدار رہوں، خواہ وہ ایک اخیافی بھائی یا ایک اخیافی بہن، یا دو یا دو سے زیادہ اخیافی بھائیوں یا اخیافی بہنوں کی اولاد ہوں، تو انھیں ١/٣ دو، جو ان کے والد یا والدین کا فرضی حصہ ہے، اور اسے بلالحاظ —— تذکیر تانیث کے ان سب میں مساوی طور سے تقسیم کر دو۔

قاعدہ (۳) —— اخیر قاعدہ یہ ہے کہ حقیقی اور علاتی بھائیوں بہنوں کے فرضی حصے علی الترتیب ان کی اولادوں میں اس طرح تقسیم کر دو جس طرح قسم اول کے ذوی الارحام میں تقسیم عمل میں آتی ہے [دیکھو دفعہ ۵۸]۔

امام ابو یوسف کا اصول —— امام موصوف کی رائے کے مطابق، جائداد دعویداروں میں بالراس تقسیم ہونی چاہیے اس حساب سے کہ مرد کو عورت سے دوگنا ملے۔

تمثیلات

(الف) ایک سنی مسلمان، حقیقی بھائی کی ایک بیٹی، اور حقیقی بہن کا

ایک بیٹا اور ایک بیٹی، اور علاتی بھائی کی ایک بیٹی، اور علاتی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی، اور اخیافی بھائی کی ایک بیٹی، اور اخیافی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی حسب نقشۂ ذیل چھوڑ کر مرجاتا ہے :-

مورثان مشترک

حقیقی بھائی	حقیقی بہن		علاتی بھائی	علاتی بہن		اخیافی بھائی	اخیافی بہن	
بیٹی ($\frac{1}{3}$)	بیٹا ($\frac{2}{9}$)	بیٹی ($\frac{1}{9}$)	بیٹی (محجوب)	بیٹا (محجوب)	بیٹی (محجوب)	بیٹی ($\frac{1}{9}$)	بیٹا ($\frac{1}{9}$)	بیٹی ($\frac{1}{9}$)
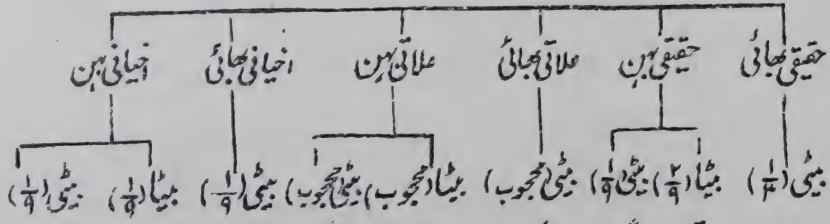
علاتی بھائی اور بہن کی اولاد، حقیقی بھائی کی بیٹی کے موجود ہونے سے محجوب ہو جائے گی [دیکھو دفعہ ۶۰ قاعدہ (۳)]۔ اس لیے جائداد حقیقی اور اخیافی بھائی بہنوں کی اولاد میں تقسیم ہو گی۔

اخیافی زمرے کے تین دعویدار ہیں، اور اخیافی بھائی بہنوں کا مجموعی حصہ $\frac{1}{3}$ ہے، اس لیے ان کی تین اولادوں میں جائداد مساوی طور سے بلالحاظ تذکیر و تانیث تقسیم ہو کر ہر ایک کو جائداد کا $\frac{1}{9}$ حصہ ملے گا۔

اس طور سے جائداد کا $\frac{2}{3}$ حصہ باقی رہ جائے گا، جو ابتداءً حقیقی بھائی اور حقیقی بہن کو ان کی اولاد کے دعویداروں کی تعداد کے مطابق، بحیثیت عصبات کے ملے گا۔ حقیقی بھائی جس کی صرف ایک اولاد ہے، ایک مرد یا دو عورتیں شمار کیا جائے گا۔ اور حقیقی بہن جس کی دو اولادیں ہیں، دو عورتیں سمجھی جائے گی۔ اس طرح باقی ماندہ جائداد چار حصوں میں تقسیم ہو کر حقیقی بھائی کو $\frac{2}{3}$ کا $\frac{2}{4}$ = $\frac{1}{3}$، اور حقیقی بہن کو بھی $\frac{2}{3}$ کا $\frac{2}{4}$ = $\frac{1}{3}$ حصہ ملے گا۔

حقیقی بھائی کا $\frac{1}{3}$ حصہ اس کی اولاد پائے گی۔ حقیقی بہن کا

$\frac{۱}{۳}$ حصہ اس کی دو اولادوں میں تقسیم ہو کر، مرد کو عورت سے دگنا ملنے کے اصول پر جیسا کہ قسم اول ذوی الارحام میں ہوتا ہے، بیٹے کو $\frac{۱}{۳}$ کا $\frac{۲}{۳} = \frac{۲}{۹}$، اور بیٹی کو $\frac{۱}{۳}$ کا $\frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۹}$ ملے گا۔

نوٹ ــــ حقیقی بھائی اور بہن کے نہ موجود ہونے کی حالت میں، جائداد باقی ماندہ اسی طرح علاتی بھائی بہن کی اولاد میں تقسیم ہو جائے گی۔

(امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، تمام جائداد حقیقی بھائی اور بہن کی اولاد میں، مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملنے کے قاعدے پر تقسیم کردی جائے گی؛ جس میں حقیقی بھائی کی بیٹی کو $\frac{۱}{۴}$، اور حقیقی بہن کے بیٹے کو $\frac{۱}{۲}$، اور حقیقی بہن کی بیٹی کو $\frac{۱}{۴}$ حصہ ملے گا۔ اگر حقیقی بھائی بہن کی اولاد نہ ہوگی، تو جائداد اسی طرح علاتی بھائی بہن کی اولاد میں تقسیم ہوگی۔ اور علاتی بھائی بہن کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں، یہی عمل اخیافی بھائی بہن کی اولاد کے ساتھ ہوگا)۔

(ب) ایک سنی مسلمان، اخیافی بہن کی پانچ اولادیں اور حقیقی بہن کی تین اولادیں حسب نقشۂ ذیل چھوڑ کر فوت ہو جاتا ہے:ــ

اخیافی بہن ($\frac{۱}{۳}$) — حقیقی بہن $\frac{۲}{۳}$

بیٹا — بیٹا — بیٹا — بیٹی — بیٹی — بیٹا ($\frac{۴}{۱۵}$) — بیٹا ($\frac{۴}{۱۵}$) — بیٹی ($\frac{۲}{۱۵}$)

ہر ایک کو $\frac{۱}{۱۵}$
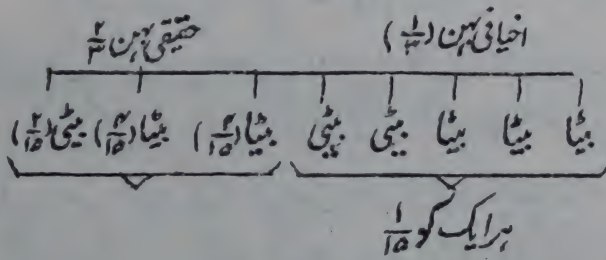
چونکہ اخیافی زمرے میں پانچ دعویدار ہیں، اور اخیافی بہن کا حصہ $\frac{۱}{۳}$ ہے، اور یہ اس کی پانچ اولاد میں بلا لحاظ تذکیر و تانیث مساوی تقسیم ہوگا، اس لیے ہر ایک کو $\frac{۱}{۳}$ کا $\frac{۱}{۵} = \frac{۱}{۱۵}$ پہنچے گا۔

حقیقی بہن کی تین اولادیں ہیں، اس لیے وہ تین بہنوں کے

مساوی شمار ہوگی، اور $\frac{2}{3}$ پائے گی جو دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنوں کا حصہ ہوتا ہے [دیکھو نقشۂ ذوی الفرض نشان ۱۱]۔ اور یہ مرد کو عورت سے دوگنا ملنے کے قاعدے سے جیسا کہ قسم اول کے ذوی الارحام میں ہوتا ہے، اس کی تین اولادوں میں تقسیم ہوگا۔ ہر بیٹے کو $\frac{2}{3}$ کا $\frac{2}{5} = \frac{4}{15}$، اور ہر بیٹی کو $\frac{2}{3}$ کا $\frac{1}{5} = \frac{2}{15}$ ملے گا۔

(امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، تمام جائداد حقیقی بہن کی اولادیں، مرد کو عورت سے دوگنے حصے کے قاعدے کے ساتھ تقسیم ہوگی، جس سے ہر بیٹا $\frac{2}{5}$ اور بیٹی $\frac{1}{5}$ پائے گی)

(ج) ایک سنی مسلمان، اخیافی بھائی کی بیٹی، اخیافی بہن کا بیٹا، حقیقی بہن کا بیٹا، اور علاتی بھائی کی بیٹی حسب نقشۂ ذیل چھوڑ کر فوت ہوتا ہے:—

اخیافی بھائی	اخیافی بہن	حقیقی بہن	علاتی بھائی
بیٹی ($\frac{1}{4}$)	بیٹا ($\frac{1}{4}$)	بیٹا ($\frac{1}{2}$)	بیٹی ($\frac{1}{4}$)

اس تمثیل میں حقیقی بھائی کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس لیے علاتی بھائی کی بیٹی محجوب نہیں ہوتی، بلکہ جائداد سے دوسرے دعویداروں کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچ رہے گا وہ اسی کو ملے گا۔

زمرۂ اخیافی میں دو اولادیں ہیں، اور اخیافی بھائی بہن کے حصوں کا مجموعہ $\frac{1}{3}$ ہوتا ہے، جو ان کی اولادیں بلا لحاظ تذکیر و تانیث کے مساوی طور سے تقسیم ہو جائے گا اور ہر ایک کو $\frac{1}{6}$ ملے گا۔

حقیقی بہن جس کے صرف ایک اولاد ہے، ایک حقیقی بہن شمار ہوگی، جس کا حصہ $\frac{1}{2}$ ہے، جو اس کے بیٹے کو ملے گا۔

اس تقسیم کے بعد جائداد کا $\frac{1}{6}$ حصہ بچ رہے گا، جو علاتی بھائی بطور عصبہ کے پائے گا، اور وہ اس کی بیٹی کو پہنچے گا۔

[امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، تمام جائداد حقیقی بہن کے بیٹے کو ملے گی]۔

(ج ج) ایک سنی مسلمان، دو بیوہ، اور حقیقی بہن کی چار اولادیں اور ایک علاتی بھائی کی دو بیٹیاں چھوڑ کر مر گیا۔ کلکتہ ہائیکورٹ نے تجویز کی کہ اس صورت میں حصوں کی تقسیم امام محمد کے طریقے پر ہونی چاہیے۔ اور اس کے مطابق عمل کر کے دو بیواؤں کو $\frac{1}{4}$ کا اور حقیقی بہن کی اولاد کو $\frac{2}{3}$ کا، اور باقی ماندہ $\frac{1}{12}$ کا علاتی بھائی کی بیٹیوں کو مستحق قرار دیا[1]۔

(د) ایک سنی مسلمان، ایک اخیافی بہن کی ایک بیٹی، اور ایک علاتی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی، حسب نقشۂ ذیل چھوڑ کر مر جاتا ہے:—

اخیافی بہن
بیٹی ($\frac{3}{15}$)

علاتی بہن
بیٹا ($\frac{8}{15}$)
بیٹی ($\frac{4}{15}$)
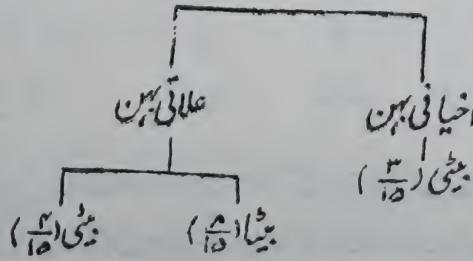
اخیافی بہن کی صرف ایک اولاد ہے، اس لیے اس کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہوگا۔ علاتی بہن جس کی دو اولادیں ہیں، دو علاتی بہنیں شمار ہوں گی، اور اس کا حصہ $\frac{2}{3}$ قرار پائے گا [نقشۂ ذوی الفروض نشان ۱۱]۔ اس طور سے جائداد کا $\frac{1}{6}$ باقی رہ جاتا ہے، چونکہ "اصول" میں کوئی عصبہ نہیں ہے، اس لیے یہ باقی ماندہ حصہ

[1] اکبر علی بنام ادار بی [illegible] ۵۸ کلکتہ ۳۶۶، ۱۳۰ انڈین کیسز ۸۷۳ سنہ ۱۹۳۱ء اپیل کیسز ۱۵۵۔

اخیافی اور علاتی بہنیں بذریعۂ رد پائیں گی۔ پس مفروضہ حصص حسب ذیل ہوں گے:۔

اخیافی بہن $\frac{1}{6} = \frac{1}{6}$ جو بڑھا کر $\frac{1}{5}$ کر لیا جائے گا۔

علاتی بہن $\frac{2}{3} = \frac{4}{6}$ جو بڑھا کر $\frac{4}{5}$ کر لیا جائے گا۔

اخیافی بہن کا $\frac{1}{5}$ حصہ اس کی بیٹی کو ملے گا۔
علاتی بہن کا $\frac{4}{5}$ حصہ اس کے بیٹے اور بیٹی میں تقسیم ہوگا، بیٹے کو $\frac{4}{5}$ کا $\frac{2}{3} = \frac{8}{15}$، اور بیٹی کو $\frac{4}{5}$ کا $\frac{1}{3} = \frac{4}{15}$ ملے گا۔
[امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، کل جائداد علاتی بہن کی اولاد کو ملنی چاہئیے، بیٹے کو $\frac{2}{3}$ اور بیٹی کو $\frac{1}{3}$۔]
(ھ) ایک سنی مسلمان، بھتیجوں اور بھانجوں وغیرہ کی اولاد میں چار لڑکے اور تین لڑکیاں حسب نقشۂ ذیل چھوڑ کر مرجاتا ہے:۔

اخیافی بھائی — بیٹا — بیٹی نشان (۱)
اخیافی بہن — بیٹی — بیٹا نشان (۱)
علاتی بھائی — بیٹی — بیٹا نشان (۲)، بیٹی نشان (۲)
علاتی بہن — بیٹا — بیٹا نشان (۳)، بیٹی نشان (۳)
علاتی بہن — بیٹی — بیٹا نشان (۴)
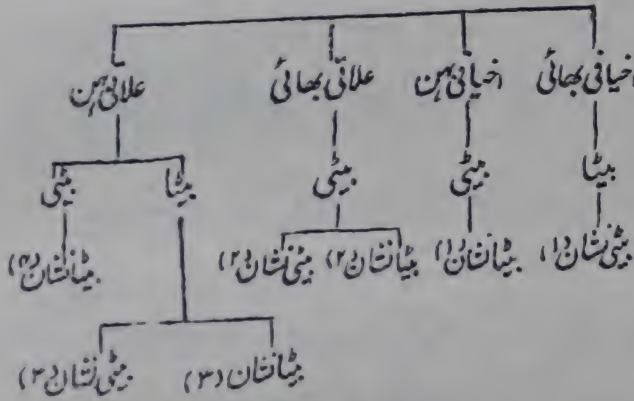
اخیافی زمرے میں دو دعویدار ہیں، اخیافی بھائی اور اخیافی بہن کا مجموعی حصہ $\frac{1}{3}$ ہے، جو بیٹی نشان (۱) اور بیٹے نشان (۱) کو ملے گا ہر ایک کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہوگا۔
اب جائداد کا $\frac{2}{3}$ حصہ باقی رہ جاتا ہے، جو پہلے علاتی بھائی اور علاتی بہن میں بحیثیت عصبات کے ان کی دعویدار اولاد کی

تعداد کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا۔

علاتی بھائی کی اولاد میں دو دعویدار ہیں، اس لیے وہ دو مرد یا چار عورتیں شمار ہوں گی۔ علاتی بہن کی اولاد میں تین دعویدار ہیں، اس لیے وہ تین عورتیں سمجھی جائیں گی۔ باقی ماندہ جائداد سات حصوں میں تقسیم ہو کر علاتی بھائی کو $\frac{۲}{۳}$ کا $\frac{۴}{۷}$ = $\frac{۸}{۲۱}$، اور علاتی بہن کو $\frac{۲}{۳}$ کا $\frac{۳}{۷}$ = $\frac{۶}{۲۱}$ پہنچے گا۔

علاتی بھائی کا $\frac{۸}{۲۱}$ حصہ اس کی دو اولادوں بیٹے نشان (۲) اور بیٹی نشان (۲) میں تقسیم ہوگا؛ بیٹے نشان (۲) کو مرد ہونے کی وجہ سے $\frac{۸}{۲۱}$ کا $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۱۶}{۶۳}$، اور بیٹی نشان (۲) کو عورت ہونے کی وجہ سے $\frac{۸}{۲۱}$ کا $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۸}{۶۳}$ ملے گا۔

علاتی بہن کا $\frac{۶}{۲۱}$ حصہ پہلے اس کے بیٹے اور بیٹی میں تقسیم کیا جائے گا۔ بیٹا دو دعویدار اولاد رکھنے کی بنا پر، دو مرد یا چار عورتیں محسوب ہوگا۔ اور بیٹی صرف ایک دعویدار اولاد رکھنے کی وجہ سے، ایک ہی عورت شمار کی جائے گی۔ اس واسطے بیٹے کو $\frac{۶}{۲۱}$ کا $\frac{۴}{۵}$ = $\frac{۸}{۳۵}$ اور بیٹی کو $\frac{۶}{۲۱}$ کا $\frac{۱}{۵}$ = $\frac{۲}{۳۵}$ ملے گا۔

بیٹے کا $\frac{۸}{۳۵}$ حصہ اس کی دو اولادوں بیٹے نشان (۳) اور بیٹی نشان (۳) میں، مرد کو دُہرا حصہ دینے کے قاعدے کے مطابق تقسیم ہو جائے گا؛ بیٹا نشان (۳) $\frac{۸}{۳۵}$ کا $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۱۶}{۱۰۵}$، اور بیٹی نشان (۳) $\frac{۸}{۳۵}$ کا $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۸}{۱۰۵}$ پائے گی۔

بیٹی کا $\frac{۲}{۳۵}$ حصہ اس کے بیٹے نشان (۴) کو ملے گا۔

پس دعویداروں کے حصے حسب ذیل ہوں گے:-

بیٹی نشان (۱) = $\frac{۱}{۶}$، بیٹا نشان (۱) $\frac{۱}{۶}$؛ بیٹا نشاں (۲) = $\frac{۱۶}{۶۳}$؛ بیٹی نشان (۲) = $\frac{۸}{۶۳}$؛ بیٹا نشان (۳) $\frac{۱۶}{۱۰۵}$؛ بیٹی نشان (۳) = $\frac{۸}{۱۰۵}$؛ اور بیٹا نشان (۴) $\frac{۲}{۳۵}$ - ان حصص کا

مجموعہ اکائی ہو جاتا ہے۔

[امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق تمام جائداد علاتی زمرے میں تقسیم ہوگی اور اخیافی زمرہ بالکل محروم رہے گا، اس طور سے بیٹا نشان (۲)، بیٹا نشان (۳)، اور بیٹا نشان (۴) ہر ایک ۲/۸ یا ۱/۴، اور بیٹی نشان (۲)، اور بیٹی نشان (۳)، ہر ایک ۱/۸ حصہ پائے گی۔]

ذوی الارحام کی چوتھی قسم

دفعہ ۶۳۔ ترتیب وراثت ——— (۱) اگر پہلی، دوسری اور تیسری قسم کے ذوی الارحام نہ ہوں، تو جائداد چوتھی قسم کے ذوی الارحام کو بہ ترتیب ذیل پہنچے گی [سراجیہ ۵۶—۵۸]:-

(۱) متوفی کے ان چچاؤں، ماموؤں اور پھپیوں اور خالاؤں کو جو اس کے حقیقی اور علاتی چچا نہ ہوں جن کا شمار عصبات میں ہوتا ہے۔

(۲) متوفی کے چچاؤں، ماموؤں، پھپیوں اور خالاؤں کی ایسی اولاد، کتنے ہی نیچے درجے کی کیوں نہ ہو، جو متوفی کے حقیقی اور علاتی چچاؤں کے کسی درجۂ اسفل کے بیٹوں میں نہ داخل ہوتی ہو (جو کہ عصبات ہیں)؛ اس ترتیب سے کہ قریب تر بعید تر کو محجوب کر دے گی۔

(۳) متوفی کے والدین کے چچا اور ماموں جو باپ کے حقیقی اور علاتی چچاؤں کے علاوہ ہوں (جو کہ عصبات ہیں)۔

(۴) والدین کے چچاؤں، ماموؤں اور پھپیوں اور خالاؤں کی اولاد، خواہ کسی اسفل درجے کی ہو، جو باپ کے حقیقی اور علاتی چچاؤں کے کسی اسفل درجے کے بیٹوں کے (جو عصبات میں داخل ہیں)، علاوہ ہو۔

(۵) دادا اور دادی کے چچا اور ماموں، جو دادا کے حقیقی یا علاتی چچا اور ماموں نہ ہوں، جو کہ عصبات ہیں۔

(۶) دادا اور دادی کے چچاؤں اور ماموؤں کی اولاد خواہ کسی اسفل

درجے کی ہو، جو دادا کے حقیقی اور علاتی چچاؤں کے بیٹوں میں نہ داخل ہوتی ہو (کیونکہ وہ عصبات ہیں)؛ اس ترتیب سے کہ قریب تر بعید تر کو مجوب کردے گی۔

(۷) بعید کے چچا، ماموں، پھپیاں، خالائیں اور ان کی اولاد، اسی ترتیب اور طریقے سے۔

(۲)۔ زمرۂ مذکورہیں سے ہر زمرے کے ختم ہوجانے کے بعد، دوسرے زمرے کا کوئی رکن توریث کا مستحق ہو سکے گا۔

امام ابو یوسف کا اصول — چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے متعلق امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے میں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف ان کی اولاد کے حصوں کے متعلق ہے۔ دیکھو دفعہ ۶۵ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۶۴۔ چچا، ماموں، پھپیاں، اور خالائیں (عم وعمات) — متوفی کے ان رشتہ داروں میں، جائداد کی تقسیم بطریق ذیل ہونی چاہیئے:۔

(۱) سب سے پہلے، جائداد کا $\frac{2}{3}$ حصہ پدری رشتہ داروں، یعنی، چچاؤں اور پھپیوں کو دیا جائے، اگرچہ ان میں کا ایک ہی شخص ہو؛ اور بقیہ $\frac{1}{3}$ مادری رشتہ داروں، یعنی، ماموؤں اور خالاؤں کو، اگرچہ ان میں کا ایک ہی شخص ہو۔

(۲) اس کے بعد، جو $\frac{2}{3}$ حصہ پدری رشتہ داروں کو دیا گیا ہے، وہ حسب ذیل رشتہ داروں میں تقسیم کرو:۔

(الف) حقیقی پھپیوں میں مساوی طور سے؛ اگر وہ نہ ہوں تو

(ب) علاتی پھپیوں میں مساوی طور سے؛ اگر وہ بھی نہ ہوں تو

(ج) اخیافی چچاؤں اور پھپیوں میں، اس طور سے کہ مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملے۔

(۳) بالآخر، مادری رشتہ داروں کو جو $\frac{1}{3}$ جائداد دی گئی ہے، وہ

(الف) حقیقی ماموؤں اور خالاؤں کو دو؛ اگر وہ نہ ہوں تو

(ب) علاتی ماموؤں اور خالاؤں کو؛ اگر وہ بھی نہ ہوں تو

(ج) اخیافی ماموؤں اور خالاؤں کو، اس طرح کہ ہر ایک صورت مذکورۂ بالا میں مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملے۔

(۴) اگر چچا اور پھپیاں نہ ہوں گی، تو تمام جائداد ماموؤں اور خالاؤں کو ملے گی۔ اسی طرح اگر ماموں اور خالائیں نہ ہوں گی، تو کل جائداد چچاؤں اور پھپیوں کو پہنچے گی۔

سراجیہ ۵۵ — ۵۶۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ کوئی پدری رشتہ دار کسی مادری رشتہ دار کو محجوب نہیں کرتا، اور نہ کوئی مادری رشتہ دار پدری رشتہ دار کو محجوب کرتا ہے۔

اس کا بھی خیال رکھو کہ حقیقی اور علاتی چچا عصبات میں داخل ہیں، اور اس لحاظ سے اس موقع پر ان سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔

امام ابو یوسف کا اصول —— چچاؤں، ماموؤں، پھپیوں اور خالاؤں کی توریث کے متعلق امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تمثیلات

(الف) $\frac{2}{3}$
- حقیقی پھپی $\frac{2}{3} = \frac{6}{9}$
- علاتی پھپی (حقیقی پھپی سے محجوب)

$\frac{1}{3}$
- حقیقی ماموں $\frac{2}{3}$ کا $\frac{1}{3} = \frac{2}{9}$
- حقیقی خالہ $\frac{1}{3}$ کا $\frac{1}{3} = \frac{1}{9}$
- علاتی ماموں (حقیقی ماموں اور حقیقی خالہ سے محجوب)

(ب) ۲/۳
- علاتی پھپھی ۲/۳
- اخیافی چچا (علاتی پھپھی سے محجوب)

۱/۳ حقیقی خالہ ۱/۳

(ج) ۲/۳
- اخیافی چچا ۲/۳ کا ۲/۳ = ۴/۹
- اخیافی پھپھی ۲/۳ کا ۱/۳ = ۲/۹

۱/۳
- حقیقی ماموں ۱/۳ کا ۲/۳ = ۲/۹
- حقیقی خالہ ۱/۳ کا ۱/۳ = ۱/۹

نوٹ —— اگر متوفی بجائے حقیقی ماموں اور خالہ کے اخیافی ماموں اور خالہ چھوڑ جاتا تب بھی بلحاظ حصص کے نتیجہ یہی ہوتا۔

(د) ۲/۳ اخیافی پھپھی ۲/۳ = ۶/۹

۱/۳
- علاتی ماموں ۱/۳ کا ۲/۳ = ۲/۹
- علاتی خالہ ۱/۳ کا ۱/۳ = ۱/۹

قواعد توریث —— دفعہ ہذا مفصلۂ ذیل قواعد پر مبنی ہے:-

(۱) اگر دعویداران وراثت میں پدری اور مادری دونوں قسم کے رشتہ دار ہوں، تو مجموعی طور سے پدری رشتہ دار جائداد کا ۲/۳ حصہ، اور مادری رشتہ دار ۱/۳ حصہ پائیں گے؛ اور ان میں، کا ہر گروہ اپنا مجموعی حصہ اس طور سے تقسیم کرے گا کہ مرد کو عورت سے دوگنا ملے۔

(۲) ہر زمرے کے دعویداروں میں حقیقی کو علاتی پر، اور علاتی کو

اخیانی پر ترجیح دی جائے گی۔

ترتیب تقدم ـــــ پدری اور مادری جانب کے رشتہ دار ایک ساتھ وراثت پاتے ہیں۔ ایک جانب کے رشتہ دار دوسری جانب کے رشتے داروں کے حاجب نہیں ہوتے۔ چچاؤں، ماموؤں، پھپیوں اور خالاؤں میں جو ترتیب تقدم و تاخر کی ہے وہ صفحہ (۱۵۱) پر دکھائی گئی ہے۔

دفعہ ۶۵۔ اعمام اور عمات، یعنی چچاؤں، ماموؤں، پھپیوں اور خالاؤں کی اولاد ـــــ اگر متوفی کے عم و عمات نہ ہوں، تو جائداد عم و عمات کی ایسی اولاد کو ملے گی جو حقیقی اور علاتی چچاؤں کے بیٹوں (خواہ کسی اسفل درجے کے ہوں) کے علاوہ ہو، جو کہ عصبات میں داخل ہیں۔ ان لوگوں میں جائداد کی تقسیم بطریق ذیل ہونی چاہیئے [سراجیہ ۵۶ - ۵۸]:-

۱- **پہلے**، جائداد کا ⅔ حصہ پدری رشتہ داروں یعنی چچاؤں اور پھپیوں کی اولاد کے لیے علیحدہ کرلو، اگرچہ ان میں کا ایک ہی شخص موجود ہو؛ اور بقیہ ⅓ مادری رشتہ داروں یعنی ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد کے لیے مخصوص کردو، اگرچہ ان میں کا ایک ہی شخص موجود ہو۔

۲- **بعدہ**، وہ ⅔ حصہ جو پدری رشتہ داروں کے لیے رکھا گیا ہے مفصلۂ ذیل اشخاص میں تقسیم کرو:-

(الف) حقیقی چچاؤں کی بیٹیوں میں؛ اگر وہ نہ ہوں
(ب) حقیقی پھپیوں کی اولاد میں؛ اگر وہ نہ ہوں
(ج) علاتی چچاؤں کی بیٹیوں میں؛ اگر وہ نہ ہوں
(د) علاتی پھپیوں کی اولاد میں؛ اگر وہ نہ ہوں
(ہ) اخیانی چچاؤں اور پھپیوں کی اولاد میں

ان پانچ زمروں کے لوگوں میں تقسیم اسی طرح ہوگی جس طرح قسم اول کے ذوی الارحام میں ہوتی ہے [دیکھو دفعہ ۵۸]۔

اس کا خیال رکھو کہ رشتہ داران مندرجۂ (الف) رشتہ داران مندرجۂ (ب) کے حاجب ہیں، کیونکہ مقدم الذکر عصبات (حقیقی چچاؤں) کی اولاد ہیں، اور موخر الذکر ذوی الارحام (حقیقی پھپھیوں) کی اولاد میں ہیں۔

یہ بھی سمجھ لو کہ حقیقی اور علاتی چچاؤں کے بیٹے عصبات میں داخل ہیں؛ اس لیے فہرست بالا میں ان کا نام نہیں آیا۔

۳ - بالآخر، جو بقیہ ۱/۳ حصہ مادری رشتہ داروں کو دیا گیا ہے وہ تقسیم کرو:-

(الف) حقیقی ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد میں؛ اگر وہ نہ ہوں
(ب) علاتی ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد میں؛ اگر وہ نہ ہوں
(ج) اخیافی ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد میں۔

ان تینوں زمروں کے لوگوں میں تقسیم اسی قاعدے سے ہوگی جس قاعدے سے قسم اول کے ذوی الارحام میں جائداد تقسیم کی جاتی ہے [دیکھو دفعہ ۸۰]۔

(۴) اگر چچاؤں اور پھپھیوں کی اولاد نہ موجود ہوگی، تو کل جائداد ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد پائے گی۔ اسی طرح اگر ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد نہ ہوگی، تو کل جائداد چچاؤں اور پھپھیوں کی اولاد کو ملے گی۔

(۵) اگر خود چچاؤں یا پھپھیوں یا ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد موجود نہ ہوگی، تو جائداد ان کی اولاد کی اولاد میں اسی اصول پر تقسیم کی جائے گی۔ اگر اولاد کی اولاد بھی نہ ہو، تو اس سے بعید تر اولاد میں تقسیم ہوگی؛ قریب تر بعید تر کو محجوب کرتی رہے گی۔

پدری اور مادری رشتہ داروں میں توریث کی جو ترتیب قرار پائی ہے وہ بعض قواعد کی بنا پر ہے جو ختم تمثیلات کے بعد ہی درج کیے گئے ہیں۔

امام ابو یوسف کا اصول ـــــ عم اور عمات کی اولاد میں تقسیم وراثت کے متعلق جو اختلاف امام ابو یوسف اور امام محمد

میں ہے، وہ صرف اس قدر ہے، کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جو
حصہ پدری اور مادری رشتہ داروں کو دیا جائے، وہ دعویداروں
میں بالراس اور اس طریقے سے تقسیم ہونا چاہئے کہ مرد کو عورت سے
دوگنا حصہ ملے۔

تمثیلات

(الف) نقشۂ ذیل میں دعویدار وہ لوگ ہیں جن کے نام سب
سے نیچے کے خط پر درج ہیں:۔

حقیقی چچا الف	حقیقی چچا ب
بیٹا نشان (۱)	بیٹی نشان (۱)
بیٹی	بیٹی
بیٹی نشان (۲)	بیٹا نشان (۲)
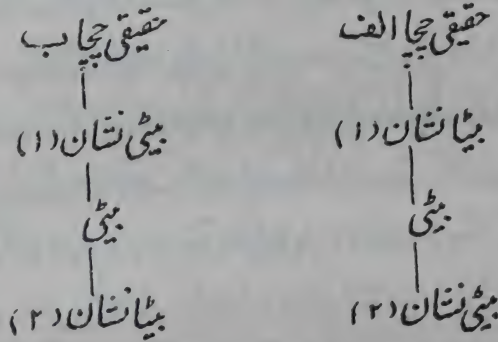
اس تمثیل میں دوسری پشت میں موروثوں
کی جنس میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ اس لئے بیٹے
نشان (۱) کو $\frac{2}{3}$، اور بیٹی نشان (۱) کو $\frac{1}{3}$ حصہ
جائداد کا دیا جاتا ہے۔ اس طور سے، بیٹی نشان (۲)
کو $\frac{2}{3}$ اور بیٹے نشان (۲) کو $\frac{1}{3}$ حصہ ملتا ہے۔

امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، بیٹی نشان
(۲) کو عورت ہونے کی وجہ سے $\frac{1}{3}$، اور بیٹے نشان
(۲) کو مرد ہونے کی وجہ سے $\frac{2}{3}$ ملے گا۔

(ب) نقشۂ ذیل میں جو لوگ سب سے نیچے کے
خطوط میں دکھائے گئے ہیں انھیں کو متوفی کے باقی ماندہ
وارث فرض کرو۔

حقیقی چچا الف　حقیقی چچا ب　حقیقی پھپھا ج

حقیقی چچا الف	حقیقی چچا ب	حقیقی پھپھا ج
بیٹا	بیٹا	بیٹی
بیٹا	بیٹی	بیٹا
بیٹی نشان (۱)	بیٹا نشان (۱)، بیٹی نشان (۲)	بیٹی نشان (۳)
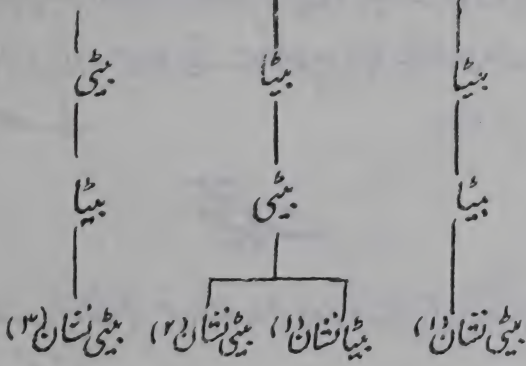
یہاں جتنے وارث ہیں سب ایک ہی درجے کے ہیں، اور قرابت میں بھی یکساں ہیں، یعنی سب حقیقی چچاؤں اور پھپھی کی اولاد ہیں۔ مگر بیٹی نشان (۱) (حقیقی چچا کے بیٹے کے بیٹے کی بیٹی ہونے سے) عصبہ کی اولاد ہے، اور بیٹا نشان (۱) اور بیٹی نشان (۲) اور بیٹی نشان (۳) ذوی الارحام کی اولاد ہیں۔ اس لیے بیٹی نشان (۱) بیٹے نشان (۱)، بیٹی نشان (۲) اور بیٹی نشان (۳) کو محجوب کر کے تمام جائداد پائے گی [دیکھو "قواعد توریث" جو آگے بیان کیے جاتے ہیں]۔

اب فرض کرو کہ متوفی کے باقی ماندہ وارث صرف بیٹا نشان (۱)، بیٹی نشان (۲) اور بیٹی نشان (۳) ہیں۔ اس صورت میں تقسیم یوں ہوگی:

اس جگہ پہلی ہی پشت میں وارثوں کی جنس میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ چونکہ ب کی اولاد میں دو دعویدار ہیں، اس لیے وہ دو مرد یا چار عورتیں تسلیم کی جائے گی۔ اور ج کی اولاد میں صرف ایک دعویدار کے ہونے سے وہ صرف ایک عورت مانی جائے گی۔ اس لیے جائداد پانچ حصوں میں تقسیم ہو کر $\frac{4}{5}$ ب کو اور $\frac{1}{5}$ ج کو حصہ ملے گا۔

ب کا $\frac{4}{5}$ حصہ اس کی دو اولادوں بیٹے نشان (۱)

اور بیٹی نشان (۲) میں ذکور کو اناث سے المضاعف کے قاعدے سے تقسیم ہوگا، جس سے بیٹے نشان (۱) کو $\frac{۴}{۵}$ کا $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۸}{۱۵}$ اور بیٹی نشان (۲) کو $\frac{۴}{۵}$ کا $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۴}{۱۵}$ حصہ ملے گا۔ جج کا $\frac{۱}{۵}$ حصہ بیٹی نشان (۳) پائے گی۔ اس لحاظ سے حصے حسب ذیل ہوں گے:۔

بیٹا نشان (۱) $\frac{۸}{۱۵}$، بیٹی نشان (۲) $\frac{۴}{۱۵}$، اور بیٹی نشان (۳) $\frac{۱}{۵}$ = $\frac{۳}{۱۵}$۔

[امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، ہر ایک وارث کا حصہ علی الترتیب $\frac{۱}{۲}$، $\frac{۱}{۴}$، $\frac{۱}{۴}$ ہوگا۔]

اولاد کی توریث کے قواعد ــــ عم اور عمات کی اولاد میں جائداد تقسیم کرنے کے لیے، مفصلۂ ذیل قواعد سے اسی ترتیب سے کام لو جس ترتیب سے وہ درج کیے گئے ہیں:۔

قاعدہ (۱) ــ قریب تر بعید تر کو محجوب کرتے ہیں۔

قاعدہ (۲) ــ اگر پدری اور مادری دونوں سلسلے کے لوگ موجود ہوں، تو پدری سلسلے کے لوگوں کو جائداد کا $\frac{۲}{۳}$ اور مادری سلسلے کے لوگوں کو $\frac{۱}{۳}$ دیا جاتا ہے۔

قاعدہ (۳) ــ ایک ہی جانب کے رشتہ داروں میں حقیقی کو علاتی پر اور علاتی کو اخیافی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

[یہ قاعدہ پدری اور مادری دونوں قسم کے رشتہ داروں کے ساتھ الگ الگ برتا جاتا ہے۔]

قاعدہ (۴) ــ پدری سلسلے کے رشتہ داروں میں، عصبات کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح حاصل ہے۔

[حقیقی چچا عصبہ ہے اس لیے اس کی بیٹیاں عصبہ کی اولاد ہوں گی،

اور انھیں حقیقی پھپی کی بیٹیوں پر ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ پھپی ذوی الارحام میں داخل ہے۔ اسی طرح علاتی چچا بھی عصبہ ہے؛ اور اس کی بیٹیاں بھی عصبہ کی اولاد ہونے کی بنا پر علاتی پھپی کی بیٹیوں پر مرجح ہوں گی۔ حقیقی چچا کا بیٹا بھی عصبہ ہے؛ اس کی بیٹیاں بھی عصبہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے حقیقی پھپی کی بیٹیوں سے مرجح متصور ہوں گی۔ اسی اصول پر، علاتی چچا کے بیٹے کی بیٹیوں کو علاتی چچا کی بیٹی کی بیٹیوں پر تقدم حاصل ہوگا۔ یہ قاعدہ مادری رشتہ داروں میں نہیں چلتا، کیونکہ کوئی ماموں عصبہ نہیں ہوتا۔]

قاعدہ (۵) — یہ دریافت ہوجانے کے بعد کہ رشتہ داروں میں کون کون شخص وراثت کے مستحق ہیں، جو حصہ پدری رشتہ داروں کو دیا گیا ہے وہ اسی طرح ان لوگوں میں تقسیم کردیا جائے گا جس طرح قسم اول کے رشتہ داروں میں تقسیم کیا جاتا ہے [دیکھو دفعہ ۵۸]۔ مادری سلسلے کے رشتہ داروں کے لیے جو حصہ رکھا گیا ہے وہ بھی ان میں انھیں اصول کے مطابق تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۶۵ تا ۶۷ انھیں قواعد پر مبنی ہے۔

اولاد میں تقدم کی ترتیب — اعمام اور عمات پدری اور مادری دونوں ہوسکتے ہیں۔ دونوں جانب کے رشتہ دار ایک ساتھ وراثت پاتے ہیں، اور ایک جانب کا کوئی رشتہ دار دوسری جانب کے رشتہ دار کا حاجب نہیں ہوتا۔ نقشۂ مندرجۂ ذیل سے متوفی کے تمام اعمام و عمات اور تین پشت تک کی اولاد کی کیفیت ایک نظر میں ظاہر ہوجائے گی:-

نقشہ

متوفی کے اعمام اور عمات اور ان کی تین پشت تک کی اولاد کا

الف: جہاں جہاں "بیٹا" لکھا گیا ہے وہ سب عصبات میں داخل ہوتے ہیں، باقی ذوی الارحام ہیں - یہ امر ذہن نشین رکھو کہ مادری رشتہ دار پدری رشتہ داروں کی وجہ سے محجوب نہیں ہوتے، بلکہ اُن کے ساتھ وراثت میں حصہ پاتے ہیں:-

	پدری جانب ۲/۳					مادری جانب ۱/۳		
اعمام اور عمات کا سلسلہ	حقیقی چچا	حقیقی پھپھی نشان (۱)	علاتی چچا	علاتی پھپھی نشان (۲)	اخیافی چچا اور پھپھی نشان (۳)	حقیقی ماموں اور خالہ نشان ۱	علاتی ماموں اور خالہ نشان ۲	اخیافی ماموں اور خالہ نشان ۳
پشت اول	بیٹا، بیٹی نشان (۱)	اولاد نشان (۲)	بیٹا، بیٹی نشان (۳)	اولاد نشان (۴)	اولاد نشان (۵)	اولاد نشان ۱	اولاد نشان ۲	اولاد نشان ۳
پشت دوم	بیٹا، بیٹی نشان (۱)، اولاد نشان (۲)	اولاد نشان (۲)	بیٹا، بیٹی نشان (۳)، اولاد نشان (۴)	اولاد نشان (۴)	اولاد نشان (۵)	اولاد نشان ۱	اولاد نشان ۲	اولاد نشان ۳
پشت سوم	بیٹا، بیٹی نشان (۱)، اولاد نشان (۳)، اولاد نشان (۲)	اولاد نشان (۲)	بیٹا، بیٹی نشان (۳)، اولاد نشان (۴)، اولاد نشان (۳)	اولاد نشان (۴)	اولاد نشان (۵)	اولاد نشان ۱	اولاد نشان ۲	اولاد نشان ۳

اعمام اور عمات کا سلسلہ ۔ اس سلسلے میں حقیقی اور علاتی چچا عصبات ہیں، اور باقی ذوی الارحام۔ ذوی الارحام میں پدری جانب کے رشتہ داروں میں ترتیب وراثت قوسین کے ہندسوں میں دکھائی گئی ہے اور مادری جانب کے رشتہ داروں میں بلا قوسین کے ہندسوں میں۔ دیکھو دفعہ ۶۴۔

پشت اوّل ۔ اس میں اگر خود اعمام اور عمات نہ موجود ہوں، تو جائداد ان کی اولاد کو پہنچتی ہے۔ ان میں سے حقیقی اور علاتی چچا کے بیٹے عصبات ہیں، باقی ذوی الارحام۔ چچاؤں اور پھپھیوں کی اولاد میں ترتیب وراثت کا سلسلہ قوسین کے ہندسوں سے دکھایا گیا ہے، جیسے (۱)، (۲)، (۳)، (۴)، (۵)، اور ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد میں بلا قوس کے ہندسوں سے، جیسے ۱، ۲، ۳، ۴۔ نشان (۱) کو جو کہ عصبہ کی اولاد ہے، نشان (۲) پر ترجیح حاصل ہے، اگرچہ دونوں رشتے کے لحاظ سے حقیقی ہیں۔ اسی بنا پر نشان (۳) نشان (۴) پر مرجح ہے، اگرچہ دونوں رشتے کے لحاظ سے علاتی ہیں۔ دیکھو دفعہ ۶۵۔

پشت دوم ۔ اس میں اگر پدری اور مادری اعمام اور عمات کی اولاد موجود نہ ہو، تو جائداد ان اعمام اور عمات کے پوتے اور پوتیوں کو ملے گی۔ ان میں سے حقیقی اور علاتی چچاؤں کے بیٹوں کے بیٹے عصبات ہیں، اور باقی ذوی الارحام۔ ان میں وراثت کی ترتیب اسی طرح ظاہر کی گئی ہے جس طرح پشت اول میں۔ وارث نشان (۱) کو عصبہ کی اولاد ہونے سے وارث نشان (۲) اور وارث نشان (۲) پر ترجیح دی جائے گی، جو کہ ذوی الارحام کی اولاد ہیں، اگرچہ دونوں کا رشتہ حقیقی ہے۔ اسی بنا پر نشان (۳) کو نشان (۴) اور نشان (۴) پر ترجیح دی جائے گی، اگرچہ دونوں کا رشتہ علاتی ہے۔ اگر وارث نشان (۱) موجود نہ ہوگا، تو وارثان (۲)، اور نشان (۲) مشترک طور سے جائداد پائیں گے۔ اور وارث نشان (۳) کے نہ ہونے سے جائداد وارثان نشان (۴) اور نشان (۴) کو مشترک طور سے ملے گی۔ ان کے بھی نہ موجود ہونے کی صورت میں جائداد نشان (۵) کے لوگوں کو پہنچے گی۔

پشت سوم ۔ اس سلسلے میں کسی مزید توضیح کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ وارث نشان (۱)، وارثان نشان (۲) اور وارثان نشان (۲) اور وارثان نشان (۲) کو محجوب کرتا ہے اور نشان (۳)، وارثان نشان (۳)، وارثان نشان (۴) اور وارثان نشان (۴) کا حاجب ہے

دفعہ ۶۶۔ چوتھی قسم کے ذوی الارحام ـــــ اگر اعمام اور عمات کی اولاد موجود نہ ہو تو جائداد دوسرے ذوی الارحام قسم چہارم کو اس ترتیب سے ملے گی جو دفعہ ۶۳ گزشتہ میں بتائی گئی ہے۔ اعلیٰ طبقے کے اعمام اور عمات میں تقسیم جائداد کا وہ اصول ہے جو دفعہ ۶۴ میں بیان ہوا ہے، اور ان کی اولاد میں جو تقسیم ہوگی وہ دفعہ ۶۵ کے مطابق ہوگی [سراجیہ ۵۸]۔

۵۔ ایسے وارث جن سے خون یا قرابت کا تعلق نہ ہو

دفعہ ۶۷۔ وارث ذریعۂ معاہدہ (ولا) ـــــ ذوی الفروض عصبات اور ذوی الارحام کے نہ ہونے کی صورت میں، جائداد ''وارث ذریعۂ معاہدہ'' (مولی الولا) یعنی، ایسے شخص کو ملتی ہے جو متوفی کے ساتھ اس معاہدے کے معاوضے میں کہ وہ متوفی کی طرف سے ایسا جرمانہ یا رقم خون بہا ادا کرے گا جو متوفی کے ذمے عائد ہوگی حق وراثت حاصل کرتا ہے۔

سراجیہ ۱۳؛ ہدایہ ۵۱۷ حق وراثت ذریعۂ ''ولا'' جس کا ذکر اس دفعہ میں کیا گیا ہے ۱۸۴۳ء کے ایکٹ آزادی غلامان کی رو سے زائل ہو چکا ہے۔

دفعہ ۶۸۔ مقرلہ قرابت دار ـــــ اس کے بعد وارثوں کے سلسلے میں ''مقرلہ قرابت دار'' یعنی، وہ مجہول النسب شخص آتا ہے جس کے حق میں متوفی نے، اپنے ذریعے سے نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص کے ذریعے سے، قرابت دار ہونے کا اقرار کیا ہو۔ [جسے شرعی اصطلاح میں ''مقرلہ بالنسب علی الغیر'' کہتے ہیں] ایسے اقرار سے مقرلہ قرابت دار کو متوفی کی اس جائداد کی ⅓ تو ریث کا حق حاصل ہو جاتا ہے، جس کے متعلق وہ وصیت کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ لیکن اس اقرار سے مقرلہ کو وہ تمام حقوق حاصل نہیں ہو جاتے جو اصلی رشتہ دار کو حاصل ہوتے ہیں۔

سراجیہ ۱۳ - جس قرابت کا اقرار کیا جائے وہ قرابت دوسرے
کے ذریعے، یعنی متوفی کے باپ یا دادا کے ذریعے سے ہونی چاہئے۔
اس لحاظ سے، ایک شخص دوسرے شخص کے بھائی ہونے کا
اقرار کرسکتا ہے، کیونکہ یہ رشتہ باپ کے ذریعے سے قائم ہوتا
ہے۔[1] مگر وہ دوسرے شخص کی نسبت اپنے بیٹے ہونے کا اقرار
نہیں کرسکتا، کیونکہ اس حالت میں رشتہ خود اس کے ذریعے
سے قائم ہوگا۔ متوفی کا کسی شخص کو اپنا بیٹا یا بیٹی تسلیم کرنے کا
معاملہ اس سے مختلف اصول پر مبنی ہے، اور اس سے "ولدیت"
کی فصل میں بحث کی جائے گی۔

دفعہ ۶۹۔ موصی لہ عام —— اس کے بعد وارثوں کے سلسلے میں
"موصی لہ عام" یعنی، ایسا شخص آتا ہے جس کے حق میں متوفی نے اپنی کل جائداد
وصیت کردی ہو۔

سراجیہ ۱۳ - یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ جائداد کی ایک تہائی سے
زیادہ وصیت کرنے کی ممانعت وارثوں کے فائدے کے لیے ہے،
اس لیے کل جائداد کی وصیت اسی وقت موثر ہوسکتی ہے جبکہ
وارث نہ موجود ہوں۔[2]

دفعہ ۷۰۔ ضبطی بحق سرکار —— ان تمام وارثوں اور جانشینوں کے
نہ موجود ہونے کی صورت میں، ایک متوفی سنی مسلمان کی تمام جائداد بحق سرکار
ضبط ہوجائے گی۔

سراجیہ ۱۳ - اصلی شرع کا قاعدہ اس سے مختلف ہے، اس
قاعدے کے مطابق جائداد سرکار کو بطور آخری وارث کے
نہیں پہنچتی، بلکہ بیت المال (خزانۂ عام) میں مسلمانوں کے استفادے

---

[1] ٹیگور لا لکچرس ۱۸۷۳ء صفحات ۹۲-۹۳۔
[2] بیلی کی شرع اسلام متعلق بوراثت صفحہ ۱۹۔

کے لیے داخل ہونی چاہئے۔

و۔ متفرقات

دفعہ ۱۷ - سوتیلی اولاد ــــ سوتیلی اولاد کو سوتیلے والدین سے، اور سوتیلے والدین کو سوتیلی اولاد سے کوئی وراثت نہیں ملتی۔

دیکھو میگناٹن کی تمثیلات وراثت نشان ۲۱۔

دفعہ ۲۷ - ولد الحرام، غیر صحیح النسب اولاد ــــ غیر صحیح النسب اولاد صرف اپنی ماں کی اولاد سمجھی جاتی ہے، اور اس لیے وہ اپنی ماں اور اس کے رشتہ داروں سے، اور اس کی ماں اور اس کے رشتہ دار اس اولاد سے میراث پاتے ہیں[1]۔

[ایک مسلمان سنّی عورت، شوہر اور بہن کے ایک غیر صحیح النسب بیٹے کو چھوڑ کر مرجاتی ہے۔ شوہر کو $\frac{1}{2}$ جائداد ملے گی اور باقی $\frac{1}{2}$ بحیثیت ذی رحم بہن کا بیٹا پائے گا، اگرچہ وہ غیر صحیح النسب ہے۔ کیونکہ اس کا رشتہ متوفیہ کے ساتھ اس کی ماں کے ذریعے سے ہے: بغاتن بنام ولایتی خانم سنہ ۱۹۰۳ء ۳۰ کلکتہ ۶۸۳۔]

غیر صحیح النسب اولاد "مشہور باپ" (یعنی ایسے شخص کی جو عام طور سے اس کا باپ سمجھا جاتا ہے) یا اس کے رشتہ داروں کی وارث نہیں ہوتی، اور نہ ایسا باپ اور اس کے رشتہ دار اس اولاد سے ورثہ پاتے ہیں۔

دفعہ ۳۷ - مفقود الخبر اشخاص ــــ جب ایک مسلمان شخص کی نسبت یہ سوال ہو کہ وہ زندہ ہے یا مرگیا، اور یہ ثابت کیا جائے کہ جن لوگوں کو اس کے زندہ ہونے کی حالت میں فطری طور سے اس کی خبر ملنی چاہئے تھی انھیں سات سال سے

---

[1] ٹیگور لا لیکچرس سنہ ۱۸۷۳ء صفحہ ۱۲۳۔

اس کی کوئی خبر نہیں ملی ہے، تو جو شخص اس کا زندہ رہنا بیان کرتا ہے اس کا بارِ ثبوت اس کے ذمے ہوگا۔

حنفی قاعدے کے مطابق، مفقود الخبر شخص اس وقت تک زندہ سمجھا جاتا ہے جب تک کہ اس کی تاریخ پیدائش سے (۹۰) سال نہ گزر جائیں۔ لیکن الہ آباد ہائی کورٹ کے اجلاس کامل نے یہ تجویز صادر کی کہ قاعدۂ مذکور صرف قاعدۂ شہادت ہے نہ کہ قاعدۂ وراثت، اس لیے اسے ہندوستان کے قانون شہادت سے منسوخ سمجھنا چاہئے۔[۱] دفعہ ہذا میں قانون شہادت کی دفعہ ۱۰۸ کے مضمون کا کسی قدر لفظی تبدیلی کے ساتھ اعادہ کیا گیا ہے۔

۱۔ مظہر علی بنام بدھ سنگھ ۱۸۸۴ء ۷ الہ آباد ۲۹۷؛ معراج بنام عبدالوحید ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۶۷۳، ۶۳۰ انڈین کیسز ۲۸۶، ۱۹۲۱ء اے۔ اے ۱۷۵۔ نیز دیکھو ملا قاسم بنام عبدل ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۱۷۳، ۱۷۸، ۳۲ انڈین اپیلز ۱۷۷۔

شیعوں کا قانون وراثت

سب سے زیادہ مستند کتاب: شرایع الاسلام

سب سے زیادہ مستند کتاب شیعوں کی شریعت میں شرایع الاسلام ہے[1]، ایم کیوری نے پوری کتاب کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا اور اس کا نام (Droit Musalman) رکھا ہے۔ بیلی کے خلاصۂ شریعت اسلام کا دوسرا حصہ، جز آخر کے سوائے، جیسا کہ وہ خود دیباجہ کے صفحہ ۲۶ میں بیان کرتے ہیں، شرایع الاسلام کا ترجمہ ہے۔ اس خلاصہ کا حوالہ "بیلی کی جلد دوم" کے الفاظ سے دیا گیا ہے۔

دفعہ ۱۴۷۔ وارثوں کی تقسیم ——— شیعہ وارثوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ (۱) نسبی وارث، یعنی نسلی رشتہ دار یا اقربا (۲) ازدواجی وارث، یعنی، زوج اور زوجہ۔

---

[1] آغا علی خاں بنام الطاف حسن خاں ۱۸۹۲ء ۱۴ الہ آباد ۴۲۹، ۴۵۰؛ عزیز بانو بنام محمد ابراہیم ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۸۲۳، صفحات ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۶، ۸۹۱؛ انڈین کیسز ۹۰، ۱۹۲۵ء اے۔ آئی۔ آر۔ ۲۰۷۔

دفعہ ۷۵۔ نسبی وارثوں کی تین جماعتیں ——— (۱) نسبی وارث تین جماعتوں میں تقسیم کئے گئے ہیں، پھر ہر جماعت میں دو ذیلی تقسیمیں ہیں۔ ان جماعتوں کی ترکیب حسب ذیل ہے:۔

اول۔ (۱) والدین۔

(۲) اولاد اور اولاد کی اولاد، نیچے تک

دوم۔ (۱) دادا، دادی، اوپر تک (خواہ صحیح ہو یا فاسد)؛

(۲) بھائی اور بہنیں اور ان کی اولاد نیچے تک؛

سوم۔ (۱) متوفی، اس کے والدین اور والدین کے والدین کے پدری اور (۲) مادری عم اور عمات اوپر تک، اور ان کی اولاد خواہ کسی نیچے درجے کی ہو۔

(۲) ان تین جماعتوں میں سے، اول جماعت دوسری جماعت کو، اور دوسری جماعت تیسری جماعت کو محجوب کر دیتی ہے۔ مگر ہر جماعت کے ہر دو ذیلی تقسیموں کے وارث ایک ساتھ وراثت پاتے ہیں، اس طرح کہ ہر ذیلی تقسیم کا قریب کا رشتہ دار بعید کو محروم کر دیتا ہے [بیلی جلد دوم ۲۷۶، ۲۸۰، ۲۸۵]۔

وارثوں میں جائداد کی تقسیم کے متعلق دیکھو دفعہ ۸۳ جو آگے آتی ہے۔

تمثیلات

[(الف) ایک شیعہ مسلمان، بیٹی کا بیٹا (نواسہ) اور باپ کی ماں (دادی) اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر مرتا ہے۔

حنفی قانون کی رو سے دادی بحیثیت ذی فرض کے جائداد کا $\frac{1}{6}$ حصہ، اور حقیقی بھائی بحیثیت عصبہ بقیہ $\frac{5}{6}$ حصہ پائے گا، نواسے کو ذوی الارحام ہونے کی وجہ سے کچھ نہ ملے گا۔

شیعہ قانون سے، نواسہ قسم اول کے وارثوں میں شامل

ہونے کی وجہ سے، دادی اور حقیقی بھائی کو جو قسم دوم کے وارث ہیں محجوب کر کے، کل جائداد کا وارث ہوگا۔

(ب) ایک شیعہ مسلمان، بھائی کی بیٹی (بھتیجی) اور ایک حقیقی چچا چھوڑ کر مرتا ہے۔ حنفی قانون کے لحاظ سے؛ حقیقی چچا عصبہ ہونے کی وجہ سے کل جائداد کا وارث ہوگا؛ اور بھائی کی بیٹی کو جو کہ ذوی الارحام میں داخل ہے محروم کر دے گا۔

شیعہ قانون سے، بھائی کی بیٹی قسم دوم کے وارثوں میں ہونے کی وجہ سے، بہ محرومی حقیقی چچا کے جو کہ تیسری قسم کے وارثوں میں ہے، کل جائداد پائے گی۔

(ج) ایک شیعہ مسلمان، ایک حقیقی چچا کا بیٹا (چچازاد بھائی) اور ماں کا باپ (نانا) چھوڑ کر مرتا ہے۔

حنفی قانون کے لحاظ سے، حقیقی چچا کا بیٹا عصبہ ہونے کی حیثیت سے کل جائداد کا وارث ہوگا؛ ماں کا باپ (نانا) ذوی رحم ہونے کی وجہ سے محروم رہے گا۔

شیعہ قانون کی رو سے، ماں کا باپ (نانا) قسم دوم کا وارث ہونے سے حقیقی چچا کے بیٹے کو جو کہ قسم سوم کا وارث ہے محروم کر دے گا۔

(د) ایک شیعہ مسلمان (۱) باپ (۲) ماں (۳) ایک بیٹی (۴) ایک پوتا (۵) ایک بھائی، اور (۶) ایک چچا، چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ بتاؤ ان میں کون کون وراثت کے مستحق ہیں؟

ان میں سے چار اول رشتہ دار قسم اول کے وارث ہیں، پانچواں قسم دوم، اور چھٹا قسم سوم کا؛ اس لیے پانچواں اور چھٹا محجوب ہے۔ ماں اور باپ قسم اول کی پہلی ذیلی تقسیم میں آتے ہیں، اور دونوں مساوی درجے کے ہیں۔ بیٹی اور پوتا دوسری ذیلی تقسیم کے لوگ ہیں، اور ان دونوں میں سے، بیٹی قریب تر

ہونے کی وجہ سے، پوتے کو محجوب کردیتی ہے، اس لیے وراثت کے مستحق لوگوں میں صرف باپ، ماں، اور بیٹی رہ جاتے ہیں۔

(۵) پس ماندہ رشتہ داروں میں (۱) دادا، (۲) دادی، (۳) پردادا، (۴) ایک بھائی، اور (۵) ایک بھتیجا ہے۔ اس تمثیل میں جتنے آدمی ہیں وہ قسم دوم کے رشتہ دار ہیں، ان میں سے اول تین اس جماعت کی اول ذیلی قسم میں، اور دو دوسری ذیلی قسم میں داخل ہیں۔ اس قاعدے کی بنا پر کہ ہر ذیلی قسم کا قریب کا رشتہ دار بعید کو محجوب کردیتا ہے، دادا اور دادی، پردادا کو محجوب کردیتے ہیں۔ اسی قاعدے کے لحاظ سے بھائی، بھتیجے کا حاجب ہے۔ اس طور سے وراثت کے مستحق صرف دادا، دادی اور بھائی رہ جاتے ہیں۔]

یاد رکھو کہ والدین اولاد کے حاجب نہیں ہوتے، بلکہ ان کے ساتھ حصہ پاتے ہیں۔ اگر خود ان کی اولاد موجود نہیں ہوتی، تو وہ اپنی اولاد کی اولاد کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔ اسی طرح قسم دوم میں بھائی یا بہنیں پوتے اور پوتیوں کی حاجب نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے ساتھ حصہ پاتی ہیں۔ اگر بھائی اور بہنیں نہ ہوں، تو دادا اور دادی کو بھائی اور بہنوں کی اولاد کے ساتھ حصہ ملے گا۔ اسی طرح، قسم سوم میں چچا اور پھپیاں، ماموں اور خالائیں کی حاجب نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے ساتھ حصہ پاتی ہیں۔

سنی اور شیعہ قانون وراثت میں جو اہم اختلاف ہے، وہ مذکورۂ بالا تمثیلات سے بخوبی ظاہر ہوجاتا ہے۔ سنی قانون، ذوی الارحام کو ذوی الفروض اور عصبات کے بعد رکھتا ہے (دفعہ ۴۵)؛ شیعہ قانون میں، ذوی الارحام ذوی الفروض اور عصبات کے ساتھ حصہ پاتے ہیں۔ سنی، پدری رشتہ داروں کو

مادری رشتہ داروں پر ترجیح دیتے ہیں: شیعوں میں قریب تر رشتہ دار کو ترجیح دی جاتی ہے، خواہ وہ پدری ہوں یا مادری۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کے قانون میں وارثوں کی کوئی ایسی قسم تسلیم نہیں کی گئی ہے جو سنیوں کے قانون کے "ذوی الارحام" کے مماثل ہو۔ شیعوں کے قانون میں تمام وارث یا تو ذوی الفروض ہیں یا عصبات (دفعہ ۷۷)۔

دفعہ ۷۶۔ زوج اور زوجہ — زوج اور زوجہ وراثت سے کبھی محروم نہیں ہوتے، وہ قریب سے قریب نسبی رشتہ داروں کے ساتھ بھی اپنا حصہ پاتے ہیں۔ زوج کو $\frac{1}{4}$ یا $\frac{1}{2}$، اور زوجہ کو $\frac{1}{8}$ یا $\frac{1}{4}$، ان حالات میں ملتا ہے جن کی تصریح ذوی الفروض کے نقشۂ مندرجۂ صفحہ (۱۶۵) میں کی گئی ہے۔

زوج کی جائداد غیر منقولہ لاولد بیوہ کو نہ پہنچنے کے متعلق دیکھو دفعہ ۹۹ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۷۷۔ نقشۂ ذوی الفروض، حسب قانون شیعہ — (۱) وارثوں کے حصوں کے تعین کے لیے، شیعہ وارثوں کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں: ذوی الفروض اور عصبات۔ ان کے یہاں وارثوں کی کوئی علیحدہ ایسی قسم نہیں ہے جو سنیوں کے قانون کے "ذوی الارحام" کے مماثل ہو۔

(۲) ذوی الفروض کی تعداد نو ہے جو نقشہ صفحہ (۱۶۵) پر دیا گیا ہے، اس سے ذوی الفروض کی فہرست اور ان کے حصے جو شیعوں کے قانون میں مقرر کیے گئے ہیں معلوم ہوں گے۔

(۳) ذوی الفروض کی اولاد بھی خواہ کتنے ہی نیچے درجے کی ہو ذوی الفروض ہے۔

نقشے میں جن نو ذوی الفروض کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے اول دو ازدواجی تعلقات کی بنا پر وارث ہوتے ہیں۔ اور ان کے بعد کے تین، قسم اول کے وارث بذریعۂ نسب ہیں [دفعہ ۷۵]؛ اور بقیہ چار کا قسم دوم کے وارثوں میں شمار ہوتا ہے۔ قسم سوم کے

وارثوں میں کوئی ذی فرض نہیں ہے۔

یاد رکھو کہ جد صحیح اور جدہ صحیحہ خواہ کسی قدر طبقۂ اعلیٰ کے ہوں، اور پوتی خواہ کسی قدر نیچے طبقے کی ہو، جو سنیوں کے قانون کے مطابق ذوی الفروض ہیں، وہ شیعوں کے قانون میں ذوی الفروض نہیں بلکہ عصبات ہیں۔

یہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ ذوی الفروض کی اولاد بھی ذوی الفروض ہوتی ہے۔ اس اصول کا تعلق فی الحقیقت (۱) بیٹی، (۲) اخیافی بھائی، (۳) اخیافی بہن، (۴) حقیقی بہن، اور (۵) علاتی بہن، کی اولاد سے ہے۔ اس کا تعلق زوج، زوجہ، باپ یا ماں کی اولاد سے نہیں ہے۔ شیعہ فقہا ان چار رشتہ داروں کی اولاد سے مطلق بحث نہیں کرتے۔

دفعہ ۷۸۔ عصبات —— (۱) ذوی الفروض کے علاوہ بقیہ تمام وارث عصبات ہیں۔

(۲) عصبات کی اولاد خواہ کسی ادنیٰ طبقہ کی ہو عصبات میں داخل ہے۔

اس لحاظ سے، بیٹے، بھائی، چچا اور بھتیجیاں، سب عصبات ہیں۔ اور اسی طرح ان کی اولاد بھی۔ مثلاً بیٹے کی بیٹی (پوتی) بھی ایک عصبہ، یعنی بیٹے کی اولاد ہونے کی وجہ سے عصبہ ہوگی۔

منجملہ نو ذوی الفروض مندرجہ نقشے کے، چار ایسے ہیں جو کبھی بطور ذی فرض اور کبھی بطور عصبہ کے حصہ پاتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:- (۱) باپ، (۲) بیٹی، (۳) حقیقی بہن، (۴) علاتی بہن۔ تین موخرالذکر کی نسبت یہ امر قابل بیان ہے کہ اگر ان میں سے کوئی زندہ رہنے کی حالت میں بطور ذی فرض کے حصہ پاتا، تو اس کی اولاد بطور ذی فرض کے حصہ پائے گی، اور

اگر اسے بطور عصبہ کے حصہ ملتا، تو اس کی اولاد کو بھی عصبہ کی طرح حصہ ملے گا [دفعہ ۸۲]۔

دفعہ ۷۹۔ تقسیم جائداد ــــ اگر متوفی نے صرف ایک وارث چھوڑا ہے، تو کل جائداد اسی کو ملے گی، باستثنائے اس صورت کے کہ تنہا وارث زوجہ ہو۔ اگر وارثوں میں صرف زوجہ ہی باقی ہے تو وہ اس سے زیادہ کی مستحق نہ ہوگی جتنا اس کے لیے قرآن مجید میں مقرر کر دیا گیا ہے (یعنی $\frac{1}{4}$)، بقیہ $\frac{3}{4}$ داخل سرکار ہو جائے گا۔

بیلی جلد دوم، ۲۶۲۔ زوجہ کی حالت میں استثنا کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے وارث کے نہ موجود ہونے کی حالت میں بھی رد کی مستحق نہیں متصور ہوتی۔ اگر وہی تنہا وارث ہو، تو اسے جائداد کا $\frac{1}{4}$ ملے گا، اور باقی جائداد امام، اور اب سرکار کو پہنچے گی مسٹر امیر علی کی یہ رائے ہے کہ چونکہ امام کے حصہ لینے کا اب کوئی انتظام باقی نہیں رہا، اس لیے بقیہ جائداد بھی زوجہ کو ملنی چاہیئے [کتاب مسٹر امیر علی، اشاعت پنجم، جلد دوم، صفحہ ۱۲۳، فٹ نوٹ (۳)]۔

اگر ذی فرض تنہا وارث رہ جائے، مثلاً، زوج، تو وہ اپنا وہ حصہ جو قرآن مجید میں بتایا گیا ہے (یعنی $\frac{1}{2}$) بطور ذی فرض کے اور بقیہ ذریعۂ رد پائے گا۔ اگر کوئی عصبہ تنہا وارث رہ جائے، مثلاً، بھائی، تو وہ بحیثیت عصبہ کے تمام جائداد کا وارث ہوگا۔

سنّی قانون کے متعلق دیکھو دفعہ ۵۳۔

(۲) اگر متوفی نے دو یا اس سے زیادہ وارث چھوڑے ہیں، تو جائداد کی تقسیم میں سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ زوج یا زوجہ کا جو حصہ ہے وہ ان کو دیدیا جائے۔ ان حصوں کے دینے کے بعد یہ تعین کیا جائے گا کہ باقی ماندہ رشتہ داروں میں سے کون کون لوگ وراثت پانے کے مستحق ہیں، اس کا تعین ان قواعد کی مدد سے ہو سکتا ہے جو دفعہ ۵، میں بتائے گئے ہیں۔ اس کے بعد جائداد (زوج یا زوجہ کے حصے کی منہائی کے بعد بشرطیکہ کوئی زوج یا زوجہ ہو) تقسیم

کے ان قواعد کے مطابق جو اس قسم کے وارثوں سے متعلق ہیں، مستحق وارثوں میں تقسیم کر دی جائے گی (دیکھو دفعہ ۸۲ — ۹۷)۔

یاد رکھو کہ زوج یا زوجہ، جیسی صورت ہو، ہمیشہ اپنا حصہ پائیں گے، دوسرے وارث خواہ کسی قسم کے موجود ہوں۔ زوج اور زوجہ کو ہمیشہ بطور ذی فرض کے حصہ ملتا ہے، متوفی کی اولاد موجود ہونے کی صورت میں علی الترتیب $\frac{1}{4}$ اور $\frac{1}{8}$، اور اولاد نہ موجود ہونے کی صورت میں $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{4}$۔ چونکہ قسم دوم یا سوم کے وارثوں میں نسبی اولاد شریک نہیں ہے، اس لیے جب زوج یا زوجہ قسم دوم یا سوم کے وارثوں کے ساتھ ہوتے ہیں، تو ان کو اپنے پورے پورے حصے ملتے ہیں، یعنی، زوج کو $\frac{1}{2}$ اور زوجہ کو $\frac{1}{4}$۔

دفعہ ۸۰۔ اصول قائم مقامی — شیعوں کے قانون وراثت کا اہم ترین اصول قائم مقامی ہے۔ اس اصول کے مطابق متوفی بیٹے کی اولاد اس کی قائم مقام ہوتی ہے، اور وہ حصہ پاتی ہے جو اس بیٹے کو ملتا اگر وہ زندہ ہوتا۔ اسی طرح، متوفیہ بیٹی کی اولاد اس کی قائم مقام ہوتی ہے، اور وہ حصہ پاتی ہے جو اس بیٹی کو بحالت زندگی ملتا۔ یہی حالت متوفی بھائی، متوفیہ بہن، اور متوفی چچا اور پھپی، کی اولاد کی ہے[1]۔

قائم مقامی کا اصول اولاد تک منحصر نہیں ہے، بلکہ وہ سلسلۂ اعلیٰ اور سلسلۂ اسفل دونوں سے متعلق ہوتا ہے۔ اس لیے پردادا اور پردادی کو وہ حصہ ملتا ہے جو دادا اور دادی کو زندہ رہنے کی صورت میں ملتا؛ اور باپ کے چچا اور پھپیاں اس حصے کی مستحق ہوتی ہیں جس کے مستحق خود متوفی کے چچا اور پھپیاں ہوتیں اگر وہ زندہ رہتیں۔

اس اصول کا عمل دفعات ۸۳، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۹۱، ۹۲، میں دکھایا گیا ہے۔ دفعہ ہذا کے فقرۂ اول میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا یہ مفہوم نہیں ہے، کہ ایک متوفی بیٹے کے پوتے بیٹوں کے ساتھ حصہ پائیں گے، یا ایک متوفیہ بیٹی کی نواسیوں کو بیٹیوں کے ساتھ حصہ دلایا جائے گا۔ اولاد کی اولاد اسی صورت میں وارث ہوتی ہے جبکہ خود اولاد موجود نہ ہو: دیکھو دفعہ ۸۳ جو آگے آتی ہے۔

---

[1] آغا شیر علی بنام بائی کلثوم ۱۹۰۸ء ۳۲ بمبئی ۵۴۰، ۵۴۷، ۵۵۸۔

نقشۂ ذوی الفروض حسب قانون اہل تشیع

بیلی جلد دوم ۲۷۱-۲۷۶، ۲۸۱۔

حصہ دار	معمولی حصہ: ایک	معمولی حصہ: دو یا زیادہ	وہ حالات جن میں حصہ ملتا ہے	خاص حالات کے لحاظ سے حصوں میں تبدیلی
۱ زوج	$\frac{1}{4}$	۔	جب اولاد موجود ہو۔	$\frac{1}{2}$ جب اولاد موجود نہ ہو۔
۲ زوجہ	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	جب اولاد موجود ہو۔	$\frac{1}{4}$ جب اولاد موجود نہ ہو
۳ باپ[1]	$\frac{1}{6}$	۔	جب اولاد موجود ہو۔	[اگر اولاد موجود نہ ہوگی تو باپ کو بطور عصبہ کے حصہ ملے گا]
۴ ماں	$\frac{1}{6}$	۔	(الف) جب اولاد موجود ہو، یا (ب) جب دو یا اس سے زیادہ حقیقی یا علاتی بھائی، یا ایک ایسا بھائی اور دو ایسی بہنیں، یا چار ایسی بہنیں باپ کے ساتھ ہوں۔	$\frac{1}{3}$ دوسری صورتوں میں
۵ بیٹی	$\frac{1}{2}$	$\frac{2}{3}$	جب بیٹا نہ ہو	[بیٹے کے ساتھ وہ بطور عصبہ حصہ پاتی ہے]
۶ اخیافی بھائی یا ۷ بہن	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$	جب والدین یا اولاد نہ ہو [دیکھو دفعہ ۷۵]۔	
۸ حقیقی بہن	$\frac{1}{2}$	$\frac{2}{3}$	جب والدین یا اولاد، یا حقیقی بھائی یا دادا نہ ہو [دیکھو دفعات ۷۵، ۸۸]	[حقیقی بہن کو حقیقی بھائی اور دادا کے ساتھ بحیثیت عصبہ کے حصہ ملتا ہے: دیکھو دفعہ ۸۸]
۹ علاتی بہن	$\frac{1}{2}$	$\frac{2}{3}$	جب والدین یا اولاد، یا حقیقی بھائی یا بہن، یا علاتی بھائی یا دادا موجود نہ ہو، [دیکھو دفعات ۷۵، ۸۸]۔	[علاتی بہن کو علاتی بھائی اور دادا کے ساتھ بطور عصبہ کے حصہ ملتا ہے: دیکھو دفعہ ۸۸]۔

نوٹ۔ ذوی الفروض کی اولاد بھی خواہ کسی اسفل درجے کی ہو ذوی الفروض میں داخل ہے [دفعہ ۷۷]۔

[1] باپ کے بحیثیت ذی فرض جو مزید حقوق ہیں، اس کے لیے دیکھو دفعات ۹۵ و ۹۷۔

دفعہ ۱۸۰۔ تقسیم بلحاظ نسب ـــــ تینوں قسم کے وارثوں کی اولاد (دفعہ ۶۷) میں متروکہ نسبی طور سے تقسیم کیا جائے گا نہ کہ بالراس۔[۱]

یہ دوسرے الفاظ میں اس اصول قائم مقامی کا اعادہ ہے جو گزشتہ دفعہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ فرض کرو کہ ایک شیعہ دو پوتے یعنی ایک متوفی بیٹے (الف) کی اولاد، اور ایک پوتا یعنی دوسرے متوفی بیٹے (ب) کی اولاد چھوڑ کر مرجاتا ہے؛ جیسا کہ نقشۂ ذیل میں دکھایا گیا ہے:۔

متوفی مورث

بیٹا متوفی (ب)		بیٹا متوفی (الف)	
پوتا نشان (۳)		پوتا نشان (۲)	پوتا نشان (۱)
($\frac{1}{2}$)		($\frac{1}{4}$)	($\frac{1}{4}$)
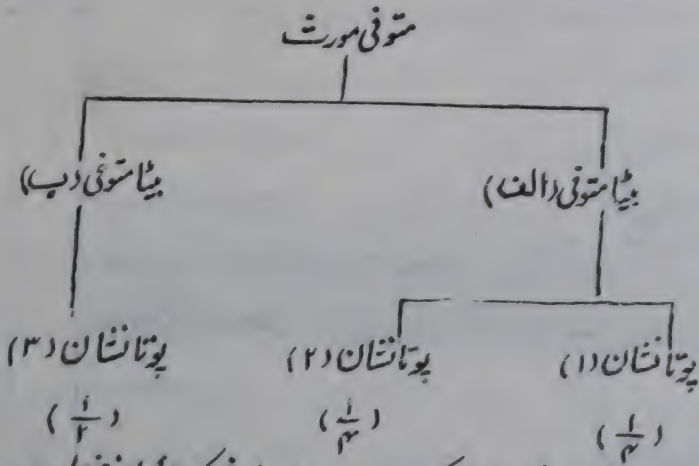
شیعوں کے قانون کی رو سے مورث متوفی کی جائداد فرضی طور سے اس کے دو متوفی بیٹوں (الف) اور (ب) میں نصفا نصف تقسیم کر دی جائے گی۔ بیٹے (الف) کا $\frac{1}{2}$ اس کے دو بیٹوں نشان (۱) اور نشان (۲) کو پہنچے گا، اور ہر ایک جائداد کا $\frac{1}{4}$ پائے گا۔ بیٹے (ب) کا $\frac{1}{2}$ اس کے بیٹے نشان (۳) کو ملے گا۔ اس تقسیم کو، یوں کہنا چاہئے کہ بلحاظ نسب کے ہے، نہ بلحاظ دعویداروں کے۔ سنیوں کے قانون سے مورث متوفی کے تینوں پوتے نشان (۱)، (۲)، (۳) بالراس حصہ پاتے، یعنی ہر ایک کو جائداد کا $\frac{1}{3}$ حصہ ملتا، اور ان حصوں کا کچھ لحاظ نہ کیا جاتا جو ان کے

---

[۱] آغا شیر علی بنام بائی کلثوم ۱۹۰۸ئہ ۳۲ بمبئی ۵۴۰۔

باپوں کو زندہ رہنے کی حالت میں ملتے ۔ شیعہ قانون میں (الف)
دو بیٹے (الف) کے، اور (ب) کا ایک بیٹا اس کا قائم مقام مانا جائے گا۔
سنیوں کے قانون میں اس قسم کی قائم مقامی نہیں ہے
(دفعہ ۴۲) ۔

یہ بیٹوں کی اولاد میں توریث بالنسب کی مثال ہے ۔
بیٹیوں، بھائیوں، بہنوں، چچاؤں، پھپیوں، اور باپ کے
چچاؤں اور پھپیوں کی اولاد میں بھی توریث بالنسب کا عمل
ہوتا ہے : دیکھو دفعات ۸۳، ۸۷، ۹۱، و ۹۲ ۔

دفعہ ۸۲ ۔ اولاد میں وراثت ــــــ جو شخص زندہ رہنے کی حالت میں بطور ذی فرض حصہ پاتا، اس کی اولاد بھی بطور ذی فرض حصہ پائے گی ۔ اور جس شخص کو زندہ رہنے کی صورت میں بحیثیت عصبہ حصہ ملتا، اس کی اولاد کو بھی بحیثیت عصبہ حصہ ملے گا ۔

یہ اس اصول قائم مقامی کا لازمی نتیجہ ہے جس کا ذکر دفعہ ۸۰ میں
کیا گیا ہے ۔ فرض کرو کہ ایک شیعہ، حقیقی بھائی کی ایک بیٹی اور
اخیافی بھائی کا ایک بیٹا چھوڑ کر مرجاتا ہے جیسا کہ نقشۂ ذیل میں
دکھایا گیا ہے ۔

مورث

حقیقی بھائی　　　　اخیافی بھائی

بیٹی ($\frac{5}{6}$)　　　　بیٹا ($\frac{1}{6}$)

اخیافی بھائی اگر زندہ ہوتا، تو اسے حسب احکام قرآن مجید جائداد کا
$\frac{1}{6}$ حصہ ملتا (دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان (۲))؛ اور اگر حقیقی بھائی
زندہ رہتا تو وہ بحیثیت عصبہ کے جائداد کا بقیہ $\frac{5}{6}$ حصہ پاتا ۔
اخیافی بھائی کا بیٹا، ذی فرض کی اولاد ہونے کی وجہ سے ذی فرض
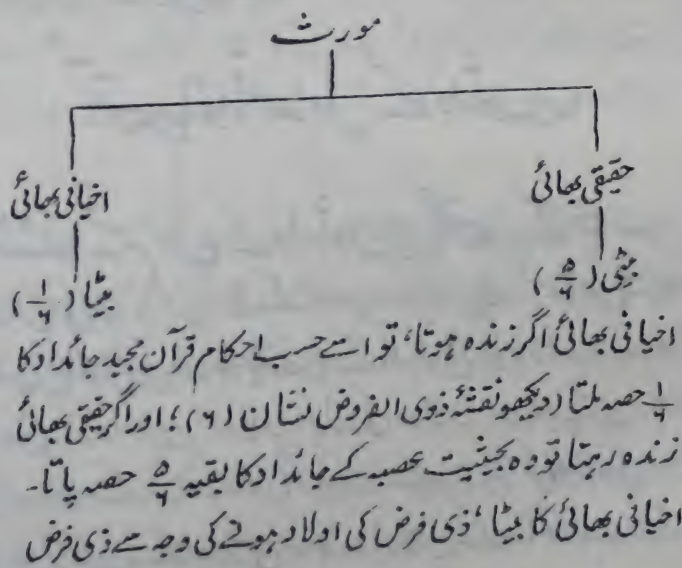
متصور ہوگا، اور اپنے باپ کے قائم مقام کی حیثیت سے اپنے باپ کا $\frac{۱}{۶}$ پائے گا۔ حقیقی بھائی کی بیٹی، عصبہ کی اولاد ہونے سے بطور عصبہ کے حصہ پائے گی، اور اپنے باپ کی قائم مقامی کی حیثیت سے اس کا $\frac{۵}{۶}$ حصہ لے گی۔ سنیوں کے قانون کے مطابق، حقیقی بھائی کی بیٹی اور اخیانی بھائی کا بیٹا دونوں تیسری قسم کے ذوی الارحام ہیں۔ امام محمد کی رائے کے مطابق، حقیقی بھائی کی بیٹی $\frac{۵}{۶}$ اور اخیانی بھائی کا بیٹا جائداد کا $\frac{۱}{۶}$ پائے گا؛ بالکل اسی طرح جیسا کہ شیعوں کے قانون میں ہے (دیکھو دفعہ ۶۲)۔ امام ابو یوسف کی رائے کے لحاظ سے، حقیقی بھائی کی بیٹی اخیانی بھائی کے بیٹے کو کلیتہً محروم کر دے گی [دیکھو نوٹ دفعہ ۶۱ متعلق بہ "اصول امام ابو یوسف"]۔

تقسیم جائداد کا قاعدہ دفعہ ۷۹ میں بیان کرنے، اور اصول قائم مقامی اور اس کے دو نتائج کی دفعات ۸۱ اور ۸۲ میں توضیح کرنے کے بعد، ہم ان مخصوص قواعد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کی پابندی سے تینوں قسم کے وارثان مندرجۂ دفعہ ۷۵ میں میراث تقسیم ہوتی ہے۔

تقسیم جائداد قسم اول کے وارثوں میں

دفعہ ۸۳۔ قسم اول کے وارثوں میں تقسیم کے قواعد ــــــ ایک متوفی شیعہ مسلمان کی جائداد پانے کے سب سے پہلے قسم اول کے وارث مستحق ہوتے ہیں، بشمول متوفی کی زوجہ یا زوج کے اگر کوئی ہو [دفعہ ۷۹ (۲)]۔ قسم اول کے وارث متوفی کے والدین، اولاد، اولاد کی اولاد، اور بعید نسبی رشتے دار سمجھے جاتے ہیں۔ والدین کو اولاد کے ساتھ، اور اگر اولاد موجود نہ ہو، تو اولاد کی اولاد کے ساتھ، اور اگر وہ بھی نہ ہو تو متوفی کے بعید نسبی رشتہ داروں کے ساتھ حصہ ملتا ہے، قریب تر

بعید تر کو محجوب کر دیتا ہے [دفعہ ۵ ۷]۔ اس قسم کے لوگوں کی توریث میں مفصلۂ ذیل قواعد کی پابندی کی جاتی ہے:-

(۱) **باپ** —— نسبی اولاد کی موجودگی میں باپ بحیثیت ذی فرض کے جائداد کا ۱/۶ حصہ پاتا ہے؛ اگر نسبی اولاد موجود نہیں ہوتی تو وہ بحیثیت عصبہ کے وارث ہوتا ہے [دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان (۳)]۔

(۲) **ماں** —— ماں ہمیشہ ذی فرض رہتی ہے، اور اس کا حصہ ۱/۶ یا ۱/۳ ہوتا ہے [دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان (۴)]۔

(۳) **بیٹا** —— بیٹا ہمیشہ بطور عصبہ کے حصہ پاتا ہے۔

(۴) **بیٹی** —— بیٹی بحیثیت ذی فرض کے حصہ پاتی ہے؛ بجز اس حالت کے کہ متوفی کا کوئی بیٹا ہو۔ ایسی حالت میں وہ بیٹے کے ساتھ ہو کر بطور عصبہ کے حصہ پائے گی، مرد کو عورت سے دُگنا ملنے کے قاعدے کی پابندی کے ساتھ [دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان (۵)]۔

(۵) **پوتے پوتیاں** —— اولاد نہ ہونے کی صورت میں پوتے پوتیاں اپنے والدین کی قائم مقام ہوتی ہیں، اور اس اصول قائم مقامی کے مطابق جس کی تفصیل دفعہ ۸۰، ۸۱ اور ۸۲ میں کی گئی ہے حصہ پاتی ہیں: یعنی ——

الف۔ ہر بیٹے کی اولاد وہ حصہ پاتی ہے جو اس کے باپ کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے ملتا اگر وہ زندہ ہوتا، اور جو کچھ اس طور سے ملتا ہے وہ آپس میں مرد کو عورت سے دُگنا ملنے کے قاعدے کے مطابق تقسیم کر لیا جاتا ہے؛

ب۔ ہر بیٹی کی اولاد وہ حصہ پاتی ہے جو اس کی ماں کو ذی فرض یا عصبہ ہونے کی حیثیت سے ملتا اگر وہ زندہ ہوتی، اور جو کچھ اس طور سے ملتا ہے وہ عورت سے مرد کو دُگنا ملنے کے قاعدے کے مطابق باہم تقسیم کر لیا جاتا ہے۔

(۶) **بعید نسبی اولاد** —— بعید نسبی اولاد کی توریث میں یہی اصول قائم مقامی سے کام لیا جاتا ہے، یعنی پرپوتے اور پرپوتیاں دونوں وہی حصہ پاتے

ہیں جو علی الترتیب ان کے والدین کو ملتا اگر وہ زندہ رہتے؛ اور جو کچھ ان کو ملتا ہے وہ مرد کو المضاعف حصے کے قاعدے کے مطابق باہم تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ سگڑ پوتے اور سگڑ پوتیوں کو بھی اسی قدر ملتا ہے جتنا علی الترتیب ان کے والدین کو ملتا اگر وہ زندہ ہوتے اور جو کچھ ملتا ہے وہ مرد کو بمقابلہ عورت کے دُگنا ملنے کے قاعدے سے باہم تقسیم کر لیا جاتا ہے۔

بیلی جلد دوم صفحات ۲۷۶، ۲۷- ۲۷۹-

زوج زوجہ اور قسم اول کے وارثوں میں تقسیم کا طریقہ

پہلے، زوج یا زوجہ کو اس کا مقررہ حصہ دیدو [دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان ۱-۲]۔

بعدہ ان رشتہ داروں کا حصہ دو جو صرف بطور ذوی الفروض کے حصہ پاتے ہیں؛

اس کے بعد، اگر کچھ بچ رہے وہ عصبات میں تقسیم کر دو؛

بالآخر، اگر عصبات نہ ہوں، اور تمام حصوں کا مجموعہ اکائی سے کم ہوتا ہو، تو "رد" کا عمل کرو جو دفعات ۹۲-۹۶ میں بتایا گیا ہے: اور اگر حصوں کا مجموعہ اکائی سے بڑھ جائے تو دفعہ ۹۷ کے مطابق کارروائی کرو۔

تمثیلات

(الف) زوج	$\frac{1}{2}$	(بحیثیت ذی فرض)
ماں	$\frac{1}{3}$	(بحیثیت ذی فرض)
باپ	$\frac{1}{6}$	(بحیثیت عصبہ)

نوٹ۔ سنیوں کے قانون کے مطابق، ماں کو $\frac{1}{2}$ کا $\frac{1}{3} = \frac{1}{6}$ اور باپ کو بحیثیت عصبہ کے $\frac{1}{3}$ ملے گا [دیکھو نقشۂ ذوی الفروض سنیوں کے قانون کے مطابق نشان (۵)]۔

(ب) زوجہ $\frac{1}{4}$ (بحیثیت ذی فرض)

ماں $\frac{1}{3}$ (بحیثیت ذی فرض)

باپ $\frac{5}{12}$ (بحیثیت عصبہ)

نوٹ۔ سنیوں کے قانون کے مطابق، ماں $\frac{3}{4}$ کا $\frac{1}{3}$ = $\frac{1}{4}$، اور باپ بطور عصبہ کے $\frac{1}{2}$ پائے گا [دیکھو نقشۂ ذوی الفروض سنیوں کے قانون کے مطابق نشان (۵)]۔

(ج) باپ $\frac{1}{6}$ (بطور ذی فرض)

ماں $\frac{1}{6}$ (بطور ذی فرض)

بیٹا $\frac{2}{3}$ (بطور عصبہ)

نوٹ — اگر بجائے بیٹے کے، بیٹے کی بیٹی (پوتی) ہوتی تو اپنے باپ کی قائم مقامی کی بنا پر اسے بھی جائداد کا وہی $\frac{2}{3}$ حصہ ملتا۔

(د) باپ $\frac{1}{6}$ (بحیثیت ذی فرض کیونکہ بیٹیاں موجود ہیں)

ماں $\frac{1}{6}$ (بحیثیت ذی فرض)

دو بیٹیاں $\frac{2}{3}$ (بحیثیت ذی فرض)

نوٹ — اس تمثیل میں اگر بجائے بیٹیوں کے، بیٹیوں کے بیٹے (نواسے) یا بیٹیوں کی بیٹیاں (نواسیاں) قائم کی جائیں تو حصے وہی رہیں گے۔

(ہ) ایک شیعہ، ایک متوفی بیٹے (الف) کا ایک بیٹا (پوتا نشان (۱) اور اسی بیٹے کی ایک بیٹی (پوتی نشان ۱)، اور ایک دوسرے متوفی بیٹے (ب) کی ایک بیٹی (پوتی نشان ۲)، اور ایک متوفیہ بیٹی (ج) کا ایک بیٹا (نواسہ نشان ۱) اور ایک بیٹی (نواسی نشان ۱)، اور ایک دوسری متوفیہ بیٹی (د) کا ایک بیٹا (نواسہ نشان ۲) حسب نقشۂ ذیل چھوڑ کر مرجاتا ہے:۔
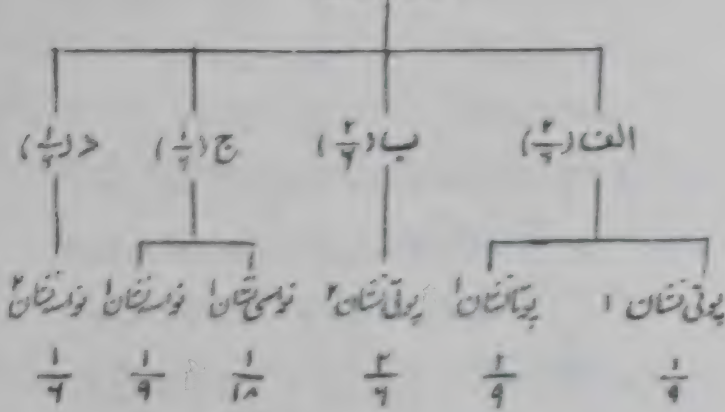
اگر مورث متوفی کی (ج) اور (د) بیٹیاں زندہ ہوتیں،

تو ان کو اپنے (الف) اور (ب) بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو کر مرد کو عورت سے دگنے حصے کے قاعدے کے مطابق حصہ ملتا، یعنی (الف) اور (ب) ہر ایک $\frac{2}{6}$ اور (ج) اور (د) ہر ایک $\frac{1}{6}$ حصہ جائداد کا پاتے۔

(الف) کا $\frac{2}{6}$ حصہ، اس کے بیٹے اور بیٹی میں مرد کو عورت سے دگنا ملنے کے قاعدے کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔ اس طور سے پوتا نشان ۱ $\frac{2}{6}\times\frac{2}{3}=\frac{2}{9}$، اور پوتی نشان ۱ $\frac{2}{6}\times\frac{1}{3}=\frac{1}{9}$ پائے گی، اور (ب) کا $\frac{2}{6}$ اس کی بیٹی، یعنی پوتی نشان ۲ کو ملے گا۔

(ج) کا $\frac{1}{6}$ حصہ، اس کے بیٹے اور بیٹی میں مرد کو عورت سے دگنا دینے کے قاعدے کے مطابق تقسیم ہو گا؛ جس سے نواسہ نشان ۱ $\frac{1}{6}\times\frac{2}{3}=\frac{1}{9}$، اور نواسی نشان ۱ $\frac{1}{6}\times\frac{1}{3}=\frac{1}{18}$ پائے گی۔

(د) کا $\frac{1}{6}$ حصہ اس کے بیٹے یعنی نواسہ نشان ۲ کو ملے گا۔

اس طور سے وارثوں کے حصے یہ ہوں گے $\frac{2}{9}+\frac{1}{9}+\frac{2}{6}+\frac{1}{9}+\frac{1}{18}+\frac{1}{6}=1$ حنفی قاعدے کے مطابق پوتا نشان ۱، پوتی نشان ۱ اور پوتی نشان ۲ سب عصبہ ہونے کی وجہ سے، نواسہ نشان ۱ نواسی نشان ۱ اور نواسہ نشان ۲ کے جو کہ ذوی الارحام ہیں،

حاجب ہیں۔ پس پوتا نشان ۱ ½ اور پوتیاں نشان ۱ و ۲ ہر ایک ¼ پائے گی۔

اس تمثیل میں اگر مورث متوفی زوجہ چھوڑتا تو پہلے اس کا ⅛ حصہ نکال لیا جاتا، اور باقی ⅞ اسی تناسب سے چھ پوتیوں اور نواسیوں میں تقسیم ہوتا۔

دوسری قسم کے وارثوں میں تقسیم

دفعہ ۸۴۔ دوسری قسم کے وارثوں کی توریث کے قواعد۔ اگر قسم اول کے وارث نہ ہوں، تو جائداد (زوج یا زوجہ ہونے کی صورت میں ان کے حصوں کی منہائی کے بعد) دوسری قسم کے وارثوں کو پہنچے گی۔ دوسری قسم کے وارثوں میں والدین کے والدین خواہ کتنے ہی اعلیٰ طبقے کے ہوں، بھائی اور بہنیں اور ان کی اولاد خواہ کتنے ہی اسفل طبقے کی ہو [دفعہ ۷۵] شامل ہے۔ اس قسم کے وارثوں میں توریث کے قواعد باقی ماندہ رشتہ داروں کے لحاظ سے مختلف ہیں :۔

(۱) والدین کے والدین کے ساتھ اگر بھائی یا بہنیں یا ان کی اولاد نہ ہو؛

(۲) بھائی اور بہنیں یا ان کی اولاد کے ساتھ والدین کے والدین یا بعید ترین والدین نہ ہوں؛

(۳) والدین کے والدین خواہ کتنے ہی اعلیٰ طبقے کے ہوں، بھائیوں اور بہنوں یا ان کی اولاد کے ساتھ ہوں۔

شکل اول سے دفعہ ۸۵؛ اور شکل دوم سے دفعہ ۸۶، ۸۷؛ اور شکل سوم سے دفعہ ۸۸ میں بحث کی جائے گی۔

دفعہ ۸۵۔ والدین کے والدین خواہ کتنے ہی اعلیٰ طبقے کے ہوں بغیر بھائیوں یا بہنوں یا ان کی اولاد کے۔ اگر بھائی یا بہنیں یا بھائی بہنوں کی اولاد موجود نہ ہو تو جائداد (زوج یا زوجہ کے موجود ہونے کی حالت میں ان کے حصوں کی منہائی کے بعد) والدین کے والدین میں حسب قواعد ذیل تقسیم

کی جائے گی :-

(۱) اگر متوفی نے اپنے کل والدین کے والدین زندہ چھوڑے ہیں، تو دادا اور دادی کو جائداد کا $\frac{۲}{۳}$ حصہ ملے گا، اور یہ ان میں مرد کو عورت سے دگنا ملنے کے قاعدے سے باہم تقسیم ہوگا؛ اور نانا اور نانی جائداد کا $\frac{۱}{۳}$ حصہ پائیں گی جو ان میں حسب ذیل مساوی طور سے تقسیم کیا جائے گا:-

$\frac{۲}{۳}$ {
- باپ کا باپ (دادا) $\frac{۲}{۳} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۴}{۹} = \frac{۸}{۱۸}$
- باپ کی ماں (دادی) $\frac{۲}{۳} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۲}{۹} = \frac{۴}{۱۸}$

$\frac{۱}{۳}$ {
- ماں کا باپ (نانا) $\frac{۱}{۳} \times \frac{۱}{۲} = \frac{۱}{۶} = \frac{۳}{۱۸}$
- ماں کی ماں (نانی) $\frac{۱}{۳} \times \frac{۱}{۲} = \frac{۱}{۶} = \frac{۳}{۱۸}$

(۲) اگر دادا اور دادی میں سے صرف ایک ہی ہو، تو اسے کل $\frac{۲}{۳}$ ملے گا؛ اسی طرح اگر نانا اور نانی میں سے ایک ہی ہو، تو وہ کل $\frac{۱}{۳}$ حسب ذیل پائے گا:-

(الف) باپ کا باپ (دادا) $\frac{۲}{۳}$

ماں کا باپ (نانا) } $\frac{۱}{۳}$ (ہر ایک کو $\frac{۱}{۶}$)
ماں کی ماں (نانی) }

(ب) باپ کا باپ (دادا) } $\frac{۲}{۳}$ | $\frac{۲}{۳} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۴}{۹}$
باپ کی ماں (دادی) } | $\frac{۲}{۳} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۲}{۹}$

ماں کی ماں (نانی) $\frac{۱}{۳}$ $= \frac{۳}{۹}$

(ج) باپ کا باپ (دادا) $\frac{۲}{۳}$
ماں کی ماں (نانی) $\frac{۱}{۳}$

(۳) اگر والدین کے والدین نہ موجود ہوں، تو جائداد اسی قاعدے سے بعید تر والدین کے والدین کو پہنچے گی، قریب تر بعید تر کا حاجب ہوگا۔

بیلی، جلد دوم، ۲۸۱، ۲۸۲۔

دفعہ ۸۶۔ بھائی اور بہنیں بغیر والدین کے ــــ اگر متوفی نے والدین نہ چھوڑے ہوں، بلکہ مختلف قسم کے بھائی بہن چھوڑ گیا ہو، تو جائداد (زوج اور زوجہ کے موجود ہونے کی صورت میں ان کے حصوں کو منہا کر دینے کے بعد) انھی لوگوں میں انھی قواعد کے مطابق جو سنیوں کے قانون میں ہیں تقسیم کر دی جائے گی۔ وہ قواعد یہ ہیں:۔

(۱) حقیقی بھائی اور بہنیں، علاتی بھائیوں اور بہنوں کو محجوب کر دیتی ہیں۔

(۲) اخیافی بھائی اور بہنیں، حقیقی یا علاتی بھائی بہنوں سے محجوب نہیں ہوتیں، بلکہ وہ ان کے ساتھ حصہ پاتی ہیں۔ ان کا حصہ $\frac{1}{6}$ یا $\frac{1}{3}$ بلحاظ ان کی تعداد کے ہوتا ہے [دیکھو نقشۂ ذوالفروض نشان ۶ و ۷]۔

(۳) حقیقی بھائیوں کو بحیثیت عصبہ کے حصہ ملتا ہے، اور اسی طرح علاتی بھائیوں کو۔

(۴) حقیقی بہن بطور ذی فرض کے حصہ پاتی ہے (دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان ۸)، بجز اس صورت کے کہ اس کا حقیقی بھائی موجود ہو، ایسی حالت میں وہ دونوں بحیثیت عصبہ کے حصہ پاتے ہیں اسی قاعدے کے مطابق کہ مرد کو عورت سے دگنا حصہ دیا جائے۔ علاتی بہنیں بھی بطور ذی فرض حصہ پائیں گی (دیکھو نقشۂ ذوی الفروض نشان ۹)، بجز اس کے کہ کوئی علاتی بھائی موجود ہو، جس کے ساتھ وہ عصبہ ہو کر قاعدۂ مذکورۂ بالا کے مطابق حصہ پائے گی۔

بیلی، جلد دوم، ۲۸۰۔

تمثیلات

نوٹ ـــ مفصلۂ ذیل تمثیلات میں مختلف وارثوں کے حصے شیعہ اور سنی دونوں کے قوانین کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ یہ تمثیلات اس غرض سے درج کئے گئے ہیں کہ طلبہ وارثوں کے ان مجموعوں سے آشنا ہو جائیں جو شیعوں کے قانون میں عام طور سے پائے جاتے ہیں :-

(الف) زوج $\frac{1}{2}$ (بطور ذی فرض)

حقیقی یا علاتی بہن $\frac{1}{2}$ (بطور ذی فرض)

(ب) زوجہ $\frac{1}{4}$ (بطور ذی فرض)

حقیقی بھائی $\frac{3}{4}$ (بطور عصبہ)

(ج) زوج $\frac{1}{2}$ (بطور ذی فرض)

حقیقی بھائی $\frac{1}{2}\times\frac{2}{3}=\frac{1}{3}$ (بحیثیت عصبات کے)

حقیقی بہن $\frac{1}{2}\times\frac{1}{3}=\frac{1}{6}$ (بحیثیت عصبات کے)

(د) زوجہ $\frac{1}{4}$ (بطور ذی فرض)

اخیافی بھائی $\frac{1}{6}$ (بطور ذی فرض)

علاتی بھائی $\frac{7}{12}\times\frac{2}{3}=\frac{7}{18}$ (بحیثیت عصبات کے)

علاتی بہن $\frac{7}{12}\times\frac{1}{3}=\frac{7}{36}$ (بحیثیت عصبات کے)

دفعہ ۸۰ ۔ بھائیوں اور بہنوں کی اولاد بغیر والدین کے ـــ اگر کسی

قسم کے بھائی اور بہنیں نہ ہوں، اور نہ والدین ہوں، بلکہ بھائی اور بہنوں کی اولاد موجود ہو، تو جائداد (زوج یا زوجہ کے موجود ہونے کی حالت میں ان کا حصہ منہا کر دینے کے بعد) قائم مقامی کے اس اصول کے مطابق جس کا بیان دفعات ۸۰، ۸۱، اور ۸۲ میں کیا گیا ہے، بھائی بہنوں کی اولاد کو پہنچے گی :- یعنی ——

(۱) ہر حقیقی یا علاتی بھائی کی اولاد کو وہ حصہ ملے گا، جو ان کے باپ کو، اگر وہ زندہ ہوتا، بحیثیت عصبہ ملتا؛ اور وہ اس حصے کو، مرد کو عورت سے دگنا پانے کے قاعدے سے، باہم تقسیم کر لیں گے۔ اور ہر حقیقی یا علاتی بہن کی اولاد وہ حصہ پائے گی جو اس کی ماں زندہ رہنے کی حالت میں بطور ذی فرض یا عصبہ پاتی؛ اور وہ حصہ بھی مرد کو دگنے حصے کے قاعدے سے باہم تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۲) ہر اخیافی بھائی کی اولاد کو وہ حصہ ملے گا، جو اس کے باپ کو اگر وہ زندہ ہوتا، بحیثیت ذی فرض ملتا؛ اور وہ اس حصے کو باہم مساوی طور سے تقسیم کرلے گی۔ اخیافی بہن کی اولاد کے ساتھ بھی یہی عمل ہوگا۔

(۳) اگر بھائیوں اور بہنوں کی اولاد نہ موجود ہوگی، تو جائداد، قائم مقامی کے اصول کے مطابق، بھائیوں اور بہنوں کے پوتے اور پوتیوں کو پہنچے گی یعنی، حقیقی یا علاتی بھائیوں اور بہنوں کے پوتے اور پوتیاں وہ حصہ پائیں گی جو علی الترتیب ان کے والدین کو ملتا اگر وہ زندہ ہوتے؛ اور یہ حصے وہ لوگ مرد کو عورت سے دگنا دے کر باہم تقسیم کر لیں گے۔ اور اخیافی بھائیوں اور بہنوں کے پوتے اور پوتیاں وہ حصہ پائیں گی جو علی الترتیب بحالت زندگی ان کے والدین کو پہنچتا، اور وہ اسے مساوی طور سے بلا لحاظ تذکیر و تانیث کے باہم تقسیم کر لیں گی۔

بیلی، جلد دوم، ۲۸۴۔

تمثیلات

(الف) زوج $\frac{1}{2}$ (بطور ذی فرض)

اخیافی بھائی کی بیٹی $\frac{1}{6}$ (بطور ذی فرض جو اس کے باپ کا حصہ ہے)

حقیقی بھائی کی بیٹی $\frac{1}{3}$ (بطور عصبہ جو اس کے باپ کا حصہ ہے)

علاتی بھائی کا بیٹا : (حقیقی بھائی کی بیٹی سے محجوب)

(ب) وعویداران وراثت ان لوگوں کو فرض کرو جو نقشۂ ذیل کی دوسری سطر میں دکھائے گئے ہیں: یعنی ——

حقیقی بھائی نشان (۱) کے دو بیٹے اور ایک بیٹی؛
دوسرے حقیقی بھائی نشان (۲) کی ایک بیٹی؛
اخیافی بھائی کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی؛
اخیافی بہن کی ایک بیٹی؛

اخیافی بہن ($\frac{1}{6}$)	اخیافی بھائی ($\frac{1}{6}$)		حقیقی بھائی نشان (۲) ($\frac{1}{3}$)	حقیقی بھائی نشان (۱) ($\frac{1}{3}$)		
بیٹی نشان (۴)	بیٹی نشان (۳)	بیٹا نشان (۳)	بیٹی نشان (۲)	بیٹی نشان (۱)	بیٹا نشان (۲)	بیٹا نشان (۱)
($\frac{1}{6}$)	($\frac{1}{12}$)	($\frac{1}{12}$)	($\frac{1}{3}$)	($\frac{1}{15}$)	($\frac{2}{15}$)	($\frac{2}{15}$)
($\frac{1}{3}$ بطور ذوی فرض)			($\frac{2}{3}$ بطور عصبات)			
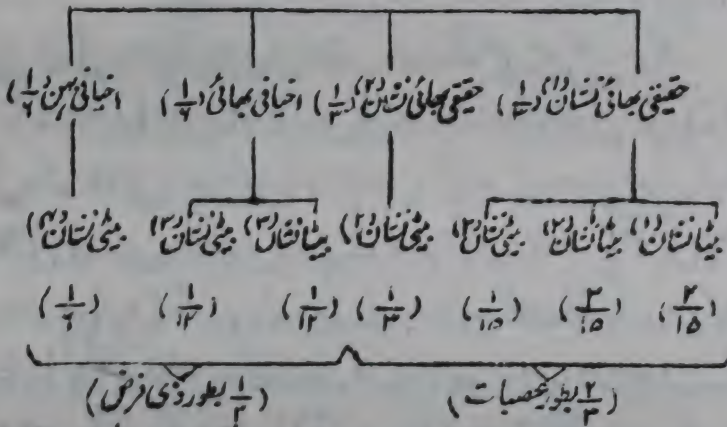
سب سے پہلے بھائیوں اور بہنوں کو ان کے حصے دو اس طرح:۔

اخیافی بھائی اور اخیافی بہن کو $\frac{1}{3}$ (بطور ذوی فرض) ہر ایک کو $\frac{1}{6}$ ملے گا؛

حقیقی بھائی نشان ا و ۲ کو $\frac{2}{3}$ (بطور عصبہ) ہر ایک کو $\frac{1}{3}$ ملے گا۔

اس کے بعد ان کی اولاد کے حصے اس طرح معین کرو:——
اخیافی بہن کا حصہ $\frac{1}{6}$ اس کی بیٹی نشان (۴) پائے گی؛
اخیافی بھائی کا حصہ $\frac{1}{6}$ ساوی طور سے بیٹے نشان (۳) اور بیٹی نشان (۳) میں تقسیم کرو، ہر ایک کو $\frac{1}{12}$ ملے گا؛

بھائی نشان (۲) کا $\frac{1}{3}$ حصہ اس کی بیٹی نشان (۱) پائے گی؛
بھائی نشان (۱) کا $\frac{1}{3}$ حصہ اس کے دو بیٹوں اور ایک بیٹی میں مرد کو عورت سے دگنا دے کر تقسیم کیا جائے گا جس سے بیٹا نشان (۱) $\frac{1}{3} \times \frac{2}{5} = \frac{2}{15}$، بیٹا نشان (۲) بھی $\frac{2}{15}$، اور بیٹی نشان (۱) $\frac{1}{3} \times \frac{1}{5} = \frac{1}{15}$ پائے گی۔

اس طور سے جملہ حصے یہ ہوں گے $\frac{2}{15} + \frac{2}{15} + \frac{1}{15} + \frac{1}{3} + \frac{1}{12} + \frac{1}{12} + \frac{1}{6} = 1$

فرض کرو کہ تمثیل مذکورۂ بالا میں بھائیوں اور بہنوں کی تمام اولاد مورث کے سامنے مر چکی تھی، اور بیٹا نشان (۱) ایک بیٹا اور ایک بیٹی، اور بیٹا نشان (۳) بھی ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرا، اور بقیہ پانچ بھتیجے بھتیجیوں اور بھانجیوں میں سے ہر ایک نے ایک بیٹا چھوڑا۔ اس صورت میں بیٹے نشان (۱) کا حصہ یعنی $\frac{2}{15}$، اس کے بیٹے اور بیٹی میں مرد کو عورت سے دگنا دینے کے قاعدے کے مطابق تقسیم ہوگا۔ بیٹے کو $\frac{2}{15} \times \frac{2}{3} = \frac{4}{45}$، اور بیٹی کو $\frac{2}{15} \times \frac{1}{3} = \frac{2}{45}$ ملے گا۔ بیٹے نشان (۳) کا حصہ، یعنی $\frac{1}{12}$، مساوی طور سے اس کے بیٹے اور بیٹی میں بانٹ دیا جائے گا، کیونکہ وہ اخیافی بھائی کی اولاد ہے؛ اس طور سے ہر ایک کو $\frac{1}{24}$ پہنچے گا۔ بیٹے نشان (۲)، بیٹی نشان (۱)، بیٹی نشان (۲)، بیٹی نشان (۳) اور بیٹی نشان (۴) کے بیٹے اپنے اپنے والدین کے حصے پائیں گے۔

دفعہ ۸۸۔ والدین کے والدین اور ان سے بھی بعید تر والدین، بھائیوں بہنوں یا ان کی اولاد کے ساتھ —— (۱) اگر متوفی نے والدین کے والدین، اور بھائی یا بہنیں چھوڑی ہیں، تو جائداد زوج یا زوجہ ہونے کی صورت میں ان کے حصوں کی منہائی کے بعد، والدین کے والدین اور بھائیوں اور بہنوں میں حسب قواعد ذیل تقسیم ہوگی:۔

(الف) دادا حقیقی یا علاتی بھائی کے مساوی متصور ہوتا ہے؛

اور دادی حقیقی یا علاتی بہن کے مساوی۔

(ب) نانا اخیافی بھائی کے مساوی سمجھا جاتا ہے؛ اور نانی اخیافی بہن کے مساوی۔

(۲) والدین کے والدین نہ ہونے کی صورت میں متوفی کے بعید تر والدین، ان والدین کے والدین کے قائم مقام ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے ان کا تعلق علی الترتیب متوفی سے قائم ہوا ہے۔ بھائیوں یا بہنوں کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولاد اپنے والدین کی قائم مقام ہوتی ہے۔

بیلی، جلد دوم، ۲۸۱، ۳۹۱-۳۹۲؛ ولسن، دفعہ ۴۶۸۔

مذکورۂ بالا قواعد کا نتیجہ یہ ہے کہ جب قسم دوم کے وارثوں میں تم حقیقی، علاتی یا اخیافی بھائی یا بہن پاؤ تو حسب قاعدۂ بالا والدین کے والدین کی جگہ اتنے ہی بھائی یا بہنیں فرض کرلو۔ اور والدین کے والدین کو اس طرح حصہ دو کہ گویا وہ اتنے بھائی یا بہنیں ہیں جیسا کہ ذیل کی تمثیلات میں کیا گیا ہے:-

(الف) دادا (حقیقی بھائی کے مساوی) $\frac{2}{3}$

حقیقی بہن $\frac{1}{3}$

نوٹ — یہاں حقیقی بہن دادا کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے، کیونکہ دادا حقیقی بھائی کے مساوی سمجھا گیا ہے۔

(ب) دادا (علاتی بھائی کے مساوی) $\frac{2}{3}$

علاتی بہن $\frac{1}{3}$

نوٹ — یہاں بھی علاتی بہن دادا کے ساتھ عصبہ ہو کر حصہ پاتی ہے، کیونکہ دادا ایک علاتی بھائی کے مساوی متصور ہوتا ہے۔

(ج) اخیافی بھائی
نانی (اخیافی بہن کے مساوی) } $\frac{1}{3}$ ہر ایک کو $\frac{1}{6}$

۲ حقیقی بہنیں　　$\frac{2}{3}$ (بحیثیت ذوی فرض)

نوٹ — یہاں نانی بطور اخیانی بہن کے سمجھی گئی ہے اس کی وہی صورت ہو گئی ہے جو ایک اخیانی بھائی اور ایک اخیانی بہن کی موجودگی میں ہوتی؛ یہ لوگ بحیثیت ذوی الفروض کے $\frac{1}{3}$ پاتے ہیں۔

(د) حقیقی بھائی　$\frac{4}{18}$

حقیقی بہن　$\frac{2}{18}$

دادا (حقیقی بھائی کے مساوی)　$\frac{4}{18}$

دادی (حقیقی بہن کے مساوی)　$\frac{2}{18}$

} $\frac{2}{3}$ بحیثیت عصبہ

نانا (اخیانی بھائی کے مساوی)[1]　$\frac{1}{6}$

نانی (اخیانی بہن کے مساوی)　$\frac{1}{6}$

} $\frac{1}{3}$ بحیثیت ذوی الفروض)

نوٹ — پہلے دادا، دادی اور نانا، نانی کی جگہ بھائی اور بہنوں کو قائم کرو، جس سے یہ سب دو حقیقی بھائی اور دو حقیقی بہنیں اور ایک اخیانی بھائی اور ایک اخیانی بہن ہو جاتے ہیں۔ اخیانی بھائی اور اخیانی بہن کو باہم بحیثیت ذوی الفروض $\frac{1}{3}$ جائداد ملتی ہے۔ بقیہ $\frac{2}{3}$ جائداد بحیثیت عصبات دو حقیقی بھائیوں اور دو حقیقی بہنوں میں مرد کو عورت سے دگنا حصہ دے کر تقسیم ہوگی۔ اس لیے ہر حقیقی بھائی کو $\frac{2}{3} \times \frac{2}{6} = \frac{4}{18}$، اور ہر حقیقی بہن کو $\frac{2}{3} \times \frac{1}{6} = \frac{2}{18}$ ملے گا۔ اگر حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی جگہ علاتی بھائی اور بہنیں ہوتیں تو بھی نتیجہ یہی رہتا۔

[1] اصل کتاب میں نانا کو غلطی سے اخیانی بہن کے مساوی لکھا ہے۔ مترجم

(ھ) اخیافی بھائی $\frac{1}{9}$
اخیافی بہن $\frac{1}{9}$ } $\frac{1}{3}$ بحیثیت ذوی الفروض
نانی (اخیافی بہن کے مساوی) $\frac{1}{9}$

دادا (علاتی بھائی کے مساوی) $\frac{1}{3}$
دادی (علاتی بہن کے مساوی) $\frac{1}{6}$ } $\frac{2}{3}$ بحیثیت عصبات
علاتی بہن $\frac{1}{6}$

نوٹ ـــــ نانی کی جگہ اخیافی بہن قائم کرو، جس سے ایک اخیافی بھائی اور دو اخیافی بہنیں ہو جاتی ہیں۔ چونکہ ایک علاتی بہن موجود ہے، اس لیے دادا کی جگہ ایک علاتی بھائی اور دادی کی جگہ ایک علاتی بہن قائم کرو۔ ایک اخیافی بھائی اور دو اخیافی بہنوں کو مشترک طور سے بحیثیت ذوی الفروض کے $\frac{1}{3}$ جائداد ملے گی۔ بقیہ $\frac{2}{3}$ ایک علاتی بھائی اور دو علاتی بہنوں میں بحیثیت عصبات، مرد کو عورت سے دگنا دے کر تقسیم کرو۔ ہر بھائی $\frac{2}{3} \times \frac{2}{4} = \frac{1}{3}$، اور بہن $\frac{2}{3} \times \frac{1}{4} = \frac{1}{6}$ پائے گی۔

(و) زوج $\frac{1}{2}$

دادا (حقیقی بھائی کے مساوی)
حقیقی بھائی } $\frac{1}{2}$ بطور عصبات ہر ایک کو $\frac{1}{4}$

(ز) زوجہ $\frac{1}{4}$

اخیافی بہن
اخیافی بھائی } $\frac{1}{3}$ بحیثیت ذوی الفروض، ہر ایک کو $\frac{1}{9}$ ملے گا۔
نانا (اخیافی بھائی کے مساوی)

دادا $\frac{5}{12}$ (بحیثیت عصبہ)

نوٹ ـــــ تمثیل بالا میں، دادا خواہ حقیقی بھائی تصور کیا جائے یا علاتی بھائی، ہر صورت میں اسے بطور عصبہ کے حصہ ملے گا۔

(ح) حقیقی بھائی کا بیٹا $\frac{1}{2}$ (جو اس کے باپ کا حصہ ہے)

دادا (حقیقی بھائی کے مساوی) $\frac{1}{2}$

نوٹ ـــــ مذکورۂ بالا تمثیل بیلی کی جلد دوم صفحات ۳۲۷-۳۲۸، ۳۹۲ سے لی گئی ہے۔

تیسری قسم کے وارثوں میں تقسیم

دفعہ ۸۹۔ تیسری قسم کے وارثوں میں ترتیب وراثت ـــــ

۱- اگر اول یا دوسری قسم کے وارث موجود نہ ہوں، تو (جائداد زوج یا زوجہ موجود ہونے کی صورت میں ان کے حصوں کو منہا کر دینے کے بعد) حسب ترتیب ذیل تیسری قسم کے وارثوں کو پہنچے گی:۔

(۱) متوفی کے پدری اور مادری عم و عمات کو۔

(۲) ان کی اولاد کو خواہ کتنی ہی نیچے طبقے کی ہو، قریب تر بعید تر کو محجوب کرے گی۔

(۳) والدین کے پدری و مادری عم و عمات۔

(۴) ان کی اولاد خواہ کتنی ہی نیچے درجے کی ہو، قریب تر بعید تر کی حاجب ہوتی جائے گی۔

(۵) والدین کے والدین کے پدری و مادری عم و عمات۔

(۶) ان کی اولاد کتنی ہی نیچے درجے کی کیوں نہ ہو، قریب تر بعید تر کی حاجب ہوگی۔

(۷) بعید عم اور عمات اور ان کی اولاد اسی ترتیب سے۔

(۲) ان میں سے ہر زمرے کے تمام لوگوں کے ختم ہو جانے کے بعد

دوسرے زمرے کے لوگوں کی وراثت کی نوبت آئے گی۔

استثنا ۔ اگر دعویداران وراثت میں صرف ایک حقیقی چچا کا بیٹا اور ایک علاتی چچا ہو، تو مقدم الذکر اگرچہ وہ زمرۂ (۲) میں شریک ہے، موخر الذکر کو محجوب کر دے گا جو کہ قریب تر اور زمرۂ (۱) میں شامل ہے۔

بیلی، جلد دوم، ۲۸۵ — ۲۸۶، ۳۲۹ — ۳۳۲۔

دفعہ ہذا کے ضمن (۲) کا استثنا — شیعہ حضرت علیؓ کے پیرو ہیں، جو کہ رسول اللہؐ کے چچازاد بھائی اور رسول اللہؐ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے شوہر تھے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد خلافت (یعنی رسولؐ کی جانشینی) سب سے پہلے حضرت علیؓ کو ملنی چاہیئے تھی، کیونکہ وہ رسول اللہؐ کے قریب تر ذکور رشتہ داروں میں تھے۔ لیکن رسول اللہؐ نے ایک علاتی چچا (عباس نامی) بھی چھوڑے تھے، اور حضرت علیؓ آپؐ کے حقیقی چچا (ابوطالب) کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آپؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ اس لیے حضرت علیؓ اس وقت تک رسول اللہؐ کے قریب تر مرد وارث نہیں سمجھے جا سکتے تھے، جب تک حقیقی چچا کے بیٹے کو علاتی چچا کے مقابلے میں ترجیح نہ دی جائے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے ذریعے سے رسول اللہ کی نسبی اولاد کے دعاوی کی تائید میں شیعوں کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حقیقی چچا کا بیٹا بمقابلۂ علاتی چچا کے جانشینی کا زیادہ تر مستحق ہے۔ اس سے ضمن (۲) کے استثنا کے قائم کیے جانے کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے۔

تیسری قسم کے وارثوں میں کوئی ذی فرض نہیں ہوتا — تیسری قسم کے تمام وارث عصبہ ہوتے ہیں، ان میں کوئی ذی فرض نہیں ہوتا جیسا کہ اس نقشۂ ذوی الفروض کے ملاحظے سے واضح ہوگا جو قبل ازیں دیا جا چکا ہے۔

دفعہ ۹۰ ۔ عم و عمات — عم اور عمات میں جائداد بطریق ذیل

تقسیم کرو:۔

۱۔ پہلے، $\frac{۲}{۳}$ جائداد پدری رشتہ داروں، یعنی چچاؤں اور پھپھیوں کو دیدو، اگرچہ ان میں کا ایک ہی شخص ہو؛ اور باقی $\frac{۱}{۳}$ مادری رشتہ داروں، یعنی، ماموؤں اور خالاؤں کو دو، اگرچہ ان میں کا ایک ہی شخص ہو۔

۲۔ بعدہ، جو ($\frac{۲}{۳}$ حصہ جائداد کا) پدری رشتے داروں کو دیا گیا ہے، وہ چچاؤں اور پھپھیوں میں بعینہ اسی طرح تقسیم کرو گویا کہ وہ متوفی کے بھائی اور بہنیں تھیں، یعنی:۔

(۱) اخیافی چچا اور پھپھیوں کو اس طرح دو۔۔۔۔

(الف) $\frac{۱}{۳}$، اگر وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں، جو ان میں مساوی طور سے تقسیم کیا جائے گا؛

(ب) $\frac{۱}{۶}$، اگر ان میں سے صرف ایک شخص ہو؛

(۲) بقیہ جائداد، حقیقی چچاؤں اور پھپھیوں میں مرد کو عورت سے دگنے دینے کے قاعدے کے ساتھ تقسیم کرو، اگر وہ نہ ہوں، تو اسی قاعدے سے علاتی چچاؤں اور پھپھیوں میں بانٹ دو۔

۳۔ بالآخر، جو کچھ مادری رشتہ داروں کو دیا گیا ہے، وہ ماموؤں اور خالاؤں میں بطریق ذیل تقسیم کرو:۔

(۱) ماموؤں اور خالاؤں کو اس طرح دو:۔

(الف) $\frac{۱}{۳}$، اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں، جو ان میں مساوی طریقے سے تقسیم ہوگا؛

(ب) $\frac{۱}{۶}$، اگر ان میں سے صرف ایک ہو؛

(۲) جو کچھ بچ رہے وہ حقیقی ماموؤں اور خالاؤں میں مساوی طور سے تقسیم کرو، اگر وہ نہ ہوں، تو علاتی ماموؤں اور خالاؤں میں بانٹ دو۔

۴۔ اگر ماموں اور خالائیں نہ ہوں گی تو کل جائداد چچا اور پھپھیاں پائیں گی۔ اسی طرح، اگر چچا اور پھپھیاں نہ ہوں گی، تو تمام جائداد ماموں اور خالائیں

پائیں گی۔

بیلی، جلد دوم، ۲۸۵، ۲۸۶، ۳۲۹۔

نوٹ ـــ تمثیلوں میں اسی ترتیب سے چلو جو دفعہ ہذا میں بتائی گئی ہے۔

(الف)

$\frac{2}{3}$ { حقیقی چچا $\frac{2}{3} \times \frac{5}{6} = \frac{5}{9}$
علاتی چچا (حقیقی چچا سے محجوب)
اخیافی چچا $\frac{2}{3} \times \frac{1}{6} = \frac{1}{9}$ }

$\frac{1}{3}$ { حقیقی ماموں $\frac{1}{3} \times \frac{5}{6} = \frac{5}{18}$
علاتی ماموں (حقیقی ماموں سے محجوب)
اخیافی ماموں $\frac{1}{3} \times \frac{1}{6} = \frac{1}{18}$ }

(ب)

$\frac{2}{3}$ { حقیقی پھپی $\frac{2}{3}$
علاتی چچا (حقیقی پھپی سے محجوب) }

$\frac{1}{3}$ { اخیافی پھپی $\frac{1}{3}$ }

(ج)

حقیقی چچا $\frac{2}{3}$ (مرد ہونے کی وجہ سے دگنا حصہ لیتا ہے)

حقیقی پھپی $\frac{1}{3}$

(د)

حقیقی ماموں $\frac{5}{6}$

اخیافی ماموں $\frac{1}{6}$ (چونکہ تنہا ہے)

(ہ)

$\frac{2}{3}$ { علاتی چچا $\frac{2}{3} \times \frac{5}{6} = \frac{5}{9}$
اخیافی چچا $\frac{2}{3} \times \frac{1}{6} = \frac{1}{9}$ }

اخیافی خالہ $\frac{1}{3}$ { $\frac{1}{3}$

(و)

حقیقی چچا
حقیقی پھپی } $\frac{4}{9} = \frac{2}{3} \times \frac{2}{3}$

} $\frac{2}{3}$

اخیافی چچا
اخیافی پھپیاں } $\frac{2}{9} = \frac{1}{3} \times \frac{2}{3}$ (ہر ایک کو $\frac{1}{27} = \frac{1}{6} \times \frac{2}{9}$)

$\frac{1}{3}$ { اخیافی ماموں $\frac{1}{6} = \frac{1}{2} \times \frac{1}{3}$
اخیافی خالہ $\frac{1}{6} = \frac{1}{2} \times \frac{1}{3}$

$1 = \frac{1}{6} + \frac{1}{6} + \frac{4}{9} + \frac{2}{27} + \frac{4}{27}$

(ز) سگا ماموں $\frac{1}{2}$

سگی خالہ $\frac{1}{2}$

نوٹ ـــ ماموں اور خالائیں بلا لحاظ تذکیر و تانیث کے مساوی حصہ پاتی ہیں۔

(ح)

اخیافی ماموں
اخیافی خالہ } $\frac{1}{3}$، ہر ایک کو $\frac{1}{6}$

حقیقی ماموں
حقیقی خالہ } $\frac{2}{3}$، ہر ایک کو $\frac{1}{3}$

نوٹ ـــ نتیجۂ بالا قاعدہ (۳) کے مطابق ہے جس کی رو سے

ماموں اور خالائیں بلالحاظ تذکیر و تانیث کے مساوی حصہ پاتی ہیں۔
یہ مسئلہ اشتباہ سے خالی نہیں۔ اس کے متعلق یہ رائے بھی ہو سکتی ہے، کہ حقیقی ماموں اور خالائیں اسی حالت میں مساوی حصہ پاتی ہیں جب کہ اخیافی ماموں اور خالائیں نہ ہوں [جیسا کہ تمثیل (۹) میں ہے]، اگر ایسے ماموں اور خالائیں موجود ہوں [جیسا کہ تمثیل مذکورۂ بالا میں ہے] تو انھیں مرد کو دگنے حصے کے قاعدے کے مطابق حصہ ملے گا۔ اس رائے کے مطابق، تمثیل بالا میں حقیقی ماموں $\frac{۲}{۳} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۴}{۹}$ اور حقیقی خالہ $\frac{۲}{۳} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۲}{۹}$ پائے گی۔
یہی رائے علاتی ماموؤں اور خالاؤں سے بھی متعلق ہو سکتی ہے۔
دیکھو بیلی، جلد دوم، صفحات ۲۸۵ تا ۲۸۶، اور کیوری کا ترجمہ شرائع الاسلام، دفعات ۲۱۴ تا ۲۱۹، امیر علی، طباعت پنجم، جلد ۲ صفحات ۱۱۹ تا ۱۲۰۔

دفعہ ۱۹۰۔ عم اور عمات کی اولاد —— اگر کسی قسم کے عم اور عمات زندہ نہ ہوں تو متوفی عم و عمات کی اولاد حسب اصول قائم مقامی جس کی صراحت دفعات ۸۰، ۸۱، اور ۸۳ میں کی گئی ہے، علی الترتیب اپنے والدین کا حصہ پائے گی۔ حقیقی یا علاتی چچاؤں یا پھپھیوں کی اولاد اپنے والدین کا حصہ مرد کو دگنا حصہ دے کر باہم تقسیم کرے گی۔ اور بقیہ چچاؤں اور پھپھیوں، یعنی، اخیافی چچاؤں اور پھپھیوں، اور حقیقی یا علاتی یا اخیافی ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد جو کچھ اپنے والدین کے حصے میں پائے گی وہ باہم مساوی طور سے تقسیم کرے گی۔
اگر عم و عمات کی اولاد نہ ہو گی تو ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں اسی اصول کے مطابق اپنے والدین کا حصہ پائیں گی۔

بیلی، جلد دوم، ۲۸۷۔

نوٹ —— ان تمثیلوں کو حل کرنے کے لیے، پہلے عم و عمات کا مفروضہ حصہ معلوم کرو۔

(الف) پس ماندہ رشتہ دار یہ ہیں ——

اخیانی چچا کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا، اور حقیقی پھپی کی ایک بیٹی، جیسا کہ نقشۂ ذیل میں دکھایا گیا ہے:-

مورث
- اخیانی چچا (۱/۶)
  - بیٹا (۱/۱۲)
  - بیٹی (۱/۱۲)
- حقیقی پھپی (۵/۶)
  - بیٹی (۵/۶)

اخیانی چچا کو جائداد کا ۱/۶ حصہ ملتا ہے، اور حقیقی پھپی کو ۵/۶۔ اخیانی چچا کا ۱/۶ حصہ مساوی طور سے اس کے بیٹے اور بیٹی میں تقسیم ہوگا۔
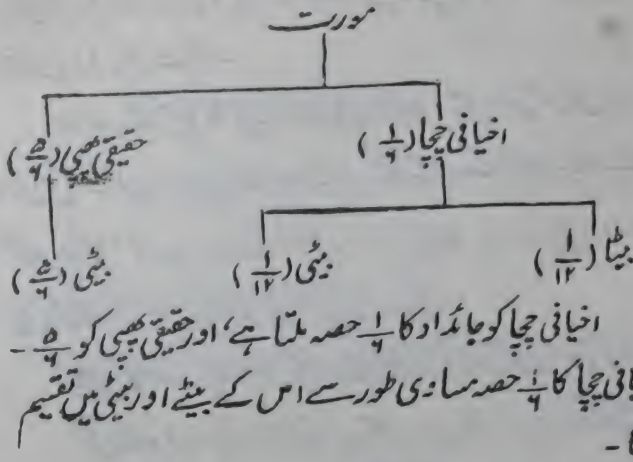
(ب) چچا کا بیٹا ۲/۳ (پدری رشتہ داروں کا حصہ)

خالا کا بیٹا ۱/۳ (مادری رشتہ داروں کا حصہ)

(ج) پس ماندہ رشتہ دار یہ ہیں[۱]—
حقیقی چچا کے بیٹے کے بیٹے کی بیٹی نشان (۱) (پرپوتی)؛ دوسرے حقیقی چچا کے بیٹے کی بیٹی کا ایک بیٹا نشان (۱) اور ایک بیٹی نشان (۲)؛ حقیقی پھپی کی بیٹی کے بیٹے کی بیٹی نشان (۳)

مورث
- حقیقی چچا (۲/۵) — بیٹا — بیٹا — بیٹی نشان (۱)، (۲/۵)
- حقیقی چچا (۲/۵) — بیٹا — بیٹی — بیٹا نشان (۱)، (۴/۱۵)؛ بیٹی نشان (۲)، (۲/۱۵)
- حقیقی پھپی (۱/۵) — بیٹی — بیٹا — بیٹی نشان (۳)، (۱/۵)

[۱] آغا شیر علی بنام بائی گلثوم ۳۲ بمبئی ۵۴۰، ۱۹۰۸ء۔
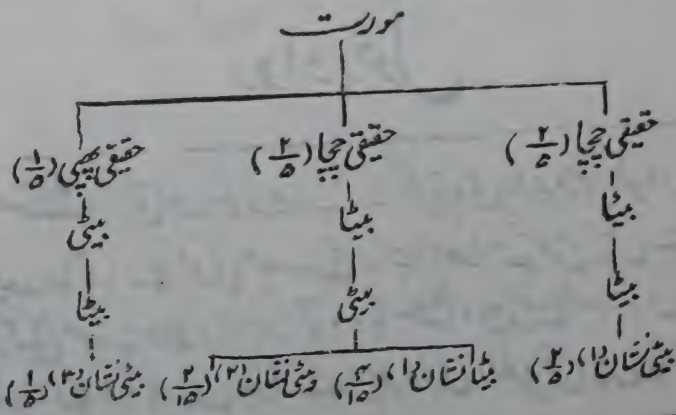
ہر ایک چچا بمقابلہ پھپی کے دگنا حصہ پاتا ہے، اسی طرح ہر چچا کو $\frac{2}{5}$ اور پھپی کو $\frac{1}{5}$ ملتا ہے۔ پہلے چچا کا $\frac{2}{5}$ اس کی بیٹی نشان (۱)، کو ملے گا۔

دوسرے چچا کا $\frac{2}{5}$ اس کی اولاد، یعنی، بیٹا نشان (۱) اور بیٹی نشان (۲) میں مرد کے دگنے حصے کے قاعدے سے تقسیم ہوگا، جس سے بیٹا نشان (۱) $\frac{2}{5}\times\frac{2}{3}=\frac{4}{15}$، اور بیٹی نشان (۲) $\frac{2}{5}\times\frac{1}{3}=\frac{2}{15}$ پائے گی۔

پھپی کا حصہ $\frac{1}{5}$ اس کی اولاد یعنی بیٹی نشان (۳) کو ملے گا۔

حنفی قانون کے مطابق، یہ حصے اس طرح ہوں گے جیسے تمثیل (ب) دفعہ ۶۵ میں بتائے گئے ہیں۔

دفعہ ۹۲۔ تیسری قسم کے اور وارث —— اگر عم اور عمات کی اولاد موجود نہ ہو، تو جائداد تیسری قسم کے دوسرے وارثوں کو اس ترتیب سے پہنچے گی جو دفعہ ۸۹ میں بتائی گئی ہے۔ اعلیٰ طبقے کے عم و عمات میں تقسیم ان اصول کے مطابق عمل میں آتی ہے جو دفعہ ۹۰ میں ظاہر کئے گئے ہیں، اور ان کی اولاد میں تقسیم کے اصول دفعہ ۹۱ میں بیان ہوئے ہیں۔

بیلی، جلد دوم، ۱۰۷، ۲۳۱، ۳۳۲۔

رد اور عول

دفعہ ۹۳۔ قاعدۂ رد —— اگر ذوی الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد جائداد کا کوئی حصہ بچ رہے، اور اس قسم میں جس سے ذوی الفروض کا تعلق ہے کوئی عصبہ موجود نہ ہو، تو وہ باستثنا ان تین صورتوں کے جن کا ذکر دفعات ۹۴، ۹۵، ۹۶ میں ہوا ہے، پھر ذوی الفروض میں بتناسب ان کے حصوں کے تقسیم کر دیا جائے گا۔

بیلی، جلد دوم، ۲۶۲۔

نوٹ ــــ تمثیلات ذیل کے حل کرنے میں، ان قواعد کی پابندی کرنی چاہیئے جو دفعہ ۹۳ کی تمثیلات (ی) اور (ط) کے نوٹوں میں بتائے گئے ہیں۔

(الف) ماں　$\frac{1}{6}$ جو بڑھا کر $\frac{1}{4}$ کر دیا گیا ہے

بیٹی $\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$ جو بڑھا کر $\frac{3}{4}$ کر دیا گیا ہے

بھائی　۰ (قسم دوم کا وارث ہونے کی وجہ سے محجوب ہے)

نوٹ ــــ حنفی قانون کی رو سے بھائی کو جائداد کا بچا ہوا حصہ یعنی $\frac{1}{3}$ ملتا۔

(ب) ماں　$\frac{1}{6}$ جو بڑھا کر $\frac{1}{5}$ کر دیا گیا ہے

باپ　$\frac{1}{6}$ جو بڑھا کر $\frac{1}{5}$ کر دیا گیا ہے

بیٹی $\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$ جو بڑھا کر $\frac{3}{5}$ کر دیا گیا ہے

نوٹ ــــ حنفی قانون کے لحاظ سے، جائداد کا $\frac{1}{6}$ حصہ جو بچ رہا تھا، باپ کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے ملتا۔

(ج) اخیافی بہن $\frac{1}{6}$ جو بڑھا کر $\frac{1}{4}$ کر دیا گیا ہے

علاتی بہن $\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$ جو بڑھا کر $\frac{3}{4}$ کر دیا گیا ہے

نوٹ ــــ بیلی، جلد دوم، ۳۵ ــ ۳۶ ۔ اگر بجائے علاتی کے حقیقی بہن ہوتی، تو اخیافی بہن رد میں شریک نہ ہو سکتی۔ دیکھو دفعہ ۹۶ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۹۴ ۔ زوج و زوجہ اور رد ــــ کسی دوسرے وارث کی موجودگی میں زوج اور زوجہ میں سے کوئی بھی رد کا مستحق نہیں ہوتا۔ اگر متوفیہ نے زوج کے سوائے کوئی اور وارث نہیں چھوڑا ہے، تو بچی ہوئی جائداد زوج کو رد میں ملے گی۔ اگر متوفی نے زوجہ کے سوائے کوئی اور وارث نہیں چھوڑا ہے، تو

زوجہ اپنا $\frac{۱}{۸}$ حصہ پائے گی، اور باقی بحق سرکار ضبط ہو جائے گا؛ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے، کہ جائداد کا بچا ہوا حصہ زوجہ کو کسی صورت میں بھی زریعۂ رد نہیں مل سکتا۔

بیلی، جلد دوم، صفحہ ۲۶۲ - دیکھو دفعہ ۹۷ اور اس کے نوٹ۔

(الف) زوجہ $\frac{۱}{۸}$ $=\frac{۵}{۴۰}$

باپ $\frac{۱}{۶}$ جو بڑھا کر $(\frac{۷}{۸})\times\frac{۱}{۵}=\frac{۷}{۴۰}$ کر دیا جاتا ہے

ماں $\frac{۱}{۶}$ جو بڑھا کر $=\frac{۷}{۴۰}$ " " "

بیٹی $\frac{۱}{۲}=\frac{۳}{۶}$ جو بڑھا کر $(\frac{۷}{۸})\times\frac{۳}{۵}=\frac{۲۱}{۴۰}$ کر دیا جاتا ہے

نوٹ — حنفی قانون کی رو سے، بچی ہوئی جائداد $\frac{۱}{۲۴}$ بحیثیت عصبہ باپ کو ملتی۔

(ب) زوج $\frac{۱}{۴}$ $=\frac{۴}{۱۶}$

باپ $\frac{۱}{۶}$ جو بڑھا کر $(\frac{۳}{۴})\times\frac{۱}{۴}=\frac{۳}{۱۶}$ کر دیا گیا ہے

بیٹی $\frac{۱}{۲}=\frac{۳}{۶}$ جو بڑھا کر $(\frac{۳}{۴})\times\frac{۳}{۴}=\frac{۹}{۱۶}$ کر دیا گیا ہے

نوٹ — حنفی قانون کی رو سے، بچی ہوئی جائداد $\frac{۱}{۱۲}$ باپ بحیثیت عصبہ پاتا۔

دفعہ ۹۵۔ ماں کس حالت میں رد سے محروم رہتی ہے —

اگر متوفی نے ماں، باپ، ایک بیٹی، اور —

(الف) دو یا دو سے زیادہ حقیقی یا علاتی بھائی، یا

(ب) ایک ایسا بھائی اور دو ایسی بہنیں، یا

(ج) چار ایسی بہنیں۔

چھوڑیں۔ اگرچہ بھائی اور بہنیں دوسری قسم کے وارثوں میں ہونے کی وجہ سے

خود وراثت پانے سے محروم ہیں، مگر وہ ماں کے شریک رد ہونے کی مانع ہیں، جائداد کا جو حصہ پس انداز ہوتا ہے وہ باپ اور بیٹی میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کردیا جائے گا۔ یہی ایک صورت ہے جس میں ماں کو رد سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔

بیلی، جلد دوم، ۲۷۲، ۳۱۷ — ۳۱۸، ۳۶۵، ۳۸۶۔

ماں　$\frac{1}{6}$　$=\frac{4}{24}$

باپ　$\frac{1}{6}$　بڑھا کر $(\frac{5}{4})\times\frac{1}{6}=\frac{5}{24}$ کردیا گیا ہے

بیٹی $\frac{1}{2}=\frac{3}{6}$　بڑھا کر $(\frac{5}{4})\times\frac{3}{6}=\frac{15}{24}$ کردیا گیا ہے

۲ حقیقی بھائی
(محجوب)

دفعہ ۹۶۔ اخیافی بھائی اور بہنیں کب رد سے محروم رہتی ہیں — اگر اخیافی بھائی یا بہنوں کے ساتھ حقیقی بہنیں ہوں، تو اخیافی بھائی اور بہنیں رد میں شرکت کی مستحق نہیں ہوتیں، بقیہ جائداد کل حقیقی بہنیں پاتی ہیں۔ یہ قاعدہ علاتی بہنوں سے متعلق نہیں ہے۔ علاتی بہنیں اور اخیافی بھائی اور بہنیں جو کچھ بچ جاتا ہے اسے اپنے حصوں کے تناسب سے باہم تقسیم کرلیتی ہیں۔

بیلی، جلد دوم، ۳۳۵ — ۳۳۶۔

(الف) اخیافی بھائی　$\frac{1}{6}$

حقیقی بہن　$\frac{1}{2}$ بطور ذوی فرض + $\frac{1}{3}$ (ذریعۂ رد) $=\frac{5}{6}$

(ب) اخیافی بھائی
اخیافی بہن
} $\frac{1}{3}$ ہر ایک کو $\frac{1}{6}$

حقیقی بہن　$\frac{1}{2}$ (بطور ذوی فرض) + $\frac{1}{6}$ (ذریعۂ رد) $=\frac{2}{3}$

(ج) زوجہ $\frac{1}{4}$ $= \frac{3}{12}$

اخیافی بہن $\frac{1}{6}$ $= \frac{2}{12}$

حقیقی بہن $\frac{1}{2}$ (بطور ذوی فرض) + $\frac{1}{12}$ (ذریعۂ رد) $= \frac{7}{12}$

نوٹ ــــ زوجہ رد کی مستحق نہیں ہوتی (دفعہ ۹۴)۔ اخیافی بہن، حقیقی بہن کی وجہ سے رد سے محروم ہو جاتی ہے، کل رد حقیقی بہن لے لیتی ہے۔

علاتی بہن ــــ اس امر میں اختلاف آراء ہے کہ آیا علاتی بہن، حقیقی بہن کی عدم موجودگی میں کل رد کی مستحق ہے یا نہیں۔ مولف شرائع الاسلام کی رائے میں وہ مستحق نہیں ہے۔ کافی کے مولف اسے مستحق قرار دیتے ہیں۔ دیکھو دفعہ ۹۳ تمثیل (ج)۔

دفعہ ۹۵۔ قاعدۂ عول ــــ سنیوں کا قاعدۂ عول شیعوں کے قانون میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ شیعوں کے قانون کے مطابق، اگر حصص کا مجموعہ اکائی سے بڑھ جاتا ہے، تو جس قدر جزء اکائی سے بڑھا ہوتا ہے وہ ہمیشہ ــــ

الف۔ بیٹی یا بیٹیوں؛ یا

ب۔ حقیقی یا علاتی بہن یا بہنوں، کے حصوں سے گھٹا دیا جاتا ہے۔

بیلی، جلد دوم، ۳۶۳، ۳۹۶۔

(الف) زوج $\frac{1}{4} = \frac{3}{12}$ $= \frac{3}{12}$

بیٹی $\frac{1}{2} = \frac{6}{12}$ $(\frac{6}{12} - \frac{1}{12})$ $= \frac{5}{12}$

باپ $\frac{1}{6} = \frac{2}{12}$ $= \frac{2}{12}$

ماں $\frac{1}{6} = \frac{2}{12}$ $= \frac{2}{12}$

$\frac{13}{12}$ 1

نوٹ — یہاں اکائی سے زیادتی کی مقدار $\frac{1}{12}$ تھی جو بیٹی کے حصے سے گھٹا دی گئی ہے۔

(ب) زوج	$\frac{1}{4} = \frac{3}{12}$	$= \frac{3}{12}$
دو بیٹیاں	$\frac{2}{3} = \frac{8}{12}$	$(\frac{8}{12} - \frac{3}{12}) = \frac{5}{12}$ (ہر ایک کو $\frac{5}{24}$)
باپ	$\frac{1}{6} = \frac{2}{12}$	$= \frac{2}{12}$
ماں	$\frac{1}{6} = \frac{2}{12}$	$= \frac{2}{12}$
	$\frac{15}{12}$	1
(ج) زوج	$\frac{1}{2} = \frac{3}{6}$	$= \frac{3}{6} = \frac{1}{2}$
حقیقی یا علاتی بہنیں	$\frac{2}{3} = \frac{4}{6}$	$(\frac{4}{6} - \frac{1}{6}) \frac{3}{6} = \frac{1}{2}$ (ہر ایک کو $\frac{1}{4}$)
	$\frac{7}{6}$	1
(د) زوج	$\frac{1}{2}$	$= \frac{3}{6}$
اخیافی بھائی یا بہن	$\frac{1}{6}$	$= \frac{1}{6}$
حقیقی یا علاتی بہن	$\frac{1}{2}$	$(\frac{1}{2} - \frac{1}{6}) = \frac{1}{3} = \frac{2}{6}$
	$\frac{7}{6}$	1

وجوۂ قاعدہ — جو قاعدہ اس دفعہ میں بیان ہوا ہے اس کے وجوہ یہ بتائے جاتے ہیں، کہ حقیقی بہن کو جب کہ وہ اخیافی بہن کے ساتھ ہوتی ہے "رد" کا پورا فائدہ پہنچتا ہے (دیکھو دفعہ ۹۳)؛ اس لیے جب حصوں کی مجموعی مقدار اکائی سے بڑھ جائے تو کمی کا بار اسی کو برداشت کرنا قرین انصاف ہوگا لیکن علاتی بہن کے متعلق یہ کس طرح ٹھیک ہو سکتا ہے؟

شرائع الاسلام کے مطابق علاتی بہن جب کہ وہ اخیافیوں کے ساتھ
ہوتی ہے کل "رد" کی مستحق نہیں قرار پاتی۔ ایسی حالت میں
اسے کمی کا بار کیوں اٹھانا چاہئے؟

دفعہ ۹۷۔ الف۔ ضبطی ــــ جب کوئی بھی فطری وارث موجود نہ ہو تو ایک متوفی شیعہ مسلمان کی جائداد بحق سرکار ضبط ہو جاتی ہے۔[۱]

بیلی، جلد دوم، ۳۰۱، ۳۶۲ــ۳۶۳۔ دیکھو دفعہ ۷۹۔

متفرقات

دفعہ ۹۸۔ بڑا بیٹا ــــ اگر متوفی کا بڑا لڑکا صحیح الدماغ ہو تو وہ باپ کے ملبوسات، اس کے قرآن، تلوار اور انگوٹھی کا تنہا وارث ہوگا، بشرطیکہ متوفی نے ان اشیا کے علاوہ اور جائداد بھی چھوڑی ہو۔

بیلی، جلد دوم، ۲۷۹۔

دفعہ ۹۹۔ لاولد بیوہ ــــ جس بیوہ کی اولاد نہ ہو وہ اپنے شوہر کی اراضی سے کوئی حصہ نہ پائے گی۔ مگر اس اراضی پر جو درخت یا عمارت قائم ہو اس کی قیمت، اور اس کی جائداد منقولہ، اور دیون میں سے، اگرچہ وہ سودی یا غیر سودی ارتہان سے محفوظ کئے گئے ہوں، اپنے ایک چوتھائی حصے کے پانے کی مستحق ہوگی۔

بیلی، جلد دوم، ۲۹۵۔ میر علی بنام ساجدہ بیگم[۲]؛ عمر دراز علی خاں بنام ولایت علی خاں[۳]؛ مظفر علی بنام پاربتی[۴]؛ آغا محمد جعفر

---

[۱] مسماۃ خورشیدی بنام سکرٹری آف اسٹیٹ ۱۹۲۶ء، ۵ پٹنہ ۵۲۹، ۹۴ انڈین کیسز ۲۴۳، ۱۹۲۶ء اے۔ پی ۳۲۱۔

[۲] ۱۸۹۷ء، ۲۱ مدراس ۲۷۔

[۳] ۱۸۹۶ء، ۱۹ الہ آباد ۱۶۹۔

[۴] ۱۹۰۷ء، ۲۹ الہ آباد ۶۴۰۔

بنام کلثوم بی بی[۱]؛ درگا داس بنام نواب علی خاں[۲]؛ سید علی بنام سید محمد[۳]
اس دفعہ میں اراضی سے مراد اراضی کاشت ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں
وہ اراضی بھی شریک ہے جس پر کوئی عمارت قائم ہو[۴]۔

دفعہ ۱۰۱ - حرامی اولاد ——— ولد الحرام کو مطلق وراثت نہیں ملتی، وہ اپنی ماں یا ماں کے رشتہ داروں کا بھی وارث نہیں ہو سکتا، اور نہ وہ لوگ اس کے وارث ہو سکتے ہیں۔

بیلی، جلد دوم، ۳۰۵؛ شہزادی بیگم بنام ہمت بہادر[۵]۔

---

[۱] سنہ ۱۸۹۷ء ۲۵ کلکتہ ۹۔
[۲] سنہ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد، ۵۵۵، ۹۵ انڈین کیسز ۱۹، سنہ ۲۶ء اے۔ اے ۵۲۲۔
[۳] سنہ ۱۹۲۸ء، پٹنہ ۲۶۴، سنہ ۲۸ء اے۔ بی ۱۴۴۔
[۴] سنہ ۱۸۹۷ء ۲۵ کلکتہ ۹ مذکورۂ بالا۔
[۵] سنہ ۱۸۶۹ء ۱۲ ویکلی رپورٹ ۵۱۲، نیز دیکھو مقدمۂ نظر ثانی سنہ ۱۸۷۰ء ۱۴ ویکلی رپورٹ ۱۲۵۔

وصیت

مستند کتابیں: ہدایہ اور فتاوائے عالمگیری (بیلی کا ترجمہ)

وصیت کے متعلق بڑی مستند کتاب ہدایہ ہے جسے چار مولویوں نے مل کر عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا، اس کا ترجمہ وارن ہیسٹنگس کے حکم سے جب کہ وہ ہندوستان کے گورنر جنرل تھے، چارلس ہملٹن نے انگریزی میں کیا۔ ہدایہ کے مولف شیخ برہان الدین علی ہیں جو بارھویں صدی عیسوی میں تھے۔ وہ حنفی مذہب تھے اور انھوں نے اپنی تالیف میں خاص کر اسی مذہب کے اصول سے بحث کی ہے۔

دوسری مستند کتاب فتاوائے عالمگیری ہے، ہندوستان کی عدالتوں اور پرایوی کونسل نے بھی اسے ہدایہ سے زیادہ تر مستند تسلیم کیا ہے۔ یہ کتاب سترھویں صدی عیسوی میں شہنشاہ عالمگیر کے حکم سے تالیف ہوئی تھی۔ وہ ان مستند فتووں کا مجموعہ ہے جو اس کی تالیف کے وقت تک شرع اسلام کے مختلف معاملات میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے تھے۔ چونکہ ہندوستان کے تمام مسلمان بادشاہ حنفی تھے، اس لیے اس میں بھی حنفی مذہب

ہی سے بحث کی گئی ہے۔ بیلی کے خلاصۂ شرع اسلام کی پہلی جلد کا ماخذ بھی یہی کتاب ہے۔ ہدایہ اور فتاوائے عالمگیری میں شرع اسلام کے تقریباً تمام مسائل موجود ہیں بجز اس کے کہ صاحب ہدایہ نے وراثت کے مسائل کو چھوڑ دیا ہے۔ اس فصل اور آئندہ فصلوں میں جہاں ہدایہ کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے ہملٹن کی اس ہدایہ کے صفحات مراد ہیں جو مسٹر گریڈی نے شائع کی ہے۔ بیلی کے خلاصۂ شرع اسلام کی پہلی جلد کا حوالہ صرف لفظ "بیلی" سے دیا گیا ہے۔ شیعوں کی مستند کتاب شرایع الاسلام ہے جس کے لیے دیکھو ابتدائی نوٹ جو دفعہ ۷ میں درج ہے۔

دفعہ ۱۱۔ وہ لوگ جو وصیت کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

بپابندی ان حدود کے جو آگے بیان ہوں گے، ہر صحیح الدماغ مسلمان جو نابالغ نہ ہو اپنی جائداد وصیت کے ذریعے سے منتقل کر سکتا ہے۔

ہدایہ، ۶۷۳؛ بیلی، ۶۲۷۔

بلوغ حسب شرع اسلام ــــ ازدواج، جہیز، طلاق اور تبنیت کے علاوہ، دوسرے تمام معاملات میں، بلوغ کا تصفیہ ہندوستان کے "مجاریٹی ایکٹ" نشان ۹ سنہ ۱۸۷۵ء سے کیا جاتا ہے اس کی دفعہ (۳) میں محکوم ہے کہ بالغ وہ شخص سمجھا جائے گا جس نے اپنی عمر کے اٹھارہ سال پورے کر لیے ہوں گے۔ مگر ایسے نابالغ کے لیے، جس کی ذات یا جائداد کے لیے کوئی ولی مقرر کیا گیا ہے، یا جس کی جائداد زیر نگرانی کورٹ آف وارڈز ہے، اس کا بلوغ ایکٹ مذکور کی رو سے اس وقت متصور ہوگا جب کہ وہ نابالغ اپنی عمر کے اکیس سال پورے کر لے گا۔ شرع اسلام کی رو سے نابالغی پندرہ سال کی تکمیل پر ختم ہو جاتی ہے؛ اس لیے ایکٹ نشان ۹ سنہ ۱۸۷۵ء کے نفاذ سے پہلے جو مسلمان پندرہ سال کا

ہوجاتا تھا وہ اپنی جائداد بطریق جائز منتقل کرسکتا تھا (امیر علی، اشاعت چہارم جلد اول صفحات ۴۲-۴۳)۔ مگر شرع اسلام کا یہ قاعدہ ازدواج، جہیز، طلاق، تبنیت (جو شرع اسلام میں تسلیم نہیں کی جاتی)، کے علاوہ دوسرے معاملات میں مجاریٹی ایکٹ کی رو سے منسوخ سمجھنا چاہیئے، کیونکہ ایکٹ مذکور تمام برطانیہ ہند پر حاوی ہے (دفعہ ۱) اور ہر شخص سے جو برطانیۂ ہند میں سکونت پذیر ہے متعلق ہوتا ہے۔ بناءً علیہ مسلمانوں میں وصیت، ہبہ اور وقف وغیرہ کے اغراض کے لیے نابالغی پندرہ سال کی تکمیل پر نہیں بلکہ اٹھارہ سال کی تکمیل پر ختم ہوتی ہے۔[1]

شیعوں کا قانون اور خودکشی — جو شخص زہر کھانے یا خودکشی کی غرض سے کسی فعل کے عمل میں لانے کے بعد کوئی وصیت کرے، وہ شیعوں کے قانون کے مطابق ناجائز ہے: بیلی، جلد دوم، ۲۳۲۔ مقدمۂ مظہر حسین بنام بدھا بی بی[2] میں متوفی نے پہلے وصیت کی اور اس کے بعد زہر کھایا۔ قرار پایا کہ وصیت جائز تھی، اگرچہ وصیت کرنے کے وقت وہ خودکشی کا خیال کررہا تھا۔

دفعہ ۱۰۲۔ وصیت کی شکل ناقابل لحاظ ہے — وصیت زبانی اور تحریری دونوں طرح کی جاسکتی ہے۔

اس کا تحریری ہونا لازم نہیں — شرع اسلام کے مطابق وصیت کا تحریری ہونا اس کے جواز کے لیے لازم نہیں ہے، زبانی وصیت کے لیے بھی کسی خاص شکل کی ضرورت نہیں،

---

[1] مقابلہ کرو مقدمۂ بائی گلاب بنام ٹھاکر لال سنہ ۱۹۱۲ء ۳۶ بمبئی ۶۲۲، ۱۷ انڈین کیسز ۸۶۔

[2] سنہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۹۱۔

جب تک کہ موصی کا منشا صاف طور سے معلوم ہو سکتا ہو[۱]۔ پرایوی کونسل کے ایک مقدمہ میں جو خط موصی نے اپنی موت سے کسی قدر پہلے لکھا تھا اور جس میں اس کی جائداد کے انتقال وغیرہ کے متعلق ہدایتیں تھیں، وہ جائز وصیت نامہ قرار پایا[۲]۔ ایک دستاویز کا محض تملیک نامہ سے موسوم ہونا اس کے وصیت نامے کے اثر پیدا کرنے کا مانع نہ ہوگا، بشرطیکہ اس میں وصیت نامے کے اہم خصوصیات موجود ہوں[۳]۔ ایک مسلمان نے ایک دستاویز اس مضمون کی لکھی کہ "میرا کوئی بیٹا نہیں ہے، اس لیے میں نے اپنے بھتیجے کو اپنے حقوق اور جائداد کا وارث قرار دیا ہے" اس کے متعلق پرایوی کونسل نے طے کیا کہ یہ تحریر وصیت کا اثر نہیں رکھتی، اور نہ بطور ہبہ کے نافذ ہو سکتی ہے، کیونکہ متوفی نے اپنے بھتیجے کو قبضہ نہیں دیا تھا[۴]۔ معطی کے حق تصرف و منافع کو اپنے لیے محفوظ رکھ لینے سے معاملہ وصیت کی صورت نہیں اختیار کر لیتا[۵]۔

ایک مسلمان کی وصیت کے لیے، اگرچہ وہ تحریری ہو، دستخطی ہونا ضرور نہیں[۶]۔ اور نہ دستخطی ہونے کی صورت میں اس کی

---

[۱]۔ محمد الطاف بنام احمد بخش سنہ ۱۸۷۶ء ۲۵ ویکلی رپورٹ ۱۲۱۔

[۲]۔ مظہر حسن بنام بدھا بی بی سنہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۹۱۔

[۳]۔ سعید قاسم بنام شائستہ بی بی سنہ ۱۸۷۵ء، ممالک مغربی و شمالی ۳۱۳؛ ایشری سنگھ بنام بلدیو سنہ ۱۸۸۴ء ۱۱ انڈین اپیلز ۱۳۵، ۱۴۱ — ۱۴۳، ۱۰ کلکتہ ۷۹۲، ۸۰۰ — ۸۰۲۔

[۴]۔ جسونت سنگھ جی بنام جٹ سنگھ جی سنہ ۱۸۴۴ء ۳ مورس انڈین اپیلز ۲۴۵، ۲۵۸؛ مکناٹن صفحہ ۱۲۴، شکل ۵۴۔

[۵]۔ محمد بنام فخر جہاں سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۹۵، ۴۴ الہ آباد ۳۰۱، ۶۸ انڈین کیسز ۲۵۴، سنہ ۲۲، اے۔ پی سی ۲۸۱۔

[۶]۔ اولیا بی بی بنام علاء الدین سنہ ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۷۱۵۔

تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے[1]۔ وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کی وصیت کو ضبط تحریر میں لانا ہی لازم نہیں قرار دیا گیا ہے۔

زبانی وصیت کا ثبوت ـــــ زبانی وصیت کا ثابت کرنا ہمیشہ ایک بارگراں ثابت ہوتا ہے؛ اس لیے اسے نہایت احتیاط سے بہ تصریح حالات و مواقع ثابت کرنا چاہیئے[2]۔

دفعہ ۱۰۳۔ وارثوں کے حق میں ہبہ بالوصیت ـــــ ہبہ بالوصیت کسی ایک وارث کے حق میں ناقابل نفاذ ہے جب تک کہ دوسرے وارث واہب کے مرنے کے بعد[3] اس کے متعلق اظہار رضامندی نہ کریں۔ وارثوں میں سے کوئی ایک وارث بھی اظہار رضامندی کا مجاز ہے مگر اس کا اثر اسی کے حصے پر پڑے گا[4]۔

توضیح ـــــ اس امر کے تعین کرنے میں کہ ایک شخص متوفی کا وارث ہے یا نہیں۔ تکمیل وصیت کے وقت کا نہیں، بلکہ موصی کی موت کے وقت کا لحاظ کرنا چاہیئے۔

تمثیلات

(الف) ایک مسلمان شخص ایک بیٹا، باپ اور دادا چھوڑ کر مرتا

---

[1] بمقدمہ عبدالستار سنہ ۱۹۰۵ء بمبئی ال۔آر ۵۵۰ (کچی میمنوں کی وصیت)؛ سارابائی بنام محمد سنہ ۱۹۱۹ء ۴۳ بمبئی ۱۴۱، ۴۹ انڈین کیسز ۶۳۷ (کچھی میمنوں کی وصیت)۔

[2] دنکٹ راؤ بنام نامدیو سنہ ۱۹۳۱ء ۵۸ انڈین اپیلز ۳۶۲، ۱۳۳ انڈین کیسز ۱۱، سنہ ۳۱ اے۔پی۔سی ۲۸۵۔

[3] غلام محمد بنام حسین سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹، انڈین اپیلز ۴۷، ۵۴ الہ آباد ۹۳، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۵، سنہ ۳۲ اے۔پی۔سی ۸۱؛ شیخ محمد بنام شیخ عمادالدین سنہ ۱۸۶۵ء ۲ بی۔ایچ۔سی ۵۰؛ احمد بنام بائی بی بی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۱ بمبئی ۳۷۷، ۳۹ انڈین کیسز ۸ [بھاگداری جائداد]؛ محرم علی بنام برکت علی سنہ ۱۹۳۱ء ۱۲ لاہور ۲۸۶، ۱۲۵ انڈین کیسز ۸۸۶، سنہ ۳۰ الہ آباد لارپورٹ ۶۹۵۔

[4] صالح جی بنام فاطمہ سنہ ۱۹۲۳ء ازنگون ۶۰، ۶۲، ۷۱ انڈین کیسز ۷۵۳، سنہ ۲۲ اے پی سی ۳۹۱ [پی۔سی]۔

ہے۔ اس صورت میں دادا وارثوں میں داخل نہیں ہے، اس لیے جو ہبہ بالوصیت اس کے حق میں کی جائے گی وہ متوفی کے بیٹے اور باپ کی رضامندی کے بغیر بھی جائز ہوگی۔

(ب) زید اپنے دادا کے نام ایک جائداد ذریعۂ وصیت نامہ چھوڑ جاتا ہے۔ وصیت کے وقت دادا کے علاوہ متوفی کا ایک بیٹا اور باپ بھی موجود تھا۔ باپ زید کی زندگی میں مر گیا۔ دادا کے حق میں جو ہبہ بالوصیت کی گئی ہے، وہ بیٹے کی رضامندی کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ باپ کے مرجانے سے زید کی موت کے وقت دادا وارثوں میں داخل ہوگیا۔

(ج) زید نے ایک جائداد ذریعۂ وصیت اپنے بھائی کے نام لکھی۔ تحریر وصیت کے وقت موصی کی صرف ایک بیٹی اور بھائی زندہ تھا۔ تحریر وصیت کے بعد زید کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ زید ایک بیٹا، ایک بیٹی اور ایک بھائی چھوڑ کر مرتا ہے۔ جو ہبہ ذریعۂ وصیت بھائی کے نام کیا گیا تھا وہ جائز متصور ہوگا، کیونکہ اگرچہ بھائی تحریر وصیت کے وقت آیندہ وارث ہونے والا تھا، مگر موصی کی موت کے وقت وہ وارث نہ رہا تھا، بیٹے نے اسے محجوب کردیا۔ اگر متوفی صرف بیٹی اور بھائی کو چھوڑ کر مرتا تو بھائی وارثوں میں ہوتا، اور جو ہبہ اس کے حق میں کیا گیا تھا وہ بغیر بیٹی کی رضامندی کے نافذ نہ ہو سکتا: بیلی، ۶۲۵؛ ہدایہ، ۶۷۲۔

(د) زید ایک جائداد اپنے ایک بیٹے کے نام بحیثیت اثنا عشری کے ہبہ کرتا ہے، اس ہدایت کے ساتھ کہ "اس جائداد کا ایک جز جسے وہ مناسب تصور کرے خیرات اور زیارات میں صرف کرکے اسے عقبیٰ میں راحت پہنچائے" اور اس کے بعد جو کچھ پس انداز ہو وہ بلا شرکت غیرے اپنے تصرف میں لائے۔

یہ وصیتی ہبہ باطل ہے، کیونکہ یہ فی الحقیقت "مذہبی ہبہ کے پردے میں ایک وارث کے حق میں جائداد کو ہبہ کرتا ہے": کھجورالنسا بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱- اگر یہ ہبہ محض مذہبی مقاصد کے لیے ہوتا، اور ان مقاصد کی کافی طور سے صراحت کی جاتی، تو وہ ایک تہائی قابل ہبہ جائداد تک نافذ ہو سکتی تھی۔

(ھ) ایک مسلمان، ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرتا ہے۔ اور بیٹے کے لیے جائداد کی ۳/۴، اور بیٹی کے لیے ۱/۴ ہبہ کر جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ بیٹی اس تقسیم پر رضامند نہ ہو، اس صورت میں وہ جائداد کی ۱/۳ کی اپنے مقررہ حصے کے مطابق دعویدار ہو سکتی ہے: [دیکھو مقدمۂ فاطمہ بی بی بنام عارف اسمٰعیل جی ۱۸۸۱ء ۹ کلکتہ لا رپورٹ ۶۶-]

توضیح کے لیے دیکھو ہدایہ، ۶۷۱؛ بیلی، ۶۲۵- شرع اسلام میں ہبہ بالوصیت بغیر دوسرے وارثوں کی رضامندی کے کسی وارث کے حق میں جائز نہیں ہے[۱]- شریعت کا منشا یہ ہے کہ وہ موصی کو وصیت کے ذریعے سے شرع اسلام کے مقررہ توریث جائداد کے سلسلے میں خلل انداز نہ ہونے دے، اگرچہ وہ اپنی جائداد کا ایک مقررہ حصہ، یعنی ایک تہائی، ایک اجنبی شخص کو دینے[۲] کا مجاز ہے۔ اس قاعدے کی وجہ یہ ہے کہ وارث کے حق میں ہبہ بالوصیت کا کیا جانا دوسرے وارثوں کے لیے مضرت رساں ہے، کیونکہ اس سے ان کے حصوں میں کمی ہو جاتی ہے، اور اس سے "باہم رشتہ داروں میں رنجش اور اختلافات

۱- بفاتن بنام ولایتی خانم ۱۹۰۳ء ۳۰ کلکتہ ۶۸۳-

۲- کھجورالنسا بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۶؛ ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱، ۳۰۷-

پیدا ہونے کی ترغیب ہوتی ہے" (ہدایہ، ۶۷۱)۔ لیکن اگر وارث "حد بلوغ کو پہنچکر" کسی ہبہ بالوصیت کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار کردیں تو یہ صورت نہیں پیدا ہوتی۔ اس رضامندی کا اظہار موصی کی موت کے بعد ہونا چاہئے، کیونکہ کوئی وارث متوفی کی زندگی تک اس کی جائداد میں کسی قسم کا حق نہیں رکھتا۔ یہ امر کہ وہ وارث جس نے اپنے دوسرے شریک وارث کے حق میں اظہار رضامندی کیا بوقت اظہار دیوالیہ تھا ناقابل لحاظ ہے؛ باوجود دیوالیہ ہونے کے بھی اس کی رضامندی اسی طرح موثر ہوگی۔[1]

جس صورت میں ایک وارث کے حق میں کسی ایسی شرط کے ساتھ ہبہ بالوصیت کیا جائے جو شریعت اسلام کے منافی ہونے کی وجہ سے باطل ہو، مثلاً یہ کہ موہوب لہ جائداد موہوبہ کو منتقل نہ کرسکے گا، اور دوسرے وارث اس ہبہ پر رضامند ہوجائیں تو موہوب لہ اس جائداد پر اسی طرح کامل طور سے متصرف اور قابض ہوگا جس طرح ایک اجنبی ہوسکتا تھا۔[2] اسی طرح اگر ایک ہبہ بالوصیت کسی وارث کے لیے اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ اس کے مرنے کے بعد جائداد زید کو ملے گی، اور دوسرے وارث اس ہبہ پر راضی ہوجائیں، تو شرط کے باطل ہونے کی وجہ سے وہ جائداد کا قطعی مالک ہوگا۔[3] دیکھو دفعہ ۱۳۸ جو آگے آتی ہے۔

ہبہ بالوصیت وارثوں اور غیر وارثوں کے حق میں

دیکھو دفعہ ۱۰۴ کے نوٹ جو اسی عنوان کے تحت

---

[1] عزیز النساء بنام چینی ۱۹۲۰ء ۴۲ الہ آباد ۵۹۳، ۵۹ انڈین کیسز ۲۹۶۔
[2] عبدالکریم بنام عبدالقیوم ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۳۴۲۔
[3] ناصر علی بنام صغرا بی بی ۵ لاہور ۲۰۳، ۸۴ انڈین کیسز ۸۵۳۔

دیئے گئے ہیں

باقی ماندہ کے متعلق ہبہ بالوصیت — زید ایک مکان کا کرایہ اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو اس کی زندگی تک کے لئے، اور اس کے مرنے کے بعد ایک خیراتی انجمن کے حق میں غریبوں کے لیے، ہبہ بالوصیت کرتا ہے۔ دوسرے بیٹے اس پر اظہار رضامندی نہیں کرتے۔ جو ہبہ بیٹے کے حق میں کیا گیا تھا وہ دوسرے بیٹوں کی عدم رضامندی سے کالعدم ہونے کی وجہ سے ہبۂ مابعد بھی کالعدم ہو گیا۔[۱]

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون کے مطابق، موصی مجاز ہے کہ اپنی جائداد کسی وارث کے حق میں ہبہ بالوصیت کرے، بشرطیکہ اس کی مقدار اس کی جائداد کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن اگر موہوبہ جائداد ایک تہائی سے زیادہ ہو، تو ہبہ اسوقت تک جائز نہ ہوگا جب تک دوسرے وارث اس پر راضی نہ ہوں؛ ایسی رضامندی موصی کی موت کے قبل اور بعد دونوں حالتوں میں دی جا سکتی ہے۔[۲] بیلی جلد دوم، ۲۴۲۔ مقدمۂ فہمیدہ بنام جعفری[۳] میں الہ آباد ہائی کورٹ نے شریعت کا عام مسئلہ یہ قرار دیا تھا، کہ جس صورت میں کسی وارث کے حق میں ہبہ بالوصیت ایک تہائی سے زیادہ جائداد کا کیا جائے، اور دوسرے وارث اس پر راضی نہ ہوں، تو وہ ہبہ بالوصیت کلیتہً کالعدم

۱۔ فاطمہ بی بی بنام عارف اسمٰعیل جی، ۱۸۸۱ء ۹ کلکتہ لا رپورٹ ۶۶، کسی قدر تبدیل واقعات کے ساتھ۔

۲۔ حسینی بیگم بنام محمد مہدی ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۵۴۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۶۷۳، ۱۹۲۷ء اے۔ ۳۴۰، جس میں مقدمۂ فہمیدہ بنام جعفری ۱۹۰۸ء، ۳۰ الہ آباد ۱۵۳ سے اختلاف کیا گیا ہے، جس میں یہ طے ہوا تھا کہ رضامندی موصی کی موت کے بعد ہونی چاہئے۔

۳۔ ۱۹۰۸ء۔ ۳۰ الہ آباد ۱۵۳۔

ہے۔ امرت بی بی بنام مصطفیٰ[1] میں عدالت مذکورنے فہمیدہ کے مقدمے کی پیروی کی۔ مقدمۂ مقدم الذکر میں تمام جائداد ایک وارث (بیٹی) کے نام، دوسرے وارث (دوسری بیٹی) کو محروم کرکے ہبہ بالوصیت کی گئی تھی۔ موخرالذکر مقدمے میں بھی موصی کی تقریباً کل جائداد ایک وارث (موصی کی بیوہ) کے نام، دوسرے وارث (نواسی) کو محروم کرکے ہبہ بالوصیت ہوا تھا عدالت نے اس صورت کو نواسی کی کلیتہً محرومی سے تعبیر کیا۔

الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک حالیہ مقدمے[2] میں جو اسی معاملے کے متعلق تھا، موصیہ کی دو بیٹیاں تھیں، اور یہ امر صاف طور سے نہ معلوم ہوتا تھا کہ جو ہبہ ان میں سے ایک کے نام کیا گیا تھا وہ جائداد کی ایک تہائی سے بڑھا ہوا تھا۔ بہرحال عدالت نے یہ ثابت قرار دیا کہ دونوں بیٹیوں میں سے ہر ایک بیٹی کے حق میں جائداد ہبہ بالوصیت کی گئی ہے۔ اور ان واقعات پر دونوں سابق کے مقدمات کی تجویز کو اس سے متعلق کرنے سے انکار کردیا، اور اس ہبہ بالوصیت کو برقرار رکھا۔ سابق کے مقدمات کی تجویزوں کے متعلق یہ کہا گیا کہ وہ ان صورتوں تک محدود رہنی چاہئیں جن میں تمام جائداد ایک وارث کو دے دی گئی ہو اور دوسرے وارث وراثت سے کلیتہً محروم رکھے گئے ہوں۔ یہی رائے صحیح کہی جاسکتی ہے۔ اس مضمون کے متعلق جو مستند حکم ہے وہ شرایع الاسلام میں پایا جاتا ہے، جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ "اگر ایک شخص ایسی وصیت کرے جس سے اس کی کچھ اولاد وراثت میں اپنے حصوں کے پانے سے محروم ہوجائے تو

---

[1] سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۲۸، ۷۷ انڈین کیسز ۶۶، سنہ ۲۴ اے۔ اے ۲۰۔

[2] حسینی بیگم بنام محمد مہدی سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۵۴۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۷۶۳، سنہ ۲۷ اے اے ۳۴۰۔

یہ محرومی جائز نہیں ہے" کتاب مذکور میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بہتر رائے یہ ہے کہ "جن الفاظ سے محرومی کا اثر پیدا ہوتا ہو نہ بیکار اور غیر موثر ہیں"۔ بیلی جلد دوم، ۲۳۸۔ اس متن کے معنی بظاہر یہی معلوم ہوتے ہیں کہ جس صورت میں کل جائداد ایک وارث کے حق میں، دوسرے وارثوں کو محروم کر کے ہبہ بالوصیت کردی جائے، تو یہ سمجھنا چاہئے کہ دستاویز سے کوئی جائداد منتقل نہیں ہوئی ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جب ہبہ بالوصیت کے ذریعے سے تمام جائداد ایک وارث کے نام نہ منتقل کی گئی ہو، بلکہ جائداد مذکور صرف شرعی ایک تہائی سے بڑھی ہوئی ہو، تو وہ کل ہبہ بالوصیت کالعدم متصور ہوگا۔

دفعہ ۱۰۴۔ وصیتی اختیارات کی حد ——— ایک مسلمان اس کا مجاز نہیں ہے کہ اپنی جائداد سے اخراجات تجہیز و تکفین اور دیون کے ادا ہونے کے بعد جو کچھ باقی رہ جائے اس کی ایک تہائی سے زیادہ کو بذریعۂ وصیت منتقل کرے۔ جو ہبہ بالوصیت شرعی ایک تہائی سے زیادہ کی بابت کیا جائے گا وہ اس وقت تک نافذ نہ ہو سکے گا جب تک کہ وارثوں نے موصی کے مرنے کے بعد اس پر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہوگا۔[۱]

ہدایہ، ۶۷۱؛ بیلی، ہ، ۶۲۵۔

ماخذ قاعدۂ ہذا ——— "قرآن مجید اور حدیث میں وصیت جائز قرار دی گئی ہے؛ اور ہمارے تمام علما اس پر متفق ہیں"؛ ہدایہ، ۶۷۱۔ لیکن ایک تہائی کی حد کلام مجید کی مقرر کردہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا حکم ایک حدیث میں پایا جاتا ہے جس کے

---

[۱] کھجور النسا بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴؛ ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱؛ دمقدمۂ چراکوم بنام والیا ۱۸۶۵ء ۲ مدراس ہائی کورٹ ۳۵۰۔

راوی ابی وقاص ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابی وقاص ایسے بیمار ہوئے کہ ان کی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ رسول اللہ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ ابی وقاص کے سوائے ایک بیٹی کے اور کوئی وارث نہ تھا، ابی وقاص نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ آیا وہ اپنی کل جائداد ذریعۂ وصیت منتقل کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ وہ اپنا نہ کل مال اور نہ دو تہائی اور نہ نصف منتقل کر سکتے ہیں، بلکہ صرف ایک تہائی منتقل کرنے کے مجاز ہیں:

ہدایہ، ۶۷۱۔ اگرچہ کلام مجید میں ایک تہائی کی حد مقرر نہیں فرمائی گئی ہے، مگر ایسے الفاظ موجود ہیں جن سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو ذریعۂ وصیت اپنی جائداد اس طرح نہ منتقل کرنی چاہیئے کہ اس کے وارث محتاج رہ جائیں۔ دیکھو سیل کا ترجمہ کلام مجید صفحات ۶۰۔ ۶۱، ۹۵۔ ۹۶، اور اس کا دیباچہ صفحہ ۹۸۔

وارثوں کی رضامندی ـــــ اس سے اور دفعۂ سابق سے ظاہر ہوگا کہ اپنی جائداد بذریعۂ وصیت منتقل کرنے میں ایک مسلمان کے اختیارات دو طرح محدود ہیں۔ ایک بلحاظ اشخاص کے جس کے حق میں جائداد ہبہ بالوصیت کی جا سکتی ہے؛ دوسرے بلحاظ مقدار جائداد کے جو ہبہ بالوصیت ہو سکتی ہے۔ وصیتی انتقال صرف اسی صورت میں وارثوں پر واجب التعمیل ہوتا ہے جب کہ وہ شرعی ایک تہائی سے زیادہ کا نہ ہو، اور ایسے شخص کے حق میں کیا گیا ہو جو وارثوں میں نہ داخل ہو۔ ایک تہائی سے زیادہ کا ہبہ بالوصیت اسی حالت میں نافذ ہو سکتا ہے جب کہ وارث اس پر رضامند ہو گئے ہوں؛ اسی طرح جو ہبہ بالوصیت کسی وارث کے حق میں کیا جائے وہ دوسرے وارثوں کی رضامندی سے جائز ہو جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ ہبہ بالوصیت کے اختیار کو محدود کرنا محض وارثوں کے فائدے کے لیے ہے، جس سے وہ لوگ

اپنی رضامندی کا اظہار کرکے دست بردار ہو سکتے ہیں۔ اسی بنیاد پر اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو، تو وہ اپنی کل جائداد ایک اجنبی شخص کے حق میں ہبہ بالوصیت کر سکتا ہے: بیلی، ۶۲۵۔

اگر وارث راضی نہ ہوں، تو جائداد کا بقیہ دو تہائی حصہ وارثوں میں ان کے شرعی حصص کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔ موصی ان کے حصے بڑھانے یا گھٹانے کا مجاز نہیں ہے، اور نہ ان کے حصوں سے استفادے کو محدود کر سکتا ہے۔[1]

رضامندی منسوخ نہیں ہو سکتی ــــ جب کسی ایسے ہبہ بالوصیت کے متعلق جو شرعی ایک تہائی سے زیادہ ہو، وارث اپنی رضامندی کا اظہار کر دیں، تو یاد رکھو، کہ وہ اس رضامندی سے پھر جانے کے مجاز نہیں ہیں: ہدایہ، ۶۷۱۔

رضامندی صریح یا معنوی ہو سکتی ہے ــــ رضامندی کے لیے صریح ہونا ضروری نہیں ہے: وہ ایسے عمل سے بھی مستنبط ہو سکتی ہے جس سے ایک معین اور غیر مشتبہ ارادے کا پتا چلتا ہو۔ زید اپنی تمام جائداد، جو تین مکانوں پر مشتمل ہے، ایک اجنبی شخص کے حق میں وصیت کر جاتا ہے۔ وصیت نامہ پر اس کے دو بیٹوں کی تصدیق ہے اور یہی دو بیٹے اس کے وارث ہیں۔ زید کے مرنے کے بعد موہوب لہ مکانوں پر قابض ہو جاتا ہے، اور ان کا کرایہ وصول کرتا ہے، بیٹے اس سے واقف ہیں اور وہ کوئی عذر نہیں کرتے۔ یہ حالات ایسے ہیں کہ ان سے کافی طور سے بیٹوں کی رضامندی کا اظہار ہوتا ہے، اور ایسا ہبہ بالوصیت بیٹوں اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو ان بیٹوں کے ذریعے سے دعویدار ہوں قابل نفاذ قرار پائے گا۔[2]

---

[1] چیوا بنام یعقوب علی ۱۹۲۸ء ۶ رنگون ۲۴۲ ہ ۱ سنہ ۲۸ اے۔ آر ۳۰۷۔

[2] دولت رام بنام عبدالقیوم سنہ ۱۹۰۲ء ۲۶ بمبئی ۴۹۷، نیز دیکھو شریف بی بی بنام غلام محمد سنہ ۱۸۹۲ء ۱۶ مدراس ۴۳۔

وارثوں اور غیر وارثوں کے حق میں ہبہ بالوصیت — جس صورت میں ایک ہی وصیت نامہ کے ذریعے سے کچھ جائداد وارث اور کچھ غیر وارث کے حق میں ہبہ بالوصیت کی جائے، تو جو ہبہ بالوصیت وارث کے حق میں کیا گیا ہے وہ اگر دوسرے وارث اس پر راضی نہ ہوں ناجائز قرار پائے گا مگر جو ہبہ بالوصیت غیر وارث کے حق میں کیا گیا ہے وہ جائداد کی ایک تہائی تک جائز متصور ہوگا۔ زید اپنی ایک تہائی جائداد عمر غیر وارث، اور دو تہائی بکر اپنے ایک وارث، کو ہبہ بالوصیت کر جاتا ہے۔ جو کچھ بکر کو دیا گیا ہے اس پر دوسرے وارث راضی نہیں ہوتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمر حسب وصیت نامہ ایک تہائی جائداد پائے گا، اور بقیہ دو تہائی زید کے وارثوں میں تقسیم[1] ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر زید اپنی کل جائداد اپنی بیوی اور ایک غیر وارث کو ہبہ بالوصیت کرتا ہے، اور زید کے دوسرے وارث بیوی کے ہبہ بالوصیت پر راضی نہیں ہوتے، تو حسب وصیت نامہ غیر وارث کو جائداد کی ایک تہائی ملے گی (جو وصیت نامہ کے ذریعے سے ملنے[2] کی انتہائی مقدار ہے) اور بقیہ دو تہائی وارثوں میں تقسیم ہوگی۔

خیراتی کاموں کے لیے ہبہ بالوصیت — ہبہ بالوصیت خواہ خیراتی کاموں کے لیے کیوں نہ ہو جائداد کی صرف ایک تہائی تک ہو سکتا ہے۔

مہتمم ترکہ کا کمیشن — مہتمم ترکہ کو جو کمیشن بطور معاوضہ یا اجرت کے دلوایا جائے، وہ ایک ہبہ بالوصیت بلا بدل

---

[1] محمد بنام اولیا بی بی ۱۹۲۰ء ۲۴ الہ آباد ۹۷، ۶۱ انڈین کیسز ۹۴۷۔
[2] ۱۹۲۰ء ۲۴ الہ آباد ۹۷ صفحہ ۵۰۲؛ ۶۱ انڈین کیسز ۹۴۷، مذکورۂ بالا۔

ہے . . . . اور کسی صورت سے بھی کمیشن مذکورہ دین نہیں متصور ہو سکتا"
اس لیے اس سے دفعۂ ہذا اور دفعۂ سابق کے احکام متعلق ہوں گے۔[1]

کچھی میمن ـــــ ایک کچھی میمن اپنی کل جائداد بربنائے رواج وصیت کے ذریعے سے منتقل کر سکتا ہے[2]۔ دیکھو دفعہ ۱۶ الف۔

شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے قانون میں، ایک شرعی تہائی جائداد سے زیادہ کے جواز کے واسطے جس رضامندی کی ضرورت ہے اس کا اظہار موصی کی موت کے قبل یا بعد دونوں صورتوں میں کیا جا سکتا ہے: بیلی، جلد دوم، ۲۲۳۔

دفعہ ۱۰۵۔ ہبہ بالوصیت میں کمی ـــــ اگر ہبہ بالوصیت شرعی ایک تہائی سے زیادہ ہو، اور وارث اس پر راضی نہ ہوں، تو ہبۂ مذکورہ میں بحساب رسدی کمی کر دی جائے گی۔

ہدایہ، ۶۷۷؛ بیلی، ۶۳۶ ـــ ۶۳۷۔

شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے قانون میں رسدی تقسیم کا اصول نہیں مانا جاتا۔ اس قانون کے مطابق اگر موصی اپنی جائداد کی ایک تہائی زید کو، اور ایک چوتھائی بکر کو، اور ایک چھٹا حصہ عمر کو، ہبہ بالوصیت کر جائے، اور اس کے وارث اس پر راضی نہ ہوں، تو پہلے موہوب لہ زید کو $\frac{1}{3}$ جائداد ملے گی، بقیہ اشخاص بکر اور عمر کچھ نہ پائیں گے: بیلی، جلد دوم، ۲۳۵۔ لیکن اگر زید کو $\frac{1}{3}$ کی جگہ $\frac{1}{12}$ دیا گیا ہوتا تو زید $\frac{1}{12}$ اور بکر $\frac{1}{4}$ پاتا، اور عمر کو جو بلحاظ ترتیب آخر شخص ہے کچھ نہ ملتا، کیونکہ $\frac{1}{12} + \frac{1}{4}$ سے ایک تہائی جائداد جس کا دینا جائز ہے ختم ہو جاتی ہے۔ اس قاعدے کا

---

[1] آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی ۱۸۹۷ء ۲۵ کلکتہ ۹، ۱۸؛ صالح جی بنام فاطمہ ۱۹۲۳ء ا رنگون ۶۰، ۷۱ انڈین کیسز ۵۳، ۷، ۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۳۹۱ [پی - سی]۔

[2] ایڈوکیٹ جنرل بنام جمبا بائی ۱۹۱۷ء الہ ممبئی ۱۸۱، ۳۱ انڈین کیسز ۱۰۶۔

ایسی حالت میں کہ ⅓ جائداد یکے بعد دیگرے دو مختلف اشخاص کو ہبہ کی جائے، ایک استثنا ہے، مثلاً یہ کہ موصی نے اپنی جائداد کا ⅓ حصہ زید کو ہبہ بالوصیت کیا، اور پھر ⅓ حصہ بکر کو دیا، اس صورت میں اخیر ہبہ بالوصیت سے سابق کا ہبہ بالوصیت منسوخ ہو جائے گا، اور بکر جائداد کا ⅓ حصہ پائے گا، اور زید کو کچھ نہ ملے گا: بیلی، جلد دوم، ۲۲۵۔

خیراتی کاموں کی بابت ہبہ بالوصیت

خیراتی کاموں کے لیے جو ہبہ بالوصیت کیا جائے وہ بلحاظ مقاصد ہبہ حسب ذیل تین قسموں میں منقسم ہوتا ہے:۔

(۱) ہبہ بغرض فرائض، یعنی، ان کاموں کے لیے جن کے متعلق کلام مجید میں صریح احکام موجود ہیں، جیسے، حج، زکواۃ، کفارہ (قضائے صلواۃ)۔

(۲) ہبہ بغرض واجبات، یعنی، ان کاموں کے لیے جن کا (کلام مجید میں) بصراحت حکم نہیں ہے، مگر جن کا کیا جانا مناسب اور ضرور ہے، مثلاً، صدقۂ فطرہ (جو صدقہ عید الفطر کو دیا جاتا ہے) اور قربانی۔

(۳) ہبہ بغرض نوافل، یعنی، خود اختیاری قسم کی خیراتوں کے واسطے، مثلاً مفلسین کو دینے، یا مسجد، پل یا مسافروں کے لیے سرا بنوانے کے واسطے۔

ان تینوں قسم کے ہبہ بالوصیت میں پہلی قسم کو دوسری اور تیسری قسم پر، اور دوسری قسم کو تیسری قسم پر ترجیح حاصل ہے۔ قسم اول میں بھی جو ہبہ بالوصیت حج کے لیے کیا جائے اس کا زکواۃ اور کفارے کے ہبہ سے، اور جو زکواۃ کے لیے کیا جائے اس کا کفارے کے ہبہ سے پہلے ادا ہونا ضرور ہے۔

ہدایہ، ۶۸۸، بیلی، ۶۵۳-۶۵۴۔

دفعہ ۱۰۶ - ہبہ بالوصیت جنین (نازائیدہ اولاد) کے حق میں ——— ہبہ بالوصیت ایسے شخص کے حق میں جو موصی کی موت کے وقت معرض وجود میں نہ آیا ہو کالعدم ہے؛ لیکن ایسے بچے کے حق میں جو رحم مادر میں ہو، ہبہ بالوصیت کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ تاریخ وصیت سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو۔

شریعت اسلام کے مطابق، موہوب لہ میں ہبہ کے لینے کی قابلیت ہونی چاہئے؛ بیلی، ۶۲۴؛ اس لیے موصی کی موت کے وقت، اس شخص کا معرض وجود میں ہونا ضرور ہے[1]۔ جنین کے حق میں ہبہ کے متعلق دیکھو ہدایہ، ۶۷۴۔

دفعہ ۱۰۷ - ہبہ بالوصیت کا زائل ہوجانا یا باقی نہ رہنا ——— اگر موہوب لہ موصی کی موت کے بعد تک زندہ نہ رہے تو ہبہ بالوصیت زائل ہوجائے گا، اور (جو جائداد اس ذریعے سے علیحدہ رکھی گئی تھی) وہ موصی کی جائداد میں شامل متصور ہوگی۔

ہندوستان کے قانون جانشینی ایکٹ ۱۹۲۵ء کی دفعہ ۱۰۵ سے مقابلہ کرو، اگرچہ وہ مسلمانوں سے متعلق نہیں ہے۔

شیعوں کا قانون ——— ایسی حالت میں شیعوں کے قانون کے مطابق، ہبہ بالوصیت موہوب لہ کے وارثوں کو پہنچے گا، بشرطیکہ موصی نے اسے منسوخ نہ کردیا ہو۔ اگر موہوب لہ بغیر اولاد چھوڑے مرجائے گا، تو موصی کے وارثوں کی طرف عود کرے گا[2]۔ بیلی، جلد دوم، ۲۴۷۔

دفعہ ۱۰۸ - کونسی اشیا کے متعلق ہبہ بالوصیت کیا جاسکتا ہے ——— ہبہ بالوصیت کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ شئے موہوبہ وصیت کے وقت

---

[1] عبدالقادر بنام ٹرنر ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۵۸۔

[2] حسینی بیگم بنام محمد مہدی ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۵۴۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۶۷۳، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۳۴۰۔

موجود نہ ہو؛ موصی کی موت کے وقت اس کا موجود ہونا کافی ہے۔

بیلی، ۶۴۴ - وجہ یہ ہے کہ وصیت موصی کی موت کے بعد اثر پذیر ہوتی ہے نہ کہ اس کے قبل۔ مگر سادہ ہبہ میں شئے موہوبہ کا ہبہ کے وقت موجود ہونا ضرور ہے: دیکھو دفعہ ۱۶۳۔

دفعہ ۱۰۸۔ الف۔ کن اشیا کی بابت ہبہ بالوصیت کیا جا سکتا ہے —— ہر ایسی جائداد ہبہ بالوصیت کی جا سکتی ہے جس میں انتقال کی قابلیت ہو، اور جو موصی کی موت کے وقت موجود ہو۔ وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا ضرور نہیں۔

بیلی، ۶۴۴، ۶۶۵ —— ۶۶۶۔

دفعہ ۱۰۸۔ ب۔ آئندہ کی بابت ہبہ بالوصیت —— ایسا ہبہ بالوصیت جو آئندہ شئے کے متعلق کیا جائے کالعدم ہے: سادہ (خاص) ہبہ کے متعلق، دیکھو دفعہ ۱۳۶۔

دفعہ ۱۰۸۔ ج۔ مشروط ہبہ بالوصیت —— ہبہ بالوصیت جو کسی دوسرے امر کے وقوع پر موقوف ہو کالعدم ہے۔ سادہ (خاص) ہبہ کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۳۷۔

دفعہ ۱۰۸۔ د۔ ہبہ بالوصیت علی السبیل البدل —— ہبہ بالوصیت علی السبیل البدل جائز قرار دیا گیا ہے۔

ایک کچھی میمن نے جس کی وصیت کے وقت کوئی بیٹا نہ تھا، اپنی بقیہ جائداد کے متعلق ان الفاظ میں ہبہ بالوصیت کیا کہ: "اگر میرے کوئی بیٹا پیدا ہو اور وہ میری موت کے وقت تک زندہ رہے تو میرے مہتمان ترکہ میری بقیہ جائداد اس کے سپرد کر دیں گے؛ لیکن اگر وہ بیٹا میری زندگی میں مر جائے اور کوئی بیٹا

۵۱۔ ایڈوکیٹ جنرل بنام جمبا بائی سنہ ۱۹۱۵ء ۴۱ بمبئی ۱۸۱، ۲۸۴ - ۲۸۶، ۳۱ انڈین کیسز ۱۰۶ (وصیت کچھی میمن)۔

چھوڑ جائے، اور یہ بیٹا میری موت کے وقت زندہ ہو تو میرے مہتممان ترکہ میری بقیہ جائداد اس کے حوالے کر دیں گے لیکن اگر میری موت کے وقت نہ میرا بیٹا اور نہ میرا پوتا زندہ ہو، تو مہتممان ترکہ میری جائداد خیراتی کاموں میں لگائیں گے" موصی بغیر کوئی بیٹا چھوڑے فوت ہو گیا۔ اس کے متعلق یہ تجویز ہوئی کہ یہ ہبہ مشروط بہ مستقبل نہ تھا، بلکہ وہ قطعی طور سے ہبہ علی السبیل البدل تھا اور بقیہ جائداد کی مستحق خیرات ہے۔

دفعہ ۱۰۹۔ ہبہ بالوصیت کی تنسیخ — وصیتی ہبہ صریحاً یا معناً منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

ہدایہ، ۶۷۴؛ بیلی، ۶۲۸۔ صریح تنسیخ یہ ہے کہ موصی اپنے وصیتی ہبہ کو صاف الفاظ میں خواہ وہ زبانی ہوں یا تحریری منسوخ کر دے۔ معنوی یہ ہے کہ موصی کوئی ایسا فعل کرے جس سے تنسیخ مستنبط ہوتی ہو۔

اگر موصی یہ کہتا ہے کہ اس نے کبھی کوئی وصیتی ہبہ نہیں کیا تو یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا ایسا انکار تنسیخ متصور ہو گا یا نہیں، مختار رائے یہ ہے کہ ایسا بیان تنسیخ نہ متصور ہو گا: ہدایہ، ۶۷۵؛ بیلی، ۶۳۰۔

دفعہ ۱۱۰۔ معنوی تنسیخ — وصیتی ہبہ ایسے فعل سے منسوخ ہو سکتا ہے جو شے موہوبہ بالوصیت میں کچھ اضافہ کر دے، یا جب اس پر موصی کا مالکانہ اختیار باقی نہ رہے۔

[(الف) ایک قطعۂ اراضی کا وصیتی ہبہ منسوخ ہو جاتا ہے، جب کہ بعد ہبہ کے موصی اس پر ایک مکان تعمیر کر لیتا ہے۔

(ب) ایک تانبے کے پتر کا وصیتی ہبہ منسوخ ہو جائے گا، اگر موصی ہبہ کرنے کے بعد اس پتر سے کوئی برتن بنا لے گا۔

(ج) ایک مکان کا وصیتی ہبہ منسوخ ہو جائے گا، اگر موصی اسے فروخت یا کسی دوسرے شخص کو ہبہ کر دے گا۔]

ہدایہ، ۶۷۴، ۶۷۵؛ بیلی، ۶۲۸ - ۶۲۹، یہ تمثیلات ہدایہ سے لی گئی ہیں۔

دفعہ ۱۱۱۔ تنسیخ ذریعۂ وصیت مابعد ——— جو ہبہ بالوصیت کسی شخص کے حق میں کیا جائے وہ وصیت مابعد سے جو اسی جائداد کے متعلق کسی دوسرے شخص کے حق میں کیا جائے، منسوخ ہو جاتا ہے۔ مگر اسی جائداد کے مابعد ہبہ جو دوسرے شخص کے حق میں ایک ہی وصیت نامہ کے ذریعے سے کیا جائے، ہبۂ اول کو منسوخ نہیں کرتا؛ ایسی صورت میں جائداد دونوں موہوب لہما میں مساوی طور سے تقسیم ہو جائے گی۔

ہدایہ، ۶۷۵؛ بیلی، ۶۳۰۔

دفعہ ۱۱۱۔ الف۔ مسلمانوں کے وصیت ناموں کا پروبیٹ ——— (۱) مسلمانوں کے وصیت نامے بعد مناسب ثبوت کے شہادت میں لیے جا سکتے ہیں، اگرچہ اس کا پروبیٹ (یعنی، تصدیق وصیت نامہ و اجازت نامہ اہتمام ترکہ) نہ حاصل کیا گیا ہو۔[1]

(۲) ایک مسلمان کے وصیت کرنے کی صورت میں، موصی کی جائداد، موصی کی تاریخ وفات سے مہتمم ترکہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے بشرطیکہ مہتمم اس خدمت کو انجام دینا قبول کر لیتا ہے، اور وہ انتظام جائداد کے لیے جائداد منتقل کرنے کا مجاز ہو جاتا ہے، اور اسے وہ دوسرے اختیارات بھی حاصل ہو جاتے ہیں جو پروبیٹ اور اہتمام ترکہ کے ایکٹ ۱۸۸۱ء، اور وراثت ہند کے ایکٹ ۱۹۲۵ء کے مماثل مضامین کی رو سے ایک مہتمم ترکہ کو دئے گئے ہیں۔[2] دیکھو دفعہ ۳۰ اور اس کے نوٹ۔

---

[1] شیخ موسیٰ بنام شیخ عیسیٰ ۱۸۸۴ء ۸ بمبئی ۲۴۱، ۲۵۵؛ عبدالکریم بنام کرم علی ۱۹۲۰ء ۲۲ بمبئی لا رپورٹ ۸۰۸، ۵۸ انڈین کیسز ۲۷۰؛ محمد یوسف بنام ہرگوبند داس ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی ۲۳۱، ۷۰ انڈین کیسز ۲۶۸، ۲۲ آل انڈیا بمبئی ۳۹۲ - لفظ "پروبیٹ" کی مزید تفصیل کے لیے دیکھو قانونی لغت۔

[2] ونکٹا سُبّا بنام راما‌یا ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱۱۲، ۵۵ مدراس ۴۴۳، ۱۳۶ انڈین کیسز ۱۱۱، ۱۹۳۲ء

یہی قاعدہ کبھی ممنوں[1] اور خوجوں[2] سے بھی متعلق ہوتا ہے۔

وصول دیون کے مقدمات کے لیے دیکھو دفعہ ۳۸۔

دفعہ ۱۱۱۔ ب۔ سند اہتمام ترکہ — باستثنا ان دیون کے جو متوفی کو واجب الوصول ہوں [دفعہ ۳۸] ایک ایسے مسلمان کی جائداد پر جو بلا وصیت مرگیا ہو کسی قسم کا حق قائم کرنے کے لیے کسی سند اہتمام ترکہ کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے [ایکٹ وراثت ہند بابت ۱۹۲۵ء دفعہ ۲۱۲ (۲) (ب)]۔

دفعہ ۱۱۲۔ مہتمم ترکہ کا مسلمان ہونا ضرور نہیں ہے — یہ ضرور نہیں ہے کہ ایک مسلمان کا وصی مسلمان ہی ہو۔

ایک مسلمان مجاز ہے کہ وہ کسی عیسائی، ہندو یا کسی غیر مسلم کو اپنا مہتمم ترکہ قرار دے[3]۔

دفعہ ۱۱۳۔ مہتممان ترکہ کے اختیارات اور فرائض — ایک مسلمان موصی کے مہتمم ترکہ کے اختیارات اور فرائض کا تعین وراثت ہند کے ایکٹ ۱۹۲۵ء کے ان احکام سے ہوتا ہے جو مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ دیکھو دفعہ ۳۰ اور اس کے نوٹ۔

بمقدمہ شیخ موسیٰ بنام شیخ عیسیٰ[4] حسب رائے چیف جسٹس سارجنٹ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ آل انڈیا پرایوی کونسل ۹۲ [ایک ہندو کے وصیت نامے کے متعلق؛ جو مسلمان کے وصیت نامے سے بھی متعلق ہوتا ہے]؛ شمائل بنام احمد عمر ۱۹۳۱ء ۳۳ بمبئی لاء رپورٹ ۱۰۵۶؛ ۱۹۳۱ء آل انڈیا بنگال ۲۳۳؛ ۱۹۰۰ء ۲۴ بمبئی ۲۴۱، ۲۵۵، مذکورۂ بالا؛ ۱۹۲۳ء ۴۷ بمبئی ۲۳۱، ۷۰ انڈین کیسز ۲۶۸، ۱۹۲۲ء آل انڈیا بنگال ۲۹۲، مذکورۂ بالا۔

[1] حاجی اسمٰعیل، بمقدمۂ وصیت بابت ۱۸۸۲ء ۶ بمبئی ۴۵۲۔

[2] ۱۹۲۰ء ۲۲ بمبئی لاء رپورٹ ۵۰۰، ۵۸ انڈین کیسز ۲۷۰، مذکورۂ بالا۔

[3] محمد امین الدین بنام محمد کبیر الدین ۱۸۲۵ء ۴ صدر دیوانی عدالت اپیلز (بنگال) ۴۹، ۵۵؛ بلہری ایک بنام ظہور النساء ۱۸۲۸ء ۴ صدر دیوانی عدالت اپیلز بنگال ۳۰۱، ۳۰۳۔

[4] ۱۸۸۴ء ۸ بمبئی ۲۴۱، ۲۵۶۔

سنہ ۱۸۸۱ء کا پروبیٹ اور ایڈمنسٹریشن ایکٹ دوسرے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں سے بھی متعلق تھا۔ اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے مسلمانوں کے مہتمان ترکہ کے اختیارات اور فرائض کا تعین شریعت اسلام سے کیا جاتا تھا۔ ایکٹ مذکور کے نفاذ کے بعد ان کے اختیارات اور فرائض کا تعین اسی ایکٹ سے کیا جانے لگا۔ اب وہ ایکٹ بھی منسوخ ہو چکا ہے اور اس کے احکام وراثت ہند کے ایکٹ سنہ ۱۹۲۵ء میں داخل کر لیے گئے ہیں۔

جب وصیت نامہ میں چند مہتمان ترکہ مقرر کیے گئے ہوں تو ان سب کے اختیارات، اگر وصیت نامہ میں اس کے خلاف کوئی ہدایت نہ ہو، وہ مہتمم ترکہ استعمال کر سکے گا جس نے وصیت نامہ پیش کر کے ثابت کرایا ہے: ایکٹ وراثت ہند بابت سنہ ۱۹۲۵ء دفعہ ۳۱۱۔

لیکن اگر کوئی پروبیٹ حاصل نہیں کیا گیا ہے تو ان سب کو باہم مل کر کام کرنا چاہیئے؛ ان میں سے کسی ایک شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ تنہا جائداد کی نمائندگی کرے یا مہتمان ترکہ کے اختیارات میں سے کوئی اختیار بلا دوسروں کی شرکت کے کام میں لائے[1]۔

---

[1] سنہ ۱۹۰۳ء بمبئی ۲۴۱، ۲۵۵—۲۵۶، مذکورۂ بالا۔

فصل دہم

ہبہ و اقرار بحالت مرض الموت

دفعہ ۱۱۴ ہبہ بحالت مرض الموت ـــــ جو ہبہ ایک مسلمان مرض الموت میں کرے وہ مصارف تجہیز و تکفین اور دیون کے ادا کئے جانے کے بعد، اس کی جائداد کی صرف ایک تہائی پر موثر ہوگا، بجز اس کے کہ واہب کے مرنے کے بعد اس کے وارث ایک تہائی سے زیادہ دینے پر راضی ہو جائیں۔ اسی طرح اس قسم کا ہبہ کسی وارث کے حق میں موثر نہیں ہو سکتا جب تک کہ دوسرے وارثوں نے واہب کے مرنے کے بعد اس کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو[لہ]۔

توضیح ـــــ مرض الموت وہ علالت ہے جس میں علیل کو موت کا اندیشہ پیدا ہو جائے، اور جو بالآخر اس کی موت پر ختم ہو۔

ہدایہ، ۶۸۴، ۶۸۵؛ بیلی، ۵۵۱ ـ ۵۵۲۔

لہ وزیر جان بنام سید الطاف علی ۱۸۸۶ئہ ۹ الہ آباد، ۳۵۷؛ فضل احمد بنام رحیم بی بی ۱۹۱۸ئہ ۴۰ الہ آباد ۲۳۸، ۲۴۴، ۵۱ انڈین کیسز، ۶۳۸۔

مرض الموت[۱] ـــــ مرض الموت کی اہم شرط یہ ہے کہ مریض کو موت کا اندیشہ پیدا ہو جائے "مرض الموت کی صحیح تر تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا مرض ہو جو بقیاس غالب موت پر ختم ہونے والا ہو"؛ بیلی ۲، ۵۵۔ جب مرض مزمن ہو مثلاً، دق یا گردوں سے چربی کا آنا، اور فوری موت کا اندیشہ نہ ہو، تو وہ مرض الموت نہ کہلائے گا؛ مگر یہ ممکن ہے کہ وہ بعدہ اس حد تک بڑھ جائے کہ موت کا قیاس غالب ہو جائے، اور بالآخر فی الحقیقت اسی سے موت واقع ہو تو وہ مرض الموت ہو جائے گا۔[۲] ہدایہ کے مطابق "مزمن"، وہ مرض کہلاتا ہے جو ایک سال تک قائم رہے؛ جو مرض ایک سال تک قائم رہتا ہے وہ مرض الموت نہیں ہو سکتا، کیونکہ

۱۔ فاطمہ بی بی بنام احمد بخش سنہ ۱۹۰۳ء ۳۱ کلکتہ ۳۱۹، جسے پرایوی کونسل نے بھی بحال رکھا؛ سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۲۷۱، ۳۵ انڈین اپیلز ۶۷ [گردوں سے ایک سال سے زیادہ تک چربی کا آنا مرض الموت نہیں ہے]؛ ابراہیم غلام عارف بنام سائبو سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۲۲، ۳۴۔ انڈین اپیلز ۱۶۷، ۱۷۷۔ [پیٹ میں کسی شریان کا دفعۃً پھٹ جانا مرض الموت نہیں ہے]؛ لبی بی بی بنام ببن سنہ ۱۸۷۴ء ۶ نارتھ ویسٹ پروونس ہائی کورٹ ۱۵۹؛ حضرت بی بی بنام غلام جعفر سنہ ۱۸۹۸ء ۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۵۷ [مزمن دمہ مرض الموت نہیں ہے]؛ محمد گل شیر خاں بنام مریم بیگم سنہ ۱۸۸۱ء ۳ الہ آباد ۷۳۱ [طویل علالت مرض الموت نہیں]؛ سارا بائی بنام رابعہ بائی سنہ ۱۹۰۶ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷ [فالج مرض الموت کی صورت نہیں ہے]؛ رشید کرم علی بنام شہر بانو سنہ ۱۹۰۷ء ۳۱ بمبئی ۲۶۴ [بڑھتی ہوئی دق مرض الموت قرار دی گئی]؛ جنجرا بنام محمد سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۹، ۴۹۴-۴۹۴، ۶۷- انڈین کیسز ۷۷۷، سنہ ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹ [مرض الموت کی صورت نہیں]؛ فضل احمد بنام رحیم بی بی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۰ الہ آباد ۲۳۸، ۱۵ انڈین کیسز ۶۳۸ [بڑھتی ہوئی دق مرض الموت قرار پائی]؛ فضلر بنام محمد سنہ ۱۹۱۷ء ۳ پٹنہ لا دیکلی ۲۳۲، ۳۴ انڈین کیسز ۱۹۶۔

۲۔ سنہ ۱۹۱۸ء ۴۰ الہ آباد ۲۳۸، ۲۴۳-۲۴۴، ۱۵ انڈین کیسز ۶۳۸، گزشتہ۔

"مریض اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس صورت میں وہ مرض، مرض نہیں سمجھا جاتا" : ہدایہ ۵ ۶۸۵- لیکن "یہ ایک سال کی مدت ایسی مدت نہیں ہے جس میں کمی اور بیشی کی گنجائش نہ ہو، بلکہ اس کا مقصد تقریباً ایک سال کی مدت سے ہے"[1] خلاصہ یہ ہے کہ حسب رائے پرایوی کونسل، مرض الموت کا ہبہ "وہ ہبہ ہے جو فوری موت کے خیال سے متاثر ہو کر کیا گیا ہو"[2]۔

کسی مرض کو مرض الموت قرار دینے کے لیے مفصلۂ ذیل امور کا موجود ہونا ضرور ہے: (۱) موت کے قریب واقع ہونے کا اندیشہ اور اس اندیشے کا غالب ہونا۔ (۲) موت کے ذہنی خوف کا ایک حد تک مریض کے دماغ پر مستولی ہونا (۳) کچھ ظاہری علامتوں کا موجود ہونا اور ان سے معمولی کاروبار کرنے کے ناقابل ہو جانا[3]۔

شیعوں کا قانون —— شیعوں کا قانون بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہوا[4]۔

بیع —— اس دفعہ کے احکام ان انتقالات سے متعلق نہیں ہوتے جو بدل کے عوض میں کیے جائیں، مثلاً بیع[5]۔ زوج کا بمعاوضۂ مہر اپنی زوجہ کے نام جائداد کا منتقل کرنا فی الحقیقت

---

[1] ب: سنہ ۱۹۰۳ء، ۳۱ کلکتہ ۳۱۹-

[2] سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۲۲، ۳۴ انڈین اپیلز ۱۶۷، گزشتہ-

[3] سنہ ۱۹۰۶ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷، ۵۵۱، حسب سابق؛ سنہ ۱۹۰۷ء ۳۱ بمبئی ۲۶۴، حسب سابق؛ سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۹۰، ۶۷ انڈین کیسز ۷۷، سنہ ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۲۹۴، حسب سابق؛ عبدالاحد بنام احمد نواز سنہ ۱۹۳۱ء ۱۲ لاہور ۲۸۳، ۱۳۲ انڈین کیسز ۳۹۱، سنہ ۳۲ آل انڈیا لاہور ۲۲۹-

[4] خورشید بنام فیاض سنہ ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۲۸۹، ۲۳ انڈین کیسز ۲۵۳-

[5] فضل احمد بنام رحیم بی بی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۰ الہ آباد ۲۳۸، ۲۴۴-۲۴۵، ۵۱ انڈین کیسز ۶۳۸-

بیع ہے، اگرچہ وہ ہبہ کے نام سے موسوم کیا جائے[1]۔ برخلاف اس کے، ایک معاملہ اگرچہ وہ فی الحقیقت ہبہ کا ہو، مرض الموت کے ہبہ کے احکام سے بچنے کے لیے بیع بتایا جا سکتا ہے، مگر اس سے وہی احکام متعلق ہوں گے جو مرض الموت کے ہبہ کے متعلق ہیں[2]۔

دفعہ ۱۱۵۔ وہ شرائط جو جواز کے لیے لازم ہیں۔ — جو ہبہ مرض الموت میں کیا جائے اس کے جواز کے لیے ان تمام شرائط کا پایا جانا لازم ہے جو (معمولی) ہبہ کے لیے ضرور ہیں، جس میں واہب کا موہوب لہ کو قبضہ دینا بھی شامل ہے۔

ہیلی، ۱۵۵۔ ہبہ کے جواز کے لیے جن شرطوں کی ضرورت ہے، وہ فصل ہبہ میں دیکھو جو آگے آتی ہے۔ نیز، ملاحظہ ہوں وہ مقدمات جو دفعہ سابق میں درج کئے گئے ہیں۔

مرض الموت کا ہبہ فی الحقیقت (معمولی) ہبہ ہے، اگرچہ اس قسم کے ہبہ کے ذریعے سے جائداد منتقل کرنے میں واہب پر وہی قیود عائد ہوتے ہیں جو اس کے وصیتی اختیارات پر عائد ہیں۔ پس یہ ہبہ بھی انھیں تمام شرطوں سے مشروط ہوگا جو (معمولی) ہبہ کے لیے لازم ہیں جس میں واہب کا اپنی موت کے قبل موہوب لہ کو قبضہ دیدینا بھی شامل ہے۔

دفعہ ۱۱۶۔ مرض الموت میں قرض کا اقرار — قرض کا اقرار حالت صحت کی طرح مرض الموت میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

جس قرض کا ثبوت صرف مرض الموت کا اقرار ہو، وہ اس وقت تک نہ ادا ہونا چاہیئے جب تک وہ قرض نہ ادا ہو جائیں جن کا اقرار متوفی نے بحالت صحت

---

[1] اسحاق بنام عابدالنسا ۱۹۱۴ء ۲۲ کلکتہ ۳۶۱، ۱۲۸ انڈین کیسز ۲۹۶؛ صادق علی بنام مسماۃ امیرن ۲۹ سنہ ۔ ۳ آل انڈیا اودھ ۳۱۳، ۱۲۱ انڈین کیسز ۸۷۔

[2] ۱۹۱۵ء ۳ الہ آباد ۲۳۸، ۲۴۴–۲۴۵، ۱۵ انڈین کیسز ۶۳۔

کیا تھا، اور نیز وہ قرض جو دوسری شہادتوں سے ثابت ہوں۔ مرض الموت میں جس قرض کا اقرار کسی وارث کے حق میں کیا جائے گا وہ قرض کا ثبوت نہ قرار پائے گا، اور نہ وہ نافذ ہو سکے گا۔

ہدایہ، ۴۴۲، ۴۳۷، ۴۳۸، ۶۸۴، ۶۸۵؛ بیلی، ۶۹۳۔

۶۹۴۔ دفعۂ ہذا کو دفعۂ ۲۹ کے اس جز کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیئے جو قرضوں کے تقدم و تاخر سے متعلق ہے۔

ہبہ

دفعہ ۱۱۷۔ ہبہ ——— ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف کسی جائداد کا فوراً، اور بلا کسی معاوضے کے، منتقل کر دینا، اور اس دوسرے کا خود یا اس کی طرف سے کسی اور کا قبول کر لینا، ہبہ ہے۔

ہدایہ، ۴۸۲؛ بیلی، ۵۱۵۔ دیکھو انتقال جائداد ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۱۲۲ و دفعہ ۱۲۹۔

دفعہ ۱۱۸۔ وہ اشخاص جو ہبہ کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں ——— ہر عاقل اور بالغ مسلمان اپنی جائداد ہبہ کے ذریعے منتقل کرنے کا مجاز ہے۔

ہدایہ، صفحہ ۵۲۴، نابالغی کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۰۱ کے نوٹ۔

دفعہ ۱۱۹۔ دائنوں کو فریب دینے کے لیے ہبہ ——— ہر انتقال جائداد میں جو ذریعۂ ہبہ واہب موہوب لہ کے حق میں کرے نیک نیتی کا ہونا ضرور ہے[1]۔

---

[1] سلطان میاں بنام اعجوبہ خاتون بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ، ۵۵، ۱۳۸ انڈین کیسز ۳۳؛ ۳۲ء آل انڈیا کلکتہ، ۹۴۔

واہب کے دائنین کو محروم رکھنے کی نیت سے جو ہبہ کیا جائے وہ دائنین کی خواہش پر قابل انفساخ ہے۔ ایسی نیت صرف اس واقعے سے مستنبط نہیں ہو سکتی کہ واہب ہبہ کرنے کے وقت کسی قدر مقروض تھا۔[۱]

دیکھو انتقال جائداد ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۵۳۔

دفعہ ۱۲۰۔ ہبہ ایسے شخص کے حق میں جو وجود میں نہ آیا ہو۔
ہبہ ایسے شخص کے حق میں جو وجود میں نہ آیا ہو کالعدم ہے۔[۲]

موہوب لہ اور اس کی ذکور اولاد کی پرورش کا انتظام — اودھ کی چیف کورٹ نے یہ قرار دیا ہے، کہ ایک شخص کا دوسرے شخص کے گزارے کے لیے اس کی زندگی تک اور اس کے مرنے کے بعد اس کی ذکور اولاد کے واسطے ہبہ کرنا شریعت اسلام کی رو سے جائز ہے۔[۳] یہ اس صورت میں جائز نہ ہوگا جب کہ بروقت ہبہ، موہوب لہ کی کوئی ذکور اولاد موجود نہ ہو۔

دفعہ ۱۲۱۔ واہب کے اختیار کی حد — وہ ہبہ جو وصیتی ہبہ سے علیحدہ ہے، واہب اپنی کل جائداد کے متعلق کر سکتا ہے؛ اور وہ وارث کے حق میں بھی ہو سکتا ہے۔

"شریعت اسلام کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وہ موصی کو، وصیت کے ذریعے سے، وراثت کے اس طریقے میں خلل انداز

۱۔ عظیم النسا بنام ڈالی ۱۸۷۱ء ۶ مدراس ہائی کورٹ ۴۵۵، ۴۶۸-۴۶۹؛ عبدالحی بنام میر محمد ۱۸۸۶ء ۱۱ آل انڈیا الہ آباد، ۱۰ کلکتہ ۶۱۲؛ میگناٹن صفحہ ۲۱۷ (مقدمہ ۱۵)، صفحہ ۵۱۰ (مقدمہ ۴۴)؛ امیر علی، طبع چہارم جلد اول صفحہ ۵۱ تا ۵۴۔

۲۔ عبدالقادر بنام ٹرنر ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۵۸؛ محمد شاہ بنام اوفیشل ٹرسٹی بنگال ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۴۳۱، ۲ انڈین کیسز ۲۹۱۔

۳۔ سماۃ سرتاج بنام محمد ۱۹۳۱ء ۶ لکھنؤ ۲۲۳، ۱۲۹ انڈین کیسز ۳۲۲، ۱۹۳۱ آل انڈیا اودھ ۶۔

نہ ہونے دے جس سے حسب شرع اسلام جائداد اس کے وارثوں کو پہنچتی ہے؛ اگرچہ وہ اپنی جائداد کا ایک مخصوص حصہ، یعنی ایک تہائی ایک اجنبی شخص کو بھی دیدینے کا مجاز ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ ایک صاحب جائداد شخص شریعت کے اس منشا کی ایک حد تک اس طرح مخالفت کر سکتا ہے، کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی کل جائداد یا اس کا کوئی جزء خاص صورتیں اختیار کر کے، اپنے کسی ایک بیٹے کو دیدے[1]۔

ایک مسلمان اپنی کل جائداد تمام وارثوں کو محروم کر کے ایک اجنبی شخص کے حق میں بھی ہبہ کر سکتا ہے۔

دفعہ ۱۲۲۔ دعاوی قابل نالش اور غیر مادی اشیا کا ہبہ

قابل نالش دعوی اور غیر مادی اشیا بھی، مادی اشیا کی طرح، ہبہ کی جا سکتی ہیں۔

(دیون، دستاویزات، قابل بیع وشرا، یا گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ[2]، حق مالکانہ[3]، حقوق زمینداری[4]، پٹے پر دی ہوئی جائداد، جائداد زیر قرقی[5]، اور اسی طرح اس نذر و نیاز کا ایک مخصوص حصہ جو زائر کسی درگاہ پر چڑھائیں[6]، ہبہ ہو سکتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ہر ایسی شے

---

[1] کھجور النسا بنام روشن جہاں سنہ ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۷؛ ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱، ۳۰۷؛ چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن سنہ ۱۹۰۵ء ۲۸ الہ آباد ۴۳۹، ۴۴۹؛ ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸، ۷۵؛ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۱؛ ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۵ - ۶۴۶؛ ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴۔

[2] ملک عبد الغفور بنام ملیکہ سنہ ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۱۱۱۲، ۱۱۲۵۔

[3] ایضاً صفحہ ۱۱۲۵۔

[4] ایضاً صفحہ ۱۱۲۶۔

[5] ایضاً صفحہ ۱۱۲۵۔

[6] نوری بیگم بنام نظام الدین شاہ سنہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۱۶۵، ۱۶۷۔

[7] احمد الدین بنام الٰہی بخش سنہ ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۴۶۵، ۴۶۸؛ ۱۴ انڈین کیسز ۵۸۷۔

جس پر لفظ "مال" کا اطلاق ہو سکتا ہے ہبہ کی جا سکتی ہے[1]۔]
"ہبہ" لفظی معنوں میں کسی ایسی شے کا دینا ہے جس سے موہوب لہ استفادہ کر سکتا ہو: ہدایہ، ۴۸۲۔
"شرع" کے مطابق وہ کسی مخصوص شے کی ملکیت کا حق بغیر کسی معاوضے کے عطا کرنا ہے: بیلی، ۵۱۵۔ جو مقدمات فقرۂ اول کے تحت دئے گئے ہیں وہ پیدا ہی نہیں ہو سکتے تھے اگر ایک زمانے میں یہ غلط خیال نہ شایع ہوتا کہ ہبہ کی ہر جایز صورت کے لیے "خاص" یا مادی قبضے کا دیا جانا لازم ہے۔ اسی غلط خیال کی بنا پر، ان مقدمات میں یہ عذر کیا گیا تھا کہ صرف مادی جائداد ہی ہبہ ہو سکتی ہے، کیونکہ وہی جائداد ایسی ہے کہ جس کا خاص یا مادی قبضہ دیا جا سکتا ہے۔ مدت ہوئی کہ یہ خیال غلط سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے، اور یہ قرار پایا ہے کہ جب شے موہوبہ ایسی نہ ہو کہ اس کا مادی قبضہ دیا جا سکتا ہو، یعنی حقوق نالش یا غیر مادی حقوق پر مشتمل ہو، تو واہب کے کسی ایسے فعل سے، جس سے صاف طور سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ جائداد کے حق ملکیت سے دست بردار ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہے، ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ یاد رکھو کہ دیون، دستاویزات قابل بیع و شرا، گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ، یہ سب حقوق قابل نالش، یا بالفاظ قانون انتقال جائداد "دعاوی قابل نالش" ہیں۔ دیکھو دفعہ ۱۲۶ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۱۲۳۔ حق انفکاک کا ہبہ ——— (۱) راہن اپنے حق انفکاک کو ہبہ کر دینے کا مجاز ہے۔ (۲) اس امر کے متعلق البتہ رائیں مختلف ہیں، کہ جب بر وقت ہبہ جائداد مرہونہ مرتہن کے قبضہ میں ہو تو حق انفکاک کا ہبہ

---

[1] مرزا عابد بنام منو بی بی ۱۹۲۷ء ۲ لکھنو ۴۹۶، ۱۰۲ انڈین کیسز ۲، ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۲۶۱۔

جائز متصور ہوگا یا نہیں۔ بمبئی ہائی کورٹ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے[1]۔ برخلاف اس کے کلکتہ ہائی کورٹ اسے جائز قرار دیتی ہے[2]۔ اور موخرالذکر ہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

بمبئی ہائی کورٹ کی یہ رائے نہیں ہے کہ حق انفکاک کسی صورت میں بھی ہبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی رائے صرف اس قدر ہے کہ جب جائداد مرہونہ بروقت ہبہ مرتہن کے قبضے میں ہو اس وقت حق انفکاک کا ہبہ جائز نہیں ہو سکتا۔ بمبئی کے فیصلے کی دلیل یہ ہے کہ ہبہ کے جواز کی اہم شرط یہ ہے کہ واہب شے موہوبہ کا قبضہ موہوب لہ کو دیدے، اور راہن یہ کر نہیں سکتا کیونکہ مرتہن قابض جائداد ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہبہ کے جواز کے لیے واہب کا موہوب لہ کو قبضہ دینا ضرور ہے، لیکن یہ بھی مسلم ہے کہ جب شے موہوبہ حقیقی قبضہ دینے کے ناقابل ہو تو واہب کے ایسے مناسب افعال سے جن کا منشا موہوب لہ کی طرف جائداد منتقل کرنے کا ہو، ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے (دفعہ ۱۲۶)۔ جب جائداد مرہونہ خود راہن کے قبضے میں ہو، تو اس کے حق انفکاک کا ہبہ، جائداد کو موہوب لہ کے حوالے کئے بغیر، جائز نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب مرتہن قابض ہو، تو راہن موہوب لہ کو قبضہ نہیں دے سکتا، اور اس صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہبہ کی تکمیل واہب کے کسی دوسرے مناسب فعل سے ہو جاتی ہے۔ بمبئی ہائی کورٹ کے فیصلے اس لحاظ سے کہے جا سکتے ہیں، کہ صحیح نہیں ہیں۔ ان فیصلوں کی صحت پر الہ آباد ہائی کورٹ نے اعتراض[3] اور کلکتہ ہائی کورٹ نے ان سے

---

[1] اسمعیل بنام رامجی سنہ ۱۸۹۹ء ۲۳ بمبئی ۶۸۲؛ محی الدین بنام منوچہر شاہ سنہ ۱۸۸۲ء ۶ بمبئی ۶۵۰۔

[2] تارا پرا سنا بنام شاندی بی بی سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۶۸، ۷۵، انڈین کیسز ۳۱۹، سنہ ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۲۴۳۔

[3] رحیم بخش بنام محمد حسن سنہ ۱۸۸۸ء ۱۱ الہ آباد ۱، ۱۰؛ انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ سنہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۱۔

اختلاف کیا ہے۔

زید چھ غیر منقولہ جائدادوں کا مالک ہے۔ اس نے اپنی تین جائدادیں بکر کے پاس رہن بالقبض کردی ہیں۔ رہن کرنے کے بعد وہ اپنی چھئوں جائدادیں عمر کے حق میں ہبہ کرتا ہے اور تین جائدادوں پر جو بکر کے پاس رہن نہیں ہیں عمر کا قبضہ کرا دیتا ہے۔ اس صورت میں بمبئی ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا کہ چھئوں جائدادوں کا ہبہ جائز تھا[1]۔

دفعہ ۱۲۴۔ ایسی جائداد کا ہبہ جس پر واہب کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص قبضۂ مخالفانہ رکھتا ہو ــــ ایسی جائداد کا ہبہ جو کسی ایسے شخص کے قبضے میں ہو جسے واہب کے مقابلے میں مخالفانہ دعویٰ ہو، جائز نہیں ہے، جب تک واہب اس کا قبضہ حاصل کر کے موہوب لہ کے حوالے نہ کر دے [تمثیل (الف)]؛ یا تکمیل ہبہ کے لیے وہ تمام امکانی کارروائی عمل میں نہ لائے جس سے موہوب لہ کو اس کا قبضہ حاصل کرنا ممکن ہو جائے۔ [تمثیل (ب)]۔

[(الف) زید عمر کے حق میں ہبہ نامہ کے ذریعے سے ایک ایسی اراضی کے مالکانہ حقوق منتقل کرتا ہے جو اس وقت بکر کے قبضے میں ہے، اور بکر بمقابلہ زید کے اس پر مخالفانہ دعویٰ رکھتا ہے۔ زید بغیر قبضہ حاصل کئے فوت ہو جاتا ہے۔ زید کی موت کے بعد، عمر بکر پر بغرض حصول قبضہ نالش دائر کرتا ہے۔ مقدمے میں کامیابی نہیں ہو سکتی، کیونکہ عمر کو قبضہ نہ دئے جانے کی وجہ سے ہبہ کی تکمیل نہ ہوئی تھی: مہر علی بنام تاج الدین ۱۸۸۸ء ۱۳ بمبئی ۱۵۶؛ رحیم بخش بنام محمد حسن ۱۸۸۸ء ۱۱ الہ آباد؛ میگناٹن صفحہ ۲۰۱، مقدمہ ۶؛ فقیر نینار بنام کندا سوامی ۱۹۱۲ء ۳۵ مدراس ۱۲۰،

[1] چاند صاحب بنام گنگابائی ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۱۲۹۶؛ ۶۴ انڈین کیسز ۱۲؛ ۱۹۲۱ء آل انڈیا الہ آباد ۲۴۸۔

۱۲۸-۱۳۱، ۱۴ انڈین کیسز ۹۹۲-

ب- زید ایک غیر منقولہ جائداد کا ہبہ نامہ عمر کے حق میں لکھتا ہے۔ ہبہ کے وقت وہ جائداد بکر کے قبضے میں ہے جو اس پر بمقابلہ زید کے مخالفانہ دعویٰ رکھتا ہے۔ حصول قبضہ کے لیے عمر بکر پر نالش کرتا ہے اور زید کو ترتیبی مدعی علیہ بناتا ہے۔ زید ہی تحریری وثیقے کی بنا پر عمر کے دعوے کو قبول کرلیتا ہے۔ بکر کا عذر یہ ہے کہ ہبہ ناجائز ہے، کیونکہ ہبہ کے وقت زید جائداد پر قابض نہ تھا، اور عمر کو قبضہ نہیں دیا گیا۔ یہ ہبہ جائز ہے اگرچہ واہب نے موہوب لہ کو قبضہ نہیں دیا تھا۔ پرایوی کونسل کے ججوں کی یہ رائے ہوئی ہے کہ "مقدمۂ ہذا میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جواز ہبہ کی نزاع واہب اور موہوب لہ میں نہیں ہے۔ جسے نزاع ہے وہ دونوں کے خلاف دعویٰ دار ہے۔ "تکمیل ہبہ کے لیے جو کچھ ضرور تھا وہ واہب نے کیا، نہ مقدمے کا فریق بھی ہے اور ہبہ کے کامل ہونے کو تسلیم کرتا ہے"! کالیداس بنام کنیالال ۱۸۸۴ء ۱۱ کلکتہ ۱۲۱، ۱۱ انڈین اپیلز ۲۱۸، یہ مقدمہ دھرم شاستر کے متعلق ہے، مگر اس کا اتباع بمقدمۂ محمد بخش بنام حسینی بی بی ۱۸۸۸ء ۱۵ کلکتہ ۶۸۴، ۷۰۱-۷۰۲، ۱۵ انڈین اپیلز ۸۱ میں کیا گیا جو مسلمانوں کے درمیان تھا۔ موخرالذکر مقدمے میں پرایوی کونسل کے ججوں نے حسب ذیل تجویز کی :-

"اس مقدمے میں ہمارے نزدیک مجوزہ ہبہ کی تکمیل کے لیے جو کچھ واہبہ کو کرنا چاہئے تھا وہ اس نے کیا اس سے زیادہ اسے کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہبہ پوری شہرت کے ساتھ عمل میں آیا تھا، خود ہبہ نامہ میں موہوب لہ کو قبضہ کرلینے کا اختیار دیا گیا تھا، اور فی الحقیقت ان کا قبضہ کرلینا ظاہر بھی

ہوتا ہے۔ ان حالات میں، ہمارے نزدیک، اس عذر پر کہ شہزادی (واہبہ) قابض نہ تھی اور بروقت ہبہ اس نے قبضہ نہیں دیا، ہبہ کے جواز پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔"]

باتباع رائے مذکورۂ بالا، یہ قرار پایا ہے کہ جائداد غیر منقولہ کا ایسا ہبہ جو خریدار نیلام بہ تعمیل ڈگری، نیلام کے وقت کرے وہ جائز ہے، اگرچہ اس وقت تک اس کی خریداری منظور نہ ہوئی ہو اور نہ اسے قبضہ ملا ہو، بشرطیکہ موہوب لہ کو واہب نے قبضہ کرنے کی اجازت دیدی ہو[1]۔ دیکھو ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء دفعہ ۶۵۔

دفعہ ۱۲۵۔ تحریر ضروری نہیں ہے ـــــ جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کے ہبہ کے جائز ہونے کے لیے اس کا تحریری ہونا لازم نہیں ہے[2]۔

انتقال جائداد کے ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعات ۱۲۲ تا ۱۲۹ (فصل ہفتم) ہبہ کے متعلق ہیں۔ ایکٹ مذکور کی دفعہ ۱۲۳ میں یہ حکم ہے کہ جائداد غیر منقولہ کا ہبہ رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے ہونا چاہیئے جس پر واہب کے دستخط اور کم از کم دو گواہوں کی تصدیق ہو، جائداد منقولہ کا ہبہ رجسٹری شدہ دستاویز مصدقہ حسب صراحت بالا کے ذریعے سے یا بذریعہ قبضہ دہی عمل میں آسکتا ہے۔ لیکن دفعہ ۱۲۳ کے احکام مسلمانوں کے ہبہ سے متعلق نہیں ہیں (دیکھو دفعہ ۱۲۹ اسی ایکٹ کی) جو ہبہ حسب شریعت اسلام کیا جائے وہ اسی طرح عمل میں آنا چاہیے جس طرح شریعت مذکور میں بتایا گیا ہے (دفعہ ۱۲۶)

---

[1] مرزا عابد بنام منو بی ۱۹۲۶ء لکھنو ۴۹۶، ۱۰۰ انڈین کیسز ۲، ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۶۱۔

[2] قمر النسا بی بی بنام حسینی بی بی ۱۸۸۰ء ۳ الہ آباد ۲۶۷، میں پریوی کونسل نے زبانی ہبہ کو جائز قرار دیا۔ نیز ملاحظہ ہو بیلی، ۵۰۹۔

اگر شریعت اسلام کی مقررہ شرائط کی تکمیل ہو گئی ہے (دفعہ ۱۲۶) تو ہبہ جائز ہے، اگرچہ وہ رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے نہ کیا گیا ہو، اور رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے کئے جانے کی حالت میں بھی اگر اس پر دو گواہوں کی تصدیق نہ ہو[۱]۔ لیکن اگر شریعت اسلام کے احکام کی پابندی نہیں کی گئی ہے، تو وہ جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اگرچہ اس کی تکمیل اس طریقے پر کی گئی ہو جو انتقال جائداد کی دفعہ ۱۲۳ میں بتایا گیا ہے۔ دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۲۶۔

ہبہ کا قانون جنوبی برما میں ——— ایکٹ انتقال جائداد کی دفعہ ۱۲۳، جس کی رو سے جائداد غیر منقولہ کا ہبہ رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعے سے ہونا چاہئے، ۱۹۰۷ء میں ضلع پیگو سے بھی متعلق کر دی گئی ہے، لیکن دفعہ ۱۲۹ جو شریعت اسلام کے قواعد ہبہ اور قبضہ دہی وغیرہ کی حفاظت کرتی ہے [دفعہ ۱۲۶ آئندہ] بصراحت علاقۂ مذکور سے متعلق نہیں کی گئی ہے۔ ایک حال کے مقدمے میں پرایوی کونسل کے ججوں نے یہ تجویز کی کہ انتقال جائداد کے ایکٹ کی دفعہ ۱ کی رو سے لوکل گورنمنٹ نہ اس کی مجاز تھی اور نہ بظاہر اس کا یہ منشا تھا کہ وہ دفعہ ۱۲۹ سے علیحدہ کر کے دفعہ ۱۲۳ کی توسیع کرے؛ دوسرے الفاظ میں اس ضلع سے دفعہ ۱۲۳ کے متعلق کرنے کے یہ معنی نہ تھے کہ ضلع مذکور دفعہ ۱۲۹ کے عمل سے مستثنیٰ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان ضلع پیگو کی واقع شدہ جائداد ہبہ کرے، تو وہ ہبہ اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ (۱) وہ عمل انتقال جائداد کے ایکٹ کی دفعہ ۱۲۳ کے احکام کے

[۱] کرم الٰہی بنام شرف الدین ۱۹۱۶ء ۳۸ الہ آباد ۲۱۲، ۳۵ انڈین کیسز ۱۴۔

مطابق بذریعۂ دستاویز رجسٹری شدہ نہ ہوا ہو؛ (۲) اور حسب قانون اسلام جائداد پر فوراً قبضہ نہ کرا دیا گیا ہو۔[۱]

دفعہ ۱۲۵ الف۔ واہب کی حق ملکیت اور اختیار سے دست برداری —— ہبہ کے جواز کے لیے یہ امر لازم ہے کہ واہب جائداد موہوبہ کی حق ملکیت اور اس پر اختیارات سے کلیۃً دست بردار ہو جائے۔[۲]

"ہبہ میں استنباط سے کام نہیں لیا جاتا۔ اس کا صریح اور صاف ہونا لازم ہے، اور واہب کی نیت کا اظہار شے موہوبہ کو قطعی طور سے چھوڑ دینے سے ہونا چاہئے، اگر واہب شے موہوبہ پر مالکانہ اختیارات کام میں لاتا رہے گا تو وہ ہبہ کالعدم اور ناجائز متصور ہوگا"؛ میگناٹن صفحہ ۱۵ دفعہ ۸۔

دفعہ ۱۲۵۔ ہبہ کے تین لوازم —— ہبہ کے جواز کے لیے یہ امور لازم ہیں: (۱) واہب کا اظہار، ہبہ کے متعلق؛ (۲) موہوب لہ یا اس کی طرف سے کسی شخص کا صریح یا معنوی طور سے ہبہ کو قبول کرنا؛ (۳) واہب کا جائداد موہوبہ پر موہوب لہ کو قابض کر دینا جیسا کہ دفعہ ۱۲۶ میں بتایا گیا ہے۔ اگر ان تینوں شرطوں کی تکمیل کی گئی ہے تو ہبہ کامل ہے۔

بیلی، ۵۱۵؛ ہدایہ ۴۸۲۔ اس دفعہ کو دفعہ ۱۱۹ کے مضامین کو پیش نظر رکھ کر پڑھنا چاہئے۔

دفعہ ۱۲۶۔ قبضہ دہی —— (۱) ہبہ کے جواز کے لیے یہ امر لازم ہے کہ شے موہوبہ پر ایسا قبضہ کرا دیا جائے جیسا کہ بلحاظ اس کی نوعیت کے ممکن ہو۔[۳] ہبہ کی

۱۔ مامی بنام تلندر رامل ۱۹۲۶ء ۵۴ انڈین اپیلز ۲۳، ۵ رنگون ۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۳۲، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۲۔

۲۔ مساۃ بی بی بنام شیخ واحد ۱۹۲۸ء، ۷ پٹنہ ۱۱۸، ۱۹۲۸ء انڈین اپیلز ۱۸۳۔

۳۔ صادق حسین بنام ہاشم علی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۱ — ۲۲۲، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۵ — ۶۴۶، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ المجور النسا بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۷، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱،

تکمیل کے لیے جیسا کہ جوڈیشل کمیٹی نے لکھا ہے "موہوب لہ کا شے موہوبہ کو اپنے قبضے میں لے لینا" لازم ہے[1] دیکھو دفعات ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۷ أ اور ۲۲۸۔

۲ - رجسٹریشن ـــــــ دستاویز ہبہ کی رجسٹری کرا لینے سے عدم قبضہ دہی کا نقص رفع نہیں ہوتا۔

[زید اپنے ایک مسکونہ مکان کی دستاویز ہبہ عمر کے نام لکھ دیتا ہے۔ دستاویز کی باضابطہ رجسٹری کرا دی جاتی ہے، مگر عمر کو قبضہ نہیں دیا جاتا۔ ہبہ ناتمام اور اس لیے کالعدم ہے: مقدمہ مغل شاہ بنام محمد صاحب ۱۸۸۶ء ۱۱ بمبئی ۵۱۷؛ اسمٰعیل بنام رام جی ۱۸۹۹ء ۲۳ بمبئی ۶۸۲، رحاج اللہ بنام بویا پتی ۱۹۰۷ء ۳۰ مدراس ۵۱۹۔]

۳ - اگر زبانی شہادت سے یہ ثابت ہو جائے کہ حسب قانون [دفعات ۱۲۵ اب و ۱۲۶] ایک ہبہ کی تکمیل ہو گئی ہے، تو یہ امر ناقابل لحاظ ہے کہ واہب نے ایک دستاویز ہبہ بھی لکھی تھی، مگر رجسٹریشن ایکٹ کی دفعہ ۱۷(الف) کے احکام کے مطابق اس کی رجسٹری نہ ہوئی تھی[2]۔

(۴) دستاویز ہبہ میں یہ بیان کہ جائداد موہوبہ کا قبضہ دیدیا گیا، واہب کے وارثوں کو پابند کر دیتا ہے[3]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ - ۳۰۷؛ چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۴۳۹، ۴۴۹، ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸، ۷۵؛ تاراپرسنا بنام شاندی بی بی ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۶۸، ۷۵، انڈین کیسز ۱۹۲۲ء ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۲۲۴۔

[1] محمد بنام فخر جہاں ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۹۵، ۲۰۹، ۴۴ الہ آباد ۳۰۱، ۳۱۵، ۶۸ انڈین کیسز ۲۵۴، ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۲۸۱۔

[2] نصیب علی بنام واجد علی ۱۹۲۶ء ۴۴ کلکتہ لا جرنل ۴۹۰، ۱۰۰ انڈین کیسز ۲۹۶، ۲۷ آل انڈیا کلکتہ ۱۹۷؛ عبدالرحمان بنام گیا پرشاد ۲۹ آل انڈیا اودھ ۳۴۳۔

[3] محمد ممتاز بنام زبیدہ جان ۱۸۸۹ء ۱۶ انڈین اپیلز ۲۰۵۔

ہدایہ، ۴۸۲؛ بیلی، ۵۲۰ - ۵۲۲ -

تعبیری قبضہ ـــــ جس حالت میں واہب اصل جائداد کسی کو ہبہ کرتا ہے، مگر اس کا استفادہ اپنے لیے محفوظ رکھتا، اور جائداد پر حقیقی طور سے قابض بھی رہتا ہے، تو ہبہ کی تاریخ کے بعد سے موہوب لہ کا اس جائداد کی بابت سرکاری محاصل ادا کرتے رہنا، موہوب لہ کے تعبیری قبضے کے مساوی ہے، اور یہ ہبہ اس قسم کے قبضے سے کامل متصور ہوگا۔[1]

نام داخل خارج کرنا ـــــ ہبہ کی صورت میں تبدیل قبضہ کی تکمیل کے لیے (سرکاری کاغذات میں) نام کا داخل خارج کرانا ضرور نہیں ہے[2]۔ اور نہ نام کا داخل خارج کرانا قبضہ دہی کا جائز قائم مقام سمجھا جا سکتا ہے[3]۔

بار ثبوت ـــــ دو شریعت اسلام کی رو سے ایک جائداد کا مالک اس کا مجاز ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی کل جائداد یا اس کا کوئی جز، خاص صورتیں اختیار کرکے، کسی کو ہبہ کردے؛ لیکن جو لوگ اس معاملے سے استدلال کرنا چاہتے ہوں ان کے لیے لازم ہے کہ وہ بصراحت اور صاف طریقے سے یہ ثابت کریں کہ ان خاص صورتوں کی (جس کی تکمیل ہبہ کے لیے ضرور ہوتی ہے) تکمیل کی گئی تھی۔ ہبہ یا تو ذریعۂ ہبہ نامہ بلا کسی عوض کے کیا گیا ہوگا یا بالعوض۔ اگر بلا کسی عوض کے کیا گیا ہے تو

---

[1] محمد بنام فخر جہاں ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۹۵، ۲۱۰؛ ۴۴ الہ آباد ۳۰۱، ۳۱۶؛ ۶۸ انڈین کیسز ۲۵۴؛ ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۲۸۱ -

[2] ۱۸۸۹ء ۱۶ انڈین اپیلز ۲۰۵، ۲۱۷؛ گزشتہ، محمد صادق بنام فخر جہاں ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱، ۶؛ لکھنؤ ۵۶، ۱۳۶؛ انڈین کیسز ۳۸۵؛ ۳۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۳ -

[3] محمد عظیم بنام سعادت علی ۳۱ آل انڈیا اودھ ۱۷۷ -

جب تک کہ شے موہوبہ کا ایسا قبضہ نہ دیدیا گیا ہو جیسا کہ بلحاظ نوعیت شے ممکن تھا، ہبہ مذکور ناجائز قرار پائے گا۔ ہبہ بالعوض کی صورت میں (جس کے لیے قبضہ دہی ضرور نہیں ہے) عوض کا حقیقی طور سے ادا کیا جانا، اور واہب کا نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو فی الفور جائداد کی ملکیت سے علیحدہ کر کے موہوب لہ کو مالک بنا دینے کا ارادہ ثابت کرنا چاہیے[1]۔

قبضہ دہی مابعد ——— ہبہ کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ ہبہ، یعنی اس کے اظہار اور قبول کے وقت، قبضہ نہ لے لیا گیا ہو[2] وہ قبضہ بھی جو ہبہ کئے جانے کے بعد حاصل کیا گیا ہو کافی ہے اگر ایسا عمل واہب کی مرضی کے مطابق ہوا ہو[3]۔

ہبہ کا قانون جنوبی برما میں ——— دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۲۵ تحت عنوان ہذا۔

دفعہ ۱۲۶

الف۔ ہبہ بہ توسط امانت ——— بہ توسط امانت بھی ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہبہ کی صحت کے لیے انھی شرائط کا پورا ہونا لازم ہے جو موہوب لہ کو براہ راست ہبہ کئے جانے کی حالت میں ضرور ہوتیں؛ فرق صرف اتنا ہے کہ اس صورت میں امینوں کو ہبہ قبول کرنا ہوگا [دفعہ ۱۲۵ اب]،

---

[1] چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن سنہ ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۴۳۹، ۴۴۸، ۴۴۹، ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸، ۷۴، الکجور النسا بنام روشن جہاں سنہ ۱۸۷۶ء ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱، ۳۰۷، ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۷؛ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۱، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۵-۶۴۶، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ غلام جعفر بنام مصلح الدین سنہ ۱۸۸۱ء ۵ بمبئی ۲۳۸، ۲۴۲۔

[2] دیکھو سنہ ۱۹۰۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۲-۲۲۳، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۶-۶۴۷، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴ گزشتہ؛ ملانی بنام مولا بخش سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد، ۲۶۰، ۲۶۲-۲۶۳، ۷۸ انڈین کیسز ۲۲۲، سنہ ۲۴ آل انڈیا الہ آباد ۳۰۷۔

[3] میگناٹن، صفحہ ۵۰ دفعہ ۴ ومقدمہ ۱۴ صفحہ ۲۱۵؛ جمن بنام حسین سنہ ۳۱ آل انڈیا اودھ ۲۹۷، ۱۲۹ انڈین کیسز ۱۶۱۔

اور قبضہ بھی انھی کو دیا جائے گا۔[1] [دفعہ ۱۲۶]۔

(۲) ایک مسلمان امانت کے توسط سے جائداد ایسے اشخاص کے فائدے کے لیے ہبہ نہیں کر سکتا جو ہبہ کے پانے کے ناقابل ہیں، اور نہ وہ بتوسط امانت ایسی حقیت پیدا کر سکتا ہے جسے اس فرقے کا قانون ہبہ جس سے اس کا تعلق ہے تسلیم نہیں کرتا۔ نہ کوئی شیعہ اور نہ کوئی سنی اس کا مجاز ہے کہ وہ ایسے شخص کے حق میں ہبہ کرے جو ابھی پیدا نہ ہوا ہو، اسی طرح وہ امانت کے توسط سے بھی اس عمل کا مجاز نہیں ہو سکتا۔ حین حیاتی ہبہ سنیوں کے قانون میں جائز نہیں ہے، اس لیے ایک سنی امانت کے توسط سے بھی حین حیاتی ہبہ بطریق جائز نہیں کر سکتا۔ لیکن شیعوں کے قانون میں حین حیاتی (Life-estate) اور باقی ماندہ محصلہ حقیتیں (Vested remainder) تسلیم کی جاتی ہیں۔ اس لیے ایک شیعہ امانت کے توسط سے ایسی حقیتیں قائم کر سکتا ہے، مگر ایسے اشخاص کے حق میں نہیں جو ابھی پیدا ہی نہ ہوئے ہوں۔ البتہ سنی اور شیعہ دونوں، وقف کے ذریعے سے (Successive life-interests) ایسی ترتیبی حین حیاتی حقیتیں قائم کر سکتے ہیں جو یکے بعد دیگرے عمل پذیر ہوتی رہیں۔

[زید ایک شیعہ مسلمان، ایک ایسی دستاویز لکھتا ہے،
جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی بعض غیر منقولہ جائداد اپنی بیوی
اور بچوں کے استفادے کے لیے، امینوں کی حیثیت سے عمر، بکو

---

[1] صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۱۸-۲۲۴، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۲-۶۴۸؛ ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ موسیٰ بھائی بنام یعقوب بھائی سنہ ۱۹۰۴ء ۲۹ بمبئی ۲۶۷-۲۷۶ [مقدمہ خوجوں کا]؛ جینا بائی بنام تھنا سنہ ۱۹۱۰ء ۳۴ بمبئی ۶۰۴، ۶ انڈین کیسز ۵۱۳؛ قاسم علی بنام کریم بھائی سنہ ۱۹۱۱ء ۳۶ بمبئی ۲۱۴، ۲۵۹-۲۶۰، ۱۲ انڈین کیسز ۲۲۵، [خوجوں کا مقدمہ]؛ رام چرن بنام فاطمہ بیگم سنہ ۱۹۱۵ء ۴۲ کلکتہ ۹۳۳، ۹۳۸، ۳۰ انڈین کیسز ۶۸۶ [مقدمۂ وقف]؛ میرزا ہاشم بنام ابراہیم سنہ ۱۹۲۸ء ۶ رنگون ۳۴۳، ۱۱۳ انڈین کیسز ۲۵۵، سنہ ۲۸ اے۔ آر ۳۲۳۔

اور خالد کے نام منتقل کرے۔ دستاویز کی تکمیل زید نے کردی ہے
اور اس کی رجسٹری بھی ہوگئی ہے، مگر نہ عمر، بکر اور خالد نے
اور نہ ان میں سے کسی ایک نے دستاویز (امانت) کی تکمیل
کی اور نہ کوئی جائداد امینوں کے نام منتقل ہوئی، زید بدستور
اس جائداد کے کرائے سے حسب سابق منتفع ہوتا رہا۔ اس
صورت میں نہ امینوں نے امانت کو قبول کیا اور نہ امینوں
کو جائداد پر قبضہ دلا دیا گیا، اس لئے ہبہ کالعدم ہے:
صادق حسین بنام ہاشم علی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲،
۲۱۸ - ۲۲۴، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۲ - ۶۴۸، ۳۶
انڈین کیسز ۱۰۴-]

امینوں کا معاملے میں داخل کرنا صرف ہبہ کی عمل آوری
کا ایک ذریعہ ہے[1]۔ امینوں کا امانت کو قبول کر لینے کا اظہار
ان کے دستاویز امانت کی تکمیل کرنے سے ہوتا ہے۔
تمثیل مذکورۂ بالا میں، امینوں نے کسی دستاویز امانت کی تکمیل
نہ کی تھی، اور اس لیے ان کا امانت کو قبول کرنا ثابت نہ تھا۔
جس طرح موہوب لہ کو براہ راست، ہبہ کرنے کی صورت
میں، یہ امر ضرور ہے کہ واہب جائداد موہوبہ سے اپنا عمل دخل
کلیتہً اٹھالے، اسی طرح اس ہبہ میں بھی ضرور ہے جو امینوں
کے توسط سے کیا جائے۔ اگر واہب ایسا نہیں کرتا، تو ہبہ
ناجائز ہے[2]۔

---

[1]۔ رام چرن بنام فاطمہ بیگم ۱۹۱۵ء ۴۲ کلکتہ ۹۳۳، ۹۳۸، ۳۰ انڈین کیسز ۶۸۶۔
[2]۔ مرزا ہاشم بنام بندا نیم ۱۹۲۸ء ۶ رنگون ۴۳، ۱۱۳ انڈین کیسز ۲۵۵، ۱۹۲۸ء
آل انڈیا رنگون ۳۲۳ [جس میں اس شرط کی وجہ سے کہ امینوں کو بغیر واہب کی رضامندی
کے جائداد کا فروخت کرنا ممنوع تھا ہبہ ناجائز قرار پایا تھا]۔

دفعہ ۱۲۷ غیر منقولہ جائداد کی قبضہ دہی

(۱) جس جائداد غیر منقولہ پر واہب فی الحقیقت قابض ہو ـــــ اس کا ہبہ اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ واہب مع اپنے تمام ساز و سامان کے اس کے حدود سے مادی طور سے خارج، اور موہوب لہ اس پر باضابطہ طور سے داخل اور قابض نہ ہو جائے[1]۔

۲۔ جب جائداد کرایہ داروں کے تصرف میں ہو ـــــ ایسی جائداد غیر منقولہ کا ہبہ جو کرایہ داروں کے تصرف میں ہو، اس طرح تکمیل پاسکتا ہے، کہ واہب کرایہ داروں سے درخواست کرے کہ وہ موہوب لہ کے کرایہ دار بن جائیں[2]۔

۳۔ جب واہب اور موہوب لہ دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہوں ـــــ ایسی جائداد غیر منقولہ کے ہبہ کے واسطے جس میں واہب اور موہوب لہ دونوں بروقت ہبہ ایک ساتھ رہتے ہوں واہب کا مع ساز و سامان کے خارج، اور موہوب لہ کا باضابطہ طور سے داخل ہونا ضرور نہیں۔ ایسی صورت میں ہبہ واہب کے کسی ایسے علانیہ فعل سے کامل ہو جاتا ہے جس سے انتقال قبضہ اور جائداد موہوبہ پر تصرف سے دست برداری کی نیت بصراحت ظاہر ہوتی ہو[3]۔ اس قسم کے سوالات کے تصفیے کا اصول جسٹس ویسٹ نے ایک بمبئی کے مقدمے[4] میں اس طرح بیان کیا تھا کہ "جب کسی شخص کو کسی

---

[1] میگناٹن، صفحہ ۲۳۱، تمثیل ۲۲۔

[2] شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان سنہ ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۴۶، ۱۵۰؛ بی بی خورہ بنام بی بی رقیہ سنہ ۱۹۰۵ء ۲۹ بمبئی ۴۶۸، ۴۷۷؛ کھجور النساء بنام روشن جہاں سنہ ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۷، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱، ۳۰۸۔

[3] شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان سنہ ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۴۶؛ عبد المجید خاں بنام حسینی بو سنہ ۱۹۲۰ء ۲۲ بمبئی لا رپورٹ ۲۲۹، ۵۵ انڈین کیسز ۹۵۲؛ حمیرا بی بی بنام نجم النساء سنہ ۱۹۰۵ء ۲۸ الہ آباد ۱۴۷ (چچی سے بھتیجے کو)؛ بی بی خورہ بنام بی بی رقیہ سنہ ۱۹۰۵ء ۲۹ بمبئی ۴۶۸ (ہبہ بہو اور اس کی اولاد کے نام)؛ کندھت بنام سالیم سنہ ۱۹۰۷ء ۳۰ مدراس ۳۰۵ (ماں سے بیٹی کو)۔

[4] سنہ ۱۸۸۴ء ۹ بمبئی ۱۴۶ گزشتہ۔

مقام کا قبضہ دینا پیش نظر ہو، اور وہ شخص اسی مقام پر موجود ہو تو قابض سابق کے اعلان کر دینے سے شخص مذکور قابض ہو جاتا ہے۔"

تمثیل متعلق بضمن (۳) ——— ایک مسلمان خاتون نے، جس نے اپنے بھتیجے کو بطور فرزند کے پالا تھا، اس کے نام اس مکان کا ہبہ نامہ لکھ دیا جس میں بروقت ہبہ وہ دونوں رہتے تھے۔ واہبہ نے نہ بروقت ہبہ اور نہ اس کے بعد مکان خالی کیا، بلکہ اپنے بھتیجے کے ساتھ بدستور اسی میں مقیم رہی۔ جائداد بھتیجے کے نام منتقل کردی گئی تھی، اور کرایہ اسی کے نام سے وصول ہوتا تھا۔ قرار پایا کہ باوجود باضابطہ طور سے قبضہ نہ دینے کے ہبہ کا عمل صحیح تھا: حمیرا بی بی بنام نجم النسا ۱۹۰۵ء ۲۸ الہ آباد ۱۴۷۔

دفعہ ۱۲۷ الف۔ جائداد غیر منقولہ کا ہبہ زوج کی طرف سے زوجہ کے حق میں ——— جو قاعدہ دفعہ ۱۲۷ کے ضمن (۳) میں بتایا گیا ہے وہ ایسی جائداد غیر منقولہ کے ہبہ سے بھی متعلق ہوتا ہے جو زوجہ زوج کے حق میں[1]، یا زوج زوجہ کے حق میں کرے، خواہ اس جائداد کو وہ دونوں مشترک طور سے بودوباش کے لیے استعمال کرتے ہوں[2]، یا وہ کرائے پر دی گئی ہو[3]۔ اس واقعے سے کہ ہبہ کے بعد زوج نے اسی مکان میں بودوباش رکھی، یا اس کا کرائے وصول کرتا رہا، ہبہ ناجائز نہیں ہو جاتا۔ ایسی صورتوں میں قیاس یہ کیا جاتا ہے کہ جو کرایہ زوج وصول کرتا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنی زوجہ کی طرف سے وصول کرتا ہے[4]۔

---

[1] میگناٹن، صفحہ ۵۱ دفعہ ۹۔

[2] آمنہ بی بی بنام خدیجہ بی بی ۱۸۶۴ء ۱ بمبئی ہائی کورٹ ۱۵۷؛ عزیز النسا بنام ڈالی ۱۸۹۸ء ۶ مدراس ہائیکورٹ ۴۵۵۔

[3] امنا بائی بنام ہاجرہ بائی ۱۸۸۸ء ۱۲ بمبئی ۳۵۲۔

[4] امی بنام قلندر امال ۱۹۲۷ء ۴ انڈین اپیلز ۲۳، ۵ رنگون ۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۳۲، ۱۹۲۷ء

زوج کی طرف سے زوجہ کے حق میں ہبہ —

آمنہ بی بی بنام خدیجہ بی بی، ۱۸۶۴ء ابمبئی ہائی کورٹ ۱۵۷، ۱۶۲ اندکورۂ سابق میں زوج نے اپنی زوجہ کے نام ایک مکان، جس میں وہ دونوں رہتے تھے، اور ایک چوال جو کرائے پر دی گئی تھی ہبہ کی تھی۔ چیف جسٹس سرایم۔ ساسی نے یہ رائے ظاہر کی: کہ ”میری رائے میں، زوج اور زوجہ کے تعلقات، اور زوج کے اپنی زوجہ کے ساتھ رہنے اور اس کی جائداد کا انتظام کرنے کے حق کی بنا پر وہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا جو ہبہ کرنے کے بعد مسلسل بود و باش اور وصول کرایہ سے ایسی صورتوں میں نکالا جاتا جب کہ فریقین میں وہ تعلقات نہ ہوتے جو موجود ہیں“۔ مقدمۂ مائی بنام قلندر امال[1] میں ہبہ زوج کی طرف سے زوجہ کے حق میں تھا، اور سرکاری کاغذات میں باضابطہ طور سے داخل خارج کا عمل ہو کر زوجہ کا نام بحیثیت مالک کے درج ہو چکا تھا۔ اس مقدمے سے بحث کرتے ہوئے پرایوی کونسل کے ججوں نے یہ رائے ظاہر کی: کہ ”یہ امر تسلیم کر لینا چاہئے کہ داخل خارج کا عمل خود محی الدین [زوج] نے کرایا تھا، اور جب ایک مسلمان زوج جائداد غیر منقولہ اپنی زوجہ کے نام ہبہ کرے، اور یہ ثابت ہو جائے کہ داخل خارج کا عمل ہو چکا ہے، تو زوج اور زوجہ کے تعلقات کی بنا پر فطری طور سے یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ زوج نے جائداد کے متعلق جو کارروائی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۲، بتائید مقدمہ ۱۸۶۴ء ابمبئی ہائی کورٹ ۱۵۷، ۱۶۲ گزشتہ؛ محمد صادق بنام فخر جہاں ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱، ۶ لکھنو ۵۵۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۳۸۵، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۳؛ ۱۸۸۸ء ۱۳، ۱۵ ۳، ۳۵۴–۳۵۵، گزشتہ۔

[1] ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۲۳، ۵ رنگون ۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۳۲، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۲۔

اس عمل کے بعد کی وہ من جانب زوجہ تھی نہ کہ خود اپنی طرف سے"
اگر ہبہ نامہ میں یہ بیان ہوا ہو کہ زوج نے زوجہ کو قبضہ دیدیا،
اور ہبہ نامہ زوجہ کے حوالے کر دیا گیا اور وہ اس کے پاس ہے
تو سرکاری کاغذات میں تبدیل نام کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔[۵]

دفعہ ۱۲۸۔ غیر مادی جائداد اور دعاوی قابل نالش میں قبضہ دہی ــــ جب کوئی غیر مادی جائداد یا دعاوی قابل نالش ہبہ کئے جائیں تو واہب کے کسی ایسے فعل سے جس سے بصراحت یہ نیت ظاہر ہوتی ہو کہ وہ فی الفور اپنے آپ کو جائداد سے علٰحدہ کر کے اسے موہوب لہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے، ہبہ کامل ہو جاتا ہے۔

[(الف) سرکاری پرامیسری نوٹ کا ہبہ، تحریر ظہری اور موہوب لہ کو حوالے کر دینے سے کامل ہو جاتا ہے: نواب امجد علیخاں بنام محمدی بیگم ۱۸۶۷ء ۱۱ مدراس انڈین اپیلز ۱۷، ۴۴۵۔

(ب) حقوق زمینداری، عطیۂ سرکار کا ہبہ، کلکٹری کے رجسٹر میں تبدیل نام سے کامل ہو جاتا ہے: سجاد احمد خاں بنام قادری بیگم ۱۸۹۸ء ۱۸ الہ آباد ۱۔

(ج) زید نے کچھ روپیہ ایک بنک میں جمع کرایا اور اس کی رسید لا کر اپنی بیوی کو یہ کہہ کر دی کہ "میں نہانے کے بعد بنک جا کر کاغذ تمھارے نام کرا دوں گا"۔ رسید کے حاشئے پر الفاظ "ناقابل انتقال" درج تھے۔ قبل تبدیل نام کے زید فوت ہو جاتا ہے۔ یہ ہبہ ناکامل ہے: آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی ۱۸۹۷ء ۲۵ کلکتہ ۹، ۱۷۔ رسید کے "ناقابل انتقال" ہونے کی وجہ سے جو حق واہب کو بنک سے رقم وصول کرنے کا تھا

---

[۵] محمد صادق بنام فخر جہاں ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱، ۱۳، ۶ لکھنؤ ۵۵۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۳۸۵، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۳۔

وہ محض رسید کے حوالے کر دینے سے موہوب لہ کی طرف منتقل نہیں ہو جاتا۔

قبضہ دہی کی مختلف صورتوں میں امتیاز کیا جانا چاہیئے:۔
ایک یہ صورت ہے کہ شے موہوبہ کی نوعیت ایسی ہو کہ اس میں موہوب لہ کو حقیقی قبضہ نہ دیا جا سکتا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں موہوب لہ کو ایسا قبضہ دیا جا سکتا ہو۔ جو اراضی پٹے پر دیدی گئی ہو، ظاہر ہے کہ اس کا قبضہ خاص، یعنی، حقیقی قبضہ نہیں دیا جا سکتا، اس صورت میں اراضی کا ہبہ جائز ہے، اگرچہ قبضہ نہ دیا جائے[۱]۔ "اس میں شک نہیں کہ شرع اسلام کا یہ اصول مسلم ہے کہ ہبہ کے جواز کے لیے قبضے کا دیا جانا ضرور ہے، مگر سوال یہ ہے کہ قبضہ کس چیز کا؟ اگر واہب موہوب لہ کو وہ تمام امکانی قبضہ نہیں دیتا جو وہ دے سکتا ہے تو وہ ہبہ یقیناً کامل نہیں ہے۔ ہماری رائے میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، شرع اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو جائداد کے حق کے ہبہ کا مانع ہو۔ واہب کے لیے ضرور ہے کہ جو کچھ وہ موہوب لہ کو دیتا ہے وہ "جہاں تک اس کے امکان میں ہو"، اس کی طرف منتقل کرے، یعنی، وہ حق جو خود اسے حاصل ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ جب کسی جائداد کا حق ہبہ کیا جائے تو وہ ہبہ اس وقت تک جائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ واہب وہ شے نہ منتقل کرے جو خود اس کے قبضے میں نہیں ہے، یعنی، مادی جائداد۔ ہبہ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے اسے "جہاں تک اس کے امکان میں ہو"، اپنے آپ کو شے موہوبہ کی ملکیت سے علٰحدہ کر لینا ضرور ہے"[۲]۔

---

[۱] ملک عبدالغفور بنام ملیکہ ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۱۱۱۲۔
[۲] انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۱۶۵، ۱۷۰-۱۷۱

دفعہ ۱۲۹۔ باپ یا دوسرے ولی کا نابالغ کے نام ہبہ کرنا۔

اگر باپ اپنی کسی نابالغ اولاد یا ولی اپنے وارڈ کے حق میں ہبہ کرے تو اس کے لیے تبدیل قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نیک نیتی سے دینے کا ارادہ ثابت ہونا ضرور ہے[ل]۔

ہدایہ، ۴۸۴؛ بیلی، ۵۳۸؛ میگناٹن، صفحہ ۵۱ دفعہ ۹۔

جب باپ یا دوسرے ولی کا یہ نیک نیتی اور حقیقی طور سے ہبہ کرنا معلوم ہو جاتا ہے، تو قانون تبدیل قبضہ پر زور نہیں دیتا، اور یہ مان لیتا ہے کہ اس کے بعد واہب کا جو قبضہ قائم رہا وہ نابالغ کی طرف سے تھا: امیر النسا بنام عباد النسا سنہ ۱۸۷۵ء ۱۵ بنگال لارپورٹ ۶۷، ۸۷، لارپورٹ ۲ انڈین اپیلز ۸۷، ۱۰۴،

جس ولی کا اس دفعہ میں ذکر کیا گیا ہے، وہ نابالغ کی جائداد کا ولی ہے۔ ایک نابالغ کی جائداد کی ولایت کے مستحق حسب ترتیب مندرجہ یہ لوگ ہیں: یعنی، (۱) باپ (۲) اس کا وصی (۳) دادا (۴) اس کا وصی۔ اگر باپ اپنے نابالغ بیٹے کے حق میں ہبہ کرے تو تبدیل قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ خود باپ اپنے بیٹے کے ولی ہونے کی حیثیت سے اس کی جائداد پر قابض رہنے کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر دادا اپنے نابالغ پوتے کے حق میں ہبہ کرے تو تبدیل قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی، بشرطیکہ پوتے کا

ل۔ امیر النسا بنام عباد النسا سنہ ۱۸۷۵ء ۱۵ بنگال لارپورٹ ۶۷، ۸۷، ۲ انڈین اپیلز ۸۷، ۱۰۴؛ محمد صادق بنام فخر جہاں سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱، ۶ لکھنؤ ۵۵۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۳۸۵ سنہ ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۳ [نیک نیتی ثابت ہوئی]؛ سلطان میاں بنام عجیبہ خاتون بی بی سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۵۵۷، ۱۳۸؛ انڈین کیسز ۳۳۷، سنہ ۳۲ آل انڈیا کیسز ۲۹۷ [نیک نیتی ثابت نہ ہوئی]؛ فاطمہ بی بی بنام احمد بخش سنہ ۱۹۰۴ء ۳۱ کلکتہ ۳۹۹، ۳۳۰؛ خالق بخش بنام مہابیر پرشاد سنہ ۱۹۳۱ء ۶ لکھنؤ ۳۰۴، ۱۲۹ انڈین کیسز ۳۳۵، سنہ ۳۱ آل انڈیا اودھ ۱۹۔

باپ مرگیا ہو، کیونکہ اس صورت میں دادا بحیثیت ولی اپنے نابالغ پوتے کی جائداد پر قبضہ رکھنے کا مجاز ہوگا۔ لیکن اگر باپ زندہ ہے، اور اس کے حقوق و اختیارات ولایت سلب نہیں کر لیے گئے ہیں تو دادا کو چاہیئے کہ جائداد موہوبہ کا قبضہ نابالغ کے باپ کی طرف بحیثیت ولی نابالغ منتقل کرے؛ اگر ایسا نہ ہوگا تو ہبہ کامل نہ متصور ہوگا۔ محض اس واقعے سے کہ نابالغ ہمیشہ اپنے دادا کے پاس رہا اور اس کی پرورش اور پرداخت اسی نے کی ہے، دادا نابالغ کی جائداد کا ولی نہ قرار پائے گا اور نہ اس سے قبضہ دہی کی ضرورت رفع نہ ہو سکے گی[1]

از روئے شرع اسلام ماں اپنے نابالغ بچے کی جائداد کی ولی نہیں ہوتی؛ اس لیئے، اگر ماں اپنے نابالغ بچے کے حق میں ہبہ کرے گی تو اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ جائداد اپنے قبضے سے نکال کر بچے کے باپ کے قبضے میں دیدے، اگر باپ مرگیا ہے تو اس کے وصی کے، اگر کوئی وصی نہ ہو تو بچے کے دادا کے، اور اگر وہ بھی مرگیا ہو تو اس کے وصی کے حوالے کرے۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی شخص بھی موجود نہ ہو تو ایسے ہبہ میں جو ماں اپنے نابالغ بچے یا کوئی دوسرا شخص ایسے نابالغ کے حق میں کرے جو اس کی حفاظت میں ہو کسی تبدیل قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی (دیکھو دفعہ ۱۳۰)

دفعہ ۱۳۰۔ وہ ہبہ جو نابالغ کے حق میں باپ یا ولی کے سوائے کوئی اور شخص کرے —— جو ہبہ نابالغ یا دیوانے کے حق میں باپ یا ولی کے سوائے کوئی اور شخص کرے وہ اس وقت کامل ہوتا ہے جب کہ اس کا

---

[1] موسیٰ میاں بنام قادر بخش ۱۹۲۸ء ۵۵ انڈین اپیلز ۱۷۱، ۲۵ بمبئی ۳۱۶، ۱۰۹ انڈین کیسز ۳۱، ۱۹۲۸ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۰۸۔

قبضہ نابالغ کے باپ یا ولی کی طرف منتقل کردیا جائے۔[۱]

جب موہوب لہ نابالغ یا دیوانہ ہو تو اس کی طرف سے قبضہ کرنے کا حق اس کے ولی کو پہنچتا ہے، جو سب سے پہلے باپ، اس کے بعد باپ کا وصی، پھر دادا، اور دادا کے بعد دادا کا وصی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی شخص بھی نہ ہو، تو نابالغ کی طرف سے وہ شخص قبضہ کر سکتا ہے جس کے اختیار میں اس وقت نابالغ ہو (دیکھو دفعہ ۲۶۲ ب): بیلی، ۵۳۹؛ ہدایہ، ۴۸۴؛ میگناٹن صفحہ ۵۱ دفعہ ۱۰۔ اس صورت میں تبدیل قبضہ کی ضرورت نہیں جبکہ ولی خود واہب ہو (دفعہ ۱۲۹) دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۱۲۹۔

دفعہ ۱۳۱۔ ہبہ بحق امین ——— جب کہ وہ شے جو ہبہ کی جاتی ہے پہلے سے موہوب لہ مثلاً امین کے قبضے میں ہو، تو ہبہ صرف اظہار اور قبول سے بغیر باضابطہ قبضہ دہی کے کامل ہو جاتا ہے۔

(۱) الف) ایسی جائداد کا ہبہ جو امین، پٹہ دار، گرو دار یا رہن دار کے قبضے میں ہو بغیر باضابطہ تبدیل قبضہ کے کامل ہو جاتا ہے: ہدایہ، ۴۸۴؛ بیلی، ۵۲۲۔

(ب) زید نے اپنے ایک ملازم کو جس کے متعلق کرایہ وصول کرنے کا کام تھا ایک مکان ہبہ کر دیا۔ کوئی شہادت ایسی نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ جائداد کے تبدیل قبضہ کے متعلق کوئی علانیہ عمل کیا گیا۔ ہبہ کالعدم ہے، کیونکہ اس ملازم یا مختار کی نسبت جو کرایہ وصول کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ان مکانات پر "قابض" ہے جن کا

---

[۱] موسیٰ میاں بنام قادر بخش حسب سابق؛ حمن بنام حسین ۱۳۹۵ آل انڈیا اودھ ۷، ۱۲۹ انڈین کیسز ۱۶۱ [ہبہ ماموں نے کیا ——— کبھی بھی قبضہ نہیں دیا گیا ——— ناجائز قرار پایا]۔

کرایہ وہ وصول کرتا ہے: ولایت حسین بنام میرن ۱۸۷۹ء ۵ کلکتہ لا رپورٹ ۹۱۔]

دفعہ ۱۳۲۔ مشاع کی تعریف — جائداد منقولہ یا غیر منقولہ میں غیر منقسمہ حصے کو "مشاع" کہتے ہیں۔

دفعہ ۱۳۳۔ مشاع کا ہبہ جب کہ جائداد ناقابل تقسیم ہو — ایسی جائداد مشاع کا ہبہ جائز ہے جو ناقابل تقسیم ہو۔

زید جو ایک گھر کا مالک ہے عمر کو وہ مکان اور ایک زینے کا حق استعمال جو وہ اپنے ایک پڑوسی مکان دار کے ساتھ مشترک طریقے سے کام میں لاتا ہے، ہبہ کرتا ہے۔ زید کا جو غیر منقسمہ حصہ زینے میں ہے، اس کا ہبہ جائز ہے، اگرچہ وہ مشاع کا ہبہ ہے، کیونکہ زینہ ناقابل تقسیم ہے: قاسم حسین بنام شریف النساء ۱۸۸۳ء ۵ الہ آباد ۲۸۵]۔

دفعہ ۱۳۴۔ مشاع کا ہبہ جب کہ جائداد قابل تقسیم ہو — ایسی جائداد مشاع کا ہبہ جو قابل تقسیم ہو، فاسد ہے، باطل نہیں ہے۔ چونکہ ہبہ باطل نہیں بلکہ فاسد ہے، اس لیے اس کی تکمیل و اصلاح تقسیم مابعد اور موہوب لہ کو موہوبہ حصہ حوالے کر دینے سے ہو سکتی ہے۔ اگر ایک مرتبہ قبضہ ہو گیا، اور دستاویز ہبہ کا عمل شروع ہو گیا، تو قبضے کی کسی تبدیل مابعد سے وہ ناجائز نہ قرار پائے گا [تمثیل (الف)]۔

مستثنیات — جائداد مشاع کا ہبہ، اگرچہ وہ قابل تقسیم ہو، بلا تقسیم اور بلا موہوب لہ کو قبضہ دینے کے وقت ہبہ سے مفصلۂ ذیل صورتوں میں جائز متصور ہوتا ہے۔

(۱) جب کہ ہبہ ایک وارث دوسرے وارث کے حق میں کرے [تمثیل (ب)]؛

(۲) جب کہ ہبہ زمینداری یا تعلقداری کے ایک حصے کا ہو [تمثیل (ج)]؛

(۳) جب کہ ہبہ ایسی جائداد قابل ارث کا ہو جو کسی بڑے تجارتی شہر میں واقع ہو [تمثیل (د)]؛

(۴) جب کہ ہبہ اراضی کی کمپنی (لینڈ کمیٹی) کے حصص کا ہو۔[۱]

[(الف) - زید ایک غیر منقسمہ اراضی کا اپنا حصہ عمر کو ہبہ کرتا ہے۔ بروقت ہبہ اس کا حصہ علیحدہ نہیں کیا گیا تھا، مگر بعدہ وہ علیحدہ کر کے عمر کے قبضے میں دیدیا گیا۔ یہ ہبہ اگرچہ ابتدا میں فاسد تھا، مگر بعد کی قبضہ دہی سے جائز ہو گیا: محمد ممتاز بنام زبیدہ جان ۱۸۸۹ء ۱۱ الٰہ آباد ۴۶۰، ۱۶ انڈین اپیلز ۲۰۵؛ محمد بنام گوہر بائی ۱۹۰۷ء ۶ بمبئی لا رپورٹ ۱۰۴۳؛ محب اللہ بنام عبد الخالق ۱۹۰۸ء ۳۰ الٰہ آباد ۲۵۰؛ عبد العزیز بنام فتح محمد ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ۵۱۸، ۹ انڈین کیسز ۶۳۵۔

(ب) ایک مسلمان عورت، ایک ماں، ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرجاتی ہے۔ ماں غیر منقسمہ ترکہ میں اپنا حصہ بطور جائز بیٹے، یا بیٹی، یا دونوں کو مشترکہ طور سے ہبہ کر سکتی ہے: محمد بخش بنام حسینی بی بی ۱۸۸۸ء ۱۵ کلکتہ ۶۸۴، ۱۵ انڈین اپیلز ۸۱۔

(ج) زید، عمر، بکر ایک زمینداری کے حصہ دار ہیں۔ ہر حصے کا سرکاری لگان علیحدہ مقرر ہے، اور کلکٹری کے رجسٹر میں ہر ایک حصے کا جدا نمبر قائم ہے، اور ہر حصہ دار رعایا سے ایک مقررہ لگان وصول کرنے کا مجاز ہے۔ زید بغیر تقسیم زمینداری اپنا حصہ خالد کو ہبہ کر دیتا ہے۔ یہ ہبہ جائز ہے، کیونکہ فی الحقیقت یہ مشاع کا ہبہ نہیں ہے، حصے متعین اور ایک دوسرے سے جدا ہیں: امیر النسا بنام عباد النسا ۱۹۱۵ء

---

[۱] ابراہیم غلام عارف بنام سائبو ۱۹۰۷ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۳۴ انڈین اپیلز ۱۶۷۔

۵ ابی لا رپورٹ ۶۷، ۲ انڈین اپیلز ۸۷، عبد العزیز بنام فتح محمد سنہ ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ۵۱۸، ۹ انڈین کیسز ۶۳۵ ؛ جیون بنام امتیاز سنہ ۱۸۷۸ء ۲ الہ آباد ۹۳ ؛ قاسم بنام شریف النساء سنہ ۱۸۸۳ء ۵ الہ آباد ۲۸۵ ؛ ظہورن بنام عبد السلام سنہ ۱۹۳۰ء ۵ لکھنؤ ۵۹۷، ۱۲۳ انڈین کیسز ۸۵۷، سنہ ۳۰ آل انڈیا او دھ ۱۷۔

(د) زید کا ایک مکان رنگون میں ہے، وہ اس مکان کا تیسرا حصہ عمر کو ہبہ کر دیتا ہے۔ یہ ہبہ جائز ہے، کیونکہ جائداد ایک بڑے تجارتی شہر میں واقع ہے: ابراہیم غلام عارف بنام سائیبو سنہ ۱۹۰۷ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۳۴ انڈین اپیلز ۶۷۔

(ھ) زید ایک تجارتی کوٹھی کا شریک ہے، سرمایۂ شراکت میں اس کا جو حصہ ہے وہ عمر کے حق میں ہبہ کر دیتا ہے۔ یہ ہبہ ناجائز ہے جب تک کہ حصہ الگ کر کے عمر کے حوالے نہ کر دیا جائے: ہدایہ، ۴۸۳ ؛ بیلی، ۵۲۹ - ۵۳۰]۔

ہدایہ، ۴۸۳ - ۴۸۴ ؛ بیلی ۵۲۳ - ۵۳۰۔ "ایسی شے کے ایک جز کا ہبہ جو قابل تقسیم ہو جاناجائز ہے جب تک کہ وہ جز واہب کی جائداد سے تقسیم ہو کر علحدہ نہ کر لیا جائے؛ لیکن ایسی شے کے ایک جز کا ہبہ جائز ہے جو ناقابل تقسیم ہو" وجہ یہ ہے کہ شے کے ناقابل تقسیم ہونے کی وجہ سے "کامل قبضہ ناممکن ہے" اور اس لیے غیر کامل قبضہ بھی کافی مان لیا جاتا ہے، ایسی شے کے متعلق یہی ہو سکتا ہے۔ ہدایہ، ۴۸۲۔

"مشاع" کی اصطلاح لفظ "شیوع" سے نکلی ہے جس کے معنی پراگندگی کے ہیں۔ غیر منقسمہ حصہ "مشاع" کہلاتا ہے کیونکہ اگر جائداد کا غیر منقسمہ حصہ کوئی شریک جائداد کسی اجنبی کے حق میں ہبہ کر دے تو جائداد کے استفادے میں پراگندگی اور پریشانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لیکن اگر ایک

شریک جائداد دوسرے شریک جائداد کے نام ہبہ کردے، تو ایسی کوئی پراگندگی یا پریشانی نہیں پیدا ہو سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایسی جائداد مشاع کے وارثوں میں سے جو قابل تقسیم ہو کسی ایک وارث کا اپنا حصہ کسی اجنبی کو ہبہ کر دینا فاسد، مگر جائداد کے شریک کو ہبہ کر دینا جائز ہے۔

مشاع کا اصول ترقی پذیر تمدن کے مناسب حال نہیں ہے ـــــــ مقدمۂ محمد ممتاز بنام زبیدہ جان میں، جس پر تمثیل الف مبنی ہے پرایوی کونسل کے ججوں نے لکھا: کہ "مشاع میں ناجوازئ ہبہ کا اصول ترقی پذیر تمدن کے بالکل مناسب حال نہیں ہے، اور اسے نہایت سختی کے ساتھ قواعد ہی کے دائرے میں محدود رکھنا چاہئے۔" ججان پرایوی کونسل نے اس اصول کو اس مقدمے میں برتا جو تمثیل (د) میں دیا گیا ہے۔

مشاع کا اصول مدراس میں ـــــــ مدراس ہائیکورٹ کے ایک مقدمے[1] میں، جسٹس بنسن نے یہ قرار دیا کہ مشاع کا اصول مدراس پریسیڈنسی سے غیر متعلق ہے، لیکن ایک بعد کے مقدمے میں یہ طے ہوا کہ وہ نظریہ غلط تھا[2]۔

مشاع کا اصول ان انتقالات سے متعلق نہیں ہے جو بدل کے ساتھ کئے جاتے ہیں ـــــــ جو قاعدہ اس دفعہ میں بیان کیا گیا ہے وہ صرف ہبہ سے متعلق ہے؛ اس کا تعلق ان انتقالات سے نہیں ہے جو بدل کے ساتھ کئے جاتے ہیں[3]۔

---

[1] ۔ الابی کویا بنام موسی کویا سنہ ۱۹۰۱ء ۲۴ مدراس ۵۱۳۔
[2] ۔ وہاج اللہ بنام بویا پتی سنہ ۱۹۰۷ء ۳۰ مدراس ۵۱۹۔
[3] ۔ اشید بائی بنام عبداللہ سنہ ۱۹۰۶ء ۳۱ بمبئی ۲۷۱۔

مشاع کے اصول سے بچنے کی ترکیب (حیلہ)۔
الٰہ آباد ہائی کورٹ نے ایک مقدمے میں یہ لکھا کہ اگرچہ ایسی مشاع جائداد جو قابل تقسیم ہو بطریق جائز ہبہ نہیں ہو سکتی، مگر یہ مشکل، اس ترکیب سے رفع ہو سکتی ہے، کہ واہب اپنا غیر منقسمہ حصہ ایک مقررہ قیمت پر اس شخص کے ہاتھ فروخت کردے جس کے حق میں وہ ہبہ کرنا چاہتا ہے، اور جو قرض اس کی قیمت کی بابت ہوا سے معاف کردے[۵۱]۔ اگر یہ رائے صحیح مان لی جائے، تو ہبہ کی کسی صورت میں بھی قبضہ دہی کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اس طرح کہ واہب جائداد کو موہوب لہ کے ہاتھ فروخت کرنے کا حیلہ کرے اور بعدہ اسے ادائے رقم کی ذمہ داری سے بری کردے۔

شیعوں کا قانون ــــ ان کے یہاں ایسی مشاع جائداد کا بھی ہبہ جائز ہے جو قابلِ تقسیم ہو[۵۲]: بیلی، جلد دوم، ۲۰۴۔

دفعہ ۱۳۵۔ ہبہ دو یا دو سے زیادہ موہوب لہم کے نام ــــ جائداد قابل تقسیم کا ہبہ دو یا اس سے زیادہ موہوب لہم کے نام بغیر تقسیم کے ناجائز ہے، لیکن اگر ہر ایک موہوب لہ جائداد کے اس حصے پر جو اسے دیا گیا ہے قابض ہو جاتا ہے تو وہ ہبہ جائز ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ اس صورت سے متعلق نہیں ہے جو دفعہ ۱۳۴ کے تیسرے استثنا میں بیان کی گئی ہے[۵۳] اور نہ اس کا خیال استثنا کی دوسری صورتوں میں کیا گیا ہے۔

۵۱۔ احمدی بیگم بنام عبدالعزیز ۱۹۲۷ء ۴۹ الٰہ آباد ۵۰۳، ۱۰۰ انڈین کیسز ۴۴۶، ۲۷ آل انڈیا الٰہ آباد ۳۴۵۔

۵۲۔ صادق حسین بنام ہاشم علی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۲۱-۲۲۲، ۳۸ الٰہ آباد ۶۲۷، ۶۴۶، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴۔

۵۳۔ ابراہیم غلام عارف بنام سائبو ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۱، ۳۴ انڈین اپیلز ۱۶۷۔

[زید ایک مکان عمر اور بکر کے نام ہبہ کرتا ہے۔ ہبہ کے وقت جائداد کی کوئی تقسیم نہ ہوئی تھی۔ ہبہ کے بعد عمر اور بکر جائداد کو تقسیم کر کے واہب کی رضامندی سے ہر ایک اپنے حصے پر قابض ہو جاتا ہے۔ کیا یہ ہبہ جائز ہے؟ میگناٹن [صفحہ ۵۰ دفعہ ۷ مقدمہ نمبر ۵] کی رائے کے مطابق، ایسا ہبہ جائز نہیں، اس لیے کہ جائداد کی تقسیم انتقال کے ساتھ ہی ہونی چاہیئے تھی۔ بیلی (صفحہ ۵۲۴) کے نزدیک، "یہ ہبہ ابتدا ہی سے کالعدم نہ متصور ہوگا، اور موہوب لہم کی بعد کی تقسیم سے جائز ہو جائے گا"، اور یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ نیز دیکھو ہدایہ صفحہ ۴۸۵۔]

شیعوں کا قانون —— ان کے قانون کے مطابق دو یا دو سے زیادہ موہوب لہم کے حق میں ہبہ جائز ہے، اگرچہ ہبہ کے وقت یا بعدہ تقسیم عمل میں نہ آئے: بیلی، جلد دوم، ۲۰۵۔

دفعہ ۱۳۶۔ ہبہ بابت آیندہ —— کوئی ایسی شے ہبہ نہیں ہو سکتی جو آیندہ ہونے والی ہو [تمثیلات (الف) و (ب)]، اور نہ اس کا نفاذ کسی آیندہ وقت پر اٹھا رکھا جا سکتا ہے خواہ وہ وقت معین ہو یا غیر معین[1] [تمثیل (ج)]۔

[(الف) زید عمر کو اپنے باغ کے وہ پھل ہبہ کرتا ہے جو اس سال آئیں۔ آیندہ جائداد کے ہبہ ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہے: بیلی، ۵۱۶۔

(ب) ایک مسلمان ایک دستاویز اپنی بیوی اور اس کے وارثوں کے حق میں اس مضمون کی لکھتا ہے کہ فلاں جاگیری مواضع کی آمدنی میں اس کا جو حصہ ہے اس میں سے چار ہزار روپیہ سالانہ ہمیشہ کے لیے اس کی بیوی اور اس کے وارثوں کو

---

[1] چکونی کٹی بنام احمد، ۱۸۸۷ء، ۱۰ مدراس ۱۹۶، ۱۹۹۔

ملا کرے۔ یہ ہبہ کالعدم ہے، کیونکہ وہ مواضع کی آیندہ آمدنی کے ایک جزو کے متعلق ہے: امۃ النسا بنام میر نور الدین ۱۸۹۶ء ۲۲ بمبئی ۴۸۹۔

(ج) زید ایک ہبہ نامہ عمر کے نام ان الفاظ میں لکھتا ہے کہ "جب تک میں زندہ ہوں میں جائداد پر قابض اور اس سے مستفید ہوتا رہوں گا، اور جائداد کو فروخت یا کسی کو ہبہ نہ کروں گا، میرے مرنے کے بعد تم اس کے مالک ہوگے۔" یہ ہبہ کالعدم ہے، کیونکہ اس کے ساتھ قبضہ نہیں دیا گیا ہے، اور اس کا نفاذ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ زید مر نہ جائے: یوسف علی بنام کلکٹر ٹپارا ۱۸۸۲ء ۹ کلکتہ ۱۳۸۔ نیز دیکھو چکونی کٹی بنام احمد ۱۸۸۶ء ۱۰ مدراس ۹۶، صفحہ ۱۹۱۔

(د) زید ایک درگاہ کے چڑھاوے سے ایک معین حصہ پانے کا مستحق ہے۔ زید بطریق جائز اپنے حصے کو ہبہ کر سکتا ہے۔ یہاں جو شے ہبہ کی جاتی ہے وہ "واہب کا درگاہ کی آمدنی کے وصول ہو جانے کے بعد ایک معین حصہ پانے کا حق ہے" (دیکھو دفعہ ۱۲۲)؛ احمد الدین بنام الٰہی بخش ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۴۶۵، ۱۴ انڈین کیسز ۵۸۷؛ انوری بیگم بنام نظام الدین شاہ ۱۸۹۸ء ۲۱ الہ آباد ۱۶۵، صفحہ ۱۷۰-۱۷۱]۔ میگناٹن، صفحہ ۵۰ دفعہ ۳ و ۵؛ بیلی، ۵۱۶۔ جو قاعدہ اس دفعہ میں بیان ہوا ہے وہ اس اصول پر مبنی ہے کہ شے موہوبہ کا بروقت ہبہ موجود ہونا لازم ہے: بیلی، ۵۱۶۔

دفعہ ۱۳۷۔ ہبہ موقوف بوقوع امر دیگر ـــــ ہبہ کا عمل میں آنا (نفاذ) کسی دوسرے امر کے وقوع پر موقوف نہیں رکھا جا سکتا ہے[۱]۔

[۱] میگناٹن، صفحہ ۵۰ دفعہ ۳؛ بیلی، ۵۱۵-۵۱۶؛ عبد الکریم بنام عبد القیوم ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۳۴۲، ۳۴۵۔

"ہبہ کسی امر کے وقوع پر موقوف نہ ہونا چاہیئے مثلاً زید کا دخلہ یا خالد کی آمد" : بیلی ۵۱۵، ۵۱۶ – ۵۴۹، ۵۵۰۔ ایک شیعہ مسلمان زید کو حین حیات کے لیے، اور زید کے بلا اولاد نرینہ چھوڑ کر مرجانے کی حالت میں عمر کے حق میں ایک جائداد ہبہ کرتا ہے۔ عمر کے حق میں جو ہبہ کیا جاتا ہے وہ دوسرے امر کے وقوع پر موقوف ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے[1] پرایوی کونسل کے ایک مقدمے میں ایک شیعہ مسلمان نے کچھ جائداد اپنی بیوی کے حق میں اس کی حیات کے لیے، اور اس کے فوت ہوجانے کے بعد خود اپنی ایسی اولاد کے نام جو اس کی موت کے وقت زندہ ہو، ہبہ کی تھی۔ ججان پرایوی کونسل نے یہ قرار دیا کہ جو ہبہ اولاد کے حق میں کیا گیا ہے وہ دوسرے امر کے وقوع پر موقوف ہے مگر انھوں نے اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق کوئی رائے نہ دی[2]۔ ہبہ علی سبیل البدل کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۰۸ الف۔

دفعہ ۱۳۸۔ ہبہ کسی شرط کے ساتھ (مشروط ہبہ)

جب ہبہ کے ساتھ کوئی ایسی شرط لگا دی جائے جو اس کی تکمیل میں نقص پیدا کرتی ہو تو وہ شرط کالعدم ہے، اور ہبہ کا نفاذ اس طرح ہوگا گویا کہ اس کے ساتھ کوئی شرط نہیں لگائی گئی تھی[3]۔ سنیوں کے قانون کے مطابق، حین حیاتی حقیتوں کے متعلق

---

[1] قاسم علی بنام کریم بھائی سنہ ۱۹۱۱ء ۳۶ بمبئی ۲۱۴، ۲۵۷ – ۲۵۸؛ ۱۲ انڈین کیسز ۲۲۵۔

[2] صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۱۹ – ۲۲۰؛ ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۴۳ – ۶۴۴؛ ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴۔

[3] مقدمۂ نظام الدین بنام عبدالغفور سنہ ۱۸۸۸ء ۱۳ بمبئی ۲۶۴، ۲۷۵؛ جسے پرایوی کونسل میں بحال رہا۔ نامزد شدہ عبدالغفور بنام نظام الدین سنہ ۱۸۹۲ء ۱۷ بمبئی ۱، ۵؛ ۱۹ انڈین اپیلز ۱۷۰، ۱۷۸ [آخیر فیصلے کے لیے دیکھو محمد ابراہیم بنام عبداللطیف سنہ ۱۹۱۳ء ۳۷ بمبئی ۴۴۷، ۴۵۸؛ ۱۷ انڈین کیسز ۶۸۹]؛ سلیمان بنام دراب علی سنہ ۱۸۸۱ء ۸ انڈین اپیلز ۱۱۷، ۱۲۲؛ عبداللہ بنام محمد سنہ ۱۹۰۵ء ۷ بمبئی لا رپورٹ ۳۰۶؛ محمد شاہ بنام افیشل ٹرسٹی بنگال سنہ ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۴۳۱، ۲ انڈین کیسز ۲۹۲۔

دیکھو دفعہ ۴۴ (۱) و (۲) اور جو مقدمات اس کے تحت دئے گئے ہیں۔

حین حیاتی حقیت کا ہبہ ــــــ "ہمارے تمام علما اس امر پر متفق ہیں کہ جب کوئی شخص ہبہ کرے اور اس کے ساتھ کوئی فاسد شرط لگا دے، تو ہبہ جائز اور شرط کالعدم ہوتی ہے: بیلی، ۵۴۶۔ عمری (حین حیاتی) عطا بجز ہبہ اور ایک شرط کے کچھ اور نہیں ہے، اور شرط فاسد ہے، لیکن فاسد شرط کے لگا دینے سے ہبہ کالعدم نہیں ہو جاتا"؛ ہدایہ، ۴۸۹۔

تمثیلات

[(الف) اگر ایک سنی مسلمان یہ کہتا ہے، کہ "یہ محل تیرے لیے عمری (یعنی تیرے حین حیات کے لیے) ہے، اور جب تو مر جائے گا تو وہ میری طرف عود کرے گا" تو ہبہ جائز اور شرط کالعدم ہے: بیلی، ۵۱۰؛ ہدایہ، ۴۸۹۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ محل کی کامل حقیت موہوب لہ کو حاصل ہو جائے گی نہ کہ صرف حین حیات کے لیے۔ یہ ہبہ کا قانونی اثر ہے۔ اسی طرح، اگر ایک مکان زید کو حین حیات کے لیے، اور بعد اس کے مرنے کے عمر کو ہبہ کیا جائے، تو ہبہ کا قانونی اثر یہ ہوگا کہ زید اس کا قطعی مالک ہو جائے گا، اور عمر کو کچھ نہ ملے گا۔ یہی قاعدہ وصیتی ہبہ سے بھی متعلق ہے۔[1]

(ب) زید گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ عمر کے حق میں ہبہ کرتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ عمر ایک مہینے کے بعد ان نوٹوں کا ایک چوتھائی حصہ اسے واپس کر دے۔ شرط کالعدم ہے۔ نوٹ قطعی طور سے عمر کے ہو جائیں گے: دیکھو بیلی، ۵۴۰؛ ہدایہ، ۴۸۸ [یہاں اصل جائداد کے ایک جزو کی واپسی کی

---

[1] عبدالکریم بنام عبدالقیوم ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۳۴۲۔

شرط ہے]۔

(ج) زید ایک مکان عمر کو ہبہ کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اسے فروخت نہ کرے گا، یا یہ کہ وہ اسے فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کرے گا، یا یہ کہ عمر اسے اس مکان کا ایک حصہ عوض میں زید دے گا۔ یہ سب شرطیں کالعدم ہیں، اور عمر مکان کا قطعی مالک ہو جائے گا: بیلی، ۵۴۷؛ نیز دیکھو دفعہ ۱۳۹۔

انتقال کی ممانعت ——— ہبہ میں کامل یا جزی انتقال کی ممانعت کالعدم ہے۔ اگر وہ بالعوض ہو، تو جزی ممانعت جائز ہے، مثلاً یہ قرار دیا جائے کہ جائداد موہوبہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ فروخت کی جائے گی جو کہ واہب یا موہوب لہ کے خاندان کا رکن نہ ہو[1]، لیکن اگر ممانعت کلی ہے تو وہ کالعدم متصور ہوگی۔ دیکھو قانون انتقال جائداد دفعہ ۱۰۔

(د) زید ایک جائداد عمر کو ہبہ کرتا ہے۔ ہبہ نامہ میں یہ شرط ہے کہ عمر اس جائداد کو منتقل نہ کرے گا۔ انتقال کی ممانعت کالعدم ہے، اور عمر کو جائداد کامل حقوق کے ساتھ مل جائے گی: بابولال بنام گھن شام داس سنہ ۱۹۲۲ئہ ۴۴ الہ آباد ۶۳۳، ۶۷ انڈین کیسز ۸۴، سنہ ۲۲ آل انڈیا الہ آباد ۲۰۵]۔

حین حیاتی ہبہ شافعیوں کے قانون کے مطابق ——— حین حیاتی ہبہ شافعیوں کے قانون میں (جو کہ سنیوں کا ایک فرقہ ہے)۔ جائز ہے[2]۔

حین حیاتی ہبہ شیعوں کے قانون میں ———

[1] محمد رضا بنام عباس باندی بی بی سنہ ۱۹۳۲ئہ ۵۹ انڈین اپیلز ۲۳۶، ۳۶ کلکتہ ویکلی رپورٹ ۴۷۷، ۱۳۷ انڈین کیسز ۳۲۱ سنہ ۳۲ئہ الہ آباد پریوی کونسل ۱۵۸۔

[2] محمد ابراہیم بنام عبداللطیف سنہ ۱۹۱۳ئہ ۳۷ بمبئی ۴۴۷، ۴۵۸، انڈین کیسز ۶۸۹۔

شیعوں کے قانون میں حین حیاتی حقیقت تسلیم کی جاتی ہے[۵۰] بیلی نے جلد دوم صفحہ ۲۲۶ پر بیان کیا ہے کہ اگر ایک شخص یہ کہے کہ "میں نے یہ محل تجھے تیری زندگی یا اپنی زندگی تک کے لیے دیدیا" تو یہ ہبہ جائز ہوگا۔ مقابلہ کرو تمثیل (الف) کے ساتھ۔ اور دیکھو دفعہ ۴۴ (۳) اور وہ مقدمات جو اس کے تحت دیے گئے ہیں۔

دفعہ ۱۳۹۔ شرائط از نوع امانت ـــــ جب کوئی جائداد بطریق ہبہ منتقل کی جائے، اور واہب اصل جائداد پر نہ کوئی اختیار، اور نہ کوئی جز اختیارات اپنے لیے محفوظ رکھتا ہو، بلکہ صرف یہ شرط کرتا اور یہ حق حاصل کرتا ہو کہ اس کی مقررہ آمدنی اس کی زندگی تک وہ خود پاتا رہے گا تو یہ ہبہ اور یہ شرط دونوں جایز ہیں۔ ایسی شرط کالعدم نہیں ہے، کیونکہ اس سے جائداد کے کسی جز کا واپس لینا مقصود نہیں ہوتا، جیسا کہ دفعہ ۱۳۸ کی تمثیل (الف) و (ج) میں پیش نظر ہے۔ ایسی شرط کی تعمیل بطور امانتی اقرار، اور وجوب جایز کے کرائی جاسکتی اور وقت مقررہ تک جائداد کی آمدنی مل سکتی ہے۔ نواب امجد علی خاں بنام محمدی بیگم[۵۲] [تمثیل (الف)] کے مقدمے میں جو شیعوں کے متعلق تھا، اور محمد بنام فخر جہاں[۵۳] میں جو سنیوں کے

---

[۵۱] بانو بیگم بنام میر عابد علی سنہ ۱۹۰۸ء ۳۲ بمبئی ۱۷۲؛ سراج الحسن بنام مصطفیٰ حسین سنہ ۱۹۲۱ء اودھ چیف کورٹ ۳۲۱، ۹۴ انڈین کیسز ۵۸۔

[۵۲] سنہ ۱۸۶۷ء ۱۱ مدراس انڈین اپیلز ۱۷، ۱۴۵ ـــ ۱۴۸؛ مرزا ہاشم بنام ابراہیم سنہ ۱۹۲۸ء ۶ رنگون ۳۴۴، ۱۱۳ انڈین کیسز ۲۵۵، سنہ ۲۸ء آل انڈیا رنگون ۳۲۴ [اس میں یہ تجویز ہوئی، کہ واہب نے جائداد پر اختیار سے قطعی دست برداری نہ کی تھی، کیونکہ دستاویز امانت میں ایک شرط یہ تھی کہ امنا جائداد کو بغیر واہب کی منظوری کے فروخت نہ کریں گے، اور اس لیے واہب نے جو حین حیاتی استفادہ اپنے لیے محفوظ رکھا تھا، وہ ناجائز قرار پایا]۔

[۵۳] سنہ ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۹۵، ۲۰۸ ـــ ۲۱۰، ۴۴ الہ آباد ۳۰۱، ۳۱۴ ـــ ۳۱۶، ۶۸ انڈین کیسز ۲۵۴، سنہ ۲۲ء آل انڈیا پراپوی کونسل ۲۸۱۔

متعلق تھا، پرایوی کونسل نے اسی کے مطابق تجویز کی ہے۔

ہندوستان کی عدالتوں نے اس تجویز کے اصول کو توسیع دے کر ان مقدمات میں بھی استعمال کیا ہے جن میں ہبہ اس شرط کے ساتھ کیا گیا تھا کہ موہوب لہ جائداد موہوبہ کی آمدنی کسی ایسے شخص یا اشخاص کو ان کی زندگی بھر دیتا رہے گا جنھیں واہب نامزد کرے [تمثیل (ب) و (ج)]۔

[(الف) زید گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ اپنے بیٹے عمر کے نام تحریر ظہری کے ساتھ منتقل کرتا، اور بطور ہبہ کے اس کے حوالہ کر دیتا ہے، اور شرط یہ کرتا ہے کہ ان کی آمدنی زید کی زندگی تک زید ہی کو ملتی رہے گی۔ ہبہ اور شرط دونوں جائز ہیں، اور عمر پر لازم ہے کہ وہ زید کی زندگی تک ان کی آمدنی اس کو دیتا رہے: نواب امجد علی خاں بنام محمدی بیگم ۱۸۶۷ء ۱۱ مدراس انڈین اپیلز ۵۱۷، ۵۴۷ - ۵۴۸، متعلق بہ اہل تشیع۔ یہی اصول اہل سنت و جماعت سے بھی متعلق ہے: محمد بنام فخر جہاں ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۹۵، ۴۴ الہ آباد ۳۰۱، ۳۸ انڈین کیسز ۲۵۴، ۲۲ آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۸۱۔

(ب) زید اپنا مکان اپنے بیٹے عمر کو ہبہ کرتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ عمر ایک تہائی مکان کی آمدنی زید کے پوتے خالد کو، خالد کی زندگی بھر دیتا رہے۔ ہبہ اور شرط دونوں جائز ہیں، اور عمر پر لازم ہے کہ وہ خالد کو خالد کی زندگی تک آمدنی مذکور دیتا رہے: لالی جان بنام محمد ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۴۷۸، ۱۶ انڈین کیسز ۱۰۵، یہ سنیوں کا مقدمہ ہے۔

(ج) زید کچھ جائداد اپنے بیٹے عمر کو اس شرط کے ساتھ ہبہ کرتا ہے کہ عمر اس کی آمدنی سے چالیس روپے سالانہ خالد کو خالد کی زندگی تک دیتا رہے، اور باقی آمدنی عمر اور بکر میں بکر کی زندگی تک مساوی طور سے تقسیم ہوتی رہے۔ ہبہ اور شرط

دونوں جائز ہیں، اور عمر پر لازم ہے کہ وہ چالیس روپے سالانہ خالد کو دیتا رہے اور بقیہ آمدنی اپنے اور بکر میں بکر کی زندگی تک مساوی طور سے تقسیم کر لیا کرے: توکل بھائی بنام امتیاز بیگم ۱۹۱۶ء ۴۱ بمبئی ۲ ۳۷، ۳۹ انڈین کیسز ۹۶، یہ بھی سنیوں کا مقدمہ ہے۔

(د) ایک مسلمان خاتون بعض غیر منقولہ جائداد اپنے بھتیجوں کے نام بطور ہبہ اس شرط کے ساتھ منتقل کرتی ہے کہ وہ اس کی بسر برد کے لیے نوسو روپے سالانہ اسے دیتے رہیں۔ اور جائداد کے ایک حصے میں بود و باش رکھنے کا حق بھی اپنے لیے محفوظ کر لیتی ہے۔ دستاویز ہبہ نامہ میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر رقم مقررہ برابر نہ ادا ہوتی رہے گی، تو اسے اختیار ہوگا کہ وہ مقدمہ دائر کر کے رقم مذکورہ وصول کر لے۔ یہ ہبہ درست نہیں ہے، کیونکہ نوسو روپے سالانہ کی ادائی اس پر منحصر نہیں کی گئی ہے کہ جائداد کی آمدنی اس کے لیے کافی ہوگی، جیسا کہ تمثیلات (الف)، (ب) اور (ج) میں ہے۔ انتقال کا بدل وہ وعدہ ہے جو ہر صورت میں رقم ادا کرنے کے متعلق کیا گیا ہے: شریف الدین بنام محی الدین ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۷۵۴، ۱۰۵ انڈین کیسز ۶۷، ۲۷ء آل انڈیا کیسز ۸۰۸]۔

نوٹ — تمثیلات (الف)، (ب) اور (ج) میں جو معاملہ ہوا ہے وہ دراصل "ہبہ بشرط عوض" کا ہے جس کے لیے دیکھو دفعہ ۱۴۲ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۱۳۹۔ (الف) ہبہ ترتیبی — اگر ایک جائداد زید اور عمر کے نام مساوی طور سے اس شرط کے ساتھ ہبہ کی جائے، کہ ان میں سے کسی ایک کے نرینہ اولاد چھوڑے بغیر مر جانے کی حالت میں اس کا حصہ دوسرے شخص کو دیا جائے، تو یہ ہبہ شیعوں کے قانون کے

مطابق درست ہے۔[۱]

سنیوں کے قانون کے مطابق، شرط کالعدم ہے؛ زید اور
عمر ہر ایک اپنا حصہ قطعی طور سے پائے گا، اور اس کے مرنے کے بعد
اس کا حصہ اس کے وارثوں کو ملے گا؛ دیکھو دفعہ ۱۳۸۔

دفعہ ۱۴۱۔ تنسیخ ہبہ —— [ضمن ۱] واہب مجاز ہے کہ شے موہوبہ کا قبضہ دینے سے پہلے جس وقت چاہے ہبہ کو منسوخ کر دے۔ وجہ یہ ہے کہ قبضہ دینے سے پہلے ہبہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔

[ضمن ۲] بپابندی احکام ضمن [۴]، ہبہ بعد قبضہ دہی کے بھی منسوخ ہو سکتا ہے، بجز ان صورتوں کے جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

(۱) جب کہ ہبہ زوج زوجہ کے یا زوجہ زوج کے حق میں کرے؛

(۲) جب کہ موہوب لہ کا رشتہ واہب کے ساتھ محرمات کا ہو؛

(۳) جب کہ موہوب لہ مر گیا ہو؛

(۴) جب کہ شے موہوبہ موہوب لہ کے قبضے سے ذریعۂ فروخت،[۲] ہبہ یا اور کسی طریقے سے نکل گئی ہو؛

(۵) جب کہ شے موہوبہ گم یا ضائع ہو گئی ہو؛

(۶) جب کہ شے موہوبہ کی قیمت میں اضافہ ہو گیا ہو، خواہ اس کا کوئی سبب ہو؛[۳]

(۷) جب کہ شے موہوبہ کی ہیئت ایسی بدل گئی ہو کہ وہ شناخت نہ ہو سکتی ہو، جیسے گیہوں پس کر آٹا ہو گئے ہوں۔[۴]

---

[۱] مسماۃ واہب النسا بنام مصحف حسین ۱۹۲۶ء، ۲ لکھنو ۱۸۷، ۹۵ انڈین کیسز ۱۱۳، ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۳۲۸۔

[۲] ولی باندی بنام طیبہ ۱۹۱۹ء، ۴۱ الہ آباد ۵۳۴، ۵۰ انڈین کیسز ۹۱۹؛ مولانی بنام مولا بخش ۱۹۲۴ء، ۴۶ الہ آباد ۲۶۰، ۸۷ انڈین کیسز ۲۲۲، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۳۰۷۔

[۳] ولی باندی بنام طیبہ ۱۹۱۹ء، ۴۱ الہ آباد ۵۳۴، ۵۰ انڈین کیسز ۹۱۹؛ مولانی بنام مولا بخش ۱۹۲۴ء، ۴۶ الہ آباد ۲۶۰، ۸۷ انڈین کیسز ۲۲۲، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۳۰۷۔

[۴] مقبول بنام غفور النساء ۱۹۱۴ء، ۳۶ الہ آباد ۳۳۳، ۲۴ انڈین کیسز ۲۲۵۔

(۸) جب کہ واہب کو ہبہ کے عوض میں کچھ ملا ہو [دفعات ۱۴۱ و ۱۴۲]۔
[ضمن ۳] ہبہ واہب منسوخ کر سکتا ہے، نہ کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث۔
[ضمن ۴] قبضہ دید ینے کے بعد، بجز عدالت کی ڈگری کے، ہبہ کو کوئی اور چیز منسوخ نہیں کر سکتی۔ نہ واہب کا اعلان تنسیخ اور نہ اس کا واپسی کے لیے مقدمہ دائر کرنا تنسیخ ہبہ کے لیے کافی متصور ہوتا ہے۔ جب تک کہ ڈگری نہ ہو جائے، موہوب لہ شئے موہوبہ کے استعمال اور اس کے منتقل وغیرہ کر دینے کا مجاز ہے۔

ہدایہ، ۴۸۵؛ بیلی ۵۳۲-۵۳۷۔ اس کی وجہ کہ سوائے زوج یا زوجہ یا محرمات کے دوسرے اشخاص کے حق میں جو ہبہ کیا جائے وہ منسوخ ہو سکتا ہے، ہدایہ کے صفحہ ۴۸۶ پر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ: "جو ہبہ غیر اشخاص کے حق میں کیا جاتا ہے وہ ایک قسم کا معاوضہ ہے؛ اعلیٰ اور معزز ین کو جو تحفے دینے کا دستور ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ واہب کی سرپرستی اور حفاظت کریں، اپنے سے ادنیٰ اشخاص کو ہبہ کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ واہب ان کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہے؛ ہمدرجہ اشخاص کو ہبہ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ان سے شئے موہوبہ کے مساوی کوئی شئے پائے؛ اس صورت حال سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ، جب تک ہبہ نامہ کے مقاصد پورے نہ ہوں، واہب کو تنسیخ ہبہ کا اختیار رہنا چاہئے، اور ہبہ ایسا عمل ہے جو منسوخ ہو سکتا ہے۔"

جو ہبہ اشخاص مذکورہ [ضمن ۲] کے ذیلی ضمنوں (۱) و (۲) کے حق میں کیا جائے، وہ کسی طرح منسوخ نہیں ہو سکتا، اگرچہ واہب نے بصراحت تنسیخ کا حق اپنے لیے محفوظ رکھا ہو۔ دوسری تمام صورتوں میں ہبہ منسوخ ہو سکتا ہے، بجز اس کے کہ ان حالتوں میں سے جن کا ذکر دفعۂ ہذا کے [ضمن ۲] کے ذیلی ضمنوں (۳) سے لے کر (۸) تک میں کیا گیا ہے، کوئی حالت پیدا ہو جائے۔ اگر

کوئی ایسی حالت پیدا نہیں ہوئی ہے، تو واہب باوجود اس بیان کے بھی کہ وہ ہبہ کو منسوخ نہ کرے گا، اس کے منسوخ کردینے کا مجاز ہوگا۔ وجہ یہ ہے، کہ بجز ان صورتوں کے جن کا ذکر ذیلی ضمنوں نشان (۱) و (۲) میں کیا گیا ہے، ہر ہبہ میں واہب کا اختیار تنسیخ مضمر رہتا ہے[1]۔ اس کا مقابلہ کرو انتقال جائداد کے ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۱۲۶ کے ساتھ، ہرچند وہ مسلمانوں کے ہبہ سے متعلق نہیں ہے۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کا قانون حنفیوں کے قانون سے مفصلۂ ذیل امور میں مختلف ہے:۔

(الف) جو ہبہ کسی ایسے شخص کے حق میں کیا جائے جس سے خون ملا ہو، خواہ وہ محرمات میں ہو یا نہ ہو، بعد قبضہ دہی ناقابل تنسیخ ہے؛

(ب) جو ہبہ زوج زوجہ کے یا زوجہ زوج کے حق میں کرے، وہ مختار رائے کے مطابق منسوخ ہوسکتا ہے (بیلی، جلد دوم ۲۰۵ - ۲۰۶؛

(ج) واہب کے صرف اعلان سے، بغیر کسی عدالتی کارروائی کے، ہبہ منسوخ ہوسکتا ہے [بیلی، جلد دوم صفحہ ۲۰۵، الف - این (۱۰)]۔

دفعہ ۱۴۱۔ ہبہ بالعوض — [۱] ہبہ بالعوض (بمقابلہ خاص (سادہ ہبہ کے) وہ ہبہ ہے جو بدل کے معاوضے میں کیا جائے۔ وہ فی الحقیقت ایک قسم کی بیع ہے، اور اس میں معاہدۂ بیع کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں؛ اس لیے اس میں تکمیل انتقال کے لیے قبضہ دہی کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ خاص ہبہ میں لازم ہے۔ مزید براں اس کے ذریعے سے مشاع جائداد

---

[1] قاسم علی بنام کریم بھائی ۱۹۱۱ء، ۳۶ بمبئی ۲۱۴ - ۲۵۱، ۲۵۶، ۱۲ انڈین کیسز ۲۲۵۔

قابل تقسیم کا حصہ بھی منتقل ہو سکتا ہے، (اگرچہ خاص (سادہ) ہبہ میں ایسا نہیں ہو سکتا[۵۱])
ہبہ بالعوض کے معاملے کی تکمیل اور جواز کے لیے دو شرطوں کا موجود ہونا ضرور ہے:۔
(۱) موہوب لہ کی طرف سے حقیقی طور سے عوض کا ادا کیا جانا؛ (۲) واہب کا
نیک نیتی کے ساتھ فی الفور جائداد موہوبہ کی ملکیت سے دست بردار ہو جانے
اور اسے موہوب لہ کو دیدینے کا ارادہ۔ عوض کا کافی ہونا لازم نہیں ہے؛
اس کی مقدار خواہ کچھ ہو، مگر اس کا حقیقی طور سے اور نیک نیتی کے ساتھ
ادا کیا جانا ضرور ہے۔[۵۲] یہ ہندوستان کا ہبہ بالعوض ہے، اور اس "حقیقی ہبہ بالعوض"
سے مختلف ہے جس سے دفعۂ ہذا کے نوٹ میں بحث کی گئی ہے۔ اسے
ہندوستان کے مسلمان مقننین نے جائداد مشاع قابل تقسیم کے ہبہ کے لیے
رائج کیا ہے۔[۵۳]

[۲] کلکتہ ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ اس نوعیت کا معاملہ
بجز بیع کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا؛ اس لیے، جب اس کا تعلق جائداد غیر منقولہ
سے ہو اور اس کی مالیت ایک سو روپے یا اس سے زیادہ پائی جائے تو حسب احکام
دفعہ ۵۴ ایکٹ انتقال جائداد ۱۸۸۲ء بابت بیوع، اس کا عمل ذریعۂ دستاویز
رجسٹری شدہ[۵۴] ہونا چاہئے؛ اور بیع کی حیثیت سے اس میں حق شفعہ بھی

۵۱۔ بیلی، ۱۲۲-۱۲۳؛ میگناٹن، صفحات ۵۱-۵۲، دفعات ۱۴ و ۱۵؛ ہتیندر سنگھ بنام مہاراجہ دربھنگہ ۱۹۲۸ء
۵۵ انڈین اپیلز ۱۹۷، ۷ پٹنہ ۵۰۰، ۱۰۹، انڈین کیسز ۸۵۸، ۱۹۲۸ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۱۲، شریف الدین
بنام محی الدین ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۷۵۴، ۱۰۵ انڈین کیسز ۶۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۸۰۸، فتح علی بنام محمد
۱۹۲۸ء ۱۰ لاہور ۴۲۸، ۱۹۲۸ء الہ آباد لاء رپورٹ ۵۱۶۔
۵۲۔ کھجور النسا بنام روشن جہاں ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱؛ محمد فیض بنام غلام احمد ۱۸۸۱ء ۳ الہ آباد
۴۹۰، ۸ انڈین اپیلز ۲۵؛ چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۴۳۹، ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸؛ موہن لال
بنام محمد ۱۹۲۲ء ۴۴ الہ آباد ۵۸۰، ۶۷ انڈین کیسز ۶۷، ۱۹۲۲ء آل انڈیا الہ آباد ۳۴۷۔
۵۳۔ بیلی، صفحہ ۳۵۔
۵۴۔ عباس علی بنام کریم بخش ۱۹۰۹ء ۱۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۶۰، ۴ انڈین کیسز ۴۶۶؛ شریف الدین

پیدا ہوتا ہے۔[1]

[(الف) زید اور عمر دو مسلمان بھائی، بعض گانوؤں کے مشترکہ پٹہ دار ہیں۔ زید اپنے بھائی عمر اور خالدہ نامی ایک بیوہ کو چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ زید کے مرنے کے چند روز بعد، عمر ایک دستاویز کے ذریعے سے دو گانوں خالدہ کو دیتا ہے۔ اس دستاویز کی تکمیل کے دو دن بعد مگر اسی کارروائی کے سلسلے میں، خالدہ ایک تحریر لکھ دیتی ہے جس کے ذریعے سے وہ ان دو گانوں کے معاوضے میں جو اسے دیے گئے ہیں، اپنے خاوند کی جائداد کے دعوے سے بحق عمر دست بردار ہو جاتی ہے۔ یہ معاملہ ہبہ بالعوض کا ہے، اور جائز ہے، اگرچہ قبضہ اسی وقت نہ دیا جائے: دیکھو محمد فیض بنام غلام احمد سنہ ۱۸۸۱ء ۳ الہ آباد ۴۹۰، ۸ انڈین اپیلز ۲۵۔

(ب) ایک مسلمان ایک دستاویز کے ذریعے سے اپنی بیوی کو کچھ غیر منقولہ جائداد بمعاوضہ مہر دیتا ہے۔ جائداد پر بیوی کو قبضہ نہیں دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے معاملہ بحیثیت ہبہ بالعوض کے جائز ہے: محمد یوسف بنام پتا مسال سنہ ۱۸۹۹ء ۲۳ مدراس ۷۰۔

(ج) ایک مسلمان خاتون، جو ایک غیر منقولہ جائداد مشاع قابل تقسیم کی شریک ہے، ایک دستاویز کے ذریعے سے اپنا حصہ اپنے دو بھتیجوں کے حق میں اس معاوضے میں ہبہ کرتی ہے کہ وہ اس کی بسر برد کے لیے نو سو روپے سالانہ دیتے رہیں گے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بنام محی الدین سنہ ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۷۵۴، ۱۰۵ انڈین کیسز ۶۷، سنہ ۲۷ آل انڈیا کلکتہ ۸۰۸؛ نیز دیکھو فتح علی بنام محمد سنہ ۱۹۲۸ء ۹ لاہور ۴۲۸، ۴۳۵۔ ۴۳۶، سنہ ۲۸ آل انڈیا لاہور ۵۱۶۔

[1] ستیندر ا ناتھ بنام کلثوم بی بی سنہ ۱۹۳۲ء ۳۶ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۸۶، ۱۲۹ انڈین کیسز ۴۰۳، سنہ ۳۲ آل انڈیا کلکتہ ۶۲۵۔

دستاویز میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اگر بھتیجے برابر رقم نہ دیتے رہیں گے تو اسے نالش کر کے رقم وصول کرنے کا حق حاصل رہے گا۔ دستاویز کی باضابطہ طور سے رجسٹری بھی ہو گئی ہے۔ یہ معاملہ ہبہ کا نہیں ہے مگر جائز ہے، اگرچہ اس میں جائداد متاع منتقل کی گئی ہے: شریف الدین بنام محی الدین ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۷۵۴، ۱۰۵ انڈین کیسز ۶، ۱۹۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۸۰۸۔

معاملے کی حقیقی نوعیت — اگرچہ معاملہ عرضی دعوے میں "ہبہ بالعوض" کا بتایا گیا ہو، مگر مدعی مجاز ہے کہ وہ یہ ظاہر کرے کہ معاملہ فی الحقیقت خاص (سادہ) ہبہ کا تھا، بشرطیکہ یہ عذر کارروائی کی ابتدائی نوبت پر کیا جائے[1]۔

(د) ایک مسلمان دو بھائی اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرجاتا ہے۔ اس کے بعد ہر بھائی وہ حصہ جو اسے متوفی کی جائداد سے ملا ہے بیٹی کے حق میں اس معاوضے میں چھوڑ دیتا ہے کہ دوسرا بھائی بھی ایسا ہی کرے۔ یہ معاملہ ہبہ کا نہیں ہے، ایک بھائی کا اپنے حصے سے دست بردار ہونا دوسرے بھائی کی دست برداری کا معاوضہ ہے، معاملے کے جواز کے لیے بیٹی کو قبضہ دینا ضرور نہیں ہے[2]۔

وہ ہبہ جو "چچا زاد بھائی ہونے کے لحاظ سے کیا جائے" ہبہ بالعوض نہیں متصور ہوتا۔ یہ معاملہ ہبہ خاص (سادہ ہبہ) کا ہے، اور اس ہبہ کو جائز قرار دینے کے لیے قبضہ دینا ضرور ہے[3]۔ اسی طرح ایسا ہبہ جو "دلی محبت سے خدمت کرنے

---

[1] سراج الدین بنام الیسب ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۱۶۱، ۷۰ انڈین کیسز ۲۰۳، ۱۹۲۲ء آل انڈیا کلکتہ ۲۵۸۔
[2] اشید بائی بنام عبداللہ ۱۹۰۶ء ۳۱ بمبئی ۲۷۱۔
[3] جعفر علی بنام احمد ۱۸۶۸ء ۵ بمبئی ہائی کورٹ اپیل کیسز ۳۷۔

اور مہربانی سے پیش آنے اور پرورش کرنے اور ہر قسم کی عنایت اور رعایت کرنے" کے معاوضے میں کیا جائے سادہ ہبہ ہے۔ ہبہ بالعوض نہیں ہے، کیونکہ اس میں کوئی (حقیقی) معاوضہ موجود نہیں، پایا جاتا۔ ایسے ہبہ کے جواز کے لیے بھی قبضہ لازم ہے[1]

معاوضے (بدل) کا کافی ہونا

کھجور النسا بنام روشن جہاں[2] میں جو اس مضمون پر اہم مقدمہ ہے، جوڈیشل پرایوی کونسل نے لکھا کہ: "اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ معاوضے (بدل) کا کافی ہونا مطلق قابل لحاظ نہیں ہے۔ ایسا معاوضہ جو عطا کردہ شے کے مقابلے میں بالکل ناکافی (حقیر) ہو جائز ہو سکتا ہے۔ بعض مقدمات میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ "ایک چھلے کا دینا کافی معاوضہ متصور ہو سکتا ہے"، معاوضے کی مقدار خواہ کچھ ہو، مگر اس کا حقیقی طور سے اور نیک نیتی کے ساتھ ادا ہونا لازم ہے۔" اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہبہ بالعوض میں معاوضہ خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، معاملۂ ہبہ جائز قرار پائے گا، بشرطیکہ معاوضہ مذکور فی الحقیقت اور نیک نیتی کے ساتھ ادا کیا گیا ہو۔ بمبئی کے ایک مقدمے میں، جو مقدمۂ مذکورۂ بالا سے قبل فیصل ہوا تھا، زید نے عمر کو ایک جائداد عطا کی تھی، اور اس کا معاوضہ صرف دس روپے بیان کیا گیا تھا۔ عدالت نے یہ قرار دیا تھا کہ معاوضہ صرف دس روپے ہے، اس لیے یہ معاملہ ہبہ بالعوض کا نہیں سمجھا جا سکتا[3]۔ اب یہ فیصلہ صحیح نہیں مانا جاتا۔

---

[1] رحیم بخش بنام محمد حسن ۱۸۸۸ء ۱۱ الہ آباد ۱۔
[2] ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۷، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱۔
[3] روجابائی بنام اسمعیل ۱۸۷۰ء ۷ بمبئی ہائی کورٹ، او۔سی ۲۷، ۳۰۔

ہبہ بالعوض میں کلام مجید کی ایک جلد کا بطور معاوضہ دینا بھی کافی ہے[1]۔

فوری انتقال کی نیت ——— ایک جائداد موہوب لہ کے حق میں اس شرط کے ساتھ ہبہ کی گئی تھی کہ وہ واہب اور اس کی بیوی کی زندگی تک انھیں کے قبضے اور استفادے میں رہے گی۔ ججان پریوی کونسل نے یہ تجویز کی کہ واہب کی نیت جائداد کو فوراً علیحدہ کرنے کی نہ تھی، اور اس لیے یہ معاملہ ہبہ بالعوض کا نہیں قرار دیا جا سکتا[2]۔

حقیقی ہبہ بالعوض ——— "ہبہ بالعوض" کے لفظی معنی اس ہبہ کے ہیں جس کا معاوضہ دیا جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک "حقیقی ہبہ بالعوض" یعنی وہ ہبہ بالعوض جس کی تعریف قدیم فقہا نے کی ہے؛ دوسرے "ہندوستان کا ہبہ بالعوض"۔ مقدم الذکر میں دو عمل ہوتے ہیں: یعنی (۱) ہبہ، اور اس کے بعد (۲) خود اختیاری اور غیر مشروط معاوضہ، یعنی ایسا معاوضہ جس کے متعلق بر وقت ہبہ کوئی شرط نہ ہوئی ہو۔ موخر الذکر میں صرف ایک ہی عمل ہے، کیونکہ ہبہ کا مستقل معاوضہ معاہدۂ ہبہ میں مضمر ہوتا ہے: بیلی، ۲۲۔ "حقیقی ہبہ بالعوض" میں شے موہوبہ اور عوض دونوں پر ہبہ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ شے موہوبہ اور عوض دونوں پر قبضہ دیا جانا چاہئے، اور دونوں اصول مشاع کے پابند ہیں۔ واہب قبضہ دہی کے بعد، اور عوض کے

---

[1] عباس علی بنام کریم بخش سنہ ۱۹۰۹ء ۱۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۶۰، ۴ انڈین کیسز ۴۶۶۔

[2] چودھری مہدی حسن بنام محمد حسن سنہ ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۴۳۹، ۴۵۳، ۳۳ انڈین اپیلز ۶۸ (اس میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ موہوب لہ کی طرف سے واہب کو کسی معاوضے کا دیا جانا ثابت نہیں؛ موسیٰ آدم پٹیل بنام اسمٰعیل موسیٰ سنہ ۱۹۰۹ء ۱۲ بمبئی لا رپورٹ ۱۶۹، ۱۹۴، ۵ انڈین کیسز ۲۹۶۔

حوالے کئے جانے کے قبل، کسی وقت بھی ہبہ کو منسوخ کر دینے کا مجاز ہوتا ہے [دفعہ ۱۴۰] - مگر عوض کے حوالے ہو جانے کے بعد کوئی فریق اسے منسوخ کر دینے کا مجاز نہیں رہتا - یہ معاملہ دو شخصوں میں دو جداگانہ ہبہ کے افعال سے مرکب ہوتا ہے، ان شخصوں میں سے ہر شخص ایک ہبہ میں واہب اور دوسرے ہبہ میں موہوب لہ قرار پاتا ہے - مثلاً اگر زید ایک انگوٹھی عمر کو ہبہ کر کے اس کے حوالے کر دے، اور اس کے بعد عمر، پہلے سے کسی شرط کے بغیر، اپنی گھڑی زید کو یہ کہہ کر دیدے کہ یہ آپ کی انگوٹھی کا معاوضہ ہے، تو یہ معاملہ حقیقی ہبہ بالعوض کا ہوگا، اور اسے زید اور عمر دونوں میں سے کوئی شخص منسوخ نہ کر سکے گا - لیکن اگر عمر اپنی گھڑی زید کو یہ کہے بغیر دے گا کہ یہ آپ کی انگوٹھی کا معاوضہ ہے، تو معاملہ ہبہ بالعوض کا نہ ہوگا - اس صورت میں یہ معاملہ دو ہبہ کا ہوگا، اور ہر ہبہ کرنے والا اس کی تنسیخ کا مجاز ہوگا [دفعہ ۱۴۰] - برخلاف اس کے اگر زید اپنی انگوٹھی عمر کو یہ کہہ کر دیتا ہے کہ "میں نے یہ انگوٹھی آپ کو اتنے میں دی ہے"، تو یہ "ہندوستان کا ہبہ بالعوض" ہوگا - یہ فی الحقیقت بیع ہے، اور ہبہ بالعوض نہ آغاز میں بیع ہے اور نہ انجام میں[1] -

دفعہ ۱۴۲ - ہبہ بشرط عوض —— جب کوئی ہبہ معاوضے کی شرط کے ساتھ کیا جائے، تو وہ "ہبہ بشرط عوض" کہلائے گا - معاملے کے جواز کے لیے ہبہ بشرط عوض میں بھی سادہ ہبہ کی طرح قبضہ دہی لازم ہے، اور وہ منسوخ بھی ہو سکتا ہے [دفعہ ۱۴۰] - لیکن جب موہوب لہ واہب کو عوض

---

[1] بیلی، ۱۲۲ - ۱۲۳، ۱۴۱ - ۵ ۳ ۴ ۵، رحیم بخش بنام محمد حسن ۱۸۸۸ء ۱۱ الہ آباد ۱؛ شریف الدین بنام محی الدین ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۷۵۴، ۱۰۵ انڈین کیسز ۶۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۸۰۸ -

دیدے تو اس کے بعد وہ ناقابل تنسیخ ہوجاتا ہے[1]۔

ہندوستان کا "ہبہ بالعوض" اور "ہبہ بشرط عوض" میں بڑا فرق یہ ہے، کہ مقدم الذکر میں قبضہ دہی ضرور نہیں ہے، برخلاف اس کے موخر الذکر میں لازم ہے۔

"ہبہ بالعوض" کی جو تعریف قدیم فقہانے کی ہے اس کے لحاظ سے اس میں اور "ہبہ بشرط عوض" میں اہم فرق یہ ہے کہ ہبہ بالعوض میں موہوب لہ جو عوض دیتا ہے وہ اپنی خوشی اور مرضی سے دیتا ہے، ہبہ بشرط عوض میں عوض دینے کا بصراحت تمام فریقین میں اقرار ہوجاتا ہے۔ مقدم الذکر کی تمامتر نوعیت ہبہ کی ہوتی ہے، اس میں از ابتدا تا انتہا بیع کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے موخر الذکر کی ابتدا میں ہبہ کی نوعیت ہوتی ہے، اور جب شے موہوبہ پر موہوب لہ کا، اور عوض پر واہب کا قبضہ ہوجاتا ہے، تو اس کی حیثیت بیع کی ہوجاتی ہے، اور اس لحاظ سے اس سے احکام شفعہ متعلق ہوتے ہیں، اور ہر فریق اس کا مجاز بھی ہوجاتا ہے کہ جو شے اسے ملی ہے اسے وہ کسی نقص کی بنا پر واپس کردے۔ حق شفعہ اور حق واپسی بربنائے نقص، شرع اسلام میں معاہدۂ بیع کی دو خصوصیات ہیں۔ چونکہ ہبہ بشرط عوض کا رواج ہندوستان میں نہیں ہے، اس لیے اس سے مزید بحث بیکار ہے۔ شرع اسلام میں بیع کے جو احکام ہیں، وہ طالب علم کو بیلی کے ڈائجسٹ طبع دوم کی فصل بیع کے دیباچہ صفحات ۷۷۵-۷۸۳ پر ملیں گے۔

دیکھو دفعہ ۱۳۹ کے تمثیلات (الف)، (ب) اور (ج)

---

[1] بیلی، ۵۴۳-۵۴۴؛ ہدایہ، ۴۸۸؛ مغل شاہ بنام محمد صاحب ۱۸۸۷ء ۱۱ بمبئی ۵۱۷ [یہ تجویز کرکے کہ قبضہ لازمی تھا، اس مقدمے کے معاملے کو تجویز میں ہبہ بالعوض کہنا صحیح نہ تھا]۔

اور اس کے نوٹ۔

دفعہ ۱۴۳۔ عاریت ــــ کسی شے کو لینے اور اس سے استفادہ کرنے کی ایسی اجازت جسے دینے والا جب چاہے منسوخ کر سکے، عاریت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔[۱]

ہدایہ، ۴۷۸۔

ہبہ، انتقال ملکیت ہے بغیر بدل (معاوضہ) کے۔ ہبہ بالعوض بدل کے ساتھ انتقال ملکیت ہے۔ عاریت، انتقال ملکیت نہیں، بلکہ عارضی طور سے استفادے کی اس وقت تک کے لیے اجازت ہے جب تک کہ اجازت دینے والے کی مرضی ہو۔ ہبہ بجز خاص صورتوں کے منسوخ ہو سکتا ہے (دفعہ ۱۴۰)۔ ہبہ بالعوض کسی صورت میں منسوخ نہیں ہو سکتا۔ عاریت ہر صورت میں منسوخ ہو سکتی ہے۔

دفعہ ۱۴۴۔ صدقہ ــــ صدقہ وہ عطا ہے جو مذہبی ثواب کے لیے کی جائے۔ ہبہ کی طرح صدقہ بھی فوری قبضہ دہی کے بغیر جائز نہیں ہوتا، اور نہ وہ جائداد متاع قابل تقسیم کے متعلق جائز ہو سکتا ہے [دفعہ ۱۳۴]۔ برخلاف ہبہ کے، صدقہ جب حوالہ کر دئیے جانے سے کامل ہو جاتا ہے تو وہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔ صدقہ دو یا دو سے زیادہ ایسے اشخاص کو دیا جانا جو سب مفلس ہوں، ناجائز نہیں ہے [دفعہ ۱۳۵]۔

بیلی ۴۵۵-۵۵۶؛ ہدایہ ۴۸۹۔ ہبہ اور صدقے کا فرق اس مقصد کے لحاظ سے ہے جس مقصد سے وہ کیا جاتا ہے۔ ہبہ میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ موہوب لہ کے ساتھ اظہار محبت کیا جائے، یا اس کی نظر میں اپنی وقعت یا عزت قائم کی جائے؛ صدقے کا مقصد "خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے"۔ حصول ثواب کے لیے جائداد کا کسی خوش حال کو دینا بھی صدقے میں داخل ہے۔

صدقے اور وقف میں فرق ــــ صدقے کی صورت میں

---

[۱] محمد شفیع بنام غلام احمد سنہ ۱۸۹۸ء ۲۰ الہ آباد ۴۹۰، ۲۵ انڈین اپیلز ۲۵؛ ممتاز النساء بنام طفیل سنہ ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۲۶۴ جس کی صراحت مقدمہ خلیل احمد میں کی گئی ہے، بمقدمہ سنہ ۱۹۰۸ء ۳۰ الہ آباد ۳۰۹؛ محمد صدیق بنام رسالدار سنہ ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۲۱۲، ۱۰۵ انڈین کیسز ۲۲۰ سنہ ۲۶ آل انڈیا اودھ ۳۶۰۔

اصل شے صرف ہو سکتی ہے، وقف کی صورت میں صرف جائداد کی آمدنی صرف میں لائی جا سکتی ہے۔[۱]

دفعہ ۱۴۵۔ ہبہ ایسے مسلمان کا جو مورمکتا یتم قانون کا پابند ہو توازہی یا ترواد ی کے حق میں —— ماں اور اس کی تمام اولاد اور وہ جملہ نسل جو عورتوں سے چلے ”توازہی یا ترواد ی“ ہے۔ وہ ایک قانونی ذات تسلیم کی جاتی ہے، اور اس حیثیت سے جائداد کی مالک ہو سکتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی ایسا مسلمان جو مورمکتا یتم قانون کا پابند ہو، کوئی جائداد اپنی بیوی اور اس کی اولاد کو جن سے ”توازہی“ مرکب ہوتی ہے، ہبہ کر دے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ وہ جائداد پر ان لوگوں کا کس طرح قبضہ اور اس سے کس طرح استفادہ کرانا چاہتا ہے، تو ایسا ہبہ بحق ”توازہی“ متصور ہوگا اور موہوب لہم اس جائداد پر بحیثیت ترواد ی یا توازہی جائداد کے قابض ہوں گے، جس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تقسیم نہ ہو سکے گی۔[۲] جب جائداد زوجہ اور اس کی ایسی اولاد کے حق میں ہبہ کی جائے جو واہب کے صلب سے ہو، باستثنا اس اولاد کے جو شوہر سابق سے ہو، تو یہ ہبہ توازہی کے حق میں نہ متصور ہوگا، اور موہوب لہم جائداد مذکور پر بطور مشترک پٹہ داران مساوی الحصص کے قابض ہوں گے اور ہر حصہ دار کو اپنے حصے کے انتقال کا حق حاصل رہے گا۔[۳]

---
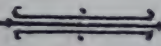
[۱] رامنادھام بنام ابوبکر سنہ ۱۹۱۱ء ۳۴ مدراس ۱۲، ۱۴؛ عبدالشکور بنام ابوبکر سنہ ۱۹۳۰ء ۵۴ بمبئی ۳۵۸، ۲۶۹، ۱۲۷ انڈین کیسز ۱۰۴، سنہ ۳۰ آل انڈیا بمبئی ۱۹۱۔

[۲] کنھاچاما بنام کٹی امامی سنہ ۱۸۹۳ء ۱۶ مدراس ۲۰۱؛ چکرا کنان بنام کنھی پوکر سنہ ۱۹۱۶ء ۳۹ مدراس ۳۱۷، ۳۰ انڈین کیسز ۷۵۵۔

[۳] موئی تیان کٹی بنام عائشہ سنہ ۱۹۲۸ء ۵۱ مدراس ۴۷۵، ۱۱۰ انڈین کیسز ۸۰۴، سنہ ۲۹ آل انڈیا مدراس ۸۷۰۔

دفعہ ۱۴۶ ۔ وقف کی تعریف وقف ایکٹ کی رو سے " وقف سے مراد کسی مسلمان کا اپنی کسی جائداد کو (دفعہ ۱۴۶ ب تا ۱۴۶ ج) دوام کے لئے (دفعہ ۱۴۶ الف) کسی ایسی غرض کے واسطے منتقل کر دینا ہے جو شرع کے مطابق مذہبی یا خیراتی غرض کہی جاسکتی ہو (دفعہ ۱۴۶ د) "

ایکٹ جوازہ وقف علی الاولاد ۱۹۱۳ء کی دفعہ ۲ میں وقف کی تعریف بطریق مذکورۂ بالا کی گئی ہے ۔ یہ ایکٹ معاملات سابقہ پر بھی موثر ہے اور ان تمام اوقاف سے متعلق ہوتا ہے جو ایکٹ مذکور کے نفاذ کے قبل یا بابعد کئے گئے ہوں ۔ جوڈیشل کمیٹی نے ایک مقدمے میں اس تعریف کے متعلق کہا کہ یہ تعریف اس ایکٹ کے مقصد کے لئے کی گئی ہے، اس سے اس کا کامل اور حاوی ہونا لازم نہیں آتا[1]

[1] ۔ ماجی بنام قلندر امل ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۲۳، ۲۷، ۵ رنگون ۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۳۲ ۱۹۲۷ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۲ ۔

وقف کی تعریف حسب فقہائے اسلام۔ وقف کے لفظی معنی "حبس" (روک رکھنے) کے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی رائے کے مطابق "شرعی وقف کسی مخصوص شے کی ملکیت کو واقف کے حق میں روک رکھنا، اور اس کے منافع یا انتفادے کو "محتاجوں پر خیرات میں یا دوسرے حسنات میں" صرف کئے جانے کے واسطے مخصوص کر دینا ہے۔ ان کے دونوں شاگردوں، امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے میں، وقف کے معنی شے موقوفہ سے واقف کی ملکیت کا زائل ہو کر معنوی طریقے سے خدا کی ملکیت میں اس طرح آجانا ہے، کہ اس کا منافع "مخلوق کی طرف رجوع کرے اور اس کے کام آئے"۔ بیلی، ۵۵۰، ۵۵۸۔
دیکھو ہدایہ، ۲۳۱، ۲۳۴،

دفعہ ۱۴۶ الف۔ وقف دوامی ہونا چاہئے۔ وقف کا دوامی ہونا لازم ہے۔ اس لئے اگر وقف ایک معین مدت، مثلاً بیس سال کے لئے کیا جائے، تو وہ جائز نہ ہوگا۔ مزید براں جس مقصد کے لئے وقف کیا گیا ہے اس کی نوعیت بھی دوامی ہونی چاہئے۔
بیلی، ۵۶۵؛ ہدایہ، ۲۳۴۔ نیز دیکھو دفعہ ۱۶۰ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۱۴۶ ب۔ شے موقوفہ۔ ایکٹ وقف کے لحاظ سے "شے موقوفہ" "ہر قسم کی جائداد" ہو سکتی ہے۔ اس لئے نہ صرف جائداد غیر منقولہ بلکہ جائداد منقولہ، کمپنیوں کے حصے گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ، اور زر نقد بطریق جائز وقف کیا سکتا ہے[1]

وقف ایکٹ کے نفاذ سے پہلے کے مقدمات میں، اس معاملے میں اختلاف آرا تھا کہ آیا جائداد منقولہ کا وقف جائز ہے یا نہیں۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس کی ہائی کورٹوں نے اسے ناجائز قرار دیا تھا، جب تک کہ جائداد منقولہ غیر منقولہ کے لوازم سے نہ ہو، مثلاً اراضی زراعت کے ساتھ مواشی اور آلات کشاورزی وغیرہ، یا جب تک جائداد منقولہ کا وقف

[1] ۔ عبد الشکور بنام ابو بکر سنہ ۱۹۳۰، ۵۴ بمبئی ۳۵۸، ۳۶۹ ـ ۳۷۰، ۱۲۷ انڈین کیسز ۴۰۱، سنہ ۳۰ آل انڈیا بمبئی ۱۹۱۔

بربنائے رسم و رواج جاری نہ ہو[1] یہ اس رائے کے مطابق تھا جو خود فقہائے اسلام نے قائم کی تھی: بیلی، ۵۷۰-۵۷۱؛ ہدایہ، ۲۳۴-۲۳۵۔ برخلاف اس کے، الہ آباد ہائی کورٹ نے جائداد منقولہ اور کمپنیوں کے حصوں اور زر نقد تک کے وقف کو ناجائز نہیں قرار دیا تھا[2]۔ اس قسم کے تمام اوقاف وقف کے ایکٹ کی رو سے جائز قرار پائے ہیں۔ حال کے ایک مقدمے میں پرایوی کونسل میں یہ بحث پیش آئی تھی کہ آیا ایکٹ وقف کی رو سے گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹوں کا وقف کیا جانا جائز ہوگا، مگر اس کے تصفیے کی نوبت نہ آئی، کیونکہ وقف کا عمل سالہا سال سے جاری تھا، اور اس بنا پر اس کا جواز (بغیر کسی مزید بحث کے) تسلیم کر لیا گیا[3]۔

دفعہ ۱۴۶ اج۔ جو جائداد وقف کی جائے وہ واقف کی ہونی چاہئے۔ — جو جائداد وقف کی جائے وہ وقف کے وقت واقف کی ملکیت میں ہونی چاہئے[4]۔

بیلی، ۵۶۲۔

مرہونہ یا پٹے پر دی ہوئی جائداد کا وقف۔ — جو جائداد رہن[5] یا پٹے پر دی ہوئی ہو، وہ بطریق جائز وقف ہوسکتی ہے: بیلی، ۵۶۳-۵۶۴۔

جس جائداد کے خریدنے کا واقف نے اقرار کر لیا ہو۔ — جس جائداد پر واقف کا قبضہ بربنائے معاہدۂ بیع ہو گیا ہو، وہ بطریق جائز وقف ہوسکتی ہے، بشرطیکہ بالآخر وہ خرید لی جائے[6]۔

[1] کلثوم بی بی بنام غلام حسین ۱۹۰۵ء کلکتہ ویکلی نوٹس ۹، ۴۴۹؛ فاطمہ بائی بنام غلام حسین ۱۹۰۵ء ۹ بمبئی لا رپورٹ ۱۲۳۷؛ قادر ابراہیم بنام محمد ۱۹۰۹ء ۳۳ مدراس ۱۱۸، ۴ انڈین کیسز ۱۳۶۔

[2] ابو سعید بنام باقر علی ۱۹۰۱ء ۲۴ الہ آباد ۱۹۰۔

[3] محمد صادق بنام فخر جہاں بیگم ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۱، ۱۷-۱۸؛ ۶ لکھنو ۵۵۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۸۵، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۳۔

[4] مسیح الدین بنام بیچا داس ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۶۸، ۱۷۱ انڈین کیسز ۱۴۷۔

[5] شہزادی بنام خواجہ حسین ۱۸۶۹ء ۱۲ ویکلی رپورٹ ۴۹۸؛ جنجیرا بنام محمد ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۳، ۶۷ انڈین کیسز ۹۰۱، ۱۹۲۲ء آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹۔

[6] مسماۃ بسم اللہ بنام محمد علی ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۱۶۲، ۱۰۲ انڈین کیسز ۷۷۔

دفعہ ۱۴۶ ا د ۔ مشاع کا وقف ۔ مشاع یا غیر منقسمہ جائداد کا حصہ، مختار رائے کے مطابق، وقف ہو سکتا ہے، خواہ وہ جائداد قابل تقسیم ہو یا نہ ہو۔

استثنا ۔ مسجد یا قبرستان کے لئے مشاع کا وقف جائز نہیں، خواہ جائداد قابل تقسیم ہو یا نا قابل تقسیم۔

ہدایہ، ۲۳۳؛ بیلی، ۲، ۵۔ مختار رائے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے، امام ابو یوسف کی رائے ہے۔ امام محمد کے نزدیک، ایسی جائداد مشاع کا وقف جو قابل تقسیم ہو جائز نہیں، کیونکہ ان کی رائے میں وقف کے جواز کے واسطے ایک لازمی شرط یہ ہے کہ واقف جائداد پر متولی کا قبضہ کرا دے، دیکھو دفعہ ۱۵۱ جو آگے آتی ہے۔ اگرچہ امام ابو یوسف کی رائے میں جائداد کے قابل تقسیم ہونے کی حالت میں بھی مشاع کا وقف جائز ہے، مگر وہ بھی مشاع کا وقف مسجد یا قبرستان کے لئے جائز نہیں تصور کرتے۔ انھوں نے اس کے دو وجوہ بیان کئے ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ "کسی شے کی ملکیت میں دوسرے شخص کی شرکت خدا کے تنہا حق کے منافی ہے"۔

اس سے جو کچھ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے، کہ ایک مسلمان متوفی کے چند وارثوں میں سے کوئی وارث اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ جائداد غیر منقسمہ میں اپنا حصہ مسجد یا قبرستان کے لئے وقف کر سکے، اگرچہ وہ دوسرے کاموں کے لئے اپنا ایسا حصہ وقف کر سکتا ہے۔ رنگون کے ایک مقدمے میں[1]، ولسن کے اینگلو محمدن لا طباعت ششم کے فقرہ ۳۲۱، اور پریوی کونسل کے مقدمہ محمد ممتاز بنام زبیدہ جان[2] کی تجویز پر بھروسا کر کے یہ قرار دیا گیا، کہ اگر چند وارثوں میں سے ایک وارث تمام جائداد پر قابض ہو جاتا ہے اور اسے مسجد کے فائدے کے لئے

---

[1] عبد الرحیم بنام ماؤنگ متو سنہ ۳۲ آل انڈیا رنگون ۶۵، ۱۳۸ انڈین کیسز ۸۵۱۔

[2] سنہ ۱۸۸۹ء، ۱۱ الہ آباد ۴۶۰، ۱۶ انڈین اپیلز ۲۰۵۔

بغیر دوسرے وارثوں کی رضامندی کے متولیان مسجد کے قبضے میں دیدیتا ہے، تو وقف خود اس کے حصے تک جائز ہوگا۔ جس فقرے کا اوپر ذکر ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں: "لیکن اگر ان مقدمات کے اوقاف جائز ہیں جن کا ذکر نوٹ (۱) میں کیا گیا ہے، تو وہ مساجد اور قبرستانوں کے اہتمام یا تعمیر کے لئے بھی جائز ہوں گے"۔ یہ فقرہ پہلی مرتبہ طباعت ششم میں درج ہوا ہے، اور جن مقدمات کا اس میں ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے مشاع کے وقف سے تعلق رکھتے ہیں جو مساجد یا قبرستان کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لئے تھے۔ پرایوی کونسل کے جس مقدمے کا حوالہ دیا گیا ہے وہ مشاع کے ہبہ کا ہے۔ پس مشاع کا وقف مسجد یا قبرستان کے لئے ان خاص وجوہ سے جو امام ابو یوسف نے بیان فرمائے ہیں ناجائز ہے۔

دفعہ ۱۴۶ا۔ مقاصد وقف ۔ جس مقصد کے لئے وقف کیا جائے اس کے لئے ضرور ہے کہ وہ شرع اسلام میں مذہبی یا خیراتی یا حسنات میں شمار ہوتا ہو (ایکٹ وقف ۲ (۱))۔ وقف واقف کے خاندان، بچوں اور اولاد کے حق میں بھی ہو سکتا ہے (ایکٹ وقف دفعہ ۳)۔

الف۔ وقف کے جائز مقاصد حسب ذیل ہیں:

(۱) مساجد، اور نماز پڑھانے کے لئے ائمہ کی معاش کی غرض سے[1]۔

(۲) مدرسوں اور ان میں پڑھانے کے لئے استادوں کی معاش کے لئے[2]۔

(۳) بند آب، پلوں، اور کاروان سراؤں کے لئے[3]۔

(۴) محتاجوں میں تقسیم خیرات، اور ان کو سفر حج میں امداد کرنے کے لئے[4]۔

---

[1] و [2] بیلی، ۴، ۵۔

[3] و [4] ہدایہ، ۲۴۰۔

(۵) حضرت علی مرتضیٰؓ کی پیدائش کے جشن ولادت کے انعقاد کے واسطے[1]؛

(۶) محرم میں تعزیہ داری[2]، اور محرم میں اونٹوں اور دلدل کا مذہبی جلوس نکالنے کے لئے[3]؛

(۷) امام باڑوں کی ترمیم کے لئے[4]؛

(۸) واقف اور اس کے خاندان کے ارکان کی برسی کرنے کے واسطے[5]؛

(۹) قدم شریف کے مراسم کے لئے[6]

(۱۰) مساجد میں روشنی کے لئے[7]

(۱۱) قرآن خوانی کے لئے مکان میں ہو یا کسی عام مقام پر[8]؛

(۱۲) واقف اور اس کے خاندان کے ارکان کے فاتحہ کے لئے[9]

---

[1] بیباجان بنام کلب حسین ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۱۳۶، ۱ انڈین کیسز ۶۳؛ سید اسمٰعیل بنام حمیدی بیگم ۱۹۲۱ء ۶ پٹنہ لاجرنل ۲۱۸، ۲۳۵-۲۳۶، ۶۲ انڈین کیسز ۵۴۵، ۱۹۲۱ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۲۵؛ حاجی عبدل بنام حاجی حاکم ۱۹۰۳ء ۵ بمبئی لا رپورٹ ۱۰۱۰ [کچھی میمن کا وصیت نامہ]؛ عبدالشکور بنام ابوبکر ۱۹۳۰ء ۵۴ بمبئی ۳۵۸، ۱۲۷ انڈین کیسز ۱۰۴، ۱۹۳۰ء آل انڈیا بمبئی ۱۹۱ [کچھی میمن کا مقدمہ ــــ ہبہ بالوصیت مذہبی کاموں کے لئے]۔

[2] ایضاً

[3] سید علی بنام سید محمد علی ۱۹۲۸ء ۷ پٹنہ ۴۲۶، ۱۹۲۸ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۴۱۔

[4و5] دیکھو مقدمات زیر مد (۵)۔

[6] پھول چند بنام اکبر یار خاں ۱۸۹۶ء ۱۹ الہ آباد ۲۱۱۔

[7] مظہر حسین بنام عبدل ۱۹۱۱ء ۳۳ الہ آباد ۴۰۰، ۹ انڈین کیسز ۳۵۷۔

[8] ایضاً۔

[9] لچھمی پت سنگھ بنام امیر عالم ۱۸۸۲ء ۹ کلکتہ ۱۷۶؛ پھول چند بنام اکبر یار خاں ۱۸۹۶ء ۱۹ الہ آباد ۲۱۱؛ بیباجان بنام کلب حسین ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۱۳۶، ۱ انڈین کیسز ۶۳، صفحہ ۱۳۹ اور رپورٹ؛ مظہر حسین بنام عبدل ۱۹۱۱ء ۳۳ الہ آباد ۴۰۰، ۹ انڈین کیسز ۳۵۷ [جس میں چیف جسٹس اسٹینلی مذبذب رہے]؛ متورا ماناولن بنام ویوا لوائی ۱۹۱۸ء ۴۱ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷، ۴۰ مدراس ۱۱۶، ۱۲۲، ۲۹ انڈین کیسز ۲۳۵۔ نیز دیکھو صالح بھائی بنام صفیہ بو ۱۹۱۲ء ۳۶ بمبئی ۱۱۱، ۱۲۷، ۱۳ انڈین کیسز ۲۰۷۔

(فاتحہ میں متوفی اشخاص کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے دعا کی جاتی ہے، اور محتاجوں کو خیرات تقسیم ہوتی ہے)؛

(۱۳) ان اخراجات کے لئے جو خاندانی مقبرہ، اور رمضان میں افطاری کے متعلق ہوں؛

(۱۴) محتاج رشتہ داروں اور متعلقین کی پرورش کے لئے۔[2]

مفصلۂ ذیل مقاصد کے لئے وقف جائز نہیں:۔

۱۔ ممنوعاتِ شرعی کے لئے، مثلاً گرجا یا دیول کی تعمیر یا نگہداشت کے لئے؛ بیلی، ۶۰۰؛

۲۔ شخصی قبر کی نگہداشت کے لئے، برخلاف مزار بزرگان؛[3]

۳۔ قبروں پر قرآن خوانی اور متوفی کی روح کو ثواب پہنچانے کے دوامی مراسم کے واسطے۔ یہ مدراس ہائیکورٹ کی رائے ہے؛[4] بمبئی ہائی کورٹ نے اس سے اختلاف کیا ہے اقلاً اس حد تک کہ اس کا تعلق ان مراسم سے ہے جو متوفی کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے عمل میں آتے ہیں؛[5]

۴۔ مولوی امیر علی نے اپنی کتاب "اصولِ شرعِ محمدی" [اشاعت چہارم، جلد اول کے صفحہ ۲۷۶] میں یہ رائے ظاہر کی تھی، کہ متعلقین اور ملازمین کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لئے وقف جائز ہے، اس کا اتباع الہ آباد ہائی کورٹ نے کیا۔[6] حال میں ایک پرابوی کونسل کے مقدمے

---

[1] سید علی بنام سید محمد ۱۹۲۶ء، پٹنہ ۴۲۶؛ ۱۹۲۸ء آل انڈیا پرابوی کونسل ۱۴۱۔

[2] مکرم بنام انجمن النساء ۱۹۲۳ء، ۴۵ الہ آباد ۷۲۷؛ ۱۵۲–۱۶۹ انڈین کیسز ۱۳۶؛ ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۲۲۳۔

[3] کا بلیولا بنام نصیر الدین ۱۸۹۴ء، ۱۸ مدراس ۲۰۱۔

[4] ۱۸ مدراس ۲۰۱، مذکورۂ سابق؛ زلیخا بی بی بنام سید زین العابدین ۱۹۰۴ء، ۶ بمبئی لا رپورٹر ۱۰۵۸ [قبروں پر قرآن خوانی]

[5] عبد الشکور بنام ابو بکر ۱۹۳۰ء، ۵۴ بمبئی ۳۵۸، ۳۶۷ — ۳۶۸؛ ۱۲۷ انڈین کیسز ۱۰۸؛ ۱۹۳۰ء آل انڈیا بمبئی ۱۹۱۔

[6] غلام محمد بنام غلام حسین ۱۹۳۲ء، ۵۹ انڈین اپیلز ۷۴، ۸۶، ۵۴ الہ آباد ۹۳؛ ۱۳۶ انڈین کیسز ۸۱؛ ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرابوی کونسل ۸۱۔

میں اسی قسم کی بحث پیش آئی تھی[۱] اور مولوی امیر علی کے فقرۂ مذکورۂ بالا
سے استدلال کیا گیا تھا، مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ بعدہ اس
سے رجوع کر لیا گیا، بورڈ نے لکھا، کہ یہ امر مسلم ہے کہ "جواز وقف کے
ایکٹ نشان ۶ سنہ ۱۹۱۳ء میں غلاموں اور متعلقین کے لئے وقف کئے جانے
کا کوئی انتظام نہیں ہے"۔

دفعہ ۱۴۶ ۔ عدم تعین کی وجہ سے وقف کا کالعدم ہو جانا۔ مقاصد وقف کا تعین کافی صراحت کے ساتھ کیا جانا لازم ہے؛ اگر ایسا نہ ہوگا، تو وقف عدم تعین کی وجہ سے کالعدم ہو جائے گا [دیکھو نوٹ (۱)]۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ مقاصد کا نام بنام ذکر کیا جائے[۲] اور نہ یہ ضرور ہے کہ جب مقاصد کا ذکر کیا جائے تو یہ بھی بتایا جائے کہ ہر مقصد پر کس قدر رقم صرف کی جانی چاہیے[۳] [دیکھو نوٹ (۲)]۔

نوٹ (۱) ۔ انگلستان کے قانون کی رو سے امانت کا مقصد، خواہ وہ شخصی ہو یا عام، تیقن ہونا چاہیے، ورنہ وہ امانت عدم تیقن کی وجہ سے کالعدم ہو جائے گی۔ اس مضمون پر انگلستان کا اہم مقدمہ مورس بنام بشپ اوف ڈرہام[۴] ہے۔ اس مقدمے میں لارڈ ایلڈن نے یہ رائے قائم کی کہ امانت "ایسے خیراتی یا آزادی کے مقاصد کے لئے جنھیں امین سب سے زیادہ پسند کرے"، ایسی مبہم ہے کہ اس کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ قرار پایا کہ جو امانت "خیراتی یا مقاصد حسنہ[۵]"

---

[۱] غلام محمد بنام غلام حسین ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۷۴، ۸۶، ۵۴ الٰہ آباد ۹۳، ۱۳۶ انڈین کیسز ۵۴۸، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۵۱۔

[۲] شیخ رمضان بنام مسماۃ رحمانی ۱۹۳۲ء آل انڈیا اودھ ۱۵۷، ۱۳۵ انڈین کیسز ۳۷۲؛ گنگا بائی بنام تو ار ۱۸۶۳ء ۱ بمبئی ہائی کورٹ آفس سر کلر ۱۷۔

[۳] ننو راما نا ون بنام وادا لوائی ۱۹۱۶ء ۴۴ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۸ ـ ۲۹، ۴۰ مدراس ۱۱۶، ۱۳۹؛ انڈین کیسز ۲۳۵، ۱۹۱۶ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۸۶؛ سید شاہ بنام سید ابی ۱۹۳۲ء ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۳۲۵-۳۲۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۱۷، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۳۳۔

[۴] ۱۸۰۴ء ۱۰ ویسی ۵۲۲۔

[۵] مقدمۂ ریلینڈ ۱۸۸۱ء ویکلی نوٹس ۱۷۳۔

یا "خیراتی یا محبت انسانی کے لئے"[1] یا ان "خیراتی یا مقاصد عامہ کے کاموں کے لئے کی جائے جنھیں میرا ابن مناسب خیال کرے"[2] عدم تعین کی وجہ سے کالعدم ہے۔ اسی اصول کا اتباع کر کے، پرایوی کونسل نے یہ طے کیا ہے کہ ایک ہندو کا ہبہ "دھرم" کے لئے "خیراتی، مذہبی یا محبتِ انسانی"، کے الفاظ کے مساوی ہونے کی بنا پر بوجہ عدم تعین کالعدم ہے[3]۔

مسلمانوں کے مقدمات کو لیجئے، ایک قدیم مقدمے میں ایک مسلمان توجہ نے "دھرم" کے لئے ہبہ بالوصیت کیا تھا، بمبئی کی ہائی کورٹ نے عدم تعین کی بنا پر اسے ناجائز قرار دیا تھا[4]۔ اسی طرح بمبئی کے ایک بعد کے مقدمے میں، ایک مسلمان کا ہبہ بالوصیت "دھرم"، "کھیرات (خیرات) وگیرہ (وغیرہ)" کے لئے، عدم تعین کی بنا پر کالعدم قرار دیا گیا۔ "کھیرات" گجراتی لفظ ہے اور کہا جاتا ہے کہ عربی کے لفظ "خیرات"، کی بگڑی ہوئی شکل ہے عربی میں "خیر"، کے معنی اچھے کے ہیں، اور خیرات کے معنی اچھے کاموں، صدقوں اور نیکیوں کے لئے جاتے ہیں[5]۔ پنجاب کے ایک مقدمے میں وہ وقف جو ایسے خیراتی کاموں کے لئے کیا گیا تھا، جو واقف کے امنا مناسب سمجھیں اور جن سے واقف کو کچھ ثواب پہنچے عدم تعین کی وجہ سے کالعدم قرار پایا[6]۔ الہ آباد کے ایک مقدمے میں یہ طے ہوا کہ جو وقف

---

[1] بمقدمۂ مبکڈف ۱۸۹۶ء ۲ چانسری ۴۶۳۔

[2] بلیر بنام ڈانکن ۱۹۰۲ء آل انڈیا کلکتہ ۳۷؛ گربانڈ بنام گربانڈ ۱۹۰۵ء آل انڈیا کلکتہ ۱۲۴۔

[3] رن چھوڑ داس بنام پروتی بائی ۱۸۹۹ء ۲۳ بمبئی ۷۲۵، ۲۶ انڈین اپیلز ۷۱۔

[4] گنگابائی بنام توار ۱۸۶۳ء ۱ بمبئی ہائی کورٹ آفس نسر کلر ۷۱۔

[5] مریم بی بنام فاطمہ بی ۱۹۲۸ء ۳۱ بمبئی لا رپورٹ ۱۳۵، ۱۱۶ انڈین کیسز ۴۲۲؛ ۲۹ء آل انڈیا بمبئی ۱۲۷۔

[6] شہاب الدین بنام سوہن لال ۱۹۰۷ء پنجاب ریکارڈ نمبر ۷۵۔ نیز ملاحظہ ہو ایڈووکیٹ جنرل بنام ہرمز جی ۱۹۰۵ء ۲۹ بمبئی ۳۷۵۔

"فاتحہ" عدم تعین کی وجہ سے اور "امر خیر" کے لئے کیا جائے جس میں غریب رشتہ داروں اور متعلقین کی پرورش بھی شامل تھی، عدم تعین کی وجہ سے کالعدم نہیں ہے۔[1] لیکن اگر "امر خیر" کے صحیح معنی "نیک" یا "اچھے کاموں" کے ہیں تو وقف عدم تیقن کی بنا پر کالعدم ہونا چاہئے، بجز اس کے کہ یہ کہا جائے کہ جب کوئی مسلمان ایسی جائداد "امور خیر" کے لئے وقف کرتا ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ ایسے کاموں کے لئے وقف کرتا ہے جو "شرع اسلام میں مذہبی نیک یا خیراتی سمجھے جاتے ہیں" جیسا کہ دفعہ ۲ (۱) قانون وقف کا منشا ہے۔

نوٹ (۲) - ایک مسلمان خوجہ کا ہبہ بالوصیت ایک سرمائے کے متعلق، جو انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا اس ہدایت کے ساتھ کہ سرمایہ مذکور "خیرات" میں اس طرح صرف کیا جائے جس طرح میرا مہتمم ترکہ مناسب خیال کرے" عدم تیقن کی بنا پر کالعدم نہیں ہے۔[2] اودھ کے ایک وقف کے مقدمے میں[3] آمدنی کا ایک جز مسجد اور ایک جز مدرسے کے لئے، اور باقی واقف کے وارثوں کو دینے کی ہدایت تھی۔ دستاویز میں اگرچہ یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وارثوں کے ختم ہو جانے کے بعد وہ آمدنی جو ان کے لئے مخصوص کی گئی ہے کس کام میں صرف کی جائے گی لیکن یہ امر صاف طور سے ظاہر تھا کہ آمدنی مذکور کو ایسے امور میں لگانا مقصود تھا جو شرع اسلام میں مذہبی، نیک، یا خیراتی سمجھے جاتے ہیں۔ یہ وقف جائز قرار دیا گیا ہے۔[4]

---

[1] مکرم بنام انجمن النسا ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۲۵۱، ۶۹ انڈین کیسز ۴۳۶، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۲۲۳۔

[2] گنگا بائی بنام توار ۱۸۶۳ء ۱ بمبئی ہائی کورٹ اپیلٹ سرکلر ۷۔

[3] شیخ رمضان بنام مسماۃ رحمانی ۱۹۳۲ء آل انڈیا اودھ ۱۷۱، ۱۳۵ انڈین کیسز ۳۷۲۔

[4] ۱۹۳۲ء آل انڈیا اودھ ۱۷۱، ۱۳۵ انڈین کیسز ۳۷۲، مذکورۂ بالا۔

دفعہ ۱۴۶ الف ۔ مقصد جزءً جائز اور جزءً ناجائز ۔۔۔ جس حالت میں وقف چند مقاصد کے لئے کیا جائے، جن میں سے بعض جائز اور بعض ناجائز ہوں، تو جائز مقاصد کی حد تک وہ صحیح اور ناجائز مقاصد کے لئے غیر صحیح متصور ہوگا؛ اور جائداد کا وہ جز جو ناجائز مقاصد کے لئے وقف کیا گیا ہے، واقف کی طرف عود کرے گا[1]

دفعہ ۱۴۶ ج ۔ اصول تعبیر تقریبی ۔۔۔ جب وقف کی دستاویز سے خیرات کی نیت صریح طور سے ظاہر ہوتی ہو، تو اس وجہ سے وہ باطل نہیں قرار دی جاسکتی، کہ اس کے مقاصد، اگر کچھ بیان کئے گئے ہوں، باقی نہیں رہے۔ ایسی صورت میں آمدنی محتاجوں کے فائدے کے لئے، یا ایسے مقاصد پر صرف کی جائے گی جو فوت شدہ مقاصد کے قریب قریب یا ان کے مماثل ہوں گے[2]

شیعوں کا قانون ۔۔۔ شیعوں میں بھی یہی قاعدہ جاری ہے:

بیلی، جلد دوم ص ۲۱۶۔

دفعہ ۱۴۷ ۔ وہ لوگ جو وقف کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں ۔۔۔ ہر مسلمان جو عاقل اور بالغ ہو اپنی جائداد وقف کرسکتا ہے۔

بیلی، ص ۶۰۰۔ بلوغ کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۰۱، سابق۔

دفعہ ۱۴۸ ۔ وقف کرنے کا طریقہ زیادہ اہم نہیں ہے ۔۔۔ وقف زبانی اور تحریری دونوں طریقوں سے ہوسکتا ہے۔ وقف قائم کرنے کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ بروقت عطا "وقف" کا لفظ استعمال کیا جائے، اگر خود عطا کی عام نوعیت سے اس کا وقف کیا جانا مستنبط ہوتا ہو[3] جہاں صاف طور سے یہ نہ معلوم ہوتا ہو کہ عطا سے وقف

---

[1] منظہر حسن بنام عبدل سنہ ۱۹۱۱، ۳۳ الہ آباد ۴۰۰، ۴۰۶، ۹ انڈین کیسز ۵۳۷۔

[2] کلثوم بی بی بنام غلام حسن سنہ ۱۹۰۵، ۱۰ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۴۹، ۴۸۴ - ۴۸۵؛ صالح بھائی بنام صفیہ بو سنہ ۱۹۱۲، ۳۶ بمبئی ۱۱۱، ۱۲ انڈین کیسز ۲۰۷۔

[3] جیون داس بنام شاہ کبیر الدین سنہ ۱۸۴۰، ۲ مدراس انڈین اپیلز ۳۹۰؛ سالک النسا بنام مطیع احمد سنہ ۱۹۰۳، ۲۵ الہ آباد ۴۱۸ [قانون شیعہ]؛ محمد حمید بنام میاں محمد سنہ ۱۹۲۳، ۵۰ انڈین اپیلز ۹۲، ۱۰۴، ۴ لاہور ۱۵، ۲۸، ۷۷ انڈین کیسز ۱۰۰۹، سنہ ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۳۸۴۔

قائم ہوا یا نہیں، وہاں موقوف لہ اور اس کے جانشینوں کے بیانات، اور ان کا طرز عمل، اور جائداد کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا رہا ہے، ایسے حالات ہیں جو اگرچہ بجائے خود قطعی ثبوت نہ ہوں، مگر قابل لحاظ ضرور ہیں[1]۔

اس کا لحاظ رکھو کہ ایکٹ امانت ہند نشان ۲ بابت ۱۸۸۲ء کے احکام وقف سے متعلق نہیں ہوتے؛ دیکھو ایکٹ مذکور کی دفعہ ۱۔

اگرچہ وقف زبانی کیا جا سکتا ہے، مگر جب عطا کے شرائط ضبط تحریر میں آجائیں، تو اس کے شرائط ثابت کرنے کے لئے کوئی شہادت نہ پیش ہو سکے گی بجز اس کے کہ وہ شہادت خود دستاویز کے ثابت کرنے کے لئے ہو یا اس کے مضمون کی منقولی شہادت ہو[2]۔

دفعہ ۱۴۹ ۔ وقف بحالت زندگی یا بذریعۂ وصیت ہو سکتا ہے ۔۔ وقف بحالت زندگی کسی عمل سے یا وصیت کے ذریعے سے کیا جا سکتا ہے [دفعہ ۱۵۰]۔

جو وقف بذریعۂ وصیت کیا جائے وہ اس شرط کی وجہ سے ناجائز نہیں ہو جاتا کہ اگر واقف کے اولاد پیدا ہو گئی تو وقف کا عمل موقوف رہے گا۔ وجہ یہ ہے کہ موصی کو قانوناً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی وصیت میں جس وقت چاہے تغیر تبدل کرے یا اسے منسوخ کر دے، اس لئے وہ ایسے وقف کو بھی منسوخ کر سکتا ہے جو وصیت نامے کے ذریعے سے کیا گیا ہو اگرچہ اس نے کوئی ایسا صریح اختیار اپنے لئے محفوظ نہ رکھا ہو[3]۔

---

[1] محمد رضا بنام یادگار ۱۹۲۴ء ۵۱ انڈین اپیلز ۱۹۲، ۱۹۵؛ ۵۱ کلکتہ ۴۴۸، ۸۰ انڈین کیسز ۶۴۵، ۱۹۲۴ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۰۹۔

[2] شیخ محمد بنام بی بی مریم ۱۹۲۹ء ۸ پٹنہ ۴۸۴، ۱۱۷ انڈین کیسز ۸۳۴، ۱۹۲۹ء آل انڈیا پٹنہ ۴۱۰۔

[3] محمد احسان بنام عمر دراز ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۶۳۳؛ عبدالکریم بنام شفیع النسا ۱۹۰۶ء ۳۳ کلکتہ ۸۵۳۔

شیعوں کا قانون :- ایک زمانے میں یہ طے ہوا تھا کہ اہل تشیع وصیت کے ذریعے سے وقف نہیں کر سکتے، مگر یہ رائے غلط تھی۔ اب پریوی کونسل سے یہ قرار پاگیا ہے کہ شیعہ بھی وصیت کے ذریعے سے وقف کرنے کے مجاز ہیں[1]۔

دفعہ ۱۵۰۔ وصیتی اور مرض الموت کا وقف :- ایک مسلمان مجاز ہے کہ اپنی کل جائداد وقف کر دے۔ مگر جو وقف، وصیت کے ذریعے سے یا مرض الموت میں کیا جائے گا وہ بغیر وارثوں کی رضامندی کے خالص جائداد کی ایک تہائی سے زیادہ پر نافذ نہ ہوگا۔

ہدایہ، ۲۳۲؛ بیلی، ۶۱۲۔

شیعوں کا قانون :- یہی ان کے یہاں بھی ہے[2]۔ وصیتی وقف اس ہبہ بالوصیت سے زیادہ نہیں ہے جو کسی خیراتی کام کے لئے کیا جائے، ایسے وقف پر وہی قیود عائد ہوتے ہیں جو شخصی ہبہ بالوصیت کے لئے مقرر ہیں (دیکھو دفعہ ۱۴۸ گزشتہ)۔

دفعہ ۱۵۱۔ وقف کی تکمیل کس طرح ہوتی ہے :- (۱) جو وقف بحالت زندگی کیا جائے، وہ حسب مذہب امام ابو یوسف صرف مالک کے اعلان وقف سے کامل ہو جاتا ہے۔ اسی رائے سے کلکتہ[3]، رنگون[4]، بمبئی[5] کی ہائی کورٹوں نے اتفاق کیا ہے۔ امام محمد کے نزدیک، وقف اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ واقف اعلان وقف کے علاوہ کسی شخص کو متولی قرار دے کر جائداد موقوفہ اس کے حوالے نہ کر دے۔ (ہدایہ، ۲۳۲؛ بیلی،

---

[1] باقر علی خاں بنام انجمن آرا بیگم ۱۹۰۲ء ۲۵ الہ آباد ۲۳۶، ۳۰ انڈین اپیلز ۹۴۔
[2] علی حسین بنام فضل ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۴۳۱، ۲۳ انڈین کیسز ۲۹۱۔
[3] دودم جان بی بی بنام عبداللہ باریر ۱۸۲۳ء فلٹن ۳۴۵؛ جنجیرا بنام محمد ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۵-۴۸۸، ۶۷ انڈین کیسز ۷، ۲۲ آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹۔
[4] مانی خن بنام مانگ ہسین ۱۹۲۴ء ۲ رنگون ۴۹۵، ۸۱ انڈین کیسز ۱۶۷، ۲۵ آل انڈیا رنگون ۱۷۔
[5] عبدالرزاق بنام جمبا بائی ۱۹۱۱ء ۱۲ بمبئی لا رپورٹ ۲۹۵، ۳۰۰-۳۰۱، ۱۴ انڈین کیسز ۹۰۸؛ حسین بائی بنام ایڈوکیٹ جنرل آف بمبئی ۱۹۲۰ء ۲۲ بمبئی لا رپورٹ ۸۴۶، ۵۷ انڈین کیسز ۹۹۱۔

۵۵۰)۔ الٰہ آباد ہائیکورٹ نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے[۱]۔

(۲) واقف پہلا متولی خود اپنے آپ کو قرار دے سکتا ہے۔ چونکہ واقف اور متولی دونوں ایک ہی شخص ہوتا ہے، اس لئے حقیقی قبضہ منتقل کرنا ضروری نہیں ہوتا، خواہ مذکورہ بالا دونوں نظریوں میں سے کوئی نظریہ اختیار کیا جائے۔ اور نہ اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ واقف کا نام بحیثیت مالک کے بدل کر بحیثیت متولی کے (سرکاری کاغذات میں) لکھوایا جائے[۲]۔ الٰہ آباد ہائیکورٹ بھی، جہاں امام محمد کا نظریہ اختیار کیا گیا ہے۔ ایسا انتقال ضروری نہیں سمجھتی[۳]۔

نیت ـــــ جس صورت میں نہ وقف کا اعلان کیا گیا ہو اور نہ قبضہ دیا گیا ہو، بلکہ محض جائداد کو خیراتی کاموں کے لئے علٰحدہ کر دینے کی نیت ہو، اس سے وقف قائم نہیں ہوتا اگرچہ جائداد کی آمدنی مقاصد پیش نظر میں صرف کی جاتی رہی ہو[۴]۔

کلکتے کے ایک مقدمے میں[۵] یہ تجویز ہوئی کہ اگر وقف بذریعۂ دستاویز قائم

---

۱ - محمد عزیز الدین بنام لیگل ریممبرینسر ۱۹۱۸ء ۱۵ الٰہ آباد ۳۲۱؛ محمد یونس بنام محمد اسحاق ۱۹۲۱ء ۴۳ الٰہ آباد ۲۸۷، ۶۲ انڈین کیسز ۸۹۶، ۱۹۲۱ء آل انڈیا الٰہ آباد ۱۰۳؛ محمد شفیع بنام عبدل ۱۹۲۷ء ۴۹ الٰہ آباد ۳۹۱، ۹۹ انڈین کیسز ۱۰۵۲، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الٰہ آباد ۲۵۵ -

۲ - عبدالرزاق بنام جیبابائی ۱۹۱۱ء ۱۴ بمبئی لارپورٹ ۲۹۵؛ ۳۰۰، ۱۴ انڈین کیسز ۹۸۰؛ محمد رستم علی بنام مشتاق حسین ۱۹۲۰ء ۴۷ انڈین اپیلز ۲۲۴، ۲۲۷، ۴۲ الٰہ آباد ۶۰۹، ۶۱۲، ۵۷ انڈین کیسز ۳۲۹؛ حسین بھائی بنام ایڈووکیٹ جنرل آف بمبئی ۱۹۲۰ء ۲۲ بمبئی لارپورٹ ۴۴۶، ۵۸ انڈین کیسز ۹۹۱؛ جنجیرا بنام محمد ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۸، ۶۷ انڈین کیسز ۷، ۱۹۲۲ء آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹؛ عبدالجلیل بنام عبیداللہ ۱۹۲۱ء ۴۳ الٰہ آباد ۶۱۶، ۶۲۴، ۶۲ انڈین کیسز ۲۵، ۱۹۲۱ء آل انڈیا الٰہ آباد ۱۶۵؛ محمد زین بنام نور الحسن ۱۹۲۳ء ۴۵ الٰہ آباد ۲۸۶، ۴ انڈین کیسز ۱۴۲، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الٰہ آباد ۱۱۳؛ تفضل بنام مجیداللہ ۱۹۲۴ء ۵ لاہور ۵۹، ۷۹ انڈین کیسز ۱۲۰، ۱۹۲۴ء آل انڈیا لاہور ۴۳۲ -

۳ - ۱۹۲۳ء ۴۵ الٰہ آباد ۲۸۶، ۴ انڈین کیسز ۱۴۲، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الٰہ آباد ۱۱۳، حسب سابق؛ غضنفر بنام احمدی بی بی ۱۹۳۰ء ۵۲ الٰہ آباد ۴۶۸، ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۶۹، ۱۹۳۰ء آل انڈیا الٰہ آباد ۱۶۹ -

۴ - بانو بی بنام نرسنگراو ۱۹۰۷ء ۳۱ بمبئی ۲۵۰ -

۵ - کلثوم بی بی بنام غلام حسین ۱۹۰۵ء ۱۰ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۴۹، ۴۵۴ -

کیا گیا ہو اور اس دستاویز کے مضمون سے اس کا مذہبی یا خیراتی امانت ہونا ظاہر ہوتا ہو، اور اس کی تکمیل قبضہ دہی سے بھی ہو گئی ہو، تو خود واقف یا وہ لوگ جو اس کے ذریعے سے دعویدار ہوں یہ کہنے کے مجاز نہیں ہو سکتے کہ اس وقف پر عمل کرنا مقصود نہ تھا۔ ایک بعد کے مقدمے[1] میں بھی یہ تجویز ہوئی کہ دستاویز اور قبضہ دہی سے اس کے سوائے کچھ اور نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وقف عمل میں آیا، اور اب واقف اور وہ لوگ جو اس کے ذریعے سے دعویدار ہیں اس کے مجاز نہیں ہیں کہ وہ یہ ظاہر کریں کہ دستاویز سے وقف کا عمل میں آنا مقصود نہ تھا، اور وہ محض ایک فرضی کارروائی تھی۔ نیت کے متعلق ہمیشہ شہادت پیش ہو سکتی ہے اگر وقف دستاویز کے ذریعے سے نہیں قائم کیا گیا ہے[2]۔ یا اگر دستاویز سے قائم کیا گیا ہے مگر اس کی عبارت مبہم ہے[3]۔ ایسی صورت میں دائن کو ہمیشہ یہ حق حاصل ہے، کہ وہ یہ ثابت کرے کہ جو وقف کیا گیا ہے وہ دائنین کو فریب دینے کے لئے کیا گیا ہے۔

شیعوں کا قانون۔ شیعوں کے قانون میں وقف بحالت زندگی محض اعلان سے نہیں قائم ہوتا، قبضے کا دیا جانا لازم ہے، بیلی، جلد دوم، ۲۱۲۔ اگر واقف اپنے آپ کو اول متولی قرار دیتا ہے تو قبضہ دہی لازم نہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ وہ اپنا نام جائداد کی ملکیت سے خارج کرا کے بحیثیت متولی کے لکھوائے۔ اگر یہ نہ کیا جائے گا

---

[1] مسعودہ خاتون بنام محمد ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۲ ۴۰ ، ۴۶ ۲ ۴ — ۲۸ ۴ ، ۱۳۳ انڈین کیسز ۶۵ ، ۱۹۳۲ء آل انڈیا کلکتہ ۹۳۔

[2] سالک رام بنام امجد خاں ۱۹۰۶ء الہ آباد ویکلی نوٹس ۱۵۹ : زلیخا بی بی بنام سید زین العابدین ۱۹۰۴ء ۶ بمبئی لا رپورٹ ۸ ۱۰۵ ، ۱۰۶۷۔

[3] کلثوم بی بی بنام غلام حسین ۱۹۰۵ء ۱ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۴۹ ، ۴۸۴۔

تو وقف جائز نہ ہو گا۔[۱]

دفعہ ۱۱۵ الف رجسٹریشن از روئے احکام رجسٹریشن ایکٹ سنہ ۱۹۰۸ء

ایسے وقف نامے کی رجسٹری لازم ہے جس کے ذریعے سے کوئی جائداد غیر منقولہ جس کی قیمت ایک سو یا ایک سو روپے سے زیادہ ہو وقف کی جائے، اگرچہ واقف نے اپنے آپ کو تنہا متولی قرار دیا ہو۔ لیکن ایسے "ٹرسٹی نامے" کی رجسٹری لازم نہیں ہے جس کے ذریعے سے واقف مزید متولی مقرر کرے، بشرطیکہ دستاویز مذکور سے متولیوں کی طرف جائداد کی کسی حقیت کا منتقل کرنا مقصود نہ ہو۔[۲]

ہر وقف نامے، یعنی، ایسی دستاویز سے جس سے وقف قائم ہوتا ہو واقف کی ملکیت جائداد موقوفہ سے زائل ہو جاتی ہے (دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۴۶)، اس لئے رجسٹریشن ایکٹ کی دفعہ ۱۷(۱)(ب) کے مطابق اس کی رجسٹری ہونی چاہئے۔ پریوی کونسل کے مقدمہ محمد رستم علی بنام مشتاق حسین[۳] میں یہ امر تسلیم کر لیا گیا تھا، اور اسی پر دفعہ ہذا (۱۱۵ الف) مبنی ہے۔ اس مقدمے کے واقعات بہ نسبت ۴۷ انڈین اپیلز ۲۲۴ کے ۴۲ الہ آباد ۶۰۹ میں زیادہ تر تفصیل سے دئے گئے ہیں۔ اس میں واقف نے پہلے ایک وقف نامہ لکھا جس میں اس نے اپنے آپ کو پہلا متولی قرار دیا، اور مزید متولیوں کے مقرر کرنے کا اختیار اپنے لئے محفوظ رکھا۔ اس دستاویز کے ذریعے

۱۔ آبادی بیگم بنام کنیز زینب سنہ ۱۹۲۶ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۳، ۶ پٹنہ ۲۵۹، ۹۹ انڈین کیسز ۶۶۹، سنہ ۲۷ آل انڈیا پریوی کونسل ۲، جس میں مقدمہ حامد علی بنام مجاور حسین سنہ ۱۹۰۲ء ۲۴ الہ آباد ۲۵۷ کا اتباع کیا گیا؛ سید علی بنام سید محمد سنہ ۱۹۲۸ء، ۷ پٹنہ ۴۲۶؛ سنہ ۲۸ آل انڈیا پٹنہ ۱۴۴؛ سید علی بنام سید محمد سنہ ۱۹۲۸ء، ۷ پٹنہ ۴۶۸، ۴۷، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۲، سنہ ۲۸ انڈین اپیلز ۳۵۲۔

۲و۳۔ محمد رستم علی بنام مشتاق حسین سنہ ۱۹۲۰ء، ۴۷ انڈین اپیلز ۲۲۴، ۴۲ الہ آباد ۶۰۹، ۵۷ انڈین کیسز ۳۲۹۔

سے اس نے متولیوں کے اختیارات، ان کے فرائض اور ان تعلقات کی جو انھیں جائداد کے ساتھ رہیں گے صراحت کی۔ تین مہینے کے بعد اس نے ایک دوسری دستاویز موسوم بہ "ٹرسٹی نامہ" کی تکمیل کی، جس کے ذریعے سے اس نے مزید متولی مقرر کئے جن میں سے کچھ اس کے ساتھ کام کرنے کے لئے تھے، اور کچھ اس کے مرنے کے بعد۔ تقریباً ایک مہینے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ متولیوں نے جائداد پر قبضہ پانے کے لیے اس کے وارثوں کے مقابلے میں دعوی دائر کیا۔ وقف نامہ کی فی الحقیقت رجسٹری ہوچکی تھی، مگر وارثوں کی طرف سے یہ عذر کیا گیا کہ رجسٹری باضابطہ نہیں ہے کیونکہ رجسٹریشن ایکٹ کی دفعہ ۶۹ کے تحت جو قواعد جاری ہوئے ہیں ان کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ پرایوی کونسل نے قرار دیا کہ رجسٹری باضابطہ طور سے ہوئی ہے۔ "ٹرسٹی نامہ" کی رجسٹری نہیں ہوئی تھی، اس کے متعلق یہ عذر کیا جاتا تھا کہ رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے اس سے متولیوں کو نالش کا حق نہیں پیدا ہوتا۔ مگر یہ دلیل قابل قبول نہ ٹھیری، اور یہ قرار پایا کہ اگر دستاویز ہذا وقف نامے کے ساتھ بھی پڑھی جائے تب بھی اس سے جائداد کو متولیوں کی طرف منتقل کرنا مقصود نہیں ہوسکتا، اس لئے اس کی رجسٹری کی ضرورت نہ تھی۔ اس ضمن میں دیکھو دفعہ ۱۶۳ ب جس میں متولیوں کی حیثیت کی صراحت کی گئی ہے۔

دفعہ ۱۵۲۔ وقف قدیم استعمال کی بنا پر — اگر کوئی اراضی قدیم ایام (قبل از یادِ زمانہ) سے مذہبی اغراض مثلاً بطور قبرستان کے کام میں لائی جاتی رہی ہو، تو وہ اراضی قدیم استعمال کی بنا پر وقف ہے، اگرچہ اس کی شہادت نہ موجود ہو کہ وہ ابتداءً کب اور کس طرح اس مقصد کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔[1]

[1] کورٹ آف وارڈز بنام الٰہی بخش ۱۹۱۲ء، ۴۰ کلکتہ ۲۹۷، ۱۷ انڈین اپیلز ۱۸، ۱۱ انڈین کیسز ۸۴۷؛ مہراج دین غلام ۱۹۲۱ء، ۲ لاہور ۵۴۰، ۳۴۷؛ ۱۱ انڈین کیسز ۹۲۳، ۳۱ء آل انڈیا ۶۰۷۔

قبرستان — جو اراضی عام قبرستان کے طور پر کام میں لائی جاتی ہو وہ وقف ہے، اور اس وجہ سے ناقابلِ انتقال ہے، اگرچہ بسبب حکم سررشتۂ بلدیہ اب اس کا اس کام میں لایا جانا موقوف ہو گیا ہو[1]۔ دیکھو بیلی، ۶۲۲۔

دفعہ ۱۵۳۔ تنسیخ وقف — وصیتی وقف، یعنی، ایسا وقف جو وصیت کے ذریعے سے کیا گیا ہو، واقف کی موت سے پہلے ہر وقت منسوخ کیا جا سکتا ہے[2]۔ دیکھو دفعہ ۱۴۹۔

وصیتی وقف، اس ہبہ بالوصیت سے زیادہ نہیں ہے جو کسی مذہبی یا خیراتی کام کے لئے کیا جائے، اس لئے وہ دوسرے ہبہ کی طرح منسوخ ہو سکتا ہے۔ دیکھو دفعہ ۱۰۹ سابق۔ جو وقف مرض الموت میں کیا جائے اس کی بھی یہی حالت ہے[3]: دیکھو ۱۴۱ سابق۔

(۲) اگر غیر وصیتی وقف کرنے کے وقت، واقف تنسیخ وقف کا حق اپنے لئے محفوظ کر لے، تو وہ وقف جائز نہیں ہے[4]۔

دفعہ ۱۵۳ الف۔ اشخاص مستحق استفادہ کو بدل دینے اور ان کے حصول کو بڑھانے یا گھٹانے کا اختیار — واقف مجاز ہے کہ وہ وقف کرتے وقت، اشخاص مستحق استفادہ میں، رد و بدل کرنے (خواہ وہ ان کی تعداد میں اضافے سے ہو یا بعض کے اخراج سے) اور ان کے حصوں میں کمی و زیادتی کرنے کا اختیار اپنے لئے محفوظ کر لے[5]۔

---

[1] عبد الغفور بنام رحمت علی سنہ ۳۰ آل انڈیا اودھ ۲۴۵، ۱۲۲ انڈین کیسز ۳۲۶۔

[2] محمد احسان بنام عمر دراز ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۶۳۳۔

[3] سید عبد اللہ بنام سید زین ۱۸۸۹ء ۱۳ بمبئی ۵۵۵، ۵۶۰۔

[4] فاطمہ بی بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی ۱۸۸۲ء ۶ بمبئی ۴۲، ۵۰؛ آسو بائی بنام نور بائی ۱۹۰۶ء ۸ بمبئی لا رپورٹ ۲۴۵، ۲۵۰ — ۲۵۱؛ پاتھو کٹی بنام اوٹھالا کٹی ۱۸۹۰ء ۱۳ مدراس ۶۶، ۷۳ — ۷۴؛ آشنا بی بی بنام ادال جاوی ۱۹۱۷ء ۴۴ کلکتہ ۶۹۸، ۷۰۲/۳، ۴۴ انڈین کیسز ۸۰۸؛ عبد الستار بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی ۱۹۳۳ء ۳۵ بمبئی لا رپورٹ ۱۸۰۱۔

[5] مائی گھن بنام مانک بیاں ۱۹۲۴ء ۲ رنگون ۴۹۵، ۸۸ انڈین کیسز ۶۷۱، سنہ ۲۵ آل انڈیا رنگون ۱۰۷؛ عبد الوہاب بنام مسماۃ صغرا سنہ ۳۲ آل انڈیا الہ آباد ۴۲، ۱۳۶ انڈین کیسز ۶۱۹۔

البتہ وہ حصوں میں ایسی کمی نہیں کر سکتا جس کی بنا پر وہ جائداد کا کوئی جزو واپس لے سکے۔ اور نہ اسے یہ اختیار ہے کہ وہ جائز مقصد کی بجائے کوئی ناجائز مقصد قرار دے، کیوں کہ اس کا اثر جائداد کے اس جز کا جو ناجائز مقصد کے لئے مخصوص کیا جائے گا واپس لے لینا ہوگا۔

دفعہ ۱۵۴۔ ایسا وقف جو کسی واقعے کے وقوع پر منحصر ہو ناجائز ہے ــــ وقف کے جواز کے لئے لازم ہے کہ وہ کسی واقعے کے وقوع پر منحصر نہ کیا گیا ہو۔

ایک مسلمان زوجہ نے اپنی جائداد اپنے شوہر کے نام امانۃً اس غرض سے منتقل کی کہ وہ اس کی آمدنی سے اس کی اور اس کی اولاد کی پرورش کرے، اور جب اس کی اولاد بالغ ہو جائے تو جائداد اس کے حوالے کر دے، اور اگر وہ بغیر اولاد کے مرجائے، تو جائداد کی آمدنی بعض مذہبی کاموں میں صرف ہو۔ یہ وقف جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ تملیک کنندہ کے بغیر اولاد مر جانے کے واقعے پر منحصر ہے۔ یا تھوکٹی بنام آوانجھا لاکٹی ۱۸۸۸ء ۱۳ مدراس ۶۶؛ قاسم علی بنام کریم بھائی ۱۹۱۱ء ۳۶ بمبئی ۲۱۴، ۲۵۸، ۱۲ انڈین کیسز ۲۲۵؛ بیلی، ۵۶۴۔

شیعوں کا قانون ــــ شیعوں کا بھی یہی قانون ہے[۱]؛ بیلی جلد دوم ۲۱۸۔

دفعہ ۱۵۵۔ واقف کے حین حیاتی استفادہ کا تحفظ ــــ (۱) حنفی قانون کے لحاظ سے، موقوفہ جائداد کی آمدنی میں سے واقف نہ صرف اپنے نفقے کے لئے

---

[۱] سعیدہ بی بی بنام مغل جان ۱۹۰۲ء ۲۴ الہ آباد ۲۳۱۔ پریوی کونسل کی اس ضمنی تجویز کے بعد جو بمقدمہ باقر علی خان بنام انجمن آرا بیگم ۱۹۰۲ء ۲۵ الہ آباد ۲۳۶ میں صادر ہوئی مقدمہ مقدمۃ الذکر کے اصلی فیصلے کی تائید نہیں کی جا سکتی۔

انتظام کرسکتا ہے، بلکہ اگر وہ چاہے تو اپنی زندگی بھر[1] جائداد کی کل آمدنی لے سکتا ہے۔

(۲) **واقف کے دیون کی ادائی** ـــــ حنفی قانون کے مطابق واقف مجاز ہے کہ جائداد وقف کی آمدنی سے اپنے دیون کے ادا کئے جانے کا انتظام کرسکے[2]۔

یہ امر ۱۹۱۳ء کے ایکٹ وقف کے نفاذ سے قبل بھی مسلم تھا، اب اسی کا ایکٹ مذکور کی دفعہ ۳ ضمن (ب) میں اعادہ کردیا گیا ہے۔ دیکھو دفعہ ۱۶۱ جو آگے آتی ہے۔

(الف) ایک مسلمان حنفی عورت اپنا مکان اپنے شوہر کے نام بطور امانت منتقل کرتی ہے اس غرض سے کہ اس کی آمدنی تاحین حیات اسے دی جاتی رہے، اور اس کے مرنے کے بعد سے کل آمدنی مذکور کسی مذہبی کام میں لگائی جائے۔ یہ وقف جائز ہے اگرچہ اس خیراتی امانت کا نفاذ اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ امانت کنندہ کی موت نہ واقع ہو[3]۔ ہدایہ، ۲۳۷۔ ایسا وقف شیعوں کے یہاں جائز نہیں، دیکھو "شیعوں کا قانون"، جس کی صراحت آگے کی جائے گی۔

(ب) ایک حنفی مسلمان ایک وقف نامہ کی تکمیل کرتا ہے جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جائداد موقوفہ کی آمدنی اور منافع سے اس کے

---

[1] دوو م جان بی بی بنام عبداللہ ۱۸۳۸ء فلٹن کی رپورٹ ۳۴۵: فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی ۱۸۸۱ء ۶ بمبئی ۴۲، ۵۱ ـ ۵۲؛ قاسم علی بنام کریم بھائی ۱۹۱۲ء ۳۶ بمبئی ۲۱۴، ۱۲ انڈین کیسز ۲۵؛ محمد زین بنام نور الحسن ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۲۰۸، ۷۴، انڈین کیسز ۲۴۱، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۱۱۳؛ مائی مکھن بنام مانگ سین ۱۹۲۴ء ۲ رنگون ۴۹۵، ۸۸ انڈین کیسز ۱۶۷؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا رپورٹر ۱۷۔

[2] لچھمی پت بنام امیر عالم ۱۸۸۲ء ۹ کلکتہ ۱۷۶؛ جنجیرا بنام محمد ۱۹۲۲ء ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۳، ۶۷ انڈین کیسز ۷۷، ۱۹۲۲ء آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹ [مقدمہ زیرِ وقف ایکٹ]

[3] دیکھو وہ مقدمات جو دفعہ ہٰذا کے ضمن اول کے تحت درج ہیں۔

دیون ادا کئے جائیں۔ یہ وقف صحیح[1] جایز ہے۔ مگر شیعوں کے قانون میں جائز نہیں؛ دیکھو "شیعوں کا قانون"، جو آگے آتا ہے۔]

وقف بغرض فریب دہی دائنان ـــــ جو وقف دائنوں کو محروم رکھنے یا انہیں فریب دینے کے لیئے کیا جائے وہ دائنوں کی رائے سے قابلِ انفساخ ہے[2]۔

واقف کی بود و باش کا انتظام ـــــ وقف کی جائداد میں واقف کے تا حینِ حیات بود و باش رکھنے کا انتظام بظاہر ناجایز نہیں ہے[3]۔

شیعوں کا قانون ـــــ حنفیوں کے قانون کے مطابق، واقف مجاز ہے کہ موقوفہ جائداد کا استفادہ اپنی زندگی تک اپنے لئے محفوظ کرلے۔ شیعوں کے قانون میں، وقف اس وقت تک جائز نہیں ہوسکتا جب تک کہ واقف جائداد موقوفہ کی ملکیت اور اس کے ہر قسم کے استفادے سے وقف کرتے ہی، دست بردار نہ ہوجائے[4]۔ اس لئے اس قانون کے مطابق واقف اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ جائداد موقوفہ کی آمدنی یا اس کے کسی جز کو اپنے حینِ حیاتی استفادہ کے لئے محفوظ رکھے: بیلی، جلد دوم، ۲۱۸ - ۲۱۹ - الہ آباد کی ہائیکورٹ نے یہ طے کیا ہے، کہ اگر واقف کل آمدنی اپنے لئے محفوظ کرتا ہے، تو وقف کلیتہً کالعدم ہے؛ لیکن اگر اس کا ایک جز محفوظ کرتا ہے، مثلاً، ایک تہائی، تو جائداد کی ایک تہائی کا وقف کالعدم، اور باقی دو تہائی کا وقف جائز

---

[1] لچھمی پت بنام امیر عالم ۱۸۸۲ئ ۹ کلکتہ ۱۷۶؛ جنجیرا بنام محمد ۱۹۲۲ئ ۴۹ کلکتہ ۴۷۷، ۴۸۳، ۶۷ انڈین کیسز ۲۲، ۱۹۲۹ئ آل انڈیا کلکتہ ۴۲۹ [مقدمۂ زیرِ وقف ایکٹ]

[2] بسم اللہ بیگم بنام تحسین علی ۱۹۳۰ئ ۵۲ الہ آباد ۱۰۱۴، ۱۲۴ انڈین کیسز ۲۲۷، ۱۹۳۰ئ آل انڈیا الہ آباد ۴۶۲ -

[3] دیکھو مقدمۂ محمد شفیع بنام محمد عبدل ۱۹۲۷ئ ۴۹ الہ آباد ۳۹۱ صفحہ ۳۹۵، ۹۹ انڈین کیسز ۱۰۵۲، ۱۹۲۷ئ آل انڈیا الہ آباد ۲۵۵ -

[4] علی رضا بنام سانول داس ۱۹۱۹ئ ۴۱ الہ آباد ۳۴۴، ۴۸ انڈین کیسز ۲۱۳ -

متصور ہوگا[1]۔ پرایوی کونسل کے ججوں نے حال کے ایک مقدمے میں اس کے خلاف بہت سخت رائے کا اظہار کیا ہے، یعنی، یہ کہ اگر واقف آمدنی کا ایک جز بھی اپنے حین حیات کے لئے محفوظ کرتا ہے تو وقف کلیتہً ناجایز ہوگا[2]۔ مگر وقف نامہ میں یہ لکھا جانا ناجایز نہ ہوگا کہ واقف جب تک متولی کی طرح کام کرے گا وہ اس تنخواہ کا مستحق ہوگا جو دستاویز میں مناسب طریقے سے متولی کے لئے عام طور سے مقرر کی گئی ہے[3]۔ شیعوں کے قانون کے مطابق، اگرچہ واقف اپنے لئے کوئی حین حیاتی حقیت نہیں محفوظ کرسکتا، مگر دوسرے شخص مثلاً اپنی بیوی کے لئے ایسا کرسکتا ہے[4]۔

شیعوں کے قانون میں، وہ وقف بھی جائز نہیں، جس میں واقف کے ذاتی دیون کا ادا کیا جانا قرار دیا گیا ہو۔ مگر ایسے دین کے ادا کئے جانے کا انتظام کیا جاسکتا ہے جس کا بار کفالتہ جائداد موقوفہ پر ہو، دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے، کہ ایک شیعہ بھی سینول کی طرح جائداد مرہونہ بطریق جایز وقف کرسکتا ہے[5]:

بمبئی، جلد دوم ۲۱۶ — ۲۱۹۔

---

[1] حاجی کلب بنام محرم بی بی ۱۸۸۲ء ۸ نارتھ ویسٹرن پروونسز ۱۵۵؛ حامد علی بنام مجاور حسین ۱۹۰۲ء ۲۴ الہ آباد ۲۵۷۔

[2] آبادی بیگم بنام کنیز زینب ۱۹۲۶ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۳، ۶ پٹنہ ۲۵۹، ۹۹ انڈین کیسز ۶۶۹، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۔

[3] ۱۹۲۶ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۳، ۶ پٹنہ ۲۵۹، ۹۹ انڈین کیسز ۶۶۹۔ ۱۹۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲ حسب سابق۔

[4] محمود حسن بنام عمر دراز ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۶۳۳۔

[5] مشرف بیگم بنام سکندر ۱۹۲۶ء ۴۵ الہ آباد، ۴، ۹۴ — ۵۰؛ ۱۱۱ انڈین کیسز ۴۳۵، ۱۹۲۸ء آل انڈیا الہ آباد ۱۶۶ جس میں مقدمہ حامد علی بنام مجاور حسین ۱۹۰۲ء ۲۴ الہ آباد، ۲۵۷، ۲۶۳ کی توضیح کی گئی ہے۔

دفعہ ۱۵۶۔ جائداد موقوفہ منتقل نہیں ہوسکتی — جو جائداد وقف کی جائے وہ بجز ان صورتوں کے جن کا ذکر دفعات ۱۹۸، اور ۱۹۹ میں کیا گیا ہے منتقل نہیں ہوسکتی[1]

ہدایہ، ۲۳۱، ۲۳۲؛ بیلی، ۵۵۸ — ۵۶۰۔

دفعہ ۱۵۷۔ جائداد موقوفہ کی قرقی — متولی کے ذاتی قرضے میں جائداد وقف بہ تعمیل ڈگری قرق اور فروخت نہیں ہوسکتی[2] اور نہ تعمیل میں اس کا کرایہ اور منافع ضبط ہوسکتا ہے۔

دفعہ ۱۵۸۔ مقدمہ اس امر کے استقرار کے لئے کہ جائداد موقوفہ ہے — اس امر کے استقرار کے لئے کہ وہ جائداد موقوفہ ہے ہر ایسا مسلمان جسے جائداد وقف سے کوئی تعلق ہو، ایڈوکیٹ جنرل کی منظوری کے بغیر مقدمہ دائر کرسکتا ہے۔ ضابطۂ دیوانی کی دفعہ ۹۲ سنہ ۱۹۰۸ کے احکام ایسے مقدمے سے متعلق نہیں ہوتے دفعہ مذکور انھی مقدمات سے متعلق ہے جن میں وہ داد رسی چاہی جاتی ہے جس کا ذکر اس دفعہ میں ہوا ہے[3]

تملیک خاندانی بطریق وقف

وقف ایکٹ کی تاریخ — آیندہ مضمون کو سمجھنے کے لئے، وقف

---

[1] عبدالرحیم بنام نراین داس سنہ ۱۹۲۳، ۵۰ انڈین اپیلز ۸۴، ۵۰ کلکتہ ۳۲۹، ۷۱ انڈین کیسز ۶۴۶، سنہ ۲۳ آل انڈیا پریوی کونسل ۴۴۔

[2] بشن چند بنام نادر حسین سنہ ۱۸۸۷، ۱۵ کلکتہ ۳۲۹، ۱۵ انڈین اپیلز ۱؛ متو رامانادن بنام داولوائی سنہ ۱۹۱۷، ۴۴ انڈین اپیلز ۲۰، ۴۰ مدراس ۱۱۶، ۳۹ انڈین کیسز ۲۳۵؛ شاہ محمد بنام محمد سنہ ۱۹۲۷، ۲ لکھنؤ ۱۰۹؛ ۱۰۰ انڈین کیسز ۱۴۲، سنہ ۲۷ آل انڈیا اودھ ۱۱۳؛ محمد اسمٰعیل بنام محمد سنہ ۱۹۲۱، ۴۳ الہ آباد ۵۰۸، ۶۲ انڈین کیسز ۹۰۴، سنہ ۲۱ آل انڈیا الہ آباد ۲۲۔

[3] عبدالرحیم بنام محمد برکت علی سنہ ۱۹۲۸، ۵۵ انڈین اپیلز ۹۶، ۵۵ کلکتہ ۵۱۹، ۱۰۸ انڈین کیسز ۳۶۱، سنہ ۲۸ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۶۔

دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، یعنی (۱) عام اور (۲) خاص یا خانگی۔ عام وقف وہ ہے جو عام مذہبی یا خیراتی مقاصد کے لئے کیا جائے۔ خاص یا خانگی وقف وہ ہے جو واقف کے خاندان اور اس کی اولاد کے لئے کیا جائے، یہ "وقف علی الاولاد" کہلاتا ہے۔ ایک زمانے میں یہ خیال کیا گیا تھا کہ جائز وقف کے قائم ہونے کے لئے جائداد کا کلیتہً عبادت الہی یا کسی مذہبی یا خیراتی مقصد کے لئے مخصوص کیا جانا ضرور ہے[1]۔ دوسرے الفاظ میں خاص یا خانگی وقف کسی صورت میں جائز نہیں۔ لیکن یہ انتہائی نظریہ قائم نہیں رہا[2]، اور اب خاص یا خانگی وقف مخصوص شرائط کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۱۳ء کے وقف ایکٹ کے اجرا کے قبل قانون کی یہ شرطیں بہت سخت تھیں۔ وقف ایکٹ نے انھیں بہت کچھ نرم کر دیا ہے۔ خاص یا خانگی وقف سے ذیل کے دو عنوانوں میں بحث کرنا زیادہ آسان ہوگا۔

الف۔ وہ دوامی وقف جو کلیتہً واقف کے خاندان، بال بچوں اور اولاد کے لئے ہو۔ وقف ایکٹ کے اجرا کے قبل ایسا وقف ناجائز تھا۔ اور اس ایکٹ کی رو سے بھی ناجائز ہے۔ دیکھو وقف ایکٹ کی دفعہ ۳ کی شرط، جس کا آگے آنے والی دفعہ ۱۶۱ میں اعادہ کیا گیا ہے۔

ب۔ وہ وقف جو واقف کے خاندان، بال بچوں اور اس کی اولاد کے استفادے اور نیز خیرات یعنی دونوں مقاصد کے لئے ہو۔

---

[1] عبدالغنی بنام حسین میاں ۱۸۷۳ء ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ ۸؛ محمد حمید اللہ بنام لطف حق ۱۸۸۱ء ۶ کلکتہ ۷۴۴۔

[2] لچھمی پت بنام امیر عالم ۱۸۸۲ء ۹ کلکتہ ۱۷۶؛ محمد احسان اللہ بنام امرچند کنڈی ۱۸۸۹ء ۱۷ کلکتہ ۴۹۸، ۵۰۶، ۱۷ انڈین اپیلز ۲۸۔

پریوی کونسل کے ان فیصلوں کے مطابق جو وقف ایکٹ کے اجرا کے قبل صادر ہوئے تھے، ایسے اوقاف جائز تھے اگرچہ جائداد کا ایک معقول حصہ کسی کسی وقت خیراتی کاموں میں لگائے جانے کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا؛[1] لیکن اگر وقف کا اصلی مقصد خاندان کی پرورش اور پرداخت ہوتا تھا اور جو کچھ خیرات کے لئے دیا جاتا تھا وہ قلت مقدار یا غیر متقن یا بعید ہونے کی وجہ سے محض نمائشی ہوتا تھا تو جو وقف اولاد کے فائدے کے لئے کیا جاتا تھا وہ ناجائز اور ناقابل نفاذ قرار پاتا تھا۔ اس مضمون پر اہم مقدمہ ابو الفتح محمد بنام راسا مے[2] ہے جس کا فیصلہ ۱۸۹۴ء میں ہوا تھا [دیکھو تمثیل (د) زیر دفعہ ۵۹ آئندہ]۔ وقف ایکٹ کی رو سے، جو وقف خاندان کے فائدے کے لئے کیا جائے وہ جائز ہے، اگرچہ وہ جز جو خیرات کے لئے وقف کیا گیا ہے نمائشی ہی کیوں نہ ہو۔ ایکٹ مذکور کی رو سے جو امر ضروری ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ وقف بالآخر خیرات کے کام میں آنا چاہئے۔ دیکھو وقف ایکٹ کی دفعہ ۴ جس کا اعادہ آئندہ دفعہ ۱۶۱ میں کیا گیا ہے۔

ابو الفتح محمد کے مقدمۂ مذکورۂ بالا میں، جائداد موقوفہ کی آمدنی اولادِ واقف کی اولاد کے لئے نسلاً بعد نسلٍ وقف کی گئی تھی، اور جو وقف انتہی خیرات کے لئے کیا گیا تھا اس کا نفاذ واقف کی کل سلسلۂ نسل کے ختم ہو جانے کے بعد رکھا گیا تھا۔ پریوی کونسل کے ججوں نے یہ رائے قائم کی کہ جو وقف خیرات کے لئے کیا گیا ہے وہ محض نمائشی ہے، واقف کا اصلی مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لئے ایک دوامی تملیک قائم کر دے بناءً علیہ جو انتظام واقف کے خاندان کے لئے کیا گیا ہے وہ ناجائز ہے۔ اثنائے تجویز میں ججان موصوف نے لکھا کہ (صفحہ ۲۳۱):—

"ان احکام کے متعلق، جو شرع اسلام کے اصل اصول میں داخل ہیں دیکھو

---

[1] محمد احسان اللہ بنام امرچند کنڈو ۱۸۹۹ء، ۱۷ کلکتہ ۴۹۸، ۵۰۹، ۱۷ انڈین اپیلز ۲۸۔

[2] ۱۸۹۴ء، ۲۲ کلکتہ ۶۱۹؛ ۲۲ انڈین اپیلز ۷۶۔

دفعہ ۴۲). جحانِ پرایوی کونسل اس امر سے ناواقف نہیں ہیں کہ مسلمانوں میں قانون اور مذہب کس طرح ملا جلا ہوا ہے، انھوں نے اثنا ٔ بحث میں یہ سوال کیا، کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اسلام کے عام قانون یا کم ازکم اس اسلامی قانون کی رو سے جو ہندوستان میں رائج ہے، ایک خاص شخص کا ایسی بعید اولاد کی نسلوں کے حق میں جو ہنوز وجود میں نہ آئی ہوں خاص (سادہ) ہبہ، اور توریث یعنی ناقابل انتقال حین حیاتی حقیت ناجائز قرار پائے، اور یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وہی انتقالات جو لفظ ہبہ کے استعمال سے ناجائز ہیں، واقف کے صرف اتقدر کہہ دینے سے کہ وہ خدا یا محتاجوں کے لئے وقف کئے گئے ہیں جائز ہو جائیں۔ ان سوالات کا نہ کوئی جواب دیا گیا اور نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی اور نہ ججوں کی رائے میں ان کا کوئی جواب ہو سکتا ہے۔"

پرایوی کونسل نے جو فیصلہ ابو الفتح محمد کے مقدمے میں کیا اس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت تشویش پیدا ہو گئی۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ خالص اسلامی قانون کی رو سے جو وقف واقف کے محض خاندان اور اولاد کے لئے کیا جائے وہ جائز ہے۔ ایسے انتقال کا ان انتقالوں میں شمار ہو سکتا ہے جو ایسے لوگوں کے حق میں کیا جائے جو ہنوز پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں، کیونکہ اس سے غیر پیدا شدہ لوگوں کا یکے بعد دیگرے حین حیاتی حق پیدا ہو جاتا ہے، اور اس پر نہایت خراب اور مضر دوامی تملیک کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے، گروہ شرع اسلام میں تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس لئے جب پرایوی کونسل نے اسے ناجائز قرار دیا، تو اس پر حکومت ہند کو توجہ دلائی گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۳ء میں ایک ایکٹ جواز وقف کے متعلق جاری کیا گیا، تاکہ اس ناقابلیت کا ازالہ ہو جائے جو فیصلہ مذکور سے پیدا ہو گئی تھی۔ اس ایکٹ کے متعلق قرار پایا تھا کہ وہ ان اوقاف سے متعلق نہ ہوگا جو اس ایکٹ کے اجرا کے قبل قائم ہو چکے تھے، مگر بعدہ ۱۹۳۰ء

میں ایک دوسرا ایکٹ جاری ہوا جس کی بنا پر ۱۹۱۳ء کا ایکٹ پیشتر کے اوقاف سے بھی متعلق کر دیا گیا۔ اب ایکٹ بابت ۱۹۱۳ء ان اوقاف سے بھی متعلق ہے جو اس ایکٹ کے قبل کیے ہیں؛ دیکھو دفعہ ۱۶۲ جو آگے آتی ہے۔ اب ہم ان احکام کو بیان کریں گے جو ایکٹ مذکور کے اجرا کے قبل اور اس کے بعد کے ہیں۔

دفعہ ۱۵۹۔ "جواز وقف اسلامی کے ایکٹ ۱۹۱۳ء" سے قبل کا قانون شخصی اوقاف کے متعلق ―― اس قانون کی رو سے جو وقف ایکٹ ۱۹۱۳ء کے اجرا سے قبل نافذ تھا، وہ وقف جائز قرار دیا جاتا تھا جس کے وقف نامہ سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جائداد دراصل خیراتی مقاصد کے لئے ہے۔ برخلاف اس کے اگر اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جائداد دراصل واقف کے خاندان کے لئے دی گئی تو وہ وقف ناجائز قرار پاتا تھا[1]۔

شیعوں کا قانون ―― شیعوں کے اوقاف کے متعلق بھی یہی عمل تھا[2]۔

[(الف) ایک مسلمان نے ایک جائداد ایک متولی زید نامی کی طرف اس ہدایت کے ساتھ منتقل کی کہ جائداد مذکورہ کی آمدنی سے مسجد کے اخراجات، فقرا کی خیرات، اور محتاج طلبہ کے تعلیمی مصارف ادا کئے جائیں، اور جو کچھ بچ رہے وہ زید کے خاندان کے ارکان کے نکاحوں، تجہیز و تکفین اور ختنوں میں صرف ہو۔ اس میں خیرات کا حصہ بڑھا ہوا ہے اور اس لئے یہ وقف جائز ہے: منظر الحق بنام پہراج ۱۸۹۵ء ۱۳ ویکلی رپورٹ ۳۵ ؛ کیدو کی پرشاد بنام عنایت اللہ ۱۸۹۲ء ۱۴ الہ آباد ۳۷۵۔

(ب) زید ایک دستاویز بطور وقف نامہ جائداد اپنی بیوی اور بیٹی کی اولاد کے حق میں لکھتا ہے۔ دستاویز میں کوئی مضمون اس کے متعلق نہیں ہے

---

[1] منورا ناناولن بنام داد الوائی ۱۹۱۶ء ۴۴ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۶ ―― ۲۷، ۴۰ مدراس ۱۱۶، ۳۹ انڈین کیسز ۲۳۵، ۱۹۱۶ء آل انڈیا پریوی کونسل ۶۲۔

[2] حامد علی بنام مجاور حسین ۱۹۰۲ء ۲۴ الہ آباد ۲۵۷۔

کہ خاندان کے ختم ہو جانے کے بعد جائداد کس کام میں لگائی جائے گی۔ جو وقف ایکٹ ۱۹۱۳ء کے اجرا کے قبل نافذ تھا اس کی رو سے یہ وقف جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں کوئی حصہ خیرات کے لئے نہیں رکھا گیا ہے، نظام الدین بنام عبد الغفور ۱۸۸۸ء ۱۳ بمبئی ۲۶۴، اس فیصلے کو مرافعے میں پرایوی کونسل نے بمقدمۂ عبد الغفور بنام نظام الدین بحال رکھا ۱۸۹۲ء ۱۷ بمبئی ۱، ۱۹ انڈین اپیلز ۱۷۰؛ عبد الغنی بنام حسین میاں ۱۸۷۳ء ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ۔ وقف ایکٹ کی رو سے بھی یہ وقف جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بالآخر خیرات کے لئے کچھ نہیں دیا گیا ہے۔ دیکھو دفعہ ۱۶۰ نوٹ (۳)۔

(ج) ایک مسلمان ایک دستاویز بنام نہاد وقف نامہ لکھتا ہے جس کی ابتدا میں وہ اپنی تمام جائداد ایک مسجد، دو مدرسوں اور صادر اور وارد کے انتظام و اہتمام کے لئے وقف کرنا ظاہر کرتا ہے۔ یہ وقف ان الفاظ سے مشروط کر دیا گیا ہے کہ اس کا عمل "اس طریقے پر ہوگا جو فقرات ذیل میں بتایا گیا ہے"، اور ان فقرات میں واقف کے بیٹوں اور اولاد کو بطور متولی مقرر کرنے اور ان کی تنخواہوں اور اس کے خاندان اور اس کی اولاد کے نسلاً بعد نسلٍ نفقے اور پرورش کے انتظام بتائے گئے ہیں۔ دستاویز میں مذہبی اور خیراتی کاموں کے لئے صرف اسی قدر لکھا گیا ہے کہ وہ کام متولی حسب معمول انجام دیتے رہیں گے۔ ان کا خرچ بمقابلہ آمدنی کے بہت خفیف ہے۔ اس دستاویز کا بہمہ وجوہ اثر یہ ہے، کہ جس جائداد کا وقف کیا جانا ظاہر کیا جاتا ہے اگرچہ اس کی سالانہ آمدنی تقریباً بارہ ہزار روپے ہے، مگر یہ امر خاندان کے ارکان کے اختیار میں ہے جو بحیثیت متولی جائداد کے مہتمم اور منتظم ہیں، کہ وہ ایک خفیف رقم مذہبی کاموں پر صرف کریں، اور ہمیشہ کے لئے اپنی اور اپنے خاندان کی پرورش کے واسطے جس قدر چاہیں بطور تنخواہ متولی لیتے رہیں۔ وقف ایکٹ کے قبل کے

قانون کے مطابق یہ وقف جائز نہیں ہے، کیونکہ وقف کا اصلی مقصد واقف کے خاندان کی پرورش و پرداخت ہے، اور جو کچھ خیرات میں دیا گیا ہے وہ محض نمایشی ہے؛ محمد احسان اللہ بنامِ امرچند کنڈو ۱۸۸۹ء، ۱۷ کلکتہ ۴۹۸، ۱۷ انڈین اپیلز ۲۸؛ حبیب النسا بنام عبید الرحیم ۱۹۰۰ء ۲۳ الہ آباد ۲۳۳، ۲۷ انڈین اپیلز ۱۵ [جس میں خیرات کی مقدار کلیتہً متولی کی رائے پر چھوڑ دی گئی تھی]، محمد منور بنامِ رضیہ بی بی ۱۹۰۵ء ۲۷ الہ آباد ۳۲۰، ۳۲ انڈین اپیلز ۸۶؛ فضل الرحیم بنامِ محمد عبید ل ۱۹۰۳ء ۳۰ کلکتہ ۶۶۶؛ بالا مل بنام عطاء اللہ خاں ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۷۲، ۹ لاہور ۲۰۳، ۱۰۳ انڈین کیسز ۵۱۸، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۹۱ [جائداد کی سالانہ آمدنی ال‍‍صما۔ہ تھی ــــ ماللعہ روپے سالانہ خیرات کے لئے مخصوص کئے گئے تھے اور باقی آمدنی واقف کے خاندان کے لئے تھی ــــ یہ وقف ناجائز قرار پایا]؛ رقیہ بانو بنامِ نذیرہ بانو ۱۹۲۸ء ۵۵ کلکتہ ۴۴۸، ۱۰۵ انڈین کیسز ۴۴۲، ۱۹۲۸ء اے، سی ۱۳۰ [سالانہ آمدنی ۔ ہزار ــــ بمد خیرات ال‍٭ا ــــ باقی واقف کے لئے تھی ــــ وقف ناجائز قرار پایا]۔ [سب صورتیں وقف ایکٹ کی رو سے جائز متصوّر ہوں گی۔]

نوٹ ــــ محمد احسان اللہ کے مقدمے میں پریوی کونسل کے ججوں نے لکھا کہ "اگر فی الحقیقت یہ ظاہر کیا جائے کہ معمولی مصارف اس قدر زیادہ ہیں کہ تمام آمدنی یا اس کا بڑا حصہ انہی میں صرف ہو جاتا ہے، تو واقف کی نیت کے دریافت کرنے میں اس کا ضرور وزن ہوتا ہے"۔ اس لئے اگر کسی مسلمان نے فاتحہ اور قدم شریف کے مراسم کے لئے ایسی جائداد وقف کی جس کی اوسط سالانہ آمدنی ال٭ا تھی، اور یہ معلوم ہوا کہ حسب دستور ملک ایسے مراسم کے لئے صماء سالانہ کافی سمجھے جاتے ہیں، تو الہ آباد ہائیکورٹ نے

یہ قرار دیا کہ جو رقم خیرات کے لئے دی گئی ہے وہ معقول ہے، اور اس بنا پر وقف جائز ہے: پھول چند بنام اکبر یار خاں ۱۸۹۶ء ۱۹ الٰہ آباد ۲۱۱۔

(۵) دو مسلمان بھائیوں نے ایک وقف نامہ کے ذریعہ سے اپنی غیر منقولہ جائداد اپنے بچوں اور اولاد کے حق میں نسلاً بعد نسلٍ وقف کی، اور نسل کے بالکل ختم ہو جانے کے بعد اس کا استفادہ بیواؤں، یتیموں فقیروں اور محتاجوں کے واسطے مخصوص کیا، تو ایکٹ وقف کے قبل کے قانون کے مطابق یہ وقف کالعدم تھا، کیونکہ جو استفادہ محتاجوں کو دیا گیا ہے وہ بعید ہے، اور واقف کے کل سلسلۂ نسل کے ختم ہو جانے تک اثر پذیر نہیں ہو سکتا: ابوالفتح محمد بنام راسامایا ۱۸۹۴ء ۲۲ کلکتہ ۶۱۹، ۲۲ انڈین اپیلز ۷۶۔ [ایسا وقف، وقف ایکٹ کے لحاظ سے درست ہے: دیکھو دفعہ ۴ ایکٹ مذکور جس کا اعادہ دفعہ ۱۶۱ میں کیا گیا ہے جو آگے آتی ہے۔]

اس مقدمے میں پریوی کونسل کے ججوں نے لکھا: کہ "اگر ایک شخص ایک کروڑ روپے وقف کرتا ہے اور اس میں سے دس روپے محتاجوں کو دیتا ہے، تو صاف ظاہر ہے کہ وہ محض نمائشی ہے۔ محتاجوں کو اس شرط کے ساتھ دینا بھی کہ انھیں اس وقت روپے ملے کہ واقف کی نسل میں کوئی نہ رہ جائے محض نمائشی متصور ہوگا: ممکن ہے کہ یہ صورت ایک سو برس تک نہ پیش آئے؛ ممکن ہے کہ یہ صورت اس وقت پیش آئے جب کہ مقدمہ بازی یا افعال بیجا، یا شومیٔ قسمت کے تباہ کن اثرات سے جائداد ہی نہ باقی رہے؛ اس وقت تک تو اس کا نہ پیش آنا یقینی ہے جب تک کہ روئے زمین پر ان میں سے کوئی متنفس باقی رہے گا جس کی پرورش و پرداخت واقف کے پیش نظر تھی۔ جہاں پریوی کونسل کو اس سے اتفاق ہے کہ اس تملیک میں محتاج صرف اس لئے داخل کئے گئے ہیں کہ اس تملیک پر

مذہبی رنگ چڑھ جائے، اور وہ انتظام جو خاندان کی پرورش اور پرداخت کے لئے کیا گیا ہے جائز ہو جائے۔"

(ھ) دو بھائیوں نے ایک دستاویز کی تکمیل کی جس کے ذریعے سے اراضی قیمتی بیس ہزار وقف کی، اراضی کی آمدنی کا ایک غیر معین حصہ بزرگوں کی فاتحہ اور خیرات کے لئے تھا اور باقی آمدنی دوامی طور سے، بغیر حق انتقال، بیٹوں اور ان کی اولاد کو دی گئی تھی۔ فاتحہ اور خیرات کی رقم کا اندازہ عدالت نے سماء سالانہ کیا۔ جائداد کی کل آمدنی الصما ہزار قرار پائی تھی جس میں سے بعد مصارف مذکور تلمعٰ کی بچت واقف کے خاندان کے لئے رہ جاتی تھی۔ پرایوی کونسل کے ججوں نے یہ قرار دیا کہ اگرچہ آمدنی کا ۲/۵ حصہ خیرات کے لئے اور ۳/۵ حصہ خاندان کے واسطے ہے، مگر دستاویز سے جائداد کا درحقیقت خیراتی مقاصد کے لئے دیا جانا ظاہر ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے دستاویز جائز ہے۔ ججان موصوف نے یہ بھی لکھا کہ "ان رقموں میں تبدیلی کا امکان ہے۔ وہ معین اور ناقابل تبدیل نہیں ہیں۔ آمدنی میں مستقل طور سے تبدیلی یا کمی ہو سکتی ہے، اور اسی طرح خیراتی ضرورتوں میں اضافہ کا امکان ہے۔ واقفین کا ظاہراً اہم مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اانتی سرمایہ یعنی اراضی کی آمدنی کی حد تک تمام خیراتی ضرورتوں کا انتظام کیا جائے۔ یہ ضرورتیں آمدنی پر مقدم بار ہیں۔ خاندان کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ باقی ماندہ رقم ہے، جس میں ممکن ہے کہ مسلسل کمی ہوتی جائے۔ یہ عذر کہ اس وقت آمدنی کا جو جز خاندان کو دیا گیا ہے وہ خیرات کے جز سے بڑھا ہوا ہے، اور دستاویز کا اہم مقصد جائداد خاندان کو دینا ہے، اور اس لئے دستاویز مذکور بحیثیت وقف نامہ کے ناجائز ہے، ججان پرایوی کونسل اس عذر کو صحیح نہیں سمجھتے"؛

متورا ماتادن بنام داد الوائی ۱۹۱۸ء ۴۴ انڈین اپیلز ۱۲۶ بہ ملاحظہ

۱۱۶، ۳۹ انڈین کیسز ۲۲۵ -]

خاندانی تملیک ناجائز وقف کی بنا دپر ـــــ زید ایک وقف نامہ لکھتا ہے۔ زید کے مرجانے کے بعد اس کے بعض وارث متولی اور دوسرے وارثوں کے مقابلے میں بغرض تنسیخ وقف دعویٰ دایر کرتے ہیں، اس بنا پر کہ جو کچھ خیرات کے لئے دیا گیا ہے وہ محض نمائشی ہے۔ بعدہ مقدمے میں اس قرار داد پر صلح ہو جاتی ہے کہ خاندان کے تمام ارکان وقف کو صحیح تسلیم کرلیں، اور جائداد موقوفہ کی آمدنی سے خاندان کے وہ ارکان جن کے ناموں کی صراحت قرارداد میں کی گئی ہے اپنا اپنا الونس پاتے رہیں، اور ان میں سے جو شخص فوت ہو جائے اس کا الونس اس کے وارثوں کو ملے۔ چونکہ قرارداد بالبدل ہے، اس لئے اس سے جائداد پر قابلِ نفاذ بار عاید ہو جاتا ہے، اگرچہ خود وقف ناجائز ہے[1]

دفعہ ۱۶۰۔ شخصی (خانگی) اوقاف کا قانون زیر "ایکٹ جواز وقف اہل اسلام بابت ۱۹۱۳ء" ـــــ (۱) اب ایکٹ جواز وقف اہل اسلام کی رو سے ہر ایسے شخص کے لئے جو مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہے جائز ہے کہ وہ ایسا وقف کرے جو ہر طرح سے شرع اسلام کے احکام کے مطابق ہو، جو منجملہ دیگر مقاصد کے مفصلۂ ذیل مقاصد کے لئے بھی ہو سکتا ہے:۔

(الف) جزاً یا کلاً اپنے خاندان، اولاد، یا نسل کے نفقے اور پرورش کے لئے، اور (ب) بحالت حنفی مسلمان ہونے کے، اپنی زندگی تک اپنے نفقے اور پرورش کے لئے اور جائداد موقوفہ کے کرائے یا منافع سے اپنے دیون کی ادائی کے واسطے [دیکھو دفعہ ۱۵۵ گزشتہ]۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں صراحۃً یا معناً جائداد موقوفہ کا بالآخر تمتع محتاجوں یا کسی ایسے مقصد کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہو جو شرع اسلام میں مذہبی یا خیراتی تسلیم کیا جاتا ہو۔

[1] خواجہ سلیمان بنام نواب سر سلیم اللہ ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۵۳، ۴۹ کلکتہ ۸۲۰، ۶۹ انڈین کیسز ۱۳۸، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۰۷۔

وقف ایکٹ کی دفعہ ۳ یہی ہے۔

(۲) کوئی وقف محض اس وجہ سے ناجائز نہ متصور ہوگا کہ اس کا بالآخر تمتع جو محتاجوں یا دوسرے مستقل مذہبی، نیک، یا خیراتی کاموں کے لئے محفوظ کیا گیا ہے وہ اس وقت تک کے لئے ملتوی ہے جب تک کہ واقف کا خاندان، اولاد یا نسل کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

یہ وقف ایکٹ کی دفعہ ۴ ہے۔

نوٹ (۱) — "خاندان" کی پرورش کے لئے وقف کیا جا سکتا ہے [وقف ایکٹ کی دفعہ ۳ (الف)]۔ "خاندان" کی اصطلاح میں بہو داخل ہے[1]۔ اصطلاح مذکور صرف انہی اشخاص تک محدود نہیں ہے جن کی پرورش واقف کے ذمے ہوتی ہے۔ اسی لحاظ سے یہ قرار پایا ہے کہ علاتی یا اخیافی بھائی کا بیٹا، چچا کا بیٹا یا پوتا، اور علاتی یا اخیافی بہن کا بیٹا، اگرچہ ان کی پرورش واقف کے ذمے نہ ہو اور واقف سے علیحدہ رہتے ہوں "خاندان" میں داخل ہیں[2]۔ واقف کے بھتیجوں اور ان کی اولاد کی نسلاً بعد نسلٍ پرورش کے لئے انتظام کرنا بھی جائز قرار پایا ہے[3]۔

نوٹ (۲) — آخری تمتع کسی مذہبی، نیک یا خیراتی مقصد کے لئے ہونا چاہیئے[4] [وقف ایکٹ دفعہ ۳ کی شرط]۔ یہ ضرور نہیں ہے، کہ خاندانی عطا کے ساتھ ہی خیرات کے لئے بھی عطا کی جائے،

---

[1] مشرف بیگم بنام سکندر ۱۹۲۹ء ۵۱ الہ آباد ۴۰، ۱۱۱ انڈین کیسز ۸۴۵، ۱۹۲۹ء آل انڈیا الہ آباد ۱۶۱۵۔

[2] امداد علی بنام عاشق علی ۱۹۲۹ء ۴ لکھنو ۱۰۱، ۱۱۳ انڈین کیسز ۴۹۴، ۱۹۲۴ء آل انڈیا اودھ ۲۵۔

[3] غضنفر بنام احمدی بی بی ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۳۶۸، ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۶۹، ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۱۶۹۔

[4] غلام محمد بنام غلام حسین ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۷۴، ۵۴ الہ آباد ۹۳، ۱۳۹ انڈین کیسز ۴۵۴، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۸۱؛ ابوالحسن بنام راج بیر ۱۹۳۱ء آل انڈیا اودھ ۱۲۴، ۱۳۱ انڈین کیسز ۴۳۳۔

جیساکہ وقف ایکٹ کے قبل قانون میں تھا۔ ایکٹ مذکور کی رو سے ایک مسلمان مجاز ہے، کہ وہ خیرات میں اس وقت تک کے لئے کچھ نہ مقرر کرے جب تک کہ اس کی نسل کا سلسلہ باقی رہے۔ یہ اس رائے کے مطابق ہے جو مقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈ وکیٹ جنرل[1] میں جسٹس ویسٹ نے، اور مقدمہ امرت لال بنام شیخ حسن[2] میں جسٹس فیرن نے، اور مقدمہ برکانی میاں بنام سکھ لال[3] میں جسٹس امیر علی نے شرع اسلام کے متعلق قائم کی تھی۔ ان میں سے پہلے مقدمے میں جسٹس ویسٹ نے یہ لکھا تھا: "اگر آخری تمتع کو کسی دوامی مذہبی کام میں لائے جانے کی شرط پوری کر دی گئی ہے، تو واقف کا جائداد کو اپنی اولاد کی اولاد پر درمیانی مدت کے لئے وقف کرنا وقف کو ناجائز نہیں ٹھیراتا۔ اس تمتع پر جو (واقف کی اولاد کو) یکے بعد دیگرے پہنچتا ہے انگلستان کے قانون کے مطابق "مداومت" کا اطلاق ہوتا ہے، مگر شرع اسلام میں، اس کی وجہ سے وقف باطل نہیں ہو جاتا بشرطیکہ آخری خیراتی مقصد کا صریح طور سے اظہار ہوا ہو"۔ جسٹس ویسٹ فیرن اور امیر علی کی اس رائے کو پریوی کونسل نے مقدمہ ابو الفتح محمد بنام راسامایا[4] میں ناپسند کیا، دیکھو تمثیل (د) زیر دفعہ ۱۵۹

نوٹ (۳) — جو آخری عطا خیرات کے لئے کی جائے وہ معنوی ہو سکتی ہے، اس کا صریح ہونا ضرور نہیں ہے [وقف ایکٹ دفعہ ۳ کی شرط]۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معنوی کے کیا معنی ہیں؟ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی رائے کے مطابق، وقف کی تکمیل کے لئے یہ ضرور ہے کہ محتاجوں کے آخری تمتع کا بصراحت اظہار کیا جائے۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک ایسے تمتع کا اظہار معنوی طور سے

---

[1] ۱۸۸۱ء ۶ بمبئی ۴۲، ۵۳۔
[2] ۱۸۸۷ء ۱۱ بمبئی ۴۹۳ —
[3] ۱۸۹۳ء ۲۰ کلکتہ ۱۱۶، ۱۳۲ — ۱۴۷۔
[4] ۱۸۹۴ء ۲۲ کلکتہ ۶۱۹، ۲۲ انڈین اپیلز ۷۶۔

صرف لفظ وقف کے استعمال سے بھی ہو جاتا ہے۔ پس امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق، اگر کوئی شخص صرف اس قدر کہے، کہ میں یہ اراضی زید پر وقف کرتا ہوں، تو وقف کی تکمیل ہو جاتی ہے، اور زید اپنی زندگی بھر اس سے تمتع حاصل کر سکتا ہے، اور اس کے مرنے کے بعد اراضی کی آمدنی محتاجوں کی طرف منتقل ہو جائے گی، اگرچہ محتاجوں کا بصراحت ذکر نہ کیا گیا ہو۔[1] فتاوی عالمگیری میں امام ابو یوسف کی رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔[2] دفعہ ۱۵۹ کی تمثیل (ب) کے پہلے مقدمے میں بمبئی کی ہائیکورٹ نے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی رائے کو امام ابو یوسف کی رائے پر ترجیح دے کر یہ تجویز کی کہ بالآخر خیرات کے لئے کسی انتظام کے نہ موجود ہونے کی وجہ سے دستاویز زیرِ بحث صحیح وقف نامہ نہیں قرار دی جا سکتی۔ اس تجویز کو مرافعے میں پرایوی کونسل نے بحال رکھا۔[3] وقف ایکٹ کی دفعہ ۳ میں جو الفاظ "معنوی طور سے" استعمال ہوئے ہیں کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق محض لفظ وقف کے استعمال سے اس کا بالآخر خیرات کے کام میں لایا جانا معنوی طور سے سمجھ لیا جائے اگرچہ اس کی صراحت نہ کی گئی ہو؟ الہ آباد،[4] کلکتہ،[5] اور اودھ[6] کی عدالتوں نے یہ قرار دیا کہ اس کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا؛ اور پرایوی کونسل کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے۔[7]

---

[1] ہدایہ، صفحہ ۲۳۴۔

[2] بیلی کا خلاصہ، صفحہ ۵۵۰۔

[3] عبدالغفور بنام نظام الدین ۱۸۹۲ء، بمبئی ۱، ۱۹ انڈین اپیلز ۱۷۰۔

[4] عرفان علی بنام افیشل ریسیور ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۵۴۴، ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۸۳۷۔

[5] مسعودہ خاتون بنام محمد ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۲۰۴، ۲۱۲ - ۲۱۴، ۱۳۳ انڈین کیسز ۶۵۷، ۱۹۳۲ء آل انڈیا کلکتہ ۹۳۔

[6] شیخ رمضان بنام مسماۃ رحمانی ۱۹۳۲ء آل انڈیا اودھ ۱۷، ۱۳۵ انڈین کیسز ۲۰۷۔

[7] غلام محمد بنام غلام حسین ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۷۴، ۸۲ [دیکھو وکلا کی بحث]، ۵۴ الہ آباد ۹۳، ۱۳۶ انڈین کیسز ۸۵۴، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۸۱۔

شیعوں کا وقف ــ وقف کا ایکٹ شیعوں سے بھی متعلق ہے
بہ استثنائے دفعہ ۲ ضمن (ب) کے

دفعہ ۱۶۱۔ مسلمانوں کے جواز وقف کا ایکٹ بابت ۱۹۱۳ء ــ وقف ایکٹ
نمبر ۶ بابت ۱۹۱۳ء کی جو ۷ مارچ ۱۹۱۳ء سے نافذ ہوا عبارت یہ ہے :ـ

ایکٹ بغرض اعلان ان حقوق کے جو مسلمانوں کو اپنے خاندانوں، اولاد اور نسلوں کے حق میں بطور وقف جائداد کی تملیک کرنے کے حاصل ہیں۔

"چونکہ ایسے اوقاف کے جواز کے متعلق جو مسلمانوں نے اپنی ذات پر اور نیز اپنے اہل خاندان، اور اولاد، اور بالآخر غربا او مساکین کے فائدے یا دیگر مذہبی یا خیراتی اغراض کے واسطے کیا تھا شکوک ظاہر کئے گئے ہیں؛ اور نیز مصلحت یہ ہے کہ یہ شکوک رفع کئے جائیں؛ لہٰذا احکام ذیل صادر ہوتے ہیں :ــ

نام اور دائرۂ نفاذ

دفعہ ۱ ۔ (۱) اس ایکٹ کا نام ایکٹ جواز وقف علی الاولاد ۱۹۱۳ء ہے۔
(۲) اس کا نفاذ کل برٹش انڈیا میں ہوگا۔

تعریفات

دفعہ ۲ ۔ تاوقتیکہ مضمون یا سیاق عبارت سے اس کے خلاف نہ پایا جائے اس ایکٹ میں (۱) "وقف" سے یہ مطلب ہے کہ کوئی مسلمان اپنی کوئی جائداد دوام کے لئے کسی ایسی غرض سے منتقل کرے جو شرع کے مطابق مذہبی یا خیراتی کہی جا سکے[1]
(۲) "حنفی" سے فقہ حنفی کا پیرو مراد ہے۔

[1] دیکھو دفعہ ۱۴۶ (د) =

وقف کا اختیار

دفعہ ۳ - ہر مسلمان مجاز ہے کہ اپنی جائداد من جملہ دیگر اغراض کے اغراض ذیل سے وقف کرے، بشرطیکہ وہ وقف دیگر وجوہ سے کلیۃً احکام شرع کے مطابق ہو[1] -

(الف) اس کل جائداد سے یا اس کے ایک جز سے اپنے اہلِ خاندان[2] اور اولاد کی پرورش اور امداد کرنا - اور

(ب) اگر واقف حنفی مذہب ہو تو حین حیات کے واسطے خود اپنی پرورش اور امداد بھی کرنا یا جائداد موقوفہ کے منافع سے اپنا قرض ادا کرنا[3] مگر ایسی صورتوں میں جائداد موقوفہ سے متمتع ہونے والے معنوی یا صریحی طور سے[4] آخر میں غربا اور مساکین ہوں گے، یا جائداد مذکور کسی ایسی غرض پر صرف ہو گی جو شرع کے بموجب ایک مستقل مذہبی یا خیراتی غرض کہی جا سکے -

جواز وقف باوجود اس کے کہ مساکین اس سے سب سے آخر میں فائدہ اٹھائیں -

دفعہ ۴ - وقف مذکور محض اس وجہ سے ناجائز نہیں سمجھا جائے گا کہ وقف سے مساکین اس وقت تک متمتع نہیں ہو سکتے،

---

[1] - دیکھو دفعات ۱۴۶ تا ۱۵۴ -

[2] خاندان کے معنی کے لئے دیکھو نوٹ (۱) متعلق دفعہ ۱۶۰ گزشتہ

[3] یہ جدید نہیں ہے - یہ اس قاعدے کے مطابق ہے جو ایکٹ کے پہلے سے قرار پا چکا تھا۔ دیکھو دفعہ ۱۵۵ اور اس کے نوٹ -

[4] دیکھو نوٹ (۲) متعلق دفعہ ۱۶۰ - وقف ایکٹ کا جو اردو ترجمہ برٹش انڈیا میں شائع ہوا ہے، وہ بجنسہ یہاں نقل کر دیا گیا ہے، ترجمے کے دوسرے نقائص کے علاوہ اس میں "معنوی یا صریحی طور سے" کے الفاظ بھی موجود نہ تھے - ان کا اضافہ انگریزی ایکٹ کے لحاظ سے کر دیا گیا ہے - (مترجم)

[5] دیکھو نوٹ (۳) متعلق بدفعہ ۱۶۰ -

یا غرض مذہبی کے واسطے اس وقت تک وہ صرف نہیں ہو سکتا کہ جب تک واقف کے اہل خاندان یا اولاد اس سے تمتع کے واسطے باقی رہے۔

رسم و رواج مستثنے[1] ہے

دفعہ ۵۔ اس ایکٹ کا اثر کسی ایسے رسم و رواج پر نہ پڑے گا جو خواہ مقامی ہو یا مسلمانوں کے کسی طبقے یا فرقے میں رائج ہو۔

دفعہ ۱۶۲۔ اب وقف ایکٹ ۱۹۱۳ء معاملات سابق پر بھی موثر ہے — وقف ایکٹ بابت ۱۹۱۳ء، ۷ مارچ ۱۹۱۳ء کو نافذ ہوا۔ قرار یہ پایا تھا کہ وہ معاملات سابق پر موثر نہ ہوگا، یعنی جو اوقاف اس تاریخ سے پہلے قائم ہو چکے ہیں ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا[1]۔ مگر ۱۹۳۰ء میں ایک اور ایکٹ نمبر ۳۲ اہل اسلام کے جواز وقف کے متعلق جاری ہوا اور اس کی تاریخ نفاذ ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء قرار پائی۔ اس کا اثر یہ ہے کہ ۱۹۱۳ء کا ایکٹ ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء اور اس کے بعد سے ان تمام اوقاف سے متعلق ہو گیا جو ۷ مارچ ۱۹۱۳ء سے پہلے کئے گئے تھے۔

دفعہ ۱۶۳۔ اولاد میں سلسلۂ وراثت — جب وقف واقف کی اولاد کے لئے کیا جائے اور وقف نامے میں وراثت کے سلسلے کے متعلق کوئی قاعدہ نہ مقرر کیا گیا ہو، تو اولاد میں توریث بالنسب ہوگی نہ کہ بالراس[2]، اور مرد اور عورتیں مساوی حصہ پائیں گی[3]۔

وقف ۱۶۳ الف — وقف نامہ کی شرط کی بنا پر نکاح ثانی کر لینے سے بیوہ کے حق استفادہ کا زائل ہو جانا — وقف نامہ میں یہ شرط ناجائز نہیں ہے کہ جو

---

[1] خواجہ سلیمان بنام نواب سر سلیم اللہ ۱۹۲۲ء ۴۹ انڈین اپیلز ۱۵۳، ۴۹ کلکتہ ۸۲۰، ۶۹ انڈین کیسز ۱۳۸، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۰۷؛ بالاٹل بنام عطاء اللہ خاں ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۳۷۲، ۹ لاہور ۲۰۳، ۱۰۳ انڈین کیسز ۵۱۸، ۱۹۲۷ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۶۱۔

[2] میگناٹن، ۳۴۱؛ سید محمد بنام سید جبار ۱۸۸۱ء ۶ بمبئی ۸۸، ۹۰ — ۹۱۔

[3] میگناٹن، ۳۴۲؛ بیلی ۵۵۳؛ نیز دیکھو عبدالغنی بنام حسین میاں ۱۸۷۳ء ۱۰ بمبئی ہائیکورٹ، صفحہ ۱۴؛ شیخ کریم الدین بنام نواب میر سید ۱۸۸۵ء ۱۰ بمبئی ۱۱۹۔

حقِ استفادہ وقف نامہ کے ذریعے سے بیوہ یا موقوف لہٗ کی زوجہ کو دیا گیا ہے وہ عقدِ ثانی کر لینے سے زایل ہو جائے گا۔[1]

متولی یا جائداد موقوفہ کے مہتمم

دفعہ ۱۶۳ ب۔ متولی — شرع اسلام کی رو سے وقف ہوتے ہی جائداد موقوفہ سے واقف کے تمام حقوق زایل ہو کر خداوند تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ متولی کو بھی جائداد موقوفہ کی کوئی ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور نہ وہ اس کی ہو جاتی ہے۔ اصطلاحی معنی میں وہ اس جائداد کا امین بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف مہتمم یا منتظم جائداد ہوتا ہے۔[2]

مقدمہ بغرض قبضہ — متولی قبضے کے لئے نالش کر سکتا ہے، اگرچہ جائداد پر اُسے حقِ مالکانہ حاصل نہیں ہوتا۔[3]

متولی کا تقرر ثالثی سے — وقف عام کے متولی کی خدمت، ایک قسم کی خدمت عامہ ہے۔ یہ نزاع کہ دو آدمیوں میں سے کون شخص تولیت کا مستحق ہے، سپرد ثالثی نہیں کی جا سکتی۔[4] لیکن جب زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں جائداد وقف ہے اور وہ اس کا متولی ہے، اور عمر اس جائداد کے وقف ہونے سے انکار کرتا ہے تو ثالثی کا فیصلہ بالکل درست ہے[5] کہ معاملے کے عدالت سے تصفیہ ہونے تک دونوں جائداد کے انتظام

---

[1] لطافت النساء بنام شہر بانو سنہ ۱۹۳۲ء ۱۳۹ انڈین کیسز ۲۹۲، سنہ ۳۲ء آل انڈیا اودھ ۱۰۸۔

[2] وِدیا وَرُتھی بنام بالو سوامی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۳۰۲، ۳۱۲، ۴۴ مدراس ۸۳۱، ۶۵ انڈین کیسز ۱۶۱، سنہ ۲۲ء انڈیا پریوی کونسل ۱۲۳؛ عبدالرحیم بنام نراین داس سنہ ۱۹۲۳ء ۵۰ انڈین اپیلز ۸۴، ۹۰، ۵۰ کلکتہ ۳۲۹، ۷۱ انڈین کیسز ۶۴۶، سنہ ۲۳ء آل انڈیا پریوی کونسل ۴۴۔

[3] ایضاً

[4] محمد ابراہیم بنام احمد سنہ ۱۹۱۰ء ۳۲ الٰہ آباد ۵۰۳، ۶ انڈین کیسز ۲۱۹۔

[5] منظم بنام رضا سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الٰہ آباد ۶۱۸، ۸۵ انڈین کیسز ۸۱۵، سنہ ۲۴ء آل انڈیا الٰہ آباد ۵۱۸۔

اور اس کے منافع میں مساوی طور سے شریک رہیں۔

دفعہ ۱۶۴ - متولی کون مقرر کر سکتا ہے — (۱) دفعہ ہذا کے ضمن (۲) کی شرائط کی پابندی کے ساتھ، واقف جائداد مجاز ہے کہ اپنے آپ[1] یا اپنی اولاد[2] یا اپنی نسل کے لوگوں، یا کسی دوسرے شخص کو متولی مقرر کرے، خواہ وہ دوسرا شخص عورت[3] یا غیر مسلم[4] ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن جس حالت میں متولی کے ذمے مذہبی فرائض یا روحانی ہدایت ہو جو عورت انجام نہیں دے سکتی، مثلاً، سجادہ نشینی[5] یا خطابت، یا درگاہ کی مجاورتی[6]، یا مسجد کی امامت[7] ایسی صورتوں میں وہ تولیت کے ناقابل ہے، اور متولی نہیں مقرر کی جا سکتی۔[8] غیر مسلم کا بھی یہی حال ہے۔

(۲) نابالغ یا مخبوط الحواس شخص متولی نہیں مقرر کیا جا سکتا۔[9] مگر جب متولی کی خدمت

---

[1] بیلی، ۶۰۱؛ ہدایہ، ۲۳۸؛ بیلی، جلد دوم ۲۱۴؛ ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ ۱۸۷۲ء ۹ بمبئی ہائیکورٹ ۱۹؛ عبدالرزاق بنام جیبابائی ۱۹۱۱ء ۱۴ بمبئی لا رپورٹ ۲۹۵، ۱۴ انڈین کیسز ۹۸۸؛ محمد رستم علی بنام مشتاق حسین ۱۹۲۰ء ۴۷ انڈین اپیلز ۲۲۴، ۴۲ الہ آباد ۶۰۹، ۵۷ انڈین کیسز ۳۲۹۔

[2] بیلی، ۶۰۱؛

[3] بیلی، ۶۰۱؛ واحد علی بنام اشرف حسن ۱۸۸۲ء ۸ کلکتہ ۳۲، شہر بانو بنام آغا محمد ۱۹۰۷ء ۳۴ انڈین اپیلز ۴۶، ۳۴ کلکتہ ۱۱۸؛ منورہ بیگم بنام مہر جہاں پلی ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۱۰۳۳، ۵۱ انڈین کیسز ۴۸۹۔

[4] امیر علی، اشاعت چہارم، جلد اوّل صفحہ ۴۴۶۔

[5] کنیز بنام سیدہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۱۹۸، ۷۷ انڈین کیسز ۲۰۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۵۷۶۔

[6] حسین بی بی بنام حسین شریف ۱۸۶۹ء ۴ مدراس ہائیکورٹ ۲۳؛ ابراہیم بی بی بنام حسین شریف ۱۸۸۰ء ۳ مدراس ۹۵۔ درگاہ کے متعلق دیکھو پیران بنام عبدالکریم ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳۔

[7] دیکھو منورہ بیگم بنام مہر جہاں پلی ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۱۰۳۳، ۱۰۳۸، ۵۱ انڈین کیسز ۴۸۹۔

[8] دیکھو مقدمات کنیز بنام سیدہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۱۹۸، ۷۷ انڈین کیسز ۲۰۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۵۷۶۔ نیز دیکھو منورہ بیگم بنام مہر جہاں پلی ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۱۰۳۳، ۵۱ انڈین کیسز ۴۸۹؛ اور اسمٰعیل میاں بنام وحدانی ۱۹۱۱ء ۳۶ بمبئی ۳۰۸، ۱۴ انڈین کیسز ۴۶۹۔

[9] بیلی، ۶۰۱؛ پیران بنام عبدالکریم ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳، ۲۱۹ — ۲۲۰؛ سید حسن بنام میر حسن ۱۹۱۷ء ۴۰ مدراس ۱۴۹، ۳۸ انڈین کیسز ۵۲۸؛ کنیز بنام سیدہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۱۹۸، ۷۷ انڈین کیسز ۲۰۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۵۷۶۔

موروثی ہو اور اس خدمت کی توریث کا مستحق شخص نابالغ ہو، یا جب کہ وقف نامہ میں توریث کا طریقہ بتا دیا گیا ہو اور اس کے لحاظ سے اول یا اور کسی متولی کے مر جانے کے بعد جو شخص اس کی جانشینی کا مستحق ہو وہ نابالغ ہو، تو عدالت مجاز ہے کہ اس کی نابالغی تک دوسرے متولی کو کام کرنے کے واسطے مقرر کر دے۔[1]

عورتوں کی تولیت ـــــ عام قاعدہ یہ ہے کہ عورت متولی ہو سکتی ہے بجز اس کے کہ تولیت کے متعلق اس قسم کے مذہبی فرائض ہوں جو عورت بذاتِ خود یا بذریعۂ نائب انجام نہ دے سکتی ہو، مثلاً سجادہ نشین کے فرائض۔ اس لحاظ سے عورت ایک آستانے کی جہاں محرم کے رسوم ادا ہوتے ہیں صدر مجاور ہو سکتی ہے۔[2]

اختلاف مذہب ـــــ ایک مقدمے میں عدالت نے ایک سنی وقف کا متولی ایک شیعہ کو مقرر کیا، گروہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں میں مقامی طور سے ذی اثر تھا۔[3] ایک دوسرے مقدمے میں عدالت نے ایک بابی مذہب کی عورت کو شیعہ وقف کا متولی مقرر کرنے سے انکار کر دیا، اگرچہ وہ واقف کی اولاد میں تھی اور واقف خود شیعہ تھا۔[4]

دفعہ ۱۶۵۔ متولی کا تقرر ـــــ (۱) واقف کو اختیار ہے کہ پہلا متولی خود مقرر کرے، اور وقف کے انتظام اور متولیوں کے یکے بعد دیگرے مقرر کئے جانے کے اصول اور قواعد بنا دے۔ وہ متولیوں کو نام بنام بھی مقرر کر سکتا ہے، یا اس جماعت اور اس کی قابلیت کا تعین کر سکتا ہے، جس سے آیندہ متولی منتخب ہوں، اور متولیوں کو یہ اختیار بھی دے سکتا ہے کہ

---

[1] ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳، ۲۲۰ نام حسب سابق؛ اعجاز احمد بنام خاتون بیگم ۱۹۱۷ء ۳۹ الہ آباد ۲۸۸، ۳۷ انڈین کیسز ۸۸۵۔

[2] منورہ بیگم بنام میر مہا علی ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۱۰۳۳، ۵۱ انڈین کیسز ۸۸۹۔

[3] دیال چند بنام سید کرامت علی ۱۸۷۱ء ۱۶ ویکلی رپورٹ ۱۱۶۔

[4] شہر بانو بنام آغا محمد ۱۹۰۶ء ۳۴ انڈین اپیلز ۴۶، ۳۴ کلکتہ ۱۱۸۔

وہ اپنے مرنے یا تولیت سے علٰحدہ ہونے کے قبل کسی شخص کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کریں[1]۔

(۲) جب مقرر کردہ متولی مرجائے، یا بطور متولی کام کرنے سے انکار کرے، یا عدالت سے علٰحدہ کردیا جائے یا کسی اور طور سے وہ عہدہ خالی ہوجائے اور وقف نامہ میں اس کی جانشینی کے متعلق کوئی ہدایت نہ ہو، تو جدید متولی مقرر کیا جاسکتا ہے[2]:

(الف) خود واقف مقرر کرسکتا ہے[3]۔

(ب) اس کا مہتمم ترکہ (اگر کوئی ہو) مقرر کرسکتا ہے؛

(ج) اگر مہتمم ترکہ نہ ہو، تو متولی وقت بہ پابندی شرائط دفعہ ۱۶۶، مرض الموت میں اپنا جانشین مقرر کرسکتا ہے[4]؛

(د) اگر کوئی ایسا تقرر عمل میں نہ آئے، تو عدالت متولی کے مقرر کرنے کی مجاز ہے۔ عدالت کو تقرر کرتے وقت مفصلۂ ذیل قواعد کو ملحوظ رکھنا ضرور ہے:۔

اوّل۔ عدالت کو واقف کی ہدایتیں نظرانداز نہ کرنی چاہئیں بجز ان صورتوں کے کہ ان میں وقف کا صریح فائدہ ہوتا ہو؛

دوم۔ عدالت پر لازم ہے کہ کسی اجنبی کو متولی نہ مقرر کرے، جب تک کہ واقف کے خاندان کا کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتا ہو[5]؛

---

[1] غضنفر بنام احمدی بی بی سنہ ۱۹۳۰ء ۲۸ الہ آباد ۳۶۸، ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۶۹، سنہ ۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۱۶۹؛ سید علی بنام سید محمد سنہ ۱۹۲۸ء، پٹنہ ۶۸۴، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۲، سنہ ۲۸ء آل انڈیا پٹنہ ۳۲۵؛ شاہ غلام بنام محمد سنہ ۱۸۶۵ء ۸ مدراس ہائیکورٹ ۶۳۔

[2] ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ سنہ ۱۸۷۲ء ۹ بمبئی ہائیکورٹ ۱۹؛ خواجہ سلیم اللہ بنام ابوالخیر سنہ ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۲۶۳، ۳ انڈین کیسز ۹۱۴؛ فاطمہ بی بنام حاجی موسی سنہ ۱۹۱۳ء ۳۸ مدراس ۴۹۱، ۲۱ انڈین کیسز ۹۶۴۔

[3] رگھن بر بنام دھانو سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۳۴۳، ۹۹ انڈین کیسز ۱۰۴۵، سنہ ۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۲۵۷۔

[4] خواجہ سلیم اللہ بنام ابوالخیر سنہ ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۲۶۳، ۲۶۸، ۳ انڈین کیسز ۹۱۴۔

[5] ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ سنہ ۱۸۷۲ء ۹ بمبئی ہائیکورٹ ۱۹۱۔

سوم ـ جب (تولیت کے متعلق) واقف کے خاندانی اور غیر خاندانی شخص میں نزاع ہو، تو عدالت پر لازم نہیں ہے کہ وہ خاندانی شخص ہی کو متولی مقرر کرے۔ اسے اس معاملے میں اختیار تمیزی حاصل ہے اور وہ اس اختیار تمیزی کو کام میں لاکر دوسرے (یعنی غیر خاندانی) شخص کو بھی متولی مقرر کرسکتی ہے۔

بیلی، ۶۰۳ - ۶۰۴؛ میکناٹن، صفحہ ۷۰، دفعہ ۶، صفحہ ۳۴۴، مقدمہ نشان ۱۰۔

خاندانی شخص ــــ مقدمۂ شہر بانو بنام آغا محمد[1] میں واقف شیعہ تھا اور اس کے خاندان سے جو تولیت کی دعویدار تھی وہ بابی مذہب کی ایک عورت تھی۔ ابتدائی جج نے اسے متولی مقرر کردیا تھا، مگر عدالت مرافعہ نے اس تقرر کو منسوخ کردیا، نہ اس وجہ سے کہ وہ متولی کی خدمت انجام دینے کے ناقابل تھی، بلکہ اس بناء پر کہ وہ عورت ہونے کی وجہ سے اپنے فرائض نائب کے ذریعے سے بطریق احسن ادا نہ کرسکتی تھی، اور چونکہ وہ بابی مذہب کی تھی اس لئے ممکن تھا کہ وہ شیعوں کے ان مذہبی مراسم کی ادائی میں جن کے لئے یہ وقف کیا گیا ہے پوری دلچسپی نہ لے، اس لئے عدالت نے دوسرے شخص کو متولی مقرر کرنا مناسب تصور کیا۔ یہ تجویز مرافعہ میں پریوی کونسل سے بحال رہی۔ فریق مخالف کی طرف سے جو اسناد یا احکام پیش ہوئے تھے، ان پر غور کرکے جج ان پریوی کونسل نے کہا: کہ "جو اسناد یا احکام پیش ہوئے ہیں وہ ہمارے نزدیک یہ ثابت کرنے سے قاصر ہیں کہ واقف کے خاندان کے رکن کا کوئی قطعی حق ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جو اس وقت درپیش ہے جس میں واقف نے کوئی سلسلہ جانشینی یا انتقال جائداد نہیں بتایا ہے۔"

[1] شہر بانو بنام آغا محمد ۱۹۰۷ء ۳۴، انڈین اپیلز ۴۶، ۳۴ کلکتہ ۱۱۸۔
[2] ۱۹۰۷ء ۳۴ انڈین اپیلز ۴۶، ۳۴ کلکتہ ۱۱۸۔

عدالت کے اختیارات ـــــ عام مذہبی یا خیراتی اوقاف کے متعلق، پرایوی کونسل نے محمد اسمٰعیل بنام احمد مولا[1] کے مقدمے میں یہ لکھا کہ :-

"یہ بھی عذر کیا جاتا ہے کہ شرع اسلام کی رو سے عدالت کو اس معاملے [یعنی مسجد زیر بحث کے متولیوں کے تقرر] میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اس قاعدے کی پابندی کرے جو واقف نے متولیوں یا امنا کے تقرر اور ان کی جانشینی کے متعلق مقرر کر دیا ہے۔ پرایوی کونسل کے جج یہ خیال کرنے پر مجبور ہیں کہ جو انتہائی قضیہ مرافعان کی طرف سے پیش کیا گیا ہے وہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ شرع اسلام بھی انگلستان کے قانون کی طرح، عام اور خانگی امانتوں میں بین فرق کرتی ہے۔ عام طور سے، ایسے اوقاف یا امانتوں کی تعمیل میں جو خاص اشخاص یا ایک مخصوص جماعت کے لیے کی جائیں، قاضی پر جس کی قائم مقام برٹش انڈیا کے عدالتی نظام میں عدالتہائے دیوانی ہیں لازم ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو واقف کی صریح ہدایات کی پابندی کرے۔ لیکن عام مذہبی یا خیراتی امانت میں، جس کی عام اور مشہور مثال مسجد خانہ ہے، قاضی کے اختیارات تمیزی بہت وسیع ہیں۔ اگرچہ وہ مقاصد خیرات کے متعلق واقف کی نیت یا اس کے مقرر ہ قاعدے سے تجاوز نہ کر سکتا ہو، مگر اس کے انتظام کے متعلق، جو تابع حالات ہوتا ہے، اسے پورا اختیار تمیزی حاصل ہے۔ ممکن ہے کہ وہ واقف کی خواہشات کا اس حد تک لحاظ کرے جس حد تک کہ تبدیل شدہ حالات اس کی اجازت دیتے ہوں، مگر اس کا پہلا

---

[1] ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۱۲۷، ۱۳۴، ۴۳ کلکتہ ۱۰۸۵، ۱۱۰۰، ۱۳۵ انڈین کیسز ۳۰۔ نیز دیکھو ابراہیم اسمٰعیل بنام عبدالکریم ۱۹۰۸ء ۳۵ انڈین اپیلز ۱۵۱، ۱۶۴ [مقدمہ از موریشس]۔

فرض یہ ہے کہ وہ عامۂ خلائق کی اس جماعت کے مفاد کو پیش نظر رکھے جس کے فائدے کے لئے وہ وقف کیا گیا ہے۔ وہ اپنے عدالتی اختیار کو کام میں لا کر ایسے انتظامی قاعدے کو جسے ناقابل عمل یا ادارے کے مفاد کے لئے زیادہ تر مفید نہ سمجھتا ہو تبدیل کر دے"۔

جس مقدمے کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اس میں ایک سنی وقف دارقع زنگون کے انتظام کے متعلق نزاع تھی۔ زنگون کی سنی جماعت کچھ رندھاریوں اور کچھ سورتیوں سے مرکب ہے۔ مسجد ایک رندھاری کی بنائی ہوئی تھی، اس کی تجدید اور اس میں اضافہ بھی اس رقم سے کیا گیا تھا جو زیادہ تر رندھاریوں نے دی تھی۔ اور مسجد کا انتظام بھی پچاس برس سے انھی کے ہاتھ میں تھا۔ مسجد کے متعلق کسی بدانتظامی کی شکایت بھی نہ تھی۔ ان حالات میں حجان پراپوی کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ دوسرے حالات کے مساوی ہونے کی صورت میں رندھاریوں کی جماعت بحیثیت متولی مسجد کے انتظام کی مستحق ہے۔

عدالت میں درخواست پیش کرنے پر خالی شدہ خدمت کا انتظام ہو سکتا ہے ــــــ اگر متولی کی خدمت خالی ہو، اور کسی موجودہ متولی کے ہٹانے کا کوئی سوال نہ ہو، تو عدالت میں درخواست پیش کرنے سے اس کا انتظام ہو سکے گا۔ اس کے لئے حسب دفعہ ۹۲ ضابطۂ دیوانی مقدمہ دائر کرنا ضرور نہیں[1]۔

جماعت کے ذریعے سے تقرر ــــــ ایسے ادارے کے لئے جو ایک مخصوص مقام کے لئے ہو، جیسے مسجد یا قبرستان، متولی کا تقرر خود وہاں کی مقامی جماعت کر سکتی ہے[2]۔

---

[1] عبدالعلیم بنام عبیر جان ۱۹۲۸ء ۵۵ کلکتہ ۱۲۸۴، ۱۱۰ انڈین کیسز ۲۱۶، ۱۹۲۸ء آل انڈیا کلکتہ ۳۶۸۔

[2] پیران بنام عبدالکریم ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳؛ دلاور حسین بنام سبحان خاں ۱۹۳۱ء آل انڈیا اودھ ۳۲۵۔

دفعہ ۱۶۶۔ متولی مرض الموت میں جانشین مقرر کرسکتا ہے ——— اگر واقف اور اس کا مہتمم دونوں فوت ہوگئے ہوں اور وقف نامہ میں متولی کی جانشینی کے لئے کوئی انتظام نہ بنایا گیا ہو، تو متولی وقت اپنے مرض الموت میں کسی شخص کو جانشین نامزد کرسکتا ہے۔ حالتِ صحت میں، جس پر مرض الموت کا اطلاق نہ ہوسکے، وہ ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہے[1]۔

متولی مرض الموت میں ایک اجنبی شخص کو بھی اپنا جانشین مقرر کرسکتا ہے؛

واقف کے خاندان کے کسی شخص کو مقرر کرنا اس پر لازم نہیں ہے[2]۔

دفعہ ۱۶۷۔ متولی کی خدمت موروثی نہیں ہے ——— شرع اسلام میں متولی کی خدمت کے متعلق حق وراثت تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن یہ خدمت بربنائے رسم و رواج موروثی ہوسکتی ہے، اور اس صورت میں اس کی پابندی کی جانی چاہئے[3]۔

جب متولی کی خدمت خالی ہو، اور عدالت سے کسی متولی کے مقرر کرنے کی درخواست کی جائے، تو عدالت عام طور سے واقف کے خاندان کے کسی شخص کو بمقابلہ اجنبی کے مقرر کرے گی اور بڑے کو بمقابلہ چھوٹے کے ترجیح دے گی۔ لیکن جب اس قسم کا تقرر نہ ہو، بلکہ مقدمہ اس غرض سے دایر کیا گیا ہو کہ مدعیٰ علیہ جو کہ اس وقت برسر خدمت ہے تولیت سے ہٹا دیا جائے، تو عدالت محض اس بنا پر اسے نہ ہٹائے گی کہ مدعی بڑا بھائی اور مدعیٰ علیہ چھوٹا بھائی ہے، یا یہ کہ مدعی واقف کے خاندان سے ہے اور مدعیٰ علیہ اجنبی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شرع اسلام نے تولیت میں وراثت کو لازم نہیں قرار دیا ہے۔ یہ ممکن ہے، کہ تولیت بربنائے رسم و رواج موروثی ہو، مگر ایسی وراثت عام قانون کے خلاف ہے، اور اس کا پورا ثبوت پیش ہونا چاہئے[4]۔

---

[1] بیلی، ۶۰۴؛ پیران بنام عبدالکریم سنہ ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳، ۲۱۹؛ زلیخا بی بی بنام زین العابدین سنہ ۱۹۰۴ء بمبئی لا رپورٹ ۱۰۵۸۔

[2] شیخ امیر علی بنام سید وزیر سنہ ۱۹۰۵ء ۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۸۷۶۔

[3] میکناٹن، صفحہ ۳۴۴، مقدمہ نشان ۱؛ سید عبداللہ بنام سید زین سنہ ۱۸۸۹ء ۱۳ بمبئی ۵۵۵، ۵۶۱؛ فاطمہ بی بنام حاجی موسیٰ سنہ ۱۹۱۳ء ۳۰ مدراس ۴۹۱، ۲۱ انڈین کیسز ۹۶۴؛ عاصم النسا بنام عبدالسبحان سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ کلکتہ ۴۶۷، ۳۲ انڈین کیسز ۳۱

[4] سنہ ۱۸۸۹ء ۱۳ بمبئی ۵۵۵ حسب سابق، سنہ ۱۹۱۳ء ۳۰ مدراس ۴۹۱، ۲۱ انڈین کیسز ۹۶۴ حسب سابق۔

دفعہ ۱۶۸۔ متولی کو فروخت یا رہن کا اختیار ——— (۱) بغیر عدالت کی اجازت کے، متولی اس کا مجاز نہیں ہے، کہ موقوفہ جائداد یا اس کے کسی جز کو رہن، فروخت یا تبادلہ کرے، بجز اس کے کہ وہ وقف نامہ کے ذریعے سے بصراحت اس کا مجاز کیا گیا ہو۔

(۲) جب جائداد، کوئی پٹہ حاصل کرنے کے لئے ایسے مرکب اغراض کے واسطے رہن کی جائے، جن میں سے بعض جائز اور بعض ناجائز ہوں، تو رہن کلیۃً ناجائز ہوگا۔[1]

بیلی، ۶۰۵۔

تصدیق ما قبل ——— کلکتہ ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ جائداد موقوفہ اگر عدالت کی اجازت حاصل کئے بغیر رہن کر دی جائے، تو لبعدہ عدالت اس کی تصدیق کر سکتی، اور اس کی منظوری دے سکتی ہے۔ عدالت کی اجازت پہلے سے حاصل کئے بغیر جو رہن عمل میں آئے وہ ابتدا ہی سے کالعدم نہیں ہوتا۔[2]

عدالت سے اجازت لینے کی کارروائی ——— ایک مقدمے میں جو ۱۹۰۰ء میں فیصل ہوا کلکتہ ہائیکورٹ نے یہ طے کیا تھا، کہ جو متولی جائداد موقوفہ کو بیع یا رہن کرنے یا پٹے پر دینے کے لئے عدالت کی اجازت چاہتا ہو، اسے مقدمہ پیش کرنا چاہئے، نہ کہ امانت کے ایکٹ نشان ۲۷ ۱۸۶۶ء کے تحت صرف درخواست۔ وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ ایکٹ مذکور کا تعلق ان امانتوں سے ہے جو انگریزی طریقے سے ان انگریزوں نے کی ہوں جنھوں نے ہندوستان کا وطن اختیار کر لیا ہے یا ان لوگوں نے کی ہوں جو ایکٹ وراثت ہند کے تابع ہیں، اس ایکٹ کا تعلق

---

[1] عبدالرحیم بنام نراین داس ۱۹۲۳ء۔ ۵ انڈین اپیلز ۴۸، ۹۱۔ ۵ کلکتہ ۳۲۹، ۱، انڈین کیسز ۶۶۲، ۲۳ء آل انڈیا پریوی کونسل ۴۴۔

[2] بہمی چند بنام غلام حسین ۱۹۰۹ء، ۳ کلکتہ ۱۷۹، ۲ انڈین کیسز ۳۵۳؛ شالیھندرا ناتھ بنام ہادی کار ۱۹۳۱ء ۵۹ کلکتہ ۴۶، ۳، ۱۳۷ انڈین کیسز ۰۰۵، ۳۲ء انڈین کیسز ۲۵۶، پریوی کونسل [جس میں کارروائی سابق کی منظوری دینے سے انکار کر دیا گیا تھا]۔

مسلمانوں سے نہیں ہے[1]۔ گرحال کے مقدمات میں یہ فیصلہ نا پسند کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ منظوری کے لئے مقدمہ دایر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ صرف درخواست کے ذریعے سے حاصل کی جاسکتی ہے[2]۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی میں امینوں کے ایکٹ کے تحت درخواست کے ذریعے سے ایسی اجازت حاصل کی جاسکتی ہے[3]۔

ناجایز انتقال اور میعاد ــــ جائداد وقف جو متولی کے ہاتھ میں ہو اس کے نکالنے، اور ایسی جائداد کے ناجائز انتقالات کو منسوخ کرانے، اور منتقل الیہم سے قبضہ حاصل کرنے کے مقدمات کی جو میعاد پہلے مقرر تھی وہ سنہ ۱۹۲۹ کے ایکٹ نشان (۱) سے ترمیم کی گئی ہے۔ اصل ایکٹ [میعاد سماعت سنہ ۱۹۰۸] کی دفعہ ۱۰ میں ایک فقرہ یعنے فقرہ ۲ کا اضافہ کیا گیا، اور جدید مدات ۴۸ ب، ۱۳۴ الف، ۱۳۴ ب اور ۱۳۴ ج قایم کی گئیں۔ اس ترمیم سے پہلے جو قانون تھا اس کے لئے دیکھو مقدمات مندرجۂ حاشیہ[4]۔

---

[1] بمعاملہ حلیمہ خاتون سنہ ۱۹۰۹، ۳۷ کلکتہ ۸۷۰، ۷ انڈین کیسز ۳۳۔

[2] فخر النساء بنام ڈسٹرکٹ جج سنہ ۱۹۲۰، ۴۸ کلکتہ ۵۹۲، ۶۵ انڈین کیسز ۴۸۵؛ جبار بنام سعید النساء سنہ ۱۹۲۴، ۵۱ کلکتہ ۳۲۱، ۷۷ انڈین کیسز ۹۴۴، سنہ ۲۴ آل انڈیا کلکتہ ۴۷۳۔

[3] بمعاملہ کاہنداس نارن داس سنہ ۱۸۸۱، ۵ بمبئی ۱۵۴؛ لنگ بنام مولجی سنہ ۱۹۱۹، ۴۳ بمبئی لا رپورٹ ۱۱۱۱، ۴۵ انڈین کیسز ۵۸۴، جس میں ایک جدید امین کے تقرر کی درخواست پر یہ قرار دیا گیا کہ بمبئی میں ایکٹ مذکور ہندوؤں سے متعلق ہے۔

[4] ودیا وردتی بنام بالوسوامی سنہ ۱۹۲۱، ۴۸ انڈین اپیلز ۳۰۲، ۴۴ مدراس ۸۳۱، ۶۵ انڈین کیسز ۱۶۱، سنہ ۲۱ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۲۳؛ عبدالرحیم بنام نراین داس سنہ ۱۹۲۳، ۵۰ انڈین اپیلز ۸۴، ۵۰ کلکتہ ۳۲۹، ۷۱ انڈین کیسز ۶۴۶، سنہ ۲۳ آل انڈیا پریوی کونسل [رہن]؛ سیبا بنام محمد سنہ ۱۹۲۳، ۵۰ انڈین اپیلز ۲۹۵، ۴۶ مدراس ۷۵۱، ۷۴ انڈین کیسز ۹۲۴، سنہ ۲۳ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۷۵ [فروخت بہ تعمیل ڈگری]

دفعہ ۱۶۹ - متولی کا اختیار پٹہ دینے کے متعلق ـــــ جائداد وقف اگر زراعتی ہے، تو متولی اسے پٹے پر تین سال سے زیادہ کے لئے، اور اگر غیر زراعتی ہے، تو ایک سال سے زیادہ کے لئے نہیں دے سکتا۔

(الف) بجز اس کے کہ وقف نامہ میں بصراحت اسے ایسا اختیار دیا گیا ہو؛

(ب) یا جس صورت میں اسے ایسا اختیار نہ دیا گیا ہو، بجز اس کے کہ اس نے عدالت سے ایسا کرنے کی اجازت حاصل کر لی ہو[1]۔ عدالت ایسی اجازت اس صورت میں بھی دے سکتی ہے جب کہ واقف نے زیادہ تر وسیع مدت کے لئے پٹہ دینے کی بصراحت ممانعت کر دی ہو۔

بیلی ۶۰۶ ـــ ۶۰۷۔

پٹہ اور اس کے باضابطہ ہونے کا قیاس ـــ جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ بغیر عدالت کی اجازت کے دوامی پٹہ نہیں دیا جا سکتا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں اس قسم کی اجازت دینا قاضیوں کے متعلق ہوگا۔ جو اوقاف ۱۷۹۳ء کے پہلے قائم ہوئے تھے، ان کی اراضی کے متعلق جو ایسے پٹے دیے گئے تھے اور قاضیوں کی اجازت کی کوئی شہادت موجود نہ تھی، پرایوی کونسل نے یہ قرار دیا کہ جب یہ بات ثابت ہے کہ ابتدائی اسامی اور اس کے جانشین سالہا سال سے قابض چلے آئے ہیں اور متولیوں میں سے کسی نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا، تو یہ قیاس کیا جائے گا کہ ایسے اسامی قاضی کی اجازت سے بنائے گئے تھے، اور وہ کاغذ جس کے ذریعے سے ایسی اجازت دی گئی تھی تلف ہو گیا[2]۔

میعاد ـــ دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۶۸ بالا۔

---

[1] بمعاملہ وضاحت النسا، ۱۹۰۰ء ۲۶ کلکتہ ۲۱۔

[2] محمد مظفر الموسوی بنام زبیدہ خاتون ۱۹۳۰ء ۵۷ انڈین اپیلز ۱۲۵، ۵۷ کلکتہ ۱۲۹۳، ۱۲۳ انڈین کیسز ۲۲، ۱۹۳۰ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۰۳۔

دفعہ ۱۷۰۔ عہدہ داروں اور ملازموں کا وظیفہ (الاؤنس) ـــ

متولی اس کا مجاز نہیں ہے کہ وقف کے عہدہ داروں یا ملازموں کے وظائف ان وظایف سے بڑھادے جو واقف مقرر کر گیا ہے، مگر عدالت مناسب صورتوں میں ایسا کر سکے گی۔

امیر علی، طباعت چہارم، جلد اوّل، ۴۶۹۔

دفعہ ۱۷۱۔ متولی کا معاوضۂ خدمت ـــ متولی کا معاوضۂ خدمت خود واقف مقرر کر سکتا ہے، یہ معاوضہ ایک معین رقم، یا جائداد وقف کی آمدنی کا وہ جز ہو سکتا ہے جو وقف کی نگہداشت کے ضروری مصارف کے بعد بچ رہے[1]۔ اگر واقف نے متولی کی خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مقرر کیا ہے، تو عدالت اس کے لئے ایک ایسی رقم مقرر کر سکتی ہے جو جائداد وقف کی آمدنی کے دسویں حصے سے زیادہ نہ ہو[2]۔ اگر واقف کا مقرر کردہ معاوضہ ضرورت سے زیادہ قلیل ہو، تو عدالت اس میں اضافہ کر سکتی ہے، بشرطیکہ وہ آمدنی کے دسویں حصے کی حد سے بڑھنے نہ پائے[3]۔

دفعہ ۱۷۱ الف۔ متولی کا فرض حساب پیش کرنے کے متعلق، مسلمانوں کا وقف ایکٹ بابت ۱۹۲۳ء ـــ سنہ ۱۹۲۳ء کے ایکٹ کا مقصد یہ ہے کہ جائداد وقف کا انتظام بطریق احسن ہو اور اس قسم کی جائدادوں کی آمدنی کا صحیح حساب رکھا جاتا اور شائع ہوتا رہے۔ ایکٹ مذکور کی دفعہ (۵) کی رو سے متولی پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ آمدنی کا صحیح تخمینہ تیار کر کے اس کی تنقیح کرائے (دفعہ ۶)، اور اس تنقیح شدہ تخمینے کو عدالت ضلع میں پیش کرے، یا جس صورت میں کہ جائداد ہائیکورٹ کے معمولی ابتدائی دیوانی اختیارات کے حدود میں واقع ہو، تو ہائی کورٹ کی کسی ایسی ماتحت عدالت میں پیش کرے، جسے مقامی حکومت (لوکل گورنمنٹ) نامزد کر دے۔ اس کا ترک مستوجب جرمانہ قرار دیا گیا ہے (دفعہ ۱۰)۔ یہ ایکٹ ان اوقاف سے متعلق نہیں ہے جن میں خود واقف یا اس کا خاندان یا اس کی اولاد

---

[1] سید اسمٰعیل بنام حمیدی بیگم سنہ ۱۹۲۱ء ۶ پٹنہ لا جرنل ۲۱۰، ۲۳۳ ـــ ۲۳۴، ۶۲ انڈین کیسز ۴۵۵، سنہ ۲۱ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۲۵۔

[2] محی الدین بنام سعید الدین سنہ ۱۸۹۳ء ۲۰ کلکتہ ۸۱۰، ۸۲۱

[3] امیر علی، اشاعت چہارم، جلد اول، ۴۶۹۔

فی الوقت استفادہ کی دعویدار ہو سکتی ہو۔ [دفعہ ۲ (ل)]۔

مسلمانوں کے ایکٹ سنہ ۱۹۲۳ء میں ان صورتوں کے لئے کوئی طریقۂ کارروائی نہیں بتایا گیا ہے جن میں قابض جائداد اس کے وقف ہونے سے انکار کرتا ہے۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایسی صورتوں میں ایکٹ مذکور کی رو سے عدالت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ جائداد کے وقف یا غیر وقف ہونے کے متعلق تحقیقات کر سکے۔ اودھ[1] اور الہ آباد[2] کی عدالتوں کی رائے میں وہ مجاز ہے۔ پٹنہ ہائیکورٹ اسے مجاز نہیں قرار دیتی،[3] مگر اس کی رائے میں ایسی تحقیقات خیراتی اور مذہبی امانتوں کے ایکٹ سنہ ۱۹۲۰ء کی دفعہ ۵ کی رو سے ہو سکتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء کا ایکٹ ایک عام ایکٹ ہے، اور تمام ایسی امانتوں سے متعلق ہے جو "عام خیراتی یا مذہبی نوعیت کے مقاصد کے لئے کی گئی ہوں" خواہ انھیں ہندوؤں نے قایم کیا ہو یا مسلمانوں نے۔ اودھ میں یہ طے ہوا کہ سنہ ۱۹۲۰ء کا ایکٹ اس وقف سے متعلق نہیں ہوتا جو جزواً مقاصد عام اور جزواً خاندان کے استفادہ کے لئے کیا گیا ہو۔[5]

الہ آباد میں یہ طے ہوا کہ اگرچہ اس کارروائی میں جو ایکٹ سنہ ۱۹۲۳ء کی دفعہ ۱ کے تحت شروع کی جائے عدالت اس امر کی تحقیقات کی مجاز ہے کہ کوئی جائداد وقف ہے یا نہیں، مگر ایکٹ مذکور کی رو سے

---

[1] محمد باقر بنام محمد سنہ ۳۲ آل انڈیا اودھ ۲۱۰، ۱۳۸ انڈین کیسز ۷۲۵۔

[2] نصر اللہ بنام سید واجد علی سنہ ۳۲ آل انڈیا الہ آباد ۳۶۲، ۳۶ انڈین کیسز ۸۱۲۔

[3] سید علی بنام کلکٹر بھاگل پور سنہ ۲۷ آل انڈیا پٹنہ ۱۸۹، ۱۰۱ انڈین کیسز ۲۰۷۔

[4] سید علی بنام بی بی اختری سنہ ۱۹۳۱ء ۱۰ پٹنہ ۵۰۶، ۱۳۴ انڈین کیسز ۸۱۷، سنہ ۳۱ آل انڈیا پٹنہ ۳۵۴۔

[5] صابر حسین بنام عاشق حسین سنہ ۱۹۲۹ء ۴ لکھنؤ ۴۲۵، ۱۱۷ انڈین کیسز ۳۹، سنہ ۲۹ آل انڈیا اودھ ۲۲۵۔

وہ اس کی مجاز نہیں ہے کہ جو فریق حساب نہ داخل کرے اسے حساب داخل کرنیکا حکم دے۔[1]

دفعہ ۱۷۲۔ متولی کا تولیت سے علیحدہ کیا جانا ــــ عدالت، متولی کو ناجائز افعال یا امانت کی خلاف ورزی کے ثابت ہونے پر، یا اس بناء پر کہ وہ اور طرح سے اس عہدے کے قابل نہیں ہے، تولیت کی خدمت سے علیحدہ کر سکتی ہے، اگرچہ واقف نے بصراحت یہ ہدایت کی ہو کہ وہ کسی صورت میں بھی اس خدمت سے علیحدہ نہ کیا جائے گا۔ واقف کو قبضہ دے دینے کے بعد یہ اختیار نہیں رہتا، کہ وہ کسی حالت میں بھی متولی کو علیحدہ کر سکے، بجز اس کے کہ اس نے وقف نامہ میں ایسا اختیار بصراحت اپنے لئے محفوظ کر لیا ہو[2]

بیلی، ۶۰۰؛ میگناٹن، صفحہ ۶۷، دفعہ ۵۔ واقف خود متولی ہونے کی صورت میں بھی بدچلنی کی بنا پر عدالت سے موقوف ہو سکتا ہے۔

دفعہ ۱۷۳۔ متولی کی خدمت قابل انتقال نہیں ہے ــــ متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنا عہدہ کسی دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دے جب تک کہ ایسا اختیار واقف نے اسے بصراحت نہ دیا ہو۔ مگر وہ جائداد موقوفہ کے انتظام میں مدد دینے کے لئے کسی شخص کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے[3]۔

دفعہ ۱۷۳ الف۔ خدمت متولی کی قرقی ــــ ذاتی ڈگری کی تعمیل میں متولی کی خدمت قرق نہیں ہو سکتی ہے[4]

دفعہ ۱۷۳ ب۔ متولی پر جو دعوی کیا جائے اس کی میعاد ــــ کوئی

---

[1] نصر اللہ خاں بنام واجد علی ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۱۶۷، ۱۱۸ انڈین کیسز ۷۱، ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۱۸۔

[2] غلام حسین بنام حاجی اعظم ۴ مدراس ہائیکورٹ ۴۴؛ ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ ۹ بمبئی ہائیکورٹ ۱۸۷۱ء ۱۹، ۲۳۔ ۲۴ [شیعوں کا مقدمہ]؛ ہدایت النسا بنام سید افضل ۱۸۷۰ء ۲ نارتھ ویسٹ پراونس ۴۲۲ [شیعوں کا مقدمہ]۔

[3] خواجہ سلیم اللہ بنام ابو النجیر ۱۹۰۹ء ۳۷ کلکتہ ۲۶۳، ۲۷۷۔ ۲۷۹، ۳ انڈین کیسز ۴۱۹؛ حاجی علی بنام انجمن اسلامیہ ۱۹۲۱ء ۱۲ لاہور ۹۰، ۵۶۹۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۵۶، ۱۹۳۱ء آل انڈیا لاہور ۳۷۹؛ واحد علی بنام اشرف حسین ۱۸۸۲ء ۸ کلکتہ ۷۳۲۔

[4] سرکم بنام رحمان بخش ۱۸۹۶ء ۲۴ کلکتہ ۸۳، ۹۱۔

مقدمہ جو متولی یا منتظم جائداد وقف یا ان کے قانونی نمایندوں یا منتقل الیہم (اگر وہ قیمتی بدل کی بنا پر منتقل الیہم نہ ہوں) پر اس کے یا ان کے ہاتھ سے جائداد یا اس کی آمدنی نکالنے، یا ایسی جائداد یا اس کی آمدنی کا حساب دینے، کے لئے دائر کیا جائے، وہ خواہ کتنی ہی مدت کے بعد دائر کیا جائے، خارج المیعاد نہ متصور ہوگا۔

دفعہ ۱۰ ایکٹ میعاد سماعت بابت ۱۹۰۸ء مرممہ ذریعۂ ایکٹ نشان ۱ بابت ۱۹۲۹ء دفعہ ۲۔ ان مقدمات کی میعاد کے لئے جن میں جائداد بدل قیمتی کے ساتھ منتقل کی گئی ہو، دیکھو مدات ۱۳۴ ب ۱۳۴ الف، ۱۳۴ ب ۱۳۴ ج، جن کا اضافہ ایکٹ نشان ۱ بابت ۱۹۲۹ء کی دفعہ ۳ کے ذریعے سے کیا گیا ہے۔

متفرقات

دفعہ ۱۷۴۔ عام مسجد — جو مسجد خدا کے نام پر وقف کی گئی ہو اس میں ہر مسلمان کو داخل ہونے اور اپنے طریقے اور مذہب کے مطابق نماز ادا کرنے کا حق ہے۔ مگر یہ امر یقینی نہیں ہے کہ آیا ایسی مسجد جسے بانی مسجد نے ایک خاص فرقے یا مذہب کے لوگوں کے لئے بنایا ہو دوسرے فرقے یا مذہب کے لوگ اسے استعمال کر سکتے ہیں[1]۔

عطاء اللہ[2] کے مقدمے میں، الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ لکھا، کہ جو مسجد خدا کے نام پر وقف ہو اسے سب مسلمان استعمال کر سکتے ہیں وہ بطریق جائز کسی ایک فرقے کے لئے مخصوص نہیں کی جا سکتی۔ جحان پریوی کونسل نے

[1] عطاء اللہ بنام عظیم اللہ ۱۸۸۹ء ۱۲ الہ آباد ۴۹۴؛ جنگو بنام احمد اللہ ۱۸۸۹ء ۱۳ الہ آباد ۴۱۹؛ فضل کریم بنام مولا بخش ۱۸۹۱ء ۱۸ کلکتہ ۴۴۸، ۱۸ انڈین اپیلز ۵۹؛ عبدالسبحان بنام قربان علی ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۲۹۴؛ مولا بخش بنام امیر الدین ۱۹۲۰ء لاہور ۳۱۷، ۵۷ انڈین کیسز ۱۰۰۔

[2] ۱۸۸۹ء ۱۲ الہ آباد ۴۹۴۔

فضل کریم [1] کے مقدمہ میں اس فیصلے کا حوالہ نو دیا مگر یہ کہہ کر کہ جو مقدمہ ان کے سامنے اس وقت پیش ہے، اس کے واقعات کے لحاظ سے صحیح طور سے یہ سوال پیش نہیں آتا؛ الہ آباد ہائیکورٹ کے فیصلے کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ عبد السبحان کے مقدمہ میں کلکتے کی ہائیکورٹ نے اس امر کے متعلق شبہ ظاہر کیا کہ آیا مسجد کا مسلمانوں کے کسی ایک فرقے کے لئے مخصوص کیا جانا شرع اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ عطاءاللہ کے مقدمے میں جو رائے قائم ہوئی تھی اس کا اتباع لاہور کی ہائیکورٹ نے مولا بخش کے مقدمے میں کیا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسئلہ قطعی طور سے طے ہو چکا ہے۔ البتہ جب مسجد کسی خاص فرقے کے لئے نہ مخصوص کر دی گئی ہو، تو بلا شبہ ہر مسلمان بلا امتیاز فرقہ و مذہب کے اسے عبادت کے لئے کام میں لا سکتا ہے۔ اس طور سے ایک شافعی نماز جماعت میں شریک ہو سکتا ہے، اگرچہ جماعت میں حنفیوں کی تعداد زیادہ ہو۔ اور آمین بالجہر کہنے کی وجہ سے وہ حنفیوں کی جماعت میں جو آمین آہستہ کہتے ہیں شرکت سے ممنوع نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح، اہلِ حدیث یا وہابی ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کے مجاز ہیں جو ابتداءً حنفیوں کے لئے تعمیر ہوئی ہو اور عام طور سے انہیں کے استعمال میں رہی ہو، اگرچہ ان کے عقائد حنفیوں کے عقائد سے مختلف ہوں۔ مگر شرع اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس کی بناء پر کسی جدید فرقے کو یہ حق دیا گیا ہو کہ وہ الگ جماعت کرے اور اپنے منتخب کردہ امام کے پیچھے نماز ادا کرے۔

جب عدالت کو کسی ایسی ڈگری کی ترتیب میں کوئی ایسی تجویز درج کرتی ہو، جس کی رو سے کوئی خاص فرقہ کسی مسجد کے استعمال کا مستحق قرار پایا ہو، تو عدالت اس فرقے کے صدر کو یہ اختیار نہ دے گی کہ

---

[1] حکیم خلیل بنام ملک اسرافیل ۱۹۱۷ء پٹنہ لا جرنل ۱۰۰، ۳۷ انڈین کیسز ۳۰۲۔

وہ اپنے اختیار تمیزی سے اس فرقے کے کسی شخص کو نماز میں شرکت یا نماز کے لیے مسجد میں آنے سے روک سکے۔[1]

مسجدوں کے انتظام کے متعلق، دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۱۶۵ بعنوان "اختیارات عدالت"۔

دفعہ ۱۷۵۔ سجادہ نشین؛ خانقاہ — سجادہ نشین، خانقاہ کا صدر ہوتا ہے۔

خانقاہ ایک اسلامی ادارہ ہے جو بہت سے امور میں ہندوؤں کے اس مندر کے مماثل ہے جس میں ہندوؤں کے مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ سجادہ نشین مذہبی اصول اور اعمال زندگی کا معلم، ادارے کا منتظم، اور اس کی خیرات کا مہتمم ہوتا ہے، اور عام طور سے خانقاہ کی آمدنی کی بچت کا بہ نسبت متولی کے زیادہ مستحق سمجھا جاتا ہے۔[2] لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر صورت میں خانقاہ کی کل آمدنی سجادہ نشین کے اختیار میں رہتی ہے۔ بعض خانقاہوں میں سجادہ نشین کے علاوہ واقف کے خاندان کے ارکان بھی اس نذر و نیاز کی آمدنی کے مستحق ہوتے ہیں جو مصارف کے بعد پس انداز ہوتی ہے۔[3]

اصطلاح "سجادہ نشین" دو الفاظ "سجادہ" (مصلی) اور "نشین" (بیٹھنے والے) سے مرکب ہے۔ سجادہ نشین نماز میں امامت کرتا ہے۔ متولی کی خدمت دنیاوی؛ اور سجادہ نشین کی خدمت روحانی ہوتی ہے اسے بعض روحانی فرائض ادا کرنے ہوتے ہیں۔[4] ایک شخص ایک ہی وقف میں متولی

---

[1] اکبر علی بنام محمد علی ۱۹۳۲ء ۵۶ بمبئی لا رپورٹ ۶۵۵، ۱۳۸ انڈین کیسز ۱۸، ۱۹۳۲ء آل انڈیا بمبئی ۳۵۶۔

[2] دویا دار دنھی بنام بالوسوامی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۳۰۲، ۳۱۲، ۴۴ مدراس ۸۳۱، ۸۴۱، ۶۵ انڈین کیسز ۱۶۱، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۲۳؛ زلیخا بی بی بنام سید زین العابدین ۱۹۰۴ء ۶ بمبئی لا رپورٹ ۱۰۵۔

[3] محمد حامد بنام میاں محمد ۱۹۲۳ء ۵۰ انڈین اپیلز ۹۲، ۱۰۵ — ۱۰۶، ۴ لاہور ۱۵، ۲۹، ۷۷ انڈین کیسز ۱۰۰۹، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۳۸۴۔

[4] دیکھو پیراں بنام عبدالکریم ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳؛ سکریٹری آف اسٹیٹ بنام محی الدین ۱۹۰۰ء ۲۷ کلکتہ ۶۷۴۔

اور سجادہ نشین بھی ہو سکتا ہے؛ عدالت ضابطۂ دیوانی کی دفعہ ۹۲
کے تحت انتظام کرتے وقت ان دونوں عہدوں کو جدا کر سکتی ہے۔
سجادہ نشین متولی کی طرح (دفعہ ۱۶۶) اپنا جانشین مقرر کر سکتا ہے[1]۔
نابالغ سجادہ نشین نہیں ہو سکتا[2]۔ بدچلنی کی بناء پر سجادہ نشین علیحدہ
کیا جا سکتا ہے[3]۔ جو جائداد خانقاہ کی عمارتوں اور مدرسوں کی نگہداشت
کے لئے دی جائے وہ ایسی ڈگری کی تعمیل میں قرق نہیں ہو سکتی جو
سجادہ نشین کی ذات کے متعلق صادر ہوئی ہو[4]۔ اگر وقف نامہ
میں کوئی ہدایت نہ ہو تو سجادہ نشینی حسب مراسم مروجہ عمل میں آتی ہے[5]
وقف نامہ میں خانقاہ کے نوبت نواز کے لئے کسی رقم کا مقرر
کیا جانا ناجائز نہیں ہے[6]۔

دفعہ ۱۷۵۔ الف۔ قاضی —— شرع اسلام قاضی کی خدمت کو موروثی
نہیں تسلیم کرتی ہے[7] اس حق کا دعویٰ، اگرچہ اس کی تائید رواج سے ہوتی ہو، عدالت دیوانی سماعت
نہیں کر سکتی[8]۔

---

[1] دیکھو سید شاہ بنام سید ابی سنہ ۱۹۳۲ء ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۳۴۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۱۷، سنہ ۳۲ آل انڈیا پٹنہ ۲۳۔

[2] سنہ ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۲۰۳، ۲۱۹ — ۲۲۰، حسب بالا۔

[3] سید شاہ بنام سید ابی سنہ ۱۹۳۲ء ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۳۴۶ — ۳۴۷، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۱۷، سنہ ۳۲ آل انڈیا پٹنہ ۲۳۔ بخلاف اشتیاق بنام سید مسعود سنہ ۱۹۰۹ء ۳ انڈین کیسز ۵۰۸۔

[4] شاہ محمد بنام محمد سنہ ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۱۰۹، ۱۰۰ انڈین کیسز ۲۴۱، سنہ ۲۷ آل انڈیا اودھ ۱۱۳۔

[5] دیکھو اسمٰعیل میاں بنام وحدانی سنہ ۱۹۱۲ء ۳۶ بمبئی ۳۰۸، ۱۴ انڈین کیسز ۹۶۹؛ سید شاہ بنام سید ابی سنہ ۱۹۳۲ء ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۳۴۶، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۱۷، سنہ ۳۲ آل انڈیا پٹنہ ۲۳۔

[6] دیکھو سید شاہ بنام سید ابی حسب حوالۂ سابق۔

[7] جمال ولد احمد بنام جمال ولد جلال سنہ ۱۸۷۶ء ۱ بمبئی ۶۳۳؛ داؤد شاہ بنام اسمٰعیل شاہ سنہ ۱۸۸۱ء ۳ بمبئی ۷۲؛ بابا کاکاجی بنام نصر الدین سنہ ۱۸۹۳ء ۱۸ بمبئی ۱۰۳۔

[8] قاسم خاں بنام قاضی عبداللہ سنہ ۱۹۲۶ء ۵۰ بمبئی ۱۳۳، ۹۳ انڈین کیسز ۱۳۵، سنہ ۲۶ آل انڈیا بمبئی ۱۵۳۔

قاضی کو حکومت مقرر کر سکتی ہے[1]۔ یا مقامی مسلمان اپنے اندرونی اور باہمی انتظام سے ایسا کر سکتے ہیں[2]۔

دفعہ ۱۷۵ ۔ الف ۔ تکیہ ــــ تکیہ ایک مذہبی ادارہ مسلمہ قانون ہے۔ اس لئے تکیے کے لئے وقف بطریق جائز کیا جا سکتا ہے[3]۔

"تکیہ" کے لفظی معنی آرام گاہ کے ہیں۔ اب اس کا استعمال اس مقام کے لئے ہوتا ہے جہاں کوئی درویش (بزرگ شخص) رہتا اور اپنے مریدوں وغیرہ کو تعلیم دیتا ہے محض بندوبست کے کاغذات میں کسی جائداد کے تکیے کے نام سے درج ہونے سے اس کا وقف ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے[4]۔

دفعہ ۱۷۶ ۔ اوقاف کے انتظام کے متعلق ایکٹ ــــ اوقاف عام کی حفاظت، تعمیل، اور انتظام کے متعلق جو ایکٹ ہیں ان کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے:۔

(۱) اوفیشل ٹرسٹی (امنائے سرکاری) ایکٹ نشان ۲ بابت ۱۹۱۳ء۔

(۲) چیری ٹیبل انڈومنٹ (خیراتی اوقاف) ایکٹ نشان ۶ بابت ۱۸۹۰ء دفعات ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۸۔

(۳) ریلیجس انڈومنٹ (مذہبی اوقاف) ایکٹ نشان ۲ بابت ۱۸۶۳ء دفعہ ۱۴۔

(۴) کوڈ آف سول پروسیجر (ضابطۂ دیوانی) ۱۹۰۸ء دفعات ۹۲ ـ ۹۳۔

اگر "اغراض عامہ" کے اوقاف میں سے کسی وقف کے متعلق ان چارہ کاروں میں سے جن کا ذکر ضابطۂ مذکور کی دفعہ ۹۲ ضمن (۱) میں کیا گیا ہے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ چارۂ کار حاصل کرنا ہو تو حسب احکام مندرجۂ دفعۂ مذکور ایسا مقدمہ ایڈووکیٹ جنرل کی منظوری کے بعد دائر کیا جانا چاہئے۔ لیکن اگر وقف "مقاصد عامہ" کے لئے نہیں ہے تو

---

[1] دیکھو قاضیوں کا ایکٹ نشان ۱۲ بابت ۱۸۸۰ء و شیخ عمر بنام بڈھن خان ۱۹۱۲ء، ۳۳ مدراس ۲۲۸، ۲۵ انڈین کیسز ۹۰۸۔

[2] دیکھو ۱۹۲۶ء۔ ۵۰ بمبئی ۱۳۳، صفحہ ۱۴۶، ۹۲ انڈین کیسز ۱۳۵، ۱۹۲۶ء آل انڈیا بمبئی ۱۵۳، ۱۰ گزشتہ۔

[3] حسین شاہ بنام گل محمد ۱۹۲۵ء، ۶ لاہور ۱۷۰، ۸۸ انڈین کیسز ۶۱۸، ۱۹۲۵ء آل انڈیا لاہور ۴۲۰۔

[4] شفیق الدین بنام محبوب ۱۹۳۰ء، ۱۱ لاہور ۶۳۲، ۱۲۵ انڈین کیسز ۸۹۳، ۱۹۳۰ء آل انڈیا لاہور ۷۱۴۔

اس کی ضرورت نہیں ۔ ایک خانگی امام باڑے کا مقدمہ وقف "مقاصد عام"
کا مقدمہ نہیں متصور ہو سکتا[1] اور نہ ایسے وقف کا کوئی مقدمہ جس کے
وقف نامہ سے جائداد کا فی الحقیقت واقف کے خاندان کو دیا جانا
پایا جاتا ہو، وقف "مقاصد عام" کا مقدمہ سمجھا جائے گا[2] ۔ البتہ
جو وقف مسجد یا خانقاہ کے لئے کیا جاتا ہے وہ مقاصد عام کے لئے
ہوتا ہے، اور اس کے متعلق جو مقدمہ دائر کیا جائے وہ پابندی احکام
دفعہ مذکور دائر کیا جانا چاہئے[3] ۔

(۵) - چیریٹیبل اینڈ ریلجس ٹرسٹ (خیراتی و مذہبی وقف) ایکٹ نشان (۱۴) بابت سنہ ۱۹۲۰ء ۔

دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۱۷۱ الف ۔

(۶) مسلمانوں کا وقف ایکٹ نمبر ۴۲ بابت سنہ ۱۹۲۳ء

دیکھو دفعہ ۱۷۱ الف ۔

---

[1] اصغر علی بنام دلرس بانو سنہ ۱۸۷۷ء ۳ کلکتہ ۳۲۴ ۔

[2] محمد شفیق بنام محمد سنہ ۱۹۲۹ء ۵۱ الہ آباد ۳۰، ۱۱۱ انڈین کیسز ۹۳، سنہ ۲۸ء آل انڈیا الہ آباد ۶۶۰ ۔

[3] سید شاد بنام سید ابی سنہ ۱۹۳۲ء ۱۱ پٹنہ ۲۸۸، ۳۴۴ ۔ ۳۴۵، ۱۳۶ انڈین کیسز ۱۴۷، سنہ ۳۲ء آل انڈیا پٹنہ ۳۳ ۔

فصل سیزدہم

شفعہ

دفعہ ۱۷۷۔ شفعہ ـــــ حق شفعہ وہ حق ہے جو ایک جائداد غیر منقولہ کے مالک کو دوسری ایسی غیر منقولہ جائداد کے خرید لینے کا حاصل ہوتا ہے جو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردی گئی ہو۔

ہدایہ، ۵۴۷؛ بیلی، ۴۷۵۔
کلکتہ[1] اور بمبئی[2] ہائی کورٹ میں یہ طے ہوا ہے کہ حق شفعہ مشتری سے (جائداد خرید کردہ کو) پھر خرید لینے کا حق ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ[3] نے اسے لازمہ جائداد قرار دیا ہے۔

دفعہ ۱۷۸۔ احاطۂ مدراس میں قانون شفعہ نافذ نہیں ہے ـــــ برطانیہ ہند کی عدالتیں شفعہ کا اسلامی قانون مسلمانوں سے بلحاظ عدل، نصفت اور نیک نیتی کے متعلق

---

[1] قدرت اللہ بنام ماہنی موہن ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لارپورٹ ۱۳۴۔
[2] حمید میاں بنام بنجمن ۱۹۲۹ء ۵۳ بمبئی ۵۲۵، ۵۳۲، ۱۱۸ انڈین کیسز ۴۴۵، ۱۹۲۹ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۶۔
[3] گوبند دیال بنام عنایت اللہ ۱۸۸۵ء، ۷ الہ آباد ۷۷۵۔

کرتی ہیں؛ باستثنائے احاطۂ مدراس کے جہاں یہ حق مطلق تسلیم نہیں کیا جاتا [البتہ ملابار میں بطور مقامی رواج کے نافذ ہے[1]]۔ اس معاملے کے قدیم ترین مقدمے میں مدراس ہائیکورٹ نے جو وجہ اسے نہ تسلیم کرنے کی بتائی ہے وہ یہ ہے کہ قانون شفعہ انتقال جائداد کی آزادی میں مزاحم ہوتا ہے، اور اس لئے عدل، نصفت اور نیک نیتی کے خلاف ہے۔ اس مقدمے میں حق شفعہ کا دعویٰ "جار[2]" (پڑوسی) ہونے کی بناء پر کیا گیا تھا۔

ایک حال کے رنگون کے مقدمے میں فریقین نسلاً مدراسی مسلمان تھے اور حق شفعہ کا دعویٰ اشتراک ملکیت کی بناء پر کیا گیا تھا۔ رنگون کی ہائیکورٹ نے مدعی کے دعویٰ شفعہ کی اس بناء پر تائید کی کہ وہ برہما کے قانونی ایکٹ کی دفعہ ۱۳ کی ضمن (۱) کے تحت آجاتا تھا[3]۔

دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۵ گزشتہ۔

دفعہ ۱۷۹۔ **مخصوص ایکٹ** —— پنجاب میں قاعدۂ شفعہ، پنجاب کے ایکٹ شفعہ نشان ۱ بابت ۱۹۱۳ء کے احکام کے مطابق نافذ کیا جاتا ہے؛ اور اودھ میں اودھ کے ایکٹ ۱۸۷۶ء کے مطابق۔ یہ ایکٹ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں دونوں سے یکساں متعلق ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان مقامات میں شرع اسلام کے احکام شفعہ مسلمانوں سے بھی محض بحیثیت مقامی رواج کے متعلق ہوتے ہیں[4]۔

دفعہ ۱۸۰۔ **شفعہ ہندوؤں میں** —— حق شفعہ بربنائے رواج ان ہندوؤں کے لئے بھی تسلیم کیا جاتا ہے جو بہار[5]، اور گجرات کے بعض حصوں مثلاً سورت،

---

[1] کرشنا مینن بنام کساون ۱۸۹۷ء ۲۰ مدراس ۳۰۵۔

[2] ابراہیم بنام منی میرالدین ۱۸۷۰ء ۶ ہائی کورٹ مدراس سرکلر ۲۶۔

[3] سید ابراہیم بنام سعید خاں ۱۹۲۶ء ۴ رنگون ۱۳، ۹۵ انڈین کیسز ۸۳، ۱۹۲۶ء آل انڈیا رنگون ۹۔

[4] ولسن کا خلاصہ انگریزی اسلامی قانون دفعہ ۳۵۳۔

[5] فقیر راوٹ بنام امام بخش ۱۸۶۳ء بنگال لاء رپورٹ جلد ۵ ۳۵؛ جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۵ انڈین کیسز ۶۵۹۔

بھروچ اور گودھرا[1] کے باشندے یا متوطن ہوں[2]؛ اس حق کے متعلق شرع اسلام کے قواعد شفعہ کے مطابق کارروائی ہوتی ہے، بجز اس کے کہ قواعد مذکور میں بربنائے رواج کوئی تبدیلی ہوگئی ہو[3]۔

جن مقامات میں اس رواج کا جاری رہنا عام طور سے مشہور اور عدالتوں کا مسلمہ ہو وہاں اس کے اظہار یا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے[4]۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ شرع اسلام کی رو سے اس حق سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی مستفید ہونے کا حق رکھتے ہیں، ہیلی، ۷۷۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں شفعہ کے متعلق ہندو اور مسلمان دونوں کی طرف سے اور دونوں کے مقابل عدالت میں دعویٰ دائر ہو سکتا تھا، شرع اسلام کا قانون شفعہ اس طور سے گجرات اور بہار کا رواجی قانون ہوگیا۔ ان مقامات کے ہندوؤں کے متعلق جس قانون سے کام لیا جاتا تھا وہ حنفی قانون تھا ہندوستان

۱؎ گوردھن داس بنام ہیران کنور سنہ ۱۸۶۹ء ۲ بنگال ہائیکورٹ ـ آل انڈیا کلکتہ ۶۳ ۲ کو مقدمہ دیا بھائی بنام پاندیا چنی لال سنہ ۱۹۱۴ء ۳۸ بمبئی ۱۸۳، ۱۸۵ ـ ۱۸۸ کے ساتھ پڑھنا چاہیئے؛ ۲۴ انڈین کیسز ۲۸۹؛ جگجیون بنام کالیداس سنہ ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۴۰، ۶، ۶۰ انڈین کیسز ۱۰۹، سنہ ۲۱ء آل انڈیا بمبئی ۱۸۸ [سورت میں صرف مکانوں کے متعلق نہ کہ زراعتی اراضی کے متعلق]؛ گوکل داس بنام پرتاب سنہ ۱۹۱۶ء ۱۸ بمبئی لا رپورٹ ۶۹۳، ۳۵ انڈین کیسز ۸۷۱ [گودھرا]؛ محمد بنام نراین سنہ ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۵۸، ۲۳ انڈین کیسز ۹۳۳ [خاندیس میں نہیں]؛ سیتارام بنام سید سراج الحق سنہ ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۶۳۶، ۴۲ انڈین کیسز ۳۲ [کلابہ میں نہیں]؛ موتی لال بنام ہری لال سنہ ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۶۹۶، ۵۷ انڈین کیسز ۵۹۰ (احمد آباد)؛ راجیندر بنام گوسوامی سنہ ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۱۰۵، ۷۴ انڈین کیسز ۳۰۹، سنہ ۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۵۱۳ [بنارس میں صرف مکانات کے لئے نہ زراعتی اراضی کے لئے]۔

۲؎ پرسنتھ ناتھ بنام دھانی سنہ ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۸۔

۳؎ چکوری بنام سندری سنہ ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۵۹۰؛ جے کنور بنام ہیرالال سنہ ۱۸۶۴ء نارتھ ویسٹ پراونس ۱۔

۴؎ جادو لال بنام جانکی کنور سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵۔

مسلمان بادشاہ سنی اور حنفی المذہب تھے، اس لئے اب بھی جو قانون ہندوؤں پر شفعہ کے متعلق نافذ کیا جاتا ہے وہ حنفی قانون ہے مگر بہار اور گجرات کے ہندوؤں پر شفعہ کے معاملات میں حنفی قانون اسی وقت نافذ ہو سکتا ہے جب کہ وہ لوگ ان مقامات کے باشندے یا متوطن ہوں۔ صرف فریق کا ہندو ہونا اور ان مقامات میں جائداد رکھنا کافی نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر کلکتے کے ایک مقدمے میں ایک ہندو کو حق شفعہ دینے سے انکار کر دیا گیا جو بہار میں ایک جائداد غیر منقولہ کا شریک تھا، اس وجہ سے کہ وہ وہاں کا باشندہ یا متوطن نہ تھا[1]۔ دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۲۰۰ الف جو آگے آتی ہے۔ احاطۂ بمبئی میں اس کے متعلق جو قانون ہے اس کے خلاصے کے لئے دیکھو مقدمہ[2]۔

دفعہ ۲۰۰ الف شفعہ بربنائے معاہدہ[3] — (۱) ایک دیہہ کے شرکا میں معاہدہ کے ذریعے سے شفعہ کے حقوق پیدا کئے جا سکتے ہیں۔

(۲) ایک مسلمان بائع ایک ہندو مشتری سے یہ قرار داد کر سکتا ہے کہ شفعہ کا اسلامی قانون جو بائع اور اس کے مسلمان شریک سے متعلق تھا، وہ جائداد مبیعہ سے بدستور متعلق رہے گا۔ جس صورت میں ایسا معاہدہ کیا جائے، اور بائع اس کی اطلاع اپنے شریک کو دے اور شریک حسب قاعدۂ مقررہ طلب مواثبت کرے [دفعہ ۲۱۶]، تو شریک بمقابلہ مشتری کے، اگرچہ مشتری ہندو ہو، شفعہ کا مستحق قرار پائے گا[4]۔

قانون شفعہ کا شیوع ہندوستان میں — ڈگمبر سنگھ بنام احمد[5] کے

---

[1] پرستھ ناتھ بنام دھانی ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۸۔
[2] حمید میاں بنام نجمن ۱۹۲۹ء ۵۳ بمبئی ۲۵، ۴۰۵ — ۱۱۸ ،۴۲ انڈین کیسز ۴۸۵، ۱۹۲۹ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۶۔
[3] ڈگمبر سنگھ بنام احمد ۱۹۱۵ء ۳۷ الہ آباد ۱۲۹، ۱۴۱، ۴۲ انڈین اپیلز ۱۰، ۱۸، ۲۸ انڈین کیسز ۱۴۔
[4] سیتارام بنام سید سراج ال ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۶۳۶، ۶۵۰ — ۶۵۱، ۴۲ انڈین کیسز ۳۲۔
[5] ۱۹۱۵ء ۳۷ الہ آباد ۱۲۹، ۱۴۰ — ۱۴۱، ۴۲ انڈین اپیلز ۱۰، ۱۸، ۲۸ انڈین کیسز ۳۴۔

مقدمے میں حجان پرایوی کونسل نے لکھا کہ "برطانیہ ہند کے باشندگان دیہات میں شفعہ کی ابتدا شرعِ اسلام کے احکام شفعہ سے ہوی ہے، مغلوں کی حکومت سے پہلے بظاہر اہلِ ہند اس سے واقف نہ تھے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ شفعہ کا رواج بڑھتا گیا اور دیہات کے رہنے والوں نے بھی اسے اختیار کرلیا۔ بعض صورتوں میں گانوں کے شرکا شرعِ اسلام کے قاعدہ کو اختیار کرکے اس کی پابندی کرنے لگے، ایسی صورتوں میں دیہات کا رواج شرعِ اسلام کے قواعد شفعہ کا تابع رہتا ہے۔ دوسری صورتوں میں جہاں شفعہ کا دستور ہے، وہاں ہر ایک دیہاتی جماعت کا رواجی شفعہ مخصوص احکام اور لوازم کے ساتھ جدا، اور شرعِ اسلام کے احکام شفعہ سے مختلف ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ شفعہ کا رواج تمام صورتوں میں دیہات کے شرکا کی باہم قرارداد کا نتیجہ ہے۔ اور وہ ممکن ہے کہ زمانۂ حال میں اور ایسے دیہات میں اختیار کرلیا گیا ہو جن دیہات کی ابتدائی زمانے میں ہوئی ہو۔ بعض صوبوں میں شفعہ کا حق ہندوستان کے واضعانِ قانون کے ایکٹوں سے دیا گیا ہے۔ یہ حق دیہات کے شریکوں کے باہمی معاہدات سے بھی پیدا ہوا ہے۔ بہرحال ہر صورت میں مقصد یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے گانوں کے حصہ داروں میں کوئی اجنبی نہ شریک ہونے پائے۔ حقِ شفعہ اگر موجود ہو تو یقیناً ایک مفید حق ہے، اور اگر اس کا انحصار رواج یا معاہدے پر ہو تو بحالتِ نزاع اس رواج یا معاہدے کا ثابت کرنا لازم ہے"۔

دفعہ ۱۸۱۔ شفعہ کا دعوی کون کرسکتا ہے ـــ مفصلۂ ذیل تین قسم کے اشخاص کے سوا کسی اور شخص کو شفعہ کے دعوی کا حق نہیں پہنچتا:۔

(۱) جائداد کا شریک ملک[1] (شفیع شریک)؛

[1] جادو لال بنام جانکی کنور سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۵ انڈین کیسز ۶۵۹؛ سید ابراہیم بنام سید جان ۱۹۲۶ء رنگون ۱۳، ۹۵ انڈین کیسز ۳۸، سنہ ۲۶ء آل انڈیا رنگون ۹۷، [شریک وراثت]۔

(۱) منفرد پٹہ دار" [دوامی پٹہ دار] جس نے ایک شریک سے دوامی پٹہ لیا ہو، بمقابلہ دوسرے شریک کے حق شفعہ کا مستحق نہیں ہو سکتا[1]۔

(۲) شریک آسایش و ملحقات و متعلقات جیسے شریک حق راہ یا شریک حق مجرائے آب[2] [شفیع خلیط]؛

(۳) اور ایسی جائداد غیر منقولہ کا مالک جو پڑوس میں واقع ہو[3] [شفیع جار] لیکن یہ حق اس جائداد کے کرایہ دار یا[4] ایسے شخص کو نہیں پہنچتا جو جائداد پر بلا کسی جائز حق کے قابض ہو[5] [بیلی، ۴۸۱]۔

قسم اوّل کے لوگ قسم دوم کو، اور قسم دوم کے لوگ قسم سوم کو غیر مستحق کر دیتے ہیں لیکن جب ایک ہی قسم کے لوگ ایک سے زیادہ ہوں، تو اس جائداد کا جس کی نسبت دعویٰ کیا جاتا ہے ہر ایک دعویدار مساوی حصے کا مستحق قرار پائے گا [بیلی، ۵۰۰]۔

استثنا —— پڑوس کی بنا پر جو حق شفعہ پیدا ہوتا ہے وہ بڑی جائدادوں مثلاً گانوں اور زمینداریوں پر حاوی نہیں ہے، بلکہ صرف مکانات، باغات، اور چھوٹے قطعات اراضی تک[6] محدود ہے۔ البتہ شریک کو یہ حق ہے کہ وہ بڑی جائدادوں کے متعلق بھی دعویٰ کرے[7]۔

---

[1] مسماۃ بی بی صالحہ بنام حاجی امیرالدین ۱۹۲۹ء پٹنہ ۲۵۱، ۱۱۷ انڈین کیسز ۶۵۸، ۱۹۲۹ء آل انڈیا پٹنہ ۲۱۴۔

[2] کریم بنام پربولال ۱۹۰۵ء ۲۸ الہ آباد ۱۲۷۔

[3] عزیز احمد بنام نذیر احمد ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۲۵۷، ۱۰۳، ۱ انڈین کیسز ۹۷۸، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۴۰۵؛ عبدالشکور بنام عبدالغفور ۱۹۱۰ء ۷ الہ آباد لا جرنل ۱۴۱، ۶ انڈین کیسز ۲۵۸۔

[4] گمان سنگھ بنام تربیول سنگھ ۱۸۶۷ء ۸ ویکلی رپورٹ ۴۳۷۔

[5] بہاری رام بنام سبھدرا ۱۸۶۸ء ۹ ویکلی رپورٹ ۵۵۴۔

[6] محمد حسین بنام محسن علی ۱۸۷۱ء ۶ بنگال لا رپورٹ ۴۱، ۵۰؛ عبدالرحیم بنام کھڑگ سنگھ ۱۸۹۲ء ۱۵ الہ آباد ۱۰۴؛ منا لال بنام ہجر جہاں ۱۹۱۰ء ۳۳ الہ آباد ۲۸، ۷ انڈین کیسز ۴۰۴۔

[7] بیتا رام بنام بہ سراج ال ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۶۳۶، ۶۵۲ —— ۶۵۳، ۴۲ انڈین کیسز ۳۲؛ جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۵ انڈین کیسز ۹۵۹ [محال]؛ بسعید الدین بنام لطیف النساء ۱۹۲۲ء ۴۴ الہ آباد ۱۴۸، ۶۴ انڈین کیسز ۴۵۴، ۱۹۲۲ء آل انڈیا الہ آباد ۳۹۱ [زمینداری]۔

[(الف) زید جو ایک قطعۂ اراضی کا مالک ہے، اسے عمر کو تعمیر کے لئے پٹے پر دیتا ہے۔ عمر اس پر ایک مکان تعمیر کر کے بکر کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ اس مکان کے متعلق زید کو حق شفعہ نہیں پہنچتا، اگرچہ مکان اس کی زمین پر بنا ہے، کیونکہ نہ وہ شریک ہے، اور نہ مکان کے متعلقات و ملحقات میں اس کی شرکت ہے، اور نہ پڑوس کی جائداد کا مالک ہے: پرشادی لال بنام ارشاد علی ۱۸۹۸ء ۲۰ ممالک مغربی و شمالی ۱۰۰۔

(ب) زید ایک گھر کا مالک ہے اور اسے عمر کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ زید کے گھر کے شمال میں بکر کا ایک گھر ہے۔ بکر کو زید کے گھر کے اندر سے راستہ چلنے کا حق حاصل ہے۔ خالد کا ایک گھر زید کے گھر کے جنوب میں واقع ہے، دونوں گھروں کے درمیان میں صرف ایک دیوار حائل ہے، جس پر ٹیکے کا حق خالد کو حاصل ہے۔ زید نے جو گھر عمر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اس کے متعلق بکر اور خالد دونوں شفعہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بکر شریک خلیط ہے، اور خالد محض پڑوسی، کیونکہ ٹیکے کا حق جائداد کے ملحقات اور متعلقات میں داخل نہیں ہے۔ بکر اس لئے بمقابلہ خالد کے شفعہ کا مستحق ہے؛ دیکھو رنچھوڑ داس بنام جگلداس ۱۸۹۹ء ۲۴ بمبئی ۴۱۴؛ کریم بنام بریولال ۱۹۰۵ء ۲۸ الہ آباد ۱۲۷۔ یہ بحث ناقابل لحاظ ہے کہ بکر کا حق مرور قانون آسائش کی رو سے ہنوز پختہ نہیں ہوا ہے۔ ایسے معاملات سے شرع اسلام کے احکام متعلق ہوتے ہیں، اور شرع اسلام میں ایسے حقوق مثلاً حق مرور وغیرہ کے قائم ہونے کیلئے کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی ہے[1]۔

نوٹ۔ تمثیل بالا میں بکر کا مملوکہ گھر حقیقت غالب اور دہ

---

[1] بلدیو بنام بدری ناتھ ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۵۱۹، ۲ انڈین کیسز ۴۵۸۔

مکان جس کے متعلق شفعہ کی خواہش کی جاتی ہے حقیت مغلوب ہے کیونکہ بکر کو اس پر حق مرور حاصل ہے۔ اگر صورت اس کے خلاف ہوتی یعنی زید کا گھر حقیت غالب اور بکر کا گھر حقیت مغلوب ہوتا تب بھی بکر کے شریک خلیط ہونے میں کوئی نقص نہ واقع ہو سکتا تھا؛ دیکھو مقدمۂ چاند خاں بنام نعمت خاں ۱۸۶۹ء ۳ بنگال لا رپورٹ آل انڈیا کلکتہ ۲۹۶۔ اگر بکر اور زید دونوں کے گھروں کو بمقابلہ تیسری جائداد کے حق آسایش حاصل ہوتا تب بھی بکر کا شریک ہونا مسلم تھا: تہتا سنگھ بنام رام نہال ۱۸۶۸ء ۱ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۴۳ (فٹ نوٹ)۔

(ج) زید ایک قطعۂ اراضی کا مالک ہے۔ عمر اور بکر کی ملکیت میں ایک دوسرا قطعۂ اراضی ہے، جو اس کے قریب ہی ہے۔ عمر اور بکر کے قطعۂ اراضی پر ایک کچی سڑک واقع ہے جو اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اس سڑک پر عامۂ خلائق کو چلنے کا حق حاصل ہے لیکن وہ اراضی جس کے پہلو سے یہ سڑک چلتی ہے عمر اور بکر ہی کی ہے۔ عمر اور بکر اپنی اراضی خالد کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں: زید کو اس تمام اراضی پر حق شفعہ حاصل ہے جو عمر اور بکر کے قبضے میں تھی نہ صرف سڑک کے اس طرف کے قطعے پر جو زید کی طرف واقع تھا؛ عزیز احمد بنام نذیر احمد ۱۹۲۸ء ۵۰ الہ آباد ۲۵۷، ۲۰۳۰ انڈین کیسیز ۹۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۵۰۴۔]

ہدایہ، ۵۴۸ — ۵۵۰؛ بیلی، ۴۸۱ — ۴۸۴، ۵۰۰۔

حق شفعہ ملکیت سے پیدا ہوتا ہے — حق شفعہ سے اس بناء پر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شفیع بروقت رجوع مقدمہ خود اپنی جائداد پر قابض نہ تھا۔ حق شفعہ ملکیت سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ قبضے سے[1]۔

[1] سکینہ بی بی بنام امیرن ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۴۷۲۔

ایک ہی قسم کے شفیع — جس حالت میں دو یا دو سے زیادہ اشخاص حق امرو، کی شرکت کی بنا پر شفعہ کے دعویدار ہوں، تو سب کو مساوی حق حاصل ہوگا، اگرچہ ایک ان میں سے "جار متصل" ہی کیوں نہ ہو[1]۔ کیونکہ شرع اسلام میں ایک ہی قسم کے شفیعوں میں قربت کے مدارج نہیں قرار دئے گئے ہیں[2] مگر رواج کی بنا پر قربت کا لحاظ کیا جا سکتا ہے[3]۔

درخت کی پھیلی ہوئی شاخیں — اگر کسی شخص کے درخت کی شاخیں پڑوسی کی زمین کے اوپر پھیل کر نکل گئی ہوں تو اس سے درخت کے مالک کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ پڑوسی کی زمین کی فروخت پر شفیع خلیط کی حیثیت سے شفعہ کا دعویٰ کر سکے[4]۔

دیہات اور زمینداریاں — حق شفعہ کو قریب کی بڑی جائدادوں سے نہ متعلق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شفعہ کے قاعدے کا مقصد یہ تھا کہ "چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی کے مالکوں کو اس تکلیف سے محفوظ رکھا جائے جو ان کی جماعت میں ایک اجنبی شخص کے داخل ہو جانے سے انھیں پہنچ سکتی تھی"۔ اس اصول سے اس وقت کام لیا جاتا ہے جب کہ شفعہ کا دعویٰ صرف قربت کی بنا پر ہوتا ہے۔ شریک جائداد کے دعوے کی حالت میں اس سے کام نہیں لیا جاتا۔

---

[1] کریم بخش بنام خدا بخش ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۲۴۷، نیز دیکھو بھجن سنگھ بنام بیجے سنگھ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۲۲۱، ۹۰ انڈین کیسز ۲۳۸، ۱۹۲۶ء آل انڈیا الہ آباد ۱۸۰۔

[2] سعید الدین بنام لطیف النسا ۱۹۲۲ء ۴۴ الہ آباد ۱۱۴، ۱۱۶ — ۱۱۷، ۶۴ انڈین کیسز ۵۶۴، ۱۹۲۲ء آل انڈیا الہ آباد ۲۹۱؛ ناگیسر بنام رام ہرک ۱۹۲۲ء ۴۴ الہ آباد ۴۷۰، ۶۹ انڈین کیسز ۷۱۴، ۱۹۲۲ء آل انڈیا الہ آباد ۵۴۱۔

[3] دھن راج بنام رامیشور ۱۹۲۳ء ۴۶ الہ آباد ۱۷۰، ۸۷ انڈین کیسز ۹۰۴، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۲۲۷۔

[4] عزیز احمد بنام نذیر احمد ۱۹۲۸ء ۵۰ الہ آباد ۲۵۷، ۱۰۳ انڈین کیسز ۸۹۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۵۰۴۔

دیکھو دفعہ مندرجۂ بالا۔

عورتیں — جو عورت قانون کی رو سے مستحق وراثت ہے، اگرچہ بحیثیت بیوہ اس کا حق حین حیاتی ہو[1] شفعہ کے دعوے کرنے سے ممنوع نہیں ہے۔ لیکن ایسی عورت جسے صرف گزارہ (نفقہ) ملتا ہو شفعہ کے دعویٰ کرنے کی مجاز نہیں ہے[2]۔

چند شرکا میں ایک شریک کا دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا۔ — دیکھو دفعہ ۱۰۵ جو آگے آتی ہے۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کی شریعت میں صرف شریک ہی شفعہ کے مستحق ہو سکتے ہیں: بیلی، جلد دوم ۱۰۹؛ قربان بنام چھوٹے[3] اور وہ بھی اس صورت میں کہ شرکا کی تعداد دو سے زیادہ نہ ہو[4]۔

دفعہ ۱۰۲۔ صرف بیع سے حق شفعہ پیدا ہوتا ہے — شفعہ کا حق صرف جائز[5]، کامل[6] اور حقیقی بیع[7] سے پیدا ہوتا ہے، نہ کہ ہبہ، صدقہ (دفعہ ۱۴۴)، وقف، وراثت،

---

[1] ایشور دیوی بنام شیو رام ۱۹۲۴ء ۵ لاہور ۳۵۴؛ ۸۴ انڈین کیسز ۴۰۴؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا لاہور ۸۳۔

[2] کرن سنگھ بنام محمد ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۶۰۸؛ بھوپال بنام موہن ۱۸۹۷ء ۱۹ الہ آباد ۳۲۴۔

[3] ۱۸۹۹ء ۲۲ الہ آباد ۱۰۲۔

[4] عباس علی بنام مایا رام ۱۸۸۹ء ۱۲ الہ آباد ۲۲۹؛ حسین بخش بنام محفوظ الحق ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۴۴۹؛ ۸۸ انڈین کیسز ۹۷۲؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۵۵۹۔

[5] ہدایہ، ۵۶۰؛ بیلی، ۴۷۵-۷۷؛ نجم النسا بنام عجائب علی ۱۹۰۰ء ۲۲ الہ آباد ۳۴۳ [جس میں قیمت کا تعین معاہدے کے وقت نہیں ہوا تھا]۔

[6] ہدایہ، ۵۶۰؛ بیلی، ۴۷۵-۷۷۔

[7] پرستشتہ ناتھ بنام دھانی ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۹۔

ہبہ بالوصیت[1] یا پٹے سے، اگرچہ وہ دوام کے لئے ہو۔[2] اور نہ رہن سے، اگرچہ وہ مشروط بیع کی شکل میں ہو[3]، لیکن سقوط حق انفکاک رہن (یعنی بیعبات) کی صورت میں شفعہ کا حق پیدا ہوجائے گا۔[4] دو اشخاص کا باہم جائدادوں کا تبادلہ کرنا اس شرط کے ساتھ کہ اپنی زندگی میں جو شخص جس وقت چاہے تبادلہ منسوخ کرکے اپنی جائداد واپس لے لے، بعینہ مشروط بیع کے مثل ہے؛ ایسے تبادلے سے جائداد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، اور اس لئے شفعہ کا حق بھی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اگر تبادلہ کرنے والوں میں سے کوئی شخص بغیر تنسیخ تبادلہ فوت ہوجاتا ہے، تو یہ معاملہ دو بیع کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور شفعہ کا حق پیدا ہوجاتا ہے۔[5] الہ آباد کی ہائیکورٹ نے یہ طے کیا ہے کہ جو جائداد شوہر اپنی بیوی کو مہر کے معاوضے میں دیتا ہے وہ بیع کے حکم میں داخل ہے، اور اس لئے اس پر شفعہ کا حق قائم ہوجاتا ہے۔[6] برخلاف اس کے، اودھ کی چیف کورٹ نے اس معاملے کو ہبہ بالعوض قرار دیا ہے، اور اس لئے شفعہ کا دعویٰ اس کے متعلق نہیں ہوسکتا۔[7] حق شفعہ نہ صرف خانگی بیع سے، بلکہ اس بیع سے بھی پیدا ہوتا ہے جو عدالت یا ڈسیور[8] کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے۔

---

[1] بیلی، ۷۱۴

[2] دیانت اللہ بنام کاظم ملا ۱۸۸۱ء ۵ کلکتہ ۴۸۱۔

[3] گردیال بنام ٹیک نراین ۱۸۶۵ء بنگال لارپورٹ ضمیمہ جلد ۱۶۶۔

[4] بتول بیگم بنام منصور علی ۱۹۰۱ء ۲۴ الہ آباد ۱۷۔

[5] محمد یونس بنام محمد ۱۹۳۱ء ۵۳ الہ آباد ۱۶۹، ۱۳۰ انڈین کیسز ۲۹۵، ۳۱ء آل انڈیا الہ آباد ۱۰۶۔

[6] فدا علی بنام مظفر علی ۱۸۸۲ء ۵ الہ آباد ۶۵: نانھو بنام شادی ۱۹۱۵ء ۳۷ الہ آباد ۲۲۵، ۲۹ انڈین کیسز ۴۹۵ [جس کی صحت کی نسبت جسٹس امیر علی کو شبہ تھا، جلد اول، صفحہ ۷۱۳، اشاعت چہارم]

[7] بشیر احمد بنام مسماۃ زبیدہ ۱۹۲۶ء ۱ لکھنؤ ۸۳، ۹۲ انڈین کیسز ۲۶۵، ۲۶ء آل انڈیا اودھ ۱۸۶؛ چودھری طالب علی بنام مسماۃ کنیز ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۵۷۵، ۱۰۲ انڈین کیسز ۱۴۲، ۲۷ء آل انڈیا اودھ ۲۰۲۔

[8] برج نراین بنام کدار ناتھ ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۱۸۶، ۷۱ انڈین کیسز ۸۳۶، ۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۵۷۔

توضیح (۱) —— شرع اسلام کی رو سے تراضیٔ طرفین ایک شے کا تبادلہ دوسری شے کے ساتھ "بیع" ہے۔ تبادلہ یہ ہے کہ مشتری (خریدار) بائع (بیچنے والے) کو قیمت ادا کرتا ہے اور بائع شے کا قبضہ مشتری کو دیتا ہے۔ بیع کے لئے کسی دستاویز کی تکمیل کی ضرورت نہیں ہوتی[۱]۔ انتقال جائداد کے ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۵۴ کے لحاظ سے، کسی ایسی جائداد کی بیع جس کی قیمت ایک سو روپیہ یا اس سے زیادہ ہو بغیر رجسٹری شدہ دستاویز کے تکمیل نہیں ہوتی۔ الٰہ آباد ہائی کورٹ کے اجلاس کامل سے یہ طے ہوا ہے کہ اگرچہ شرع اسلام کے احکام بیع کے متعلق انتقال جائداد کے ایکٹ سے قائم نہیں رہے، مگر اس سوال کا کہ آیا ایک بیع کی اس طرح تکمیل ہوگئی ہے کہ اس سے حق شفعہ پیدا ہو سکے شرع اسلام ہی کے احکام سے تصفیہ کیا جائے گا۔ اگر شرع اسلام کی رو سے بیع کی تکمیل ہوگئی ہے مثلاً قیمت ادا کر دی گئی اور قبضہ دے دیا گیا ہے، تو شفعہ کا حق پیدا ہو جائے گا، اگرچہ وہ بیع ایکٹ انتقال جائداد کی رو سے کامل نہ ہوئی ہو[۲]۔ برخلاف اس کے، بعض ججوں کی یہ رائے ہے کہ شفعہ کا حق اس وقت تک نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ حسب احکام ایکٹ انتقال جائداد بیع نامہ کی رجسٹری نہ ہو جائے[۳]۔ بمقدمہ جادولال بنام جانکی کنور[۴]، جسٹس بریٹ نے اس مسئلے کے حل کی یہ تجویز پیش کی کہ ہر مقدمے میں اس کا تعین کیا جانا چاہئے کہ فریقین کی اس تاریخ کے متعلق جس میں بیع کامل متصور ہو گی کیا نیت تھی۔ جسٹس بریٹ کے اس مجوزہ قاعدے پر

---

[۱] ہدایہ، ۵۴۱؛ میکناٹن، ۴۲؛ بیلی، ۴۷۶؛ بیگم بنام محمد ۱۸۹۴ء ۱۶ الٰہ آباد ۳۴۴، ۳۴۶-۳۴۸۔

[۲] بیگم بنام محمد ۱۸۹۴ء ۱۶ الٰہ آباد ۳۴۴ [اجلاس کامل]؛ نجم النسا بنام عجائب علی ۱۹۰۰ء ۲۲ الٰہ آباد ۳۴۳؛ جانکی بنام گرجادت ۱۸۸۵ء ۷ الٰہ آباد ۴۸۲ [اجلاس کامل]۔

[۳] جسٹس بنرجی ۱۸۹۴ء ۱۶ الٰہ آباد ۳۴۴، ۳۵۶ [اجلاس کامل] مذکورۂ سابق؛ جسٹس کارنڈف بدرالدین بنام منادالله ۱۹۱۴ء ۴۱ کلکتہ ۳۴۹، ۹۴۹؛ ۲۳ انڈین کیسز ۳۰۵؛ جسٹس ملک بمقدمہ خیالی بنام ملک ۱۹۱۶ء انڈینہ لاجرنل ۴، ۱۷، ۱۷-۱۸؛ ۳۴ انڈین کیسز ۲۱۰۔

[۴] ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵، ۵۹۹، جس کی تائید ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵ میں کی گئی؛ ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱؛ ۱۵ انڈین کیسز ۶۵۹۔

کلکتہ[1] اور پٹنہ[2] کے بعض ججوں نے اور مقدمہ سیتارام بنام میراج[3] ال میں بمبئی کی ہائیکورٹ نے یہی عمل کیا ہے، اور بمبئی کا فیصلہ بمقدمہ سیتارام مرافعے میں جوڈیشل کمیٹی سے بھی بحال رہا۔ پرایوی کونسل کے ججوں نے اپنی تجویز میں لکھا کہ "اس امر کے تعین کے لئے کہ کس نظام قانون سے کام لینا، اور بلحاظ اس کارروائی کے جو کی گئی ہے کس تاریخ کو تاریخ بیع قرار دینا مقصود تھا، فریقین (بائع اور مشتری) کی نیت کو دیکھنا چاہیے[4]" ایک بعد کے مقدمے میں بمبئی ہائی کورٹ نے الہ آباد ہائی کورٹ کے اجلاس کامل کے فیصلے کی پیروی کی[5]۔

توضیح (۴) — الہ آباد ہائیکورٹ نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ شفعہ کا حق نہ صرف قطعی بیع، بلکہ قطعی ایسے معاہدۂ بیع سے بھی پیدا ہوتا ہے جس میں بائع کے لئے کوئی گنجائش (ردِ بیع کی) نہ رکھی گئی ہو[6]۔

سوال زیر بحث کا اہم ہونا بیان ذیل سے ظاہر ہوگا۔ شرع اسلام کی رو سے کوئی مسلمان شفعہ کا اس وقت تک مستحق نہیں ہوتا جب تک کہ وہ طلب (مواثبت و اشہاد) حسب قاعدہ عمل میں نہ لائے (دفعہ ۱۸۶)۔ یہ دونوں طلبیں اس وقت تک عمل میں نہیں لائی جا سکتیں جب تک کہ بیع کامل نہ ہو جائے۔ بعد تکمیل بیع اور اس کی خبر سنتے ہی

---

[1] ریچرڈسن بمقدمہ ۱۹۱۴ء ۱۸ کلکتہ ۹۴۳، ۹۵۳، ۲۳ انڈین کیسز ۳۰۵ سابق۔
[2] جٹس رو بمقدمہ ۱۹۱۶ء ۱ پٹنہ لا جرنل ۱۷۴، ۱۷۹، ۳۴ انڈین کیسز ۲۱۰ سابق۔
[3] ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۶۳۶، ۶۵۱ — ۶۵۲، ۴۲ انڈین کیسز ۳۲، جس کی پیروی مقدمہ عبداللہ بنام اسمٰعیل ۱۹۲۱ء ۴۶ بمبئی ۳۰۲ میں کی گئی، ۶۴ انڈین کیسز ۹۱۳، ۲۲ء آل انڈیا بمبئی ۱۲۴۔
[4] سیتارام بنام ضیاء الحسن ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۱۰۵۶، ۴۸ انڈین اپیلز ۴۷۵، ۶۴ انڈین کیسز ۸۲۶، ۲۳ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۸۔
[5] عبداللہ بنام اسمٰعیل ۱۹۲۲ء ۴۶ بمبئی ۳۰۲، ۶۴ انڈین کیسز ۹۱۳، ۲۲ء آل انڈیا بمبئی ۱۲۴۔
[6] زمانی بیگم بنام خان محمد ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۳۴۲، ۱۸ انڈین کیسز ۸۰۶، ۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۲۵۱، باتباع بیگم بنام محمد ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۳۴۴، ۳۴۷ [اجلاس کامل]۔

یہ عمل ہونا چاہئے۔ بیع شرع اسلام کے لحاظ سے مشتری کی قیمت ادا کرنے اور بائع کے قبضہ دینے سے کامل ہو جاتی ہے۔ لیکن انتقال جائداد کے ایکٹ کے لحاظ سے وہ بغیر دستاویز رجسٹری شدہ کے کامل نہیں ہوتی۔ اسی لحاظ سے بعض ججوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ بیع نامہ کی رجسٹری ہو جانے کے بعد طلب مواثبت اور طلب اشہاد عمل میں آنی چاہئے۔ اگر یہ رائے صحیح مان لی جائے تو بائع اور مشتری، شفیع کو محروم کرنے کی غرض سے ممکن ہے کہ نہ بیع نامہ کی تکمیل کریں اور نہ اس کی رجسٹری کرائیں۔ بلکہ ایک طرف سے قیمت اور دوسری طرف سے قبضہ دے کر معاملہ ختم، اور شفیع اپنے حق سے محروم کر دیا جائے۔ اسی نقص کو رفع کرنے کے لئے جسٹس برٹ نے ایک قاعدہ تجویز کیا اور جوڈیشل کمیٹی نے اسے پسند کیا ہے۔ قاعدۂ مجوزہ یہ ہے کہ ہر مقدمے میں یہ دریافت کرنا چاہیے کہ فریقین کی نیت اس تاریخ کے متعلق کیا تھی جب کہ بیع کامل متصور ہو گی۔

زید جنوری ۱۹۱۸ء میں اپنا ایک مکان ۳۰۰ روپے میں عمر کے ہاتھ فروخت کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ عمر پہلی فروری ۱۹۱۸ء کو مکان کی قیمت ادا کر کے مکان کا قبضہ زید سے حاصل کر لیتا ہے۔ بیع نامہ کی رجسٹری پہلی مارچ ۱۹۱۸ء کو ہوتی ہے۔ شفیع کو ادائے قیمت اور قبضۂ مکان کا حال پندرہ فروری ۱۹۱۸ء کو معلوم ہوتا ہے مگر وہ کوئی طلب دوسری مارچ ۱۹۱۸ء تک نہیں کرتا۔ یہ وہ تاریخ ہے جس میں اسے پہلی مرتبہ دستاویز کی رجسٹری ہونے کا علم ہوا۔ ان حالات میں کیا وہ شفعہ کا مستحق ہے؟ (۱) الہ آباد ہائیکورٹ کی رائے کے مطابق وہ مستحق نہیں ہے[1]، کیونکہ عدالت موصوف کی رائے کے لحاظ سے، قیمت ادا ہونے اور قبضہ دینے سے بیع کامل ہو گئی

---

[1] ۱۹۴۰ء الہ آباد ۴۴۳ [اجلاس کامل] مذکورۂ سابق۔

تھی، اور جب پندرہ فروری کو جب اسے پہلی مرتبہ
اطلاع ہوئی اس نے طلب مواثبت و اشہاد نہیں کی،
اس لئے بربنائے تعویق اس کا حق شفعہ زائل
ہو گیا۔ (۲) اگر رجسٹری ہونے پر بیع کی تکمیل سمجھی
جائے کیوں کہ اس نے رجسٹری ہونے کی اطلاع پاتے ہی طلب مواثبت
و استشہاد کی۔ اگر وہ رجسٹری ہونے سے قبل طلب مواثبت کرتا تو وہ
قبل از وقت متصور ہوتی، اور وہ اس وقت تک شفعہ کا مستحق نہ ہوتا
جب تک کہ رجسٹری ہونے کی اطلاع پا کر دوبارہ طلب مواثبت و اشہاد
نہ کرتا۔ (۳) جو قاعدہ اب جوڈیشل کمیٹی نے قرار دیا ہے اس کی رو
سے صرف فریقین کی نیت امر فیصل کن قرار پائے گی؛ اس لئے اگر
صورت مفروضہ بالا میں رجسٹری ہونے تک قبضہ نہیں دیا گیا تھا اور نہ
قیمت کا کوئی جز ادا ہوا تھا، تو فریقین کی نیت یہ سمجھی جائے گی کہ وہ
رجسٹری ہونے تک بیع کو کامل نہیں سمجھتے تھے اور اس حالت میں شفیع
کو رجسٹری ہونے کی خبر سنتے ہی طلب مواثبت و اشہاد کرنی چاہئے[1]
لیکن اگر معاہدۂ بیع یہ ہو کہ "میں اپنا حصہ للعہ ہزار میں فروخت
کرنے کا اقرار کرتا ہوں، اس طرح کہ الـ ہزار فوراً ادا کیا جائے
اور باقی بمہلت تمام دو قسطوں میں ادا ہو، اور یہ کہ بیع نامہ باضابطہ طور
سے مرتب اور رجسٹری کرا دیا جائے گا" اور اقرار نامہ میں یہ بھی
درج ہو کہ بائع آج ہی اس معاملے کی اطلاع اپنے شریک کو دے گا،
اور اگر شریک بائع کا حصہ خریدنا چاہے گا تو بائع فوراً الـ ہزار
مشتری کو واپس کر دے گا۔ ایسی صورت میں اقرار نامے کی تاریخ
بیع کی تاریخ قرار پائے گی، اور اسی تاریخ کے لحاظ سے شریک

---

[1] جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵؛ بدھائی بنام ثناء اللہ ۱۹۱۲ء ۴۱ کلکتہ ۹۴۳، ۹۵۰، ۹۵۴،
۱۲۳ انڈین کیسز ۳۸۵۔

(شفیع) کو ضروری مراتب ادا کرنے چاہئیں[1]۔

پٹہ دوامی — پٹے سے، اگرچہ وہ دوامی ہو، شفعہ کا حق نہیں پیدا ہوتا؛[2] مگر الہ آباد ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ ایک معاملہ اگرچہ بظاہر بشکل پٹہ ہو لیکن اس کا درحقیقت اور اصلی طور سے بیع ہونا ممکن ہے مثلاً ایک جائداد قیمتی ۱۰ ہزار روپئے پٹے پر ۹۹ سال کے لئے اس طرح دی جائے کہ [illegible] ہزار بطور پیشگی ادا کردئے جائیں اور ایک روپیہ سالانہ لگان کے لئے محفوظ رکھا جائے۔ اس صورت میں شفیع کو حق شفعہ پہنچے گا اگرچہ معاملے کی شکل پٹے کی ہے۔ شرع اسلام نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے کہ حق شفعہ کے بطلان کے لئے بیع کے معاملے کو پٹے کا جامہ پہنایا جائے[3]۔ یہ امر مشکل سمجھ میں آتا ہے کہ حالات مذکورہ میں پٹہ کس طرح بیع متصور ہو سکتا ہے۔ دیکھو دفعہ ۱۹۲ آئندہ۔

دفعہ ۱۸۳۔ شفعہ کی بنیاد صدور ڈگری تک قائم رہنی چاہئے —

وہ حق جس کی بنا پر شفعہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے، خواہ شریک ملک، یا شریک استفادہ، یا پڑوسی ہونے کی وجہ سے ہو، نہ صرف بروقت بیع، بلکہ شفعہ کا دعویٰ دائر کرنے کے وقت بھی موجود ہونا چاہئے[4]؛ اور صدور ڈگری تک اس کا قائم رہنا ضرور ہے[5]۔ لیکن اس کا تعمیل ڈگری[6] یا عدالت مرافعہ کی ڈگری کی تاریخ تک قائم رہنا لازم نہیں ہے[7]؛ کیونکہ ان مقدمات

---

[1] سیتا رام بنام ضیاء الحسن ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۱۰۵۶، ۴۸ انڈین اپیلز ۱۷۸، ۶۴ انڈین کیسز ۲۲۶، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پریوی کونسل ۴۴۔

[2] محمد بنام محمد ۱۹۱۸ء ۴۰ الہ آباد ۳۲۲، ۴۴ انڈین کیسز ۲۲۷۔

[3] جانکی پرشاد بنام ایشر داس ۱۸۹۹ء ۲۱ الہ آباد ۳۷۴۔

[4] رام گوپال بنام پیارے لال ۱۸۹۹ء ۲۱ الہ آباد ۴۴۱؛ تفصیل بنام نعمان سنگھ ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۶۷، ۴ انڈین کیسز ۲۶۴؛ نوری میاں بنام امبیکا سنگھ ۱۹۱۷ء ۴۴ کلکتہ ۴۷، ۳۴ انڈین کیسز ۸۶۹۔

[5] رام سہائے بنام گیا ۱۸۸۴ء ۷ الہ آباد ۱۰۷۔

[6] بدیو مسر بنام رام لاگن ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۹۰۷، ۷۷ انڈین کیسز ۴۹۴، ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۳۲۱؛ امراؤ بنام لچھمن ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۳۲۱، ۷۹ انڈین کیسز ۲۱۷، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۴۸۴۔

میں عدالتِ ابتدائی کی ڈگری کی تاریخ ہی سب سے زیادہ اہم اور قابلِ لحاظ ہوتی ہے۔[1]

اس لحاظ سے اگر وہ مدعی جو ملصق جائداد کا مالک ہونے کی وجہ سے شفعہ کا دعویدار ہے، مقدمہ دائر کرنے کے بعد جائداد مذکور کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، تو وہ ڈگری کا مستحق نہ قرار پائے گا، کیونکہ اس کا شمار ان تینوں قسم کے لوگوں میں سے کسی قسم میں بھی نہ ہوگا جنہیں از روئے قانون شفعہ کا حق دیا گیا ہے؛ دیکھو دفعہ ۱۸۱ گزشتہ۔ لیکن ڈگری صادر ہو جانے کے بعد مدعی کا یہ حق زائل نہیں ہو جاتا کہ وہ ڈگری کی تعمیل میں جائداد مشفوعہ پر قابض کرا دیا جائے اگرچہ ڈگری کی تعمیل یا عدالت مرافعہ کی ڈگری کے صادر ہونے کے قبل اس نے اپنی جائداد منتقل کر دی ہو۔ بظاہر اس امر کے بیان کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ مدعی کا حق شفعہ محض اس وجہ سے زائل نہیں ہو جاتا کہ کسی گزشتہ موقع پر اس نے اپنا وہ حصہ جس پر اس کے حق شفعہ کا انحصار ہے رہن کر دیا تھا۔[2]

دفعہ ۱۸۴ ا۔ شبہ اس امر کے متعلق کہ آیا خریدار کا مسلمان ہونا ضرور ہے۔ الہ آباد[3] اور پٹنہ[4] کی تجویزوں کے مطابق حق شفعہ کے حصول کے لئے خریدار کا

---

[1] سنہ ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۹۰۰، ۱۰۷، انڈین کیسز ۶۹۴، سنہ ۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۴۲۸ مذکورۂ سابق؛ حاجی سلطان بنام مینتو سنہ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۹۸۹، ۹۶ انڈین کیسز ۴۴۷، سنہ ۲۶ء آل مذکورۂ سابق؛ سری ٹھاکر راؤ بیکا بنام بعورا شیام سنہ ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۱۶۵، ۷۴ انڈین کیسز ۳۰۲، سنہ ۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۳۶۵۔

[2] اجاگر لال بنام جے لال سنہ ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۳۸۲۔

[3] گوبند دیال بنام عنایت اللہ سنہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۷۷۵؛ عباس علی بنام مبارام سنہ ۱۸۸۸ء ۱۲ الہ آباد ۲۲۹۔

[4] اچھوتا نند ا بنام بیگی سنہ ۱۹۲۲ء ۱ پٹنہ ۸۷۵، ۶۹ انڈین کیسز ۶۶۶، ۲۲ انڈین اپیلز ۱۰۶۔

مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ کلکتہ[1] اور بمبئی[2] کی تجویزوں کے لحاظ سے خریدار کا مسلمان ہونا لازم ہے بہ استثنائے ان صورتوں کے جن کا ذکر دفعات ۱۰۸ اور ۱۰۸ الف میں کیا گیا ہے، مگر تینوں (غالباً چاروں۔ مترجم) مقام کی عدالتیں اس پر متفق ہیں کہ بائع اور شفیع دونوں کا مسلمان ہونا لازم ہے[3]۔

مدراس کے فیصلے اس بارے میں نہیں ہیں، کیونکہ وہاں شفعہ کا قانون مسلمانوں سے بھی متعلق نہیں کیا جاتا (دفعہ ۱۶۸)۔

بائع کا مسلمان ہونا ضرور ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان شفعہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا اگر بائع ہندو یا یوروپین ہو، اگرچہ مشتری مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

شفیع کا بھی مسلمان ہونا ضرور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان ہے اور بعدہ جائداد مشفوعہ فروخت کرنا چاہتا ہے تو قبل اس کے کہ وہ جائداد کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کر سکے اسے اپنے مسلمان پڑوسیوں کو خریدنے کا موقع دینا ہوگا۔ لیکن غیر مسلم پر کوئی ایسا وجوب عاید نہیں ہوتا وہ جس شخص کے ہاتھ چاہے اسے فروخت کر سکتا ہے۔ قانون شفعہ حق اور وجوب دونوں کو پیش نظر رکھتا ہے، اس لئے اگر غیر مسلم کو شفعہ کا حق دیا جائے تو اسے ایک ایسا حق دینا ہوگا جس کے ساتھ کوئی وجوب نہیں ہے۔

---

[1] قدرت اللہ بنام مہانی موہن ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ ۱۳۴۔

[2] بیتارام بنام سراج ال ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۶۳۶، ۶۴۹ — ۶۵۰، ۴۲ انڈین کیسز ۳۲؛ محمد بنام نارائن ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۵۸، ۳۲ انڈین کیسز ۹۳۳؛ حمید میاں بنام نجمن ۱۹۲۹ء ۵۳ بمبئی ۵۲۵، ۱۱۸ انڈین کیسز ۴۸۵، ۲۹ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۶ [خریدار بنی اسرائیلی تھا]۔

[3] دوارکاداس بنام حسین بخش ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۵۶۴ (خریدار ہندو)؛ پونو سنگھ بنام ہری چرن ۱۸۷۲ء ۱ بمبئی لا رپورٹ ۱۱۷ (خریدار یوروپین)؛ قربان بنام چھوٹی ۱۸۹۹ء ۲۲ الہ آباد ۱۰۲ [شفیع شیعہ بمقابلہ سنی خریدار اور سنی بائع کے]۔

فربان[1] کے مقدمے میں الہ آباد ہائی کورٹ نے جو فیصلہ کیا وہ اسی اصول پر مبنی ہے۔ مقدمۂ مذکور میں یہ قرار پایا کہ شیعہ مسلمان پڑوس کی بنا پر شفعہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب کہ بائع سنی ہو فیصلے کی بنیاد یہ تھی کہ شیعوں کے قانون کے لحاظ سے کوئی پڑوسی، پڑوسی ہونے کی حیثیت سے، شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ اگر اسے شفعہ کا حق دیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ اپنا مکان جس کے ہاتھ چاہے فروخت کر دے اور اس کا سنّی پڑوسی شفعہ کا دعویٰ کامیابی کے ساتھ نہ کر سکے۔ کلکتہ ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق، خریدار کا بھی مسلمان ہونا ضرور ہے، اس لحاظ سے ایک مسلمان کو اس جائداد کے متعلق حقِ شفعہ حاصل نہیں ہو سکتا جیسے دوسرا مسلمان کسی ہندو کے ہاتھ فروخت کرے — اس فیصلے کی رو سے، حقِ شفعہ ایسا حق قرار پاتا ہے جو متعلق بہ اراضی نہیں بلکہ صرف ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر وہ حق متعلق بہ اراضی ہوتا تو اس کا دعویٰ ہندو یا کسی غیر مسلم خریدار کے مقابلے میں بھی ہو سکتا۔ "ہم..... بنظرِ انصاف، نصفت و نیک نیتی یہ تجویز کسی طرح نہیں کر سکتے ہیں کہ ایک ہندو خریدار ایسے ضلع میں جہاں ہندوؤں میں شفعہ کا رواج نہ ہو، شرعِ اسلام کے لحاظ سے، جو اس کا قانون نہیں ہے، اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی خرید کردہ جائداد ایک مسلمان شفیع کے حوالے کر دے۔" برخلاف اس کے الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ خریدار کا مسلمان ہونا ضرور نہیں ہے، اور اس لئے شفعہ کا دعویٰ ہندو خریدار کے مقابلے میں بھی ہو سکتا ہے۔ عدالتِ مذکور کی رائے کے مطابق ایک مسلمان مالکِ جائداد پر شرعِ اسلام کی رو سے لازم ہے کہ وہ اپنی جائداد کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے سے قبل اسے اپنے مسلمان پڑوسیوں یا شرکا کے سامنے فروخت کے لئے پیش کرے؛

---

[1] سنہ ۱۸۹۹ء ۱۲۲ الہ آباد ۱۰۲ مذکورۂ سابق۔

اور یہ اس کی جائداد کا ایک لازمہ ہے جو جائداد کے ساتھ رہتا ہے، خریدار خواہ مسلمان ہو یا نامسلمان۔ بمبئی ہائیکورٹ نے کلکتہ ہائیکورٹ کی رائے کو اختیار کر لیا ہے۔[1] پس کلکتہ اور بمبئی ہائیکورٹوں کی رائے کے مطابق ہندو خریدار کے مقابلے میں حق شفعہ انہی مقامات میں نافذ کرایا جا سکتا ہے جہاں حق مذکور بطور رواج تسلیم کیا جاتا ہو، جیسا کہ دفعہ ۱۸۰ میں بیان کیا گیا ہے؛ یا کسی معاہدے سے پیدا ہوا ہو، جیسا کہ دفعہ ۱۸۰ الف میں مذکور ہے۔

دفعہ ۱۸۵۔ شفیع کے ہاتھ فروخت کی حالت میں حق شفعہ —— جب ایک ہی قسم کے دو یا دو سے زیادہ شفیع ہوں اور ان میں سے ایک شفیع جائداد دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے، تو دوسرے شفیع اس کے مقابلے میں اپنے حصوں کے مطابق شفعہ کا دعویٰ کرنے کے مستحق ہوں گے۔[1] اسی طرح جب جائداد ایک شفیع اور ایک اجنبی کے ہاتھ فروخت کی جائے تو دوسرے شفیع اپنے حصوں کے شفعہ کا دعویٰ شفیع مشتری اور اجنبی کے مقابلے میں کر سکیں گے۔[2]

[(الف) زید، عمر اور بکر ایک جائداد کے شریک ہیں۔ زید اپنا حصہ عمر کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ بکر نصف جائداد کے متعلق شفعہ کا دعویٰ

ل امیر حسن بنام رحیم بخش ۱۸۹۷ء ۱۹ الہ آباد ۴۶۶؛ عبداللہ بنام امانت اللہ ۱۸۹۹ء ۲۱ الہ آباد ۲۹۲؛ محمد یعقوب بنام کنھائی لال ۱۹۲۲ء ۴۴ الہ آباد ۳۰۴، ۶۴ انڈین کیسز ۲۰۳، ۱۹۲۲ء آل انڈیا الہ آباد ۱۵۷، جس میں اس امر کے متعلق مقدمہ بلدیو بنام بدری ناتھ ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۱۶ سے اختلاف کیا گیا؛ ضیاء الدین بنام ابوال ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۴۷۰، ۷۷ انڈین کیسز ۲۷، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۲۰۵؛ نادر حسین بنام صادق حسین ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۳۲۴، ۸۶ انڈین کیسز ۹۰۵، ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۳۶۱؛ وکھل داس بنام جمیت رام ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۸۸۶، ۵۰ انڈین کیسز ۶۷۹ [اجلاس کامل]؛ عنایت اللہ بنام کوثر علی ۱۹۲۶ء ۵۴ کلکتہ ۲۶۶، ۹۸ انڈین کیسز ۲۲۰، ۱۹۲۶ء آل انڈیا کلکتہ ۱۱۵۳، جس کے ذریعہ سے فیصلہ مقدمہ لالہ نوبت لال بنام لالہ جیون لال ۱۸۷۹ء ۴ کلکتہ ۸۳۱ منسوخ ہوا۔

۲ سالک رام بنام رگھبیر دیال ۱۸۸۵ء ۱۵ کلکتہ ۲۲۴۔

کر سکتا ہے: عنایت اللہ بنام کوثر علی ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۲۶۶، ۹۸ انڈین کیسز ۲۲۰، ۱۹۲۶ء آل انڈیا کلکتہ ۱۱۵۳۔

(ب) زید، عمر، بکر اور خالد ہر ایک کا مکان ایک خانگی کوچہ میں واقع ہے جو سب میں مشترک ہے۔ زید اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ اس صورت میں عمر، بکر اور خالد سب مکان فروخت شدہ کے ملحقہ حق یعنی مرور میں شریک ہیں۔ اس لئے بکر اور خالد ثلث مکان کی شفعہ کے دعویدار ہو سکتے ہیں: امیر حسن بنام رحیم بخش ۱۸۹۷ء ۱۹ الہ آباد ۴۶۶۔

(ج) زید، عمر، بکر ایک جائداد کے شریک ہیں۔ زید اپنا حصہ عمر اور خالد کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ بکر نصف جائداد کے متعلق شفعہ کے دعوے کا مستحق ہے: سالک رام بنام رگھبیر دیال ۱۸۸۸ء ۱۵ کلکتہ ۲۲۴]

کلکتہ ہائی کورٹ کی ایک زمانے میں یہ رائے تھی[1] کہ جب چند شریک ہوں اور ان میں سے ایک اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے تو خریدار کے خلاف کوئی دوسرا شریک شفعہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ چیف جسٹس گارتھ نے اس فیصلے کے وجوہ یہ بیان کئے تھے کہ "اس قاعدے (شفعہ) کا ... مقصد یہ ہے کہ ناپسندیدہ اجنبی کے شریک یا پڑوسی ہونے سے جو زحمتیں ایک خاندان یا جماعت کو پہنچ سکتی ہیں وہ نہ پہنچنے پائیں۔ یہ امر صاف ظاہر ہے کہ اگر ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس سے ایسی کوئی زحمت نہیں پہنچ سکتی"۔ الہ آباد اور بمبئی ہائی کورٹ کی رائے اس سے مختلف تھی۔ ان کی رائے کی منجملہ اور بنیادوں کے ایک بنیاد یہ تھی کہ ہدایہ کا بنایا ہوا یہ قاعدہ کہ "جب حقِ شفعہ کے

---

[1] ۱۸۷۸ء ۴ کلکتہ ۳۱، ۸ گزشتہ۔

چند مستحق ہوں تو سب کا حق مساوی ہوگا۔ شفیع کی بیع سے بھی اسی طرح متعلق ہوگا جس طرح اجنبی کی بیع سے متعلق ہوتا ہے۔ کلکتہ ہائیکورٹ کے ایک خاص اجلاس نے اب اس معاملے میں وہی رائے قائم کی ہے جو الہ آباد اور بمبئی ہائی کورٹ کی تھی۔[1]

دفعہ ۱۸۶۔ طلب شفعہ — کوئی شخص حق شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا جب تک کہ:-

(۱) وہ بیع کی خبر سنتے ہی شفعہ کے متعلق دعویٰ کرنے کے ارادے کا اظہار نہ کرے۔ یہ عمل طلب مواثبت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے (جس کے لفظی معنی کودنے کی طلب کے ہیں یعنی فوری طلب)؛ اور جب تک کہ:-

(۲) وہ بلا کسی غیر ضروری تعویق کے اپنے ارادے کی توثیق نہ کرے جس میں صاف طریقے سے یہ بتایا جائے کہ طلب مواثبت قبل ازیں کی جا چکی ہے[2] اور یہ باضابطہ طلب

(الف) یا تو خریدار یا بایع کے سامنے یا جائداد مبیعہ[3] پر کی جائے۔

(ب) یا دو گواہوں کے مواجہے میں ہو[4]۔ یہ عمل طلب اشہاد کہلاتا ہے (یعنی اپنی طلب پر شہادت کا مہیا کرنا)۔

---

[1] سنہ ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۲۶۶، ۱۰۵ انڈین کیسز ۲۲۰، سنہ ۱۹۲۶ء آل انڈیا کلکتہ ۱۱۵۴، گزشتہ۔

[2] رجب علی بنام چندی چرن سنہ ۱۸۹۰ء ۱۷ کلکتہ ۵۴۳؛ مبارک حسین بنام کنیز بانو سنہ ۱۹۰۴ء ۲۷ الہ آباد ۱۶۰؛ جادو لال بنام جانکی کنور سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۹۲۳، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۵ انڈین کیسز ۶۵۹، جس میں مقدمہ سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵ کی تائید کی گئی؛ صادق علی بنام عبدل سنہ ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۲۹۰، ۷۱ انڈین کیسز ۶۴، سنہ ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۲۵۱۔

[3] کلثوم بی بی بنام فقیر محمد سنہ ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۲۹۸؛ محمد عثمان بنام محمد عبدل سنہ ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۱، ۱۱ انڈین کیسز ۳۱۹۔

[4] عمادالدین بنام محمد سنہ ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۱۰۵، ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۰۴، سنہ ۱۹۳۱ء آل انڈیا الہ آباد ۳۶، ۴۷، جس میں مقدمہ گنگا پرشاد بنام اجودھیا سنہ ۱۹۰۶ء ۲۸ الہ آباد ۲۴ سے اختلاف کیا گیا۔

دیکھو نوٹ (۳) آیندہ۔

تشریح اوّل ـــــ طلب مواثبت بیع کی تکمیل کے بعد ہونی چاہیئے، اگر وہ قبل تکمیل بیع کی جائے گی تو بے اثر ہوگی [دفعہ ۱۸۲]۔

تشریح دوم ـــــ یہ ضرور نہیں ہے کہ طلب مواثبت اور طلب اشہاد شفیع بذات خود کرے۔ شفیع کے منتظم یا کسی ایسے شخص کا جسے پہلے سے اس کام کی اجازت دی گئی ہو، یہ عمل کافی متصور ہوگا[1] شفیع کے باپ یا بھائی کی طلب، اگرچہ اسے بھی حق شفعہ حاصل ہو، ناکافی متصور ہوگی جب تک کہ وہ پہلے سے ایسی طلب کا مجاز نہ کیا گیا ہوگا[2] اگر شفیع دور ہے تو یہ طلب خط کے ذریعے سے عمل میں آسکتی ہے[3]۔

تشریح سوم ـــــ اگر طلب اشہاد خریدار کے مواجہے میں کی جائے، تو یہ ضرور نہیں ہے کہ جائداد مشفوعہ پر وہ اس وقت حقیقی طور سے قابض بھی ہو[4]۔

تشریح چہارم ـــــ جب دو یا دو سے زیادہ اشخاص شفیع ہوں، تو ہر ایک کو طلب مواثبت و اشہاد کرنی چاہیئے، بجز اس کے کہ کسی ایک کو باقی شفیعوں نے اپنی طرف سے ایسی طلب کا مجاز کر دیا ہو اور وہ ان کی طرف سے اس طلب کو عمل میں لائے۔ اگر چند شخص شفعہ کا دعویٰ کریں اور ان میں سے ایک نے صرف اپنی طرف سے طلب مواثبت اور اشہاد کی ہو، تو اس کا مقدمہ چلتا رہے گا، باقی مدعیوں کے دعوے خارج کر دئے جائیں گے[5]۔

جب دو یا دو سے زیادہ خریدار ہوں، اور طلب اشہاد بایع کے مواجہے میں یا جائداد مشفوعہ پر نہ کی گئی ہو، تو طلب تمام خریداروں کے مواجہے میں کی جانی چاہیئے[6]۔ اگر طلب

---

[1] آبادی بیگم بنام انعام بیگم ۱۸۷۷ء ۱ الہ آباد ۵۲۱؛ علی محمد بنام محمد ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۳۰۹؛ جادو لال بنام جانکی کنور ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۵ انڈین کیسز ۹۵۹؛ ہری ہر بنام شیو پرشاد ۱۸۸۴ء ۶ الہ آباد ۵۹ [شفیع پابند ایکٹ تھا اور اس کے مختاروں کی غفلت]؛ شمس الدین بنام علاء الدین ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۱۳۸، ۱۳۴، ۱۳۸ انڈین کیسز ۴۶۲ [پہلے سے مجاز ہونا چاہیئے]۔

[2] شمس الدین بنام علاء الدین ۱۹۳۱ء آل انڈیا الہ آباد ۱۳۸، ۱۳۴، ۱۳۸ انڈین کیسز ۴۶۲۔

[3] سید واحد بنام لالہ ہنومان ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ آل انڈیا کلکتہ ۳۹؛ محمد بنام محمد ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۲۰۱، ۲۲ انڈین کیسز ۳۴۹۔

[4] علی محمد بنام محمد ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۳۰۹۔

[5] شمس الدین بنام علاء الدین ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۱۳۸، ۱۳۴، ۱۳۸ انڈین کیسز ۴۶۲۔

[6] علی مان بنام علی حسن ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۴۹۴، ۷۳ انڈین کیسز ۱۰۲۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۳۵۵۔

ان میں سے صرف بعض کے مواجہے میں کی گئی ہے، تو صرف انھی خریداروں کے حصوں کے متعلق شفعہ کا دعویٰ چل سکے گا[1]۔

تشریح پنجم ـــــ طلب مواثبت یا طلب اشہاد کا خاص الفاظ میں ادا کیا جانا لازم نہیں ہے[2]، صرف اپنے دعوے کو صاف اور صریح الفاظ میں ظاہر کر دینا کافی ہے[3]۔

ہدایہ، ۵۵۰، ۵۵۱؛ بیلی، ۴۸۸ ـــ ۴۹۰۔

(۱) طلب مواثبت طلب اوّل اور طلب اشہاد طلب ثانی کہلاتی ہے۔ طلب ثالث مقدمے کا شفعہ کے لئے دایر کرنا ہے۔ حق شفعہ کو کام میں لانے کے لئے طلب مواثبت اور طلب اشہاد مقدم شرائط ہیں[4]۔ طلب اشہاد بھی طلب مواثبت کی طرح لازم ہے[5]۔ ہدایہ میں لکھا ہے (صفحہ ۵۵۰) کہ "حق شفعہ ایک کمزور حق ہے"، کیونکہ اس میں آیندہ پیش آنے والی زحمتوں کو روکنے کے لئے ایک شخص کو اس کی جائداد سے بے دخل کرنا پڑتا ہے (دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۱۰۵ گزشتہ)۔ اور اس لئے تمام مراتب متعلقہ کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی ہونی چاہئے، اور ان کی پابندی کا صریح اور صاف ثبوت ہونا لازم ہے[6]۔ شفیع کا سب رجسٹرار کو عرضی دے کر یہ استدعا کرنا کہ بیع نامہ کی رجسٹری روک دی جائے طلب مواثبت نہیں متصور ہوتی، کیونکہ اس سے حق شفعہ پر اصرار ظاہر نہیں ہوتا[7]۔ مدعی کی بیع کو اطلاع ہوتے ہی

---

[1] محمد عسکری بنام رحمت اللہ سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۱۱۰۵، ۱۰۱ انڈین کیسز ۱۰۱، سنہ ۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۵۴۸۔

[2] جگ دیب بنام محمد سنہ ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۲؛ محمد نذیر بنام مخدوم سنہ ۱۹۱۲ء ۳۴ الہ آباد ۵۳، ۱۱ انڈین کیسز ۴۳۔

[3] دیونندن پرشاد بنام رام دھری سنہ ۱۹۱۱ء ۴۴ کلکتہ ۶۷۵، ۶۸۳، ۴۴ انڈین اپیلز ۸۰، ۸۲، ۳۹ انڈین کیسز ۹۵۸۔

[4] محمد بنام مادھو پرشاد سنہ ۱۹۱۷ء ۳۹ الہ آباد ۱۳۳، ۳۵ انڈین کیسز ۹۱۱۔

[5] جادو سنگھ بنام راج کمار سنہ ۱۸۷۰ء ۴ بمبئی لا رپورٹ، آل انڈیا کلکتہ ۱۷۱۔

[6] خیالی بنام ملک سنہ ۱۹۱۶ء اٹینہ لا جرنل ۱۰۲، ۳۴ انڈین کیسز ۲۱۰۔

طلب مواثبت کرنی چاہئے، اس میں نادانی یا غیر ضروری تعویق سے
یہ سمجھا جائے گا کہ طلب شفعہ منظور نہیں ہے[1]۔ الہ آباد کی ہائی کورٹ
نے ایک مقدمے میں بارہ گھنٹے کی دیر کو ضرورت سے زیادہ تصور
کیا[2]۔ کلکتے کے ایک مقدمے میں شفیع بیع کی خبر سنکر "اپنے گھر میں
داخل ہوا، اور صندوق کھولا، اور روپے" (غالباً مشتری کو
دینے کے لئے) نکالے، اور اس کے بعد طلب مواثبت کی۔ عدالت
نے اسے شفعہ کا غیر مستحق قرار دیا، اس بناء پر کہ تعویق غیر ضروری
تھی[3] [دفعہ ۱۸۷]۔

(۲) طلب مواثبت کی صحت کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ گواہوں
کے مواجہے میں کی جائے۔

شفیع کا کسی طرح اپنے ارادے سے مطلع کر دینا کافی ہے، مگر
طلب اشہاد کا گواہوں کے مواجہے میں عمل میں آنا لازم ہے[4]۔ طلب اشہاد
کرتے وقت شفیع کو اس کا اظہار بھی لازم ہے کہ وہ طلب مواثبت اس سے
قبل کر چکا ہے[5]۔

(۳) طلب اشہاد ـــــ مقدمہ گنگا پرشاد بنام جودھیا[6] میں
الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا کہ طلب اشہاد کو صحیح طلب قرار
دینے کے لئے یہ امر لازم تھا کہ گواہوں سے خاص طور سے یہ کہا جاتا

---

[1] بیج ناتھ بنام رام دھاری ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۴۰۲، ۳۵ انڈین اپیلز ۶۰۔
[2] علی محمد بنام تاج محمد ۱۸۷۶ء ا الہ آباد ۲۸۳۔
[3] جعفر خاں بنام جبار میاں ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۳۸۳۔
[4] جادو سنگھ بنام راج کمار ۱۸۷۰ء ۴ بنگال لا رپورٹ، آل انڈیا کلکتہ ۱۷۱۔
[5] مبارک حسین بنام کنیز بانو ۱۹۰۴ء ۲۷ الہ آباد ۱۶۰؛ صادق علی بنام عبدل ۱۹۲۳ء ۴۵ الہ آباد ۲۹۰، ۷۱ انڈین کیسز ۲۳ آل انڈیا الہ آباد ۲۵۱۔
[6] ۱۹۰۴ء ۲۸ الہ آباد ۲۴۔

کہ وہ اس طلب کے عمل میں لائے جانے کے گواہ رہیں۔ ایک بعد کے مقدمے میں[1] اس کی استثنائی صورت اختیار کی گئی، اور یہ قرار پایا کہ جب شفیع نے طلب مواثبت گواہوں کے مواجہے میں کی ہے اور گواہوں کو اپنے ساتھ مشتری کے پاس لے جاکر طلب اشہاد ان کے سامنے عمل میں لایا، اور ان کی توجہ ادھر مبذول کرائی ہے، تو اس کا محض بصراحت یہ نہ کہنا کہ تم لوگ اس طلب کے گواہ رہنا سقوطِ حق کا مستوجب نہیں ہو سکتا۔ ایک اور بعد کے مقدمے[2] میں مقدمہ گنگا پرشاد بنام اجودھیا سے اختلاف کرکے یہ قرار دیا گیا کہ طلب اشہاد میں گواہوں سے بصراحت یہ کہنا ضرور نہیں ہے کہ تم اس طلب کے گواہ رہنا، طلب کا گواہوں کے مواجہے میں اس طور سے عمل میں آنا کہ وہ اسے سن لیں کافی ہے، لیکن اس کا کم سے کم دو گواہوں کے سامنے کیا جانا لازم ہے گو دونوں کو عدالت میں پیش کرنا ضرور نہیں۔

(۴) طلب اشہاد اور طلب مواثبت ایک ساتھ کی جا سکتی ہے ——

اگر طلب مواثبت کے وقت شفیع کو اس کا موقع ہو، کہ وہ مشتری یا بائع کی موجودگی میں یا جائداد مشفوعہ پر اپنی طلب مواثبت کے متعلق لوگوں کو گواہ کر سکے، اور ان سے گواہ رہنے کی درخواست کرے، تو یہ عمل دونوں طلبوں کا کام دے گا یہ ایک ایسی صورت ہے جس میں طلب مواثبت طلب اشہاد کے ساتھ شریک کی جا سکتی ہے[3]۔

(۵) طلب مواثبت ایسے الفاظ میں کی جا سکتی ہے جیسے "میں شفعہ کا دعویٰ کرتا ہوں" [ہدایہ، ۵۱۰] — شفیع طلب اشہاد میں یہ کہہ سکتا ہے کہ "فلاں شخص نے فلاں مکان خریدا ہے جس کا میں شفیع ہوں، میں اپنے حق شفعہ کا دعویٰ کر چکا ہوں اور اب پھر دعویٰ کرتا ہوں، آپ لوگ گواہ رہیں" [ہدایہ، ۵۱۰] لیکن

---

[1] احمد حکیم بنام محمد سنہ ۱۹۲۶ء ۴۹ الہ آباد ۳۸۵، ۱۰۰ انڈین کیسز ۳۹، سنہ ۲۷ آل انڈیا الہ آباد ۲۸۹۔

[2] امام الدین بنام محمد سنہ ۱۹۳۰ء ۵۲ الہ آباد ۵۰۰، ۱۲۳ انڈین کیسز ۳۰۴، سنہ ۳۱ آل انڈیا الہ آباد ۲۳۶۔

[3] بیلی ۹۰۴؛ نانھو بنام شادی سنہ ۱۹۱۵ء ۳۷ الہ آباد ۲۲۵، ۲۹ انڈین کیسز ۴۹۵؛ رجب علی بنام چندی چرن ۱۸۹۰ - ۱۷ کلکتہ ۵۴۳ [اجلاس کامل]۔

اس کے لئے خاص کلمات کا استعمال کرنا ضروری نہیں ہے [ہدایہ، ۵۵۱]۔ قانون
جو کچھ چاہتا ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ طلب اس مقصد (حق شفعہ)
کے اظہار کے لئے کافی ہو۔ اگر چند خریدار ہوں، تو تمام خریداروں کا
نام لینا نہ طلب اول میں ضرور ہے اور نہ طلب ثانی میں۔ اسی
وجہ سے جب ایک شفیع نے پانچ خریداروں کے مقابلے میں شفعہ کا
دعوی کیا، اور یہ الفاظ استعمال کئے کہ "جگدیپ سنگھ اور دوسرے
لوگوں نے جائداد خریدی ہے اور میں نے شفعہ کا دعویٰ کیا ہے"
وغیرہ، اور یہ بیان دو خریداروں کے مواجہے میں اور تین خریداروں
کے خالی مکانوں کے سامنے کیا گیا تھا، تو عدالت نے یہ تجویز کی کہ
طلب با ضابطہ تھی، اور دعوے کے پیش کئے جانے میں کسی قسم کے
اشتباہ کی گنجایش نہ تھی[1]۔

(۶) ـــــ دیکھو دفعہ ۱۸۲ کی توضیح نشان (۱)، اور توضیح
نشان (۲) اور اس کے متعلقہ نوٹ۔

دفعہ ۱۸۶ الف۔ طلب کے بعد خریدار کا جائداد کو منتقل کر دینا

ـــــ شفیع کی "طلب" کی حسب قانون [دفعہ ۱۸۶] تکمیل ہو جانے کے بعد، اگر خریدار جائداد مشفوعہ کو منتقل کر دے تو اس سے شفیع کے حق پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اور نہ شفیع کے لئے یہ ضرور ہوگا کہ وہ منتقل الیہ کے مقابلے میں دوبارہ "طلب" کا عمل کرے[2]۔

دفعہ ۱۸۷۔ قیمت کا پیش کرنا لازم نہیں ہے

ـــــ شفعہ کے دعوے کے جواز کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ شفیع طلب اشہاد [دفعہ ۱۸۶] کے وقت قیمت بھی پیش کرے۔ شفیع کا قیمت مندرجۂ بیع نامہ، یا اگر اسے یہ باور کرنے کی معقول وجہ ہو کہ قیمت مندرجۂ بیع نامہ فرضی ہے تو وہ قیمت جو عدالت کی رائے میں خریدار نے فی الحقیقت ادا کی ہو،

---

[1] جگدیپ بنام محمد ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۲۔

[2] محمد ابدال بنام محمد ۱۹۲۴ء ۴۶ الہ آباد ۸۸۹، ۷۹ انڈین کیسز ۱۰۵۳، ۱۹۲۴ء آل انڈیا الہ آباد ۸۰۶۔

ادا کرنے پر صرف آمادگی اور تیاری کا اظہار کر دینا کافی ہوگا۔[۲]

دفعہ ۵۰۱۔ **شفیع کی موت** ـــــ اگر شفعہ کے مقدمے کے دوران میں شفیع فوت ہو جائے تو اس کے قانونی قائم مقام اسے چلا سکتے ہیں۔

زید، عمر پر شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ مقدمے میں ڈگری ہونے سے پہلے زید فوت ہو جاتا ہے۔ حنفی قانون کے مطابق، حق شفعہ ساقط ہو گیا اور زید کے وارث اسے نہیں چلا سکتے۔[۲] شیعہ اور شافعی قانون کے لحاظ سے ساقط نہیں ہوا؛ زید کے وارث مقدمہ جاری رکھ سکتے ہیں: بیلی، جلد دوم، ۱۹۰؛ ہدایہ، ۵۶۱۔ پروبیٹ اور اڈمنسٹریشن ایکٹ ۱۸۸۱ء کی دفعہ ۹۰ کی رو سے بھی [جواب ایکٹ نشان ۳۹ ۱۹۲۵ء وراثت ہند کی دفعہ ۳۰۶ ہے] یہ حق ساقط نہیں ہوتا، اور زید کے قانونی قائم مقام اسے جاری رکھ سکتے ہیں؛ یعنی اس کے مہتمم ترکہ یا وصی۔ ایکٹ مذکور مسلمانوں سے بھی متعلق ہے اور بمبئی ہائی کورٹ کے ایک حال کے فیصلے کا یہ اثر ہے کہ فریقین مقدمہ خواہ کسی فرقے کے ہوں، اس قسم کے مقدمات میں، اسی قاعدے سے کام لیا جائے گا جو ایکٹ مذکور میں بتایا گیا ہے؛ یعنی اگر زید کوئی وصیت نامہ لکھ کر فوت ہوا ہے تو مقدمہ اس کا وصی چلا سکے گا اور اگر وہ بغیر وصیت کے فوت ہوا ہے تو اس کے وارث سند اہتمام ترکہ حاصل کرنے کے بعد مقدمہ جاری رکھنے کے مجاز

---

[۱] بیلی، ۴۹۴؛ ہیرالال بنام مورت لال ۱۸۶۹ء ۱۱ ویکلی رپورٹ ۲۷۵؛ لاجا پرشاد بنام دیبی پرشاد ۱۸۸۱ء ۳ الہ آباد ۲۳۶؛ نند و پرشاد بنام گوپال ۱۸۸۳ء ۱۰ کلکتہ ۱۰۰۸؛ کریم بخش بنام خدا بخش ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۲۴۷، ۲۴۸۔ دیکھو جگت سنگھ بنام بلدیو پرشاد ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد، ۱۳۷، ۵۹ انڈین کیسز ۶۷۹، ۱۹۲۱ء آل انڈیا الہ آباد ۲۹۰ [فروخت بہ مرتہن]۔

[۲] بیلی، ۵۰۵ - ۵۰۶؛ محمد حسین بنام نعمت النساء ۱۸۹۷ء ۲۰ الہ آباد ۸۸۔

ہوں گے[۱]

دفعہ ۱۸۹۔ شفعہ کے حق کا تسلیم بالسکوت سے زائل ہو جانا — اگر شفیع خریدار سے مصالحت کر لے، یا کسی دوسرے طریقے سے بیع کو بسکوت مان لے[۲]، تو اس کا حق شفعہ زائل ہو جائے گا۔ لیکن شفیع کا مقدمہ چلانے سے بچنے کے لئے خریدار سے یہ کہنا کہ وہ خرید کی قیمت ادا کر کے جائداد لینے پر رضامند ہے، تسلیم بالسکوت نہ متصور ہوگی[۳]۔

دفعہ ۱۸۹ الف۔ غیر مستحق شفیع کو زمرۂ مدعیان میں شریک کر لینے سے شفعہ کا حق زائل ہو جاتا ہے — اگر ایک مستحق شفیع اپنے ساتھ ایسے شخص کو بطور مدعی کے شریک کر لے جسے شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے، تو اس کا مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ ایسے شخص کو اپنے ساتھ مدعی بنائے جو، اگر ضروری طلب مواثبت و اشہاد وغیرہ کرتا [دفعہ ۱۸۶]، تو شفعہ کا مستحق ہو جاتا، تو مقدمہ خارج نہ کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۹۰۔ فروخت سے قبل خریداری سے انکار کرنے کی بنا پر شفعہ کا حق زائل نہیں ہو جاتا — حق شفعہ خریداری کی تکمیل کے بعد پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس واقعے سے کہ بیع کی تکمیل سے پہلے جائداد کی خریداری کا شفیع کو اختیار دیا گیا تھا اور

۱؎ سید ضیاء الحسن بنام سیتارام ۱۹۱۲ء ۳۶ بمبئی ۴۴؛ ۱۲ انڈین کیسز ۲۰۷ [شافعی]؛ سیتارام بنام سید سراج الحق ۱۹۱۷ء ۴۱ بمبئی ۶۳۶، ۶۵۳، ۴۴ انڈین کیسز ۳۲، جو سیتارام بنام ضیاء الحسن ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۱۰۵۶، ۱۰۶۱ کے مرافعے میں پرایوی کونسل سے بحال رہا۔ ۴۸ انڈین اپیلز ۴۷۵، ۴۷۹، ۶۴ انڈین کیسز ۸۲۶، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۴۔ دیکھو ضابطۂ دیوانی ۱۹۰۸ء آرڈر ۲۲، قاعدہ ۱۰۔

۲؎ حبیب النساء بنام برکت علی ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۲۷۵؛ امیر حیدر بنام علی احمد ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۴۳۵، ۸۸ انڈین کیسز ۲۳۴، ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۴۲۴ (نابالغ)۔

۳؎ محمد نثار الدین بنام ابوالحسن ۱۸۹۴ء ۱۶ الہ آباد ۳۰۰؛ محمد یونس بنام محمد یوسف ۱۸۹۷ء ۱۹ الہ آباد ۳۳۴۔

۴؎ دوارکا سنگھ بنام شیو شنکر ۱۹۲۶ء ۴۳ الہ آباد ۱۰۸، ۹۸ انڈین کیسز ۱۰۰۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۱۶۸؛ بھنت توکھ نرائن بنام رام رکھا ۱۹۲۶ء ۵ پٹنہ ۹۶، ۹۰ انڈین کیسز ۸۰۶، ۱۹۲۵ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۴۳۔

اس نے خریدنے سے انکار کیا[1]، اس کا حق شفعہ زایل نہیں ہو جاتا [دفعہ ۱۸۶، تشریح ۱] شفیع کا بیع کے معاملے سے قبل از قبل مطلع ہونا اور بایع سے جائداد کی خریداری پر آمادگی کا اظہار نہ کرنا، بہ درجۂ ادنیٰ اس حق کے زوال کا موجب نہ قرار پائے گا[2]۔

دفعہ ۱۹۰ الف۔ بیع کے متعلق پہلے سے مطلع ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق زایل نہیں ہو جاتا ـــــ شفعہ کا حق بیع کی تکمیل کے بعد پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس واقعے سے کہ شفیع کو جائداد کے معرض فروخت میں ہونے کا علم تھا اور اس نے خریداری پر آمادگی نہ ظاہر کی، اس کا حق شفعہ زایل نہ ہو جائے گا[3] [دفعہ ۱۸۶، تشریح ۱]۔

دفعہ ۱۹۱۔ دو مختلف اشخاص کے ہاتھ فروخت ـــــ جب جائداد دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے ہاتھ فروخت کی جائے تو شفیع مجاز ہوگا کہ جس شخص کے حصے کے متعلق چاہے دعویٰ کرے[4] [دفعہ ۱۸۶، تشریح ۴]۔

دفعہ ۱۹۱ الف۔ شفعہ کا دعویٰ؛ اور وہ کن امور پر مشتمل ہونا چاہئے ـــــ جب جائداد ایک شخص کے ہاتھ فروخت کی جائے، تو شفعہ کے دعویدار کو اس کل حقیقت کا دعویٰ کرنا چاہئے جو خریدار کی طرف منتقل کی گئی ہے۔ جس مقدمے میں ایسی کل حقیقت کا دعویٰ نہیں کیا جاتا وہ ناقص ہے[5] اور (نمبر پر) نہ لیا جانا چاہئے۔

تمام جائداد مبیعہ کے سوائے (یعنی جزء جائداد کے متعلق)

شفعہ کا حق نہ دینے کا اصول یہ ہے کہ اگر شفیع کو معاملے کی تجزی کا

---

[1] آبادی بیگم بنام انعام بیگم ۱۸۷۷ء ۱ الہ آباد ۲۱ ۵؛ کنھیا لال بنام کارکا پرشاد ۱۹۰۵ء ۲۷ الہ آباد ۶۷۰۔

[2] محمد عسکری بنام رحمت اللہ ۱۹۲۶ء ۴۹ الہ آباد ۱۶، ۱۰۵ انڈین کیسز ۱۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۴۸ ۵۔

[3] محمد عسکری بنام رحمت اللہ ۱۹۲۶ء ۴۹ الہ آباد ۱۶، ۱۰۵ انڈین کیسز ۱۷، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۴۸ ۵۔

[4] ایضاً۔

[5] درگا پرشاد بنام منسی ۱۸۸۴ء ۶ الہ آباد ۴۲۳۔

اختیار دے دیا جائے تو وہ جائداد کا بہترین حصہ منتخب کر کے خراب حصہ خریدار کے لئے چھوڑ دے گا[1]۔ حق شفعہ کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ شفیع کو ایسے بے اصول انتخاب کا اختیار دیا جائے[2]۔ لیکن جب خود خریدار جائداد کا ایک حصہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو شفیع کو اس حصے کے متعلق حق شفعہ حاصل رہتا ہے جو خریدار کے پاس باقی رہ جاتا ہے[3]۔

میعاد — حق شفعہ نافذ کرانے کے لئے مقدمہ خریدار کے جائداد مبیعہ پر حقیقی قبضہ حاصل کرنے کی تاریخ سے یا اگر مبیعہ ایسی شے ہو جس پر حقیقی قبضہ حاصل نہ ہو سکتا ہو، تو دستاویز بیع کی رجسٹری ہونے کی تاریخ سے ایک سال کے اندر دائر ہونا چاہئے [ایکٹ میعاد سماعت ۱۹۰۸ء شیڈول ۱، مد ۱۰]۔ مگر شے مبیعہ حقیقی قبضہ کے ناقابل ہو اور دستاویز بیع کی رجسٹری بھی نہ کرائی گئی ہو تو ایسا مقدمہ مد (۱۰) نہیں بلکہ مد (۱۲۰) کے متعلق ہوگا[4]۔ جب شخص حق شفعہ نابالغ ہو، تو اس کا ولی اس کی طرف سے دعویٰ کر سکتا ہے مگر مدت مذکورہ بالا کے اندر دعویٰ پیش ہونا چاہئے، شفیع کی نابالغی کی وجہ سے میعاد میں کوئی توسیع نہ دی جائے گی [ایکٹ میعاد سماعت ۱۹۰۸ء دفعہ ۸]۔

جائداد مشفوعہ کب شفیع کی ہو جاتی ہے — دیکھو ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء آرڈر ۲۰، رول ۱۴۔ دعویٰ شفعہ کے ڈگری ہو جانے پر

---

[1] شیو بھروس بنام جیا پرشاد رائے ۱۹۱۰ء، الہ آباد ۲۰۴۔
[2] درگا پرشاد بنام منشی ۱۹۰۰ء ۲۲ الہ آباد ۲۲۴، صفحہ ۲۳۴۔
[3] داؤ دے رام بنام تھارام ۱۹۲۲ء ۳ لاہور ۲۰۰، نظیرات کسنر ۹۰، ۱۹۲۲ء آل انڈیا لاہور ۱۴۴۔
[4] نول کشور بنام منصور علی ۱۹۰۹ء ۳۲ الہ آباد ۱۰۰؛ بکوندلا بنام گوپال ۱۹۱۹ء الہ آباد ویکلی نوٹس ۵۲۔

شفیع کے اس قیمت کے ادا کر دینے کے بعد جو بالآخر عدالت سے تجویز ہوئی ہو، جائداد اور اس کی واصلات کا حق شفیع کو حاصل ہو جاتا ہے؛ اس سے قبل جائداد اصل خریدار کے قبضے میں رہتی ہے اور اس کے کرایے اور منافع کا وہی مستحق ہوتا ہے[1]

شفعہ کے مقدمے کی ڈگری —— دیکھو ضابطۂ دیوانی آرڈر ۲۰، رول ۱۴ -

جائداد مرہونہ —— اگر وہ جائداد جس کے قبضے کی ڈگری دی جائے رہن ہو، تو شفیع اسے بار رہن کے ساتھ لے گا[2] - اور اگر جائداد مذکور مرتہن کے قبضے میں ہو، تو ڈگری میں یہ حکم دیا جائے گا کہ مرتہن کے قبضے میں انفکاک رہن تک کوئی مداخلت نہ کی جانی چاہیے[3]

دفعہ ۱۹۱ ب - حق شفعہ کی ڈگری ناقابل انتقال ہے —— حق شفعہ کی ڈگری قابل انتقال نہیں ہے، اس لئے منتقل الیہ جائداد زیر مقدمہ کا قبضہ ڈگری کی تعمیل میں نہیں پا سکتا ہے[4]

دفعہ ۱۹۲ - شفعہ سے بچانے کی شرعی ترکیب —— جب اس امر کا اندیشہ ہو کہ پڑوسی کی طرف سے شفعہ کا دعویٰ کیا جائے گا، تو بائع اپنی جائداد کا وہ حصہ جو پڑوسی کی جائداد سے بالکل ملا ہوا ہو، خواہ وہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو، محفوظ کر کے بقیہ جائداد فروخت کر سکتا ہے اور اس ترکیب سے پڑوسی کا حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے -

---

[1] دیو کی نندن بنام سری رام ۱۸۸۹ء ۱۲ الہ آباد ۲۳۴؛ دیو نندن پرشاد بنام رام دھاری ۱۹۱۷ء ۴۴ کلکتہ ۶۷۵، ۴۴ انڈین اپیلز ۸۰، ۳۹ انڈین کیسز ۹۵۰ -

[2] تیج پال بنام گردھاری لال ۱۹۰۸ء ۳۰ الہ آباد ۱۳۰ -

[3] شمس الدین بنام علاء الدین ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۱۳۰، ۱۳۴ انڈین کیسز ۴۶۲

[4] رام سہائے بنام گیا ۱۸۸۴ء الہ آباد ۱۰۷، ۱۱۱؛ نادر علی بنام ولی ۱۹۲۴ء ۵ لاہور ۸۶، ۸۵ انڈین کیسز ۱۰۲، ۱۹۲۵ء آل انڈیا لاہور ۲۰۲؛ مہر خاں بنام غلام ۱۹۲۱ء ۲ لاہور ۲۸۲، ۶۴ انڈین کیسز ۶۹۱، ۱۹۲۲ء آل انڈیا لاہور ۳۰۰ -

ہدایہ، ۵۶۳؛ بیلی، ۵۱۲ وغیرہ۔ شفعہ کے حق کو باطل کرنے کے لئے، شرعِ اسلام میں جو ترکیبیں بتائی گئی ہیں، ان میں حیل شامل نہیں ہے[1]۔

دیکھو دفعہ ۱۸۲ کے نوٹ زیرِ عنوان "پٹہ دوامی"۔

دفعہ ۱۹۳۔ شفعہ کے متعلق مختلف فرقوں کا قانون — (۱) اگر بائع اور شفیع دونوں سنّی ہیں، تو حق کا تصفیہ سنّی قانون سے کیا جائے گا، اور اگر دونوں شیعہ ہیں[1] تو شیعہ قانون سے[2]۔

(۲) اگر بائع سنّی اور شفیع شیعہ ہے، تو الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق شفعہ کے مسئلے کا تصفیہ باہمی مساوات کے اصول پر، جس کی تفصیل دفعہ ۱۸۴ کے نوٹ میں کی جا چکی ہے، شیعوں کے قانون سے ہوگا[3]۔

(۳) اگر بائع شیعہ اور شفیع سنّی ہو تو الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق[4]، شفعہ کے مسئلے کا تصفیہ شیعوں کے قانون[5] سے ہے؛ مگر کلکتہ ہائی کورٹ کی تجویز کے لحاظ سے سنیوں کے قانون سے ہوگا[6]۔

(۴) ان مقدمات میں خریدار کا ذاتی قانون ناقابلِ لحاظ ہے[7]۔

دفعہ ۱۹۳ الف۔ شیعہ اور سنّی قانون میں شفعہ کے متعلق اختلاف —

(۱) شیعوں کے قانون کے لحاظ سے ایسی جائداد میں جس میں دو یا دو سے زیادہ شریک ہوں،

---

[1] جادولال بنام جانکی کنور سنہ ۱۹۰۸ء ۳۵ کلکتہ ۵۷۵، جس کی تائید سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۹۱۵ میں کی گئی، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۰۱، ۱۵ انڈین کیسز ۷۹۔

[2] دیکھو گوبند دیال بنام عنایت اللہ سنہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۷۷۵۔

[3] عباس علی بنام مایا رام سنہ ۱۸۸۸ء ۱۲ الہ آباد ۲۲۹۔

[4] قربان بنام چھوٹے سنہ ۱۸۹۹ء ۲۲ الہ آباد ۱۰۲۔

[5] پیر خاں بنام فیاض سنہ ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۴۸۸، ۲۵ انڈین کیسز ۴۴۵۔

[6] جگ دیب بنام محمد سنہ ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۲۔

[7] گوبند دیال بنام عنایت اللہ سنہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۷۷۵۔ جگ دیب بنام محمد سنہ ۱۹۰۵ء ۳۲ کلکتہ ۹۸۲۔ مگر دیکھو مقدمہ قدرت اللہ بنام ماہنی موہن سنہ ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ ۱۳۴۔

حقِ شفعہ نہیں ہوتا۔[1]

(۲) شیعوں کے قانون میں نہ پڑوس سے حقِ شفعہ پیدا ہوتا ہے،[2] اور نہ افادوں کے اشتراک سے۔

بیلی، جلد دوم، ۱۷۵ تا ۱۷۹۔ زید، ایک سنّی، اپنی اراضی عمر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ زید کا ایک پڑوسی خالد، جو شیعہ ہے شفعہ کا دعویٰ زید اور عمر پر کرتا ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے کے مطابق اس صورت میں شیعہ قانون سے کام لیا جائے گا، اور چونکہ اس قانون کی رو سے کوئی پڑوسی بحیثیت پڑوسی ہوتے کے شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا، اس لئے خالد کو شفعہ کا حق نہیں ہے۔ اگر ہم خالد کو اس کے قانون (شیعہ قانون) سے کام لے کر شفعہ کے حق سے محروم کئے دیتے ہیں، تو انصاف اس کا مقتضی ہے کہ جب وہ اپنی جائداد فروخت کرنا چاہے تو وہی قانون اس سے بھی متعلق کیا جائے؛ اور اس کا سنی پڑوسی جو پڑوس کی بناء پر شفعہ کا دعویدار ہو، تو اسے اس حق کے دلانے سے انکار کر دیا جائے۔ الہ آباد ہائی کورٹ نے ان مقدمات میں جن کا حوالہ دفعہ ۱۰۳ کے ضمن ۲، ۳ میں دیا گیا ہے اسی استدلال سے کام لیا ہے۔ کلکتہ ہائی کورٹ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ شفعہ کے تمام مقدمات میں سنیوں کے قانون سے کام لیا جانا چاہیئے، شاید بہ استثنائے ان مقدمات کے جن میں بائع اور شفیع دونوں شیعہ ہوں۔ عدالت نے جو وجہ ظاہر کی ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں شفعہ کا جو قانون رائج ہے وہ سنیوں کا قانون ہے۔

---

[1] عباس علی بنام مایا رام سنہ ۱۸۸۸ء ۱۲ الہ آباد ۲۲۹؛ حسین بخش بنام محفوظ الحق سنہ ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۹۴۴، ۸۸ انڈین کیسز ۹۷۲، سنہ ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۵۵۹۔

[2] قربان بنام چھوٹے سنہ ۱۸۹۹ء ۲۲ الہ آباد ۱۰۲۔

فصل چہاردہم

نکاح، نفقہ، اعادۂ حقوقِ زناشوئی

الف۔ نکاح

دفعہ ۱۹۴۔ نکاح کی تعریف ـــ نکاح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ وہ ایک معاہدہ ہے جس کا مقصد اولاد پیدا کرنا اور اس اولاد کو صحیح النسب قرار دینا ہوتا ہے۔

ہدایہ، ۲۵؛ بیلی، ۴۔

زنا۔ زنا کے معنی مرد و عورت میں اس صحبت کے ہیں جس کی شرع اسلام میں اجازت نہیں دی گئی ہے۔ جو اولاد اس تعلق سے پیدا ہو وہ ناجائز (ولدالحرام) ہوتی ہے، اور اقرار بالنسب سے بھی جائز (صحیح النسب) نہیں قرار پا سکتی [دفعہ ۲۹۴ (۲)]۔

دفعہ ۱۹۵۔ نکاح کی قابلیت ـــ (۱) ہر مسلمان جو عاقل اور بالغ ہو، یہ معاہدہ کر سکتا ہے۔

(۲) مجنون اور کم عمر جو حدِ بلوغ کو نہ پہنچے ہوں، ان کے نکاح ان کے ولی کر سکتے ہیں اور وہ نکاح جائز سمجھے جاتے ہیں۔ [دفعات ۲۰۰ - ۲۱۱]۔

(۳) ایک عاقل اور بالغ مسلمان کا نکاح، جو اس کی رضامندی کے خلاف کر دیا گیا ہو،

ناجائز ہے۔

یہی قاعدہ شافعی مذہب کی اس لڑکی سے بھی متعلق ہے جو حد بلوغ کو پہنچ گئی ہو۔[1]

تشریح — شہادت موجود نہ ہونے کی صورت میں، پندرہ سال کی عمر کی تکمیل پر، بلوغ کا قیاس کیا جاتا ہے۔

ہدایہ، ۲۹ ھ؛ بیلی، ۴۔ یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ ہندوستان کا ایکٹ بلوغ ۱۸۷۵ء نکاح، مہر، اور طلاق کے معاملات سے متعلق نہیں ہے۔ دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۰۱ سابق۔

نکاح کے متعلق رضامندی جو جبر یا فریب سے حاصل کی گئی ہو —— جس نکاح کی رضامندی جبر یا فریب سے حاصل کی گئی ہو، وہ باطل ہے، بجز اس کے کہ بعدہ اس کی توثیق ہو جائے۔[2]

دفعہ ۱۹۶۔ لوازم نکاح —— جواز نکاح کے لئے لازم ہے کہ وہ عاقل اور بالغ مسلمان مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے مواجہے اور سماعت میں نکاح کا ایک فریق خود یا اس کی طرف سے کوئی شخص ایجاب کرے، اور دوسرا فریق خود یا اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص اسے قبول کرے۔ ایجاب وقبول دونوں ایک ہی جلسے میں ہونے چاہیں؛ ایجاب کے ایک جلسے میں اور قبول کے دوسرے جلسے میں کئے جانے سے نکاح جائز نہیں ہوتا،[3] تحریر یا کوئی دوسری مذہبی رسم لازم نہیں ہے۔

ہدایہ، ۲۵، ۲۶؛ بیلی، ۴، ۵، ۱۰، ۱۴۔

---

[1] حسن کٹی بنام جینابہا ۱۹۲۹ء ۵۲ مدراس ۳۹، ۱۱۳ انڈین کیسز ۳۰۶، ۱۹۲۸ء آل انڈیا مدراس ۱۲۸۵۔

[2] عبداللطیف بنام نیاز احمد ۱۹۰۹ء ۳۱ الہ آباد ۳۴۳، ۳ انڈین کیسز ۸۳۵ (زوجہ کی بیماری چھپائی گئی)؛ کلثوم بی بنام عبدالقادر ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۱۵۱، ۵۹ انڈین کیسز ۳۳۴، ۱۹۲۱ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۵ (حمل چھپایا گیا)۔

[3] ما تانگ گائی بنام ماشا بہا ۱۹۲۹ء، رنگون ۷، ۷۷، ۱۲۱ انڈین کیسز ۱۸، ۱۹۲۹ء آل انڈیا رنگون ۳۴۱۔

ایجاب کی عام شکل یہ ہے "میں نے تمہارا نکاح اپنے ساتھ کرلیا"
اور قبول کے عام الفاظ یہ ہیں "میں نے قبول کیا"۔
نکاح کا درج رجسٹر ہونا ـــــ مسلمانوں کے نکاح کے درج رجسٹر ہونے کے متعلق دیکھو قانونیوں کا ایکٹ بابت ۱۸۸۰ء اور بنگال کا ایکٹ نشان ۱ بابت ۱۸۷۶ء جسے ۱۹۰۵ء کے ایکٹ نشان (،) کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئے۔
شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے مذہب کے مطابق نکاح کے کسی معاملے میں گواہوں کا موجود رہنا ضرور نہیں ہے: بیلی، جلد دوم، ۴۔

دفعہ ۹۶) الف۔ صحیح، فاسد، اور باطل نکاح ـــــ نکاح صحیح، فاسد، یا باطل ہو سکتا ہے۔

فاسد یا ناجائز نکاح ـــــ بیلی نے "فاسد" کا ترجمہ لفظ " Invalid " سے کیا ہے، مگر یہ لفظ انگریزی زبان میں " Void " (باطل) پر بھی حاوی ہے، اس واسطے ہم نے اشاعت ہذا میں اس مضمون کے حال کے مصنفوں کے اتباع میں لفظ "فاسد" کا ترجمہ " Irregular " کیا ہے۔ ایسے بعض فاسد نکاحوں کے متعلق دیکھو دفعات ۱۹۷ تا ۲۰۰ اور دفعہ ۲۰۴، اور باطل نکاحوں کے متعلق دیکھو دفعات ۲۰۱، ۲۰۲ تا ۲۰۳۔

دفعہ ۱۹۷۔ گواہوں کا نہ موجود ہونا ـــــ جو نکاح بغیر گواہوں کی موجودگی کے کیا جاتا ہے، جن کا موجود رہنا حسب دفعہ ۱۹۶ ضرور ہے، وہ نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہوتا ہے۔

بیلی، ۱۵۵، فاسد نکاحوں کے لئے دیکھو دفعات ۲۰۴، ۲۰۴ الف اور ۲۰۶ جو آگے آتی ہیں۔

دفعہ ۱۹۸۔ بیویوں کی تعداد ـــــ ایک مسلمان ایک وقت میں چار بیویاں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اگر وہ چار کی موجودگی میں پانچویں عورت کو

نکاح میں لائے، تو یہ نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہوگا۔

بیلی، ۳۰، ۱۵۴ (قسم چہارم)؛ امیر علی، اشاعت پنجم، جلد دوم ۲۸۰۔ فاسد نکاحوں کے متعلق، دیکھو دفعات ۲۰۴، ۲۰۴ الف اور ۲۰۶۔

دفعہ ۱۹۸ الف۔ متعدد شوہر —— ایک مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک مرد سے زیادہ کی زوجہ ہو۔ ایسی عورت کے ساتھ نکاح جس کا شوہر زندہ ہو اور جسے اس نے طلاق نہ دی ہو باطل ہے[1]۔

جو مسلمان عورت اپنے شوہر کی زندگی میں دوسرا نکاح کرلے وہ تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۴۹۴ کے تحت مستوجب سزا ہے[2]۔ ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ولدالحرام متصور ہوگی[3] اور اقرار بالنسب سے بھی صحیح النسب نہ قرار پائے گی[4] [دفعہ ۲۴۹ (۲)]۔

دفعہ ۱۹۹۔ ایسی عورت کے ساتھ نکاح جو عدت میں ہو ——

(۱) ایسی عورت کے ساتھ نکاح جو عدت میں ہو، باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔ لاہور کے ہائیکورٹ نے ایسے نکاح کو باطل قرار دیا ہے[5]، مگر اتنا بہ ادب عرض کیا جاتا ہے، کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔

---

[1] لیاقت علی بنام کریم النساء سنہ ۱۸۹۳ء ۱۵ الٰہ آباد ۳۹۶، ۳۹۸؛ حبیب الرحمٰن بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۰؛ بدھن سا بنام فاطمہ بی سنہ ۱۹۱۴ء ۲۶ مدراس لاجرنل ۲۶۰، ۲۲ انڈین کیسز ۶۹۷؛ بمعاملہ رام کماری سنہ ۱۸۹۱ء ۱۸ کلکتہ ۲۶۴، ۲۶۹؛ نندی بنام سرکار سنہ ۱۹۲۰ء الاہور ۴۴۰، ۵۹ انڈین کیسز ۳۲؛ حکومت بمبئی بنام گنگا سنہ ۱۸۸۰ء ۴ بمبئی ۳۳۰۔

[2] سنہ ۱۸۹۱ء ۱۸ کلکتہ ۲۶۴ گزشتہ؛ سنہ ۱۹۲۰ء الاہور ۴۴۰ گزشتہ؛ حامد بنام سرکار سنہ ۳۱ آل انڈیا لاہور ۱۹۴، ۱۴۳ انڈین کیسز ۵۸۹۔

[3] سنہ ۱۸۹۳ء ۱۵ الٰہ آباد ۳۹۶، ۳۹۸ گزشتہ؛ سنہ ۱۹۱۴ء ۲۶ مدراس لاجرنل ۲۶۰ گزشتہ۔

[4] سنہ ۱۸۹۳ء ۱۵ الٰہ آباد ۳۹۶ گزشتہ۔

[5] جہاندو بنام مسماۃ حسین بی بی سنہ ۱۹۲۳ء لاہور ۱۹۲، ۷۳ انڈین کیسز ۵۹۰، سنہ ۲۳ آل انڈیا لاہور ۹۴۹۔

(۲) عدت ـــ عدت کی توضیح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ عدت وہ مدت ہے جس میں ایسی عورت کو جس کا عقد نکاح طلاق یا موت کی وجہ سے ٹوٹ گیا ہو علیحدہ رہنا اور دوسرا شوہر نہ کرنا چاہیے۔ دوسرا شوہر نہ کرنے کی قید اس وجہ سے عائد کی گئی ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ اپنے شوہر سے حاملہ تو نہیں ہے اور اس طور سے اولاد کے نسب میں اشتباہ نہ پڑنے پائے۔ جب عقد نکاح طلاق کی وجہ سے ٹوٹ جائے تو ایسی عورت کی جسے حیض آتے ہوں عدت کی مدت میں تین حیض ہیں، اگر اسے حیض نہیں آتے تو عدت کی مدت تین قمری مہینے ہیں۔ اگر طلاق کے وقت عورت حاملہ ہو، تو زچگی ہوتے ہی عدت کا زمانہ ختم ہو جائے گا جب عقد نکاح شوہر کی موت کی وجہ سے باقی نہ رہے، تو عدت کی مدت چار مہینے اور دس دن ہیں۔ اگر اس وقت عورت حاملہ ہو، تو عدت چار مہینے دس دن یا زچگی تک، جو مدت طویل تر ہو قائم رہے گی۔[1]

اگر عقد نکاح موت کی وجہ سے ٹوٹتا ہے، تو زوجہ پر عدت لازم ہے خواہ صحبت ہوی ہو یا نہ ہوی ہو۔ اور اگر عقد نکاح طلاق کی وجہ سے باقی نہیں رہا، تو عدت صرف اسی حالت میں لازم آئے گی جبکہ صحبت ہوئی ہو گی؛ اگر صحبت نہیں ہوئی، تو عدت لازم نہ ہو گی، اور وہ فوراً نکاح کرنے کی مجاز ہو گی۔ طلاق کی صورت میں تاریخ طلاق اور موت کی صورت میں تاریخ موت سے عدت کی مدت کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر طلاق یا موت کی اطلاع زوجہ کو عدت کی مدت معینہ کے ختم ہو جانے تک نہ پہنچے، تو اسے عدت میں رہنے کی ضرورت نہیں باقی رہتی [بیلی، ۱، ۲۵]

ہدایہ، ۱۲۸ ـــ ۱۲۹؛ بیلی، ۳۸، ۱۵۱، ۳۵۲ ـــ ۳۵۶۔ نکاح فاسد کی صورت میں عدت کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۰۶ (۲) دوم۔

عدت میں نکاح ـــ زید کی چار بیویاں، الف، ب، ج اور د ہیں۔ وہ صحبت کے بعد الف کو طلاق دیدیتا ہے۔ عدت میں الف کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرا شوہر

[1] جہاندو بنام مسماۃ حسین بی بی ۱۹۲۳ء لاہور ۱۹۲، ۳، انڈین کیسز ۵۰۹، ۱۹۲۳ء آل انڈیا لاہور ۹۴۹۔

کرے، اور نہ زید، الف کی عدت میں دوسری عورت کر سکتا ہے۔ اور نہ زید کے لئے جائز ہے کہ وہ الف کی عدت کے زمانے میں، اگر اس کی کوئی اور بیوی مر جائے، تو الف کی بہن کے ساتھ نکاح کر لے (دفعہ ۲۰۴)۔ لیکن الف کی عدت کے ختم ہو جانے کے بعد زوجین میں سے ہر ایک دوسرا نکاح کر سکتا ہے۔ اور زید اگر چاہے، تو الف کی بہن کو بھی اپنے عقد نکاح میں لا سکتا ہے۔ عدت کا اصل مقصد تو زوجہ کے نکاح کی روک تھام ہے، مگر اس مدت میں شوہر کے نکاح پر بھی اس حد تک جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ایک متقابل روک عائد ہوتی ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیئے، کہ عدت کے زمانے کی تکمیل سے پہلے جو نکاح کر لیا جائے، وہ باطل نہیں صرف فاسد ہے۔ فاسد نکاحوں کے لئے دیکھو دفعات ۲۰۴ الف اور ۲۰۶۔

خلوت صحیحہ ـــــ جب زوج اور زوجہ ایسی حالت میں تنہا ہوں جس میں کوئی شرعی، اخلاقی یا جسمانی امر صحبت کا مانع نہ ہو، تو کہا جائے گا کہ ان میں "خلوت صحیحہ" واقع ہوئی۔ سنیوں کے قانون کے مطابق مہر [دفعات ۲۰۶، ۲۴۳ (۲)] تعین نسب، قیام عدت [دفعہ ۱۹۹]، عدت میں زوجہ کے نان ونفقہ [دفعہ ۲۱۵]، زوجہ کی بہن سے نکاح کی روک [دفعہ ۲۰۴]، اور حسب احکام دفعہ ۱۹۸ ممانعت نکاح کے متعلق، خلوت صحیحہ کا وہی قانونی اثر پیدا ہوتا ہے جو حقیقی صحبت کا ہو سکتا ہے۔ مگر زوجہ کی بیٹی [دفعہ ۲۰۲]، یا مطلقہ [دفعہ ۲۴۳ (۴)] سے نکاح کی ممانعت کے متعلق خلوت صحیحہ کا وہ اثر نہیں ہوتا جو حقیقی صحبت کا ہوتا ہے۔ موخر الذکر دونوں صورتوں میں ضرور ہے کہ حقیقی صحبت واقع ہوئی ہو، جیسا کہ

دفعات ۲۰۲ اور ۲۴۳ (۵) میں بتایا گیا ہے ۔ بیلی ، ۹۸ —
۱۰۱ —

دفعہ ۱۹۹ الف سنی اور شیعہ میں نکاح —— سنی مرد شیعہ عورت سے[1] اور شیعہ مرد سنی عورت سے[2] بطریقِ جائز نکاح کر سکتا ہے ۔

عورت کے حقوق اور ذمہ داریوں کے متعلق اس مذہب کے قانون سے کام لیا جائے گا ، جس کی پابند نکاح کے وقت وہ تھی ۔ دیکھو دفعہ ۲۳ ۔

دفعہ ۲۰۰ ۔ اختلافِ مذہب —— (۱) مسلمان مرد ، نہ صرف مسلمان عورت ، بلکہ کتابیہ یعنی یہودیہ یا عیسائیہ سے بھی نکاح کرنے کا مجاز ہے ، مگر اس کے لیئے بت پرست یا آتش پرست عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ۔ جو نکاح بت پرست یا آتش پرست عورت سے کر لیا جائے وہ باطل نہیں ، بلکہ فاسد ہوگا[3] ۔

(۲) مسلمان عورت کے لیئے جائز نہیں کہ وہ سوائے مسلمان کے کسی دوسرے مذہب کے شخص سے نکاح کرے ۔ وہ کتابی ، یعنی عیسائی یا یہودی سے بھی بطریقِ جائز نکاح نہیں کر سکتی ۔ لیکن اگر وہ کسی کتابی یا غیر کتابی مرد کے ساتھ نکاح کرلے تو وہ فاسد ہوگا ، نہ کہ باطل ۔

ہدایہ ، ۳۰ ؛ بیلی ، ۴۸ —۴۲ ، ۱۵۱ ، ۱۵۳ ۔ فاسد نکاحوں کے لیئے ، دیکھو دفعات ۲۰۴ ، ۲۰۴ الف اور ۲۰۶ ۔

کتابی — کتاب سے مراد الہامی مذہب کی کتاب ہے ۔ کتابی وہ مرد ہے جو عیسائی یا یہودی مذہب کا پیرو ہو ۔ اور کتابیہ وہ عورت ہے جو ان میں سے کسی ایک مذہب کی پیرو ہو —

---

[1] سید غلام حسین بنام مسماۃ ثنا بیگم ۱۸۶۶ء ۲ ویکلی رپورٹ ۸۰ ؛ عزیز بانو بنام محمد ۱۹۲۵ء ، ۴۷ الہ آباد ۸۲۳ ، ۸۹ ، انڈین کیسز ۶۹۰ ، ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۷۲۰ ۔

[2] نصرت حسین بنام حمیدن ۱۸۸۲ء ۴ الہ آباد ۲۰۵ ۔

[3] احسان بنام پنا لال ۱۹۲۸ء ، ۷ پٹنہ ۱۰۲ ، ۱۱۰ انڈین کیسز ۳۰۴ ، ۱۹۲۸ء آل انڈیا پٹنہ ۱۹ ۔

ایک بدھ مذہب کی عورت کے متعلق پریوی کونسل کے ایک مقدمے میں یہ بحث پیش آئی کہ آیا وہ کتابیہ ہے یا نہیں، لیکن اس کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔[1]

ہندوستان کے عیسائیوں کے ازدواج کا ایکٹ نشان ۱۵ بابت ۱۸۷۲ء ـــــ برطانوی ہند میں، اگر کوئی مسلمان مرد کسی عیسائی عورت سے نکاح کرنا چاہے، تو ایکٹ مذکورۂ بالا کی دفعہ ۵ (۴) کے احکام کے موافق، وہ نکاح کے رجسٹرار کے موجب میں منعقد ہونا چاہئے؛ اگر وہ کسی اور طریقے سے منعقد ہوگا، تو "باطل متصور ہوگا"۔ چونکہ مسلمان عورت عیسائی سے نکاح کی مجاز نہیں ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ ایکٹ مذکور کے تحت دفعہ ۸۸ کی رو سے منعقد نہیں ہو سکتا۔

شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے قانون کے مطابق ایک مسلمان مرد اور غیر مسلمان عورت کا نکاح ناجائز اور باطل ہے؛ اور اسی طرح ایک مسلمان عورت اور غیر مسلمان مرد کا۔ البتہ ایک مسلمان مرد کتابیہ کے ساتھ بطریق جائز متعہ (دفعہ ۲۰۶ ب) کرسکتا ہے۔ شیعہ آتش پرستوں کو کتابی قرار دیتے ہیں؛ بیلی ۴۰، ۲۹۔

دفعہ ۲۰۱۔ قرابت کی بنا پر ممانعت ـــــ ہر مسلمان (۱) اپنی ماں یا اپنی دادی خواہ کسی قدر اوپر طبقے کی ہو؛ (۲) اپنی بیٹی یا پوتی خواہ کسی قدر نیچے طبقے کی ہو؛ (۳) اپنی حقیقی، علاتی، اخیافی بہن؛ (۴) اپنی بھتیجی، بھانجی یا ان کی بیٹیوں سے خواہ کسی قدر نیچے طبقے کی ہوں؛ (۵) اور اپنی پھپھیوں اور خالاؤں کے ساتھ خواہ کسی قدر اوپر طبقے کی ہوں؛ نکاح کرنے سے ممنوع ہے۔ اگر کسی ایسی عورت سے

---

[1] عبدالرزاق بنام آغا محمد جعفر ۱۸۹۳ء ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶، ۶۴ ـــــ ۶۵، ۲۱ کلکتہ ۶۶۶ (۶۷۴)۔

جن سے نکاح بربنائے قرابت ممنوع ہے نکاح کر لیا جائے، تو وہ باطل ہوگا۔

ہدایہ، ۲۷؛ بیلی، ۲۴۔ باطل نکاحوں کے متعلق، دیکھو دفعات ۲۰۴ الف ۱ور ۲۰۵ الف جو آگے آتی ہیں۔

دفعہ ۲۰۲ ۔ ازدواجی تعلقات کی بنا پر ممانعت ــــ ہر مسلمان (۱) اپنی بیوی کی ماں یا نانی سے خواہ طبقے میں کتنی ہی اونچی ہو؛ (۲) اپنی بیوی کی بیٹیوں یا پوتیوں سے خواہ کتنی ہی نیچے طبقے کی کیوں نہ ہوں؛ (۳) اپنے باپ یا کسی طبقۂ اعلیٰ کے دادا کی بیویوں سے؛ (۴) اپنے بیٹے یا پوتے یا نواسے کی بیویوں کے ساتھ خواہ وہ کتنے ہی نیچے طبقے کی ہوں؛ نکاح کرنے سے ممنوع ہے۔ جو نکاح ممنوعہ عورت کے ساتھ کیا جائے وہ ازدواجی تعلق کی بنا پر باطل ہوگا۔

نشان (۲) میں بیوی کی بیٹی یا پوتی سے جو نکاح کی ممانعت کی گئی ہے، وہ ایسی حالت میں ہے جبکہ عورت سے صحبت ہوئی ہو۔

ہدایہ، ۲۸؛ بیلی، ۲۴ ــ ۲۹، ۱۵۴۔ باطل نکاحوں کے لئے، دیکھو دفعات ۲۰۴ الف اور ۲۰۵ الف آئندہ۔

دفعہ ۲۰۳ ۔ رضاعت (دودھ کی شرکت) کی بنا پر ممانعت ــــ جو عورتیں قرابت یا ازدواجی تعلقات کی بنا پر ممنوع ہیں وہ رضاعت کی بنا پر بھی ممنوع ہیں، بہ استثنائے بعض رضاعی رشتہ داروں کے، جیسے بہن کی رضاعی ماں، یا رضاعی بہن کی ماں، یا رضائی بیٹے کی بہن یا رضاعی بھائی کی بہن، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔ رضاعت کی بنا پر جو نکاح ممنوع ہیں اگر وہ کر لئے جائیں تو باطل قرار پائیں گے۔

ہدایہ، ۶۸، ۶۹؛ بیلی، ۳۰، ۱۵۴، ۱۹۴، ۱۹۵۔ باطل ازدواج کے لئے، دیکھو دفعات ۲۰۴ الف اور ۲۰۵ الف آئندہ۔

دفعہ ۲۰۴ ۔ ناجائز اجتماع ــــ کوئی شخص ایسی دو بیویاں ایک وقت میں نہیں رکھ سکتا جو قرابت، ازدواج یا رضاعت کے لحاظ سے، باہم ایسے رشتہ دار ہوں کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہوتا تو ان کا باہم نکاح جائز نہ ہوتا؛ مثلاً دو بہنیں یا پھپی اور بھتیجی۔ ناجائز اجتماع کی وجہ سے نکاح باطل نہیں، صرف فاسد ہوتا ہے۔

ہدایہ، ۲۸، ۲۹؛ بیلی، ۳۱، ۱۵۳ - بیوی کی بہن (سالی)۔
جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا، کوئی شخص بیوی کی زندگی میں بیوی کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔ کلکتہ ہائیکورٹ کی رائے کے مطابق[1] اس قسم کا نکاح باطل ہے، اور اس سے جو اولاد ہو گی وہ ولد الحرام قرار پائے گی۔ (دفعہ ۲۰۵ الف) بمبئی ہائیکورٹ[2] اور اودھ کی چیف کورٹ[3] کی رائے میں ایسا نکاح صرف فاسد ہے، اور اس سے جو اولاد ہو وہ ولد الحرام نہ ہو گی (دفعہ ۲۰۶)۔ کلکتے کا یہ فیصلہ بظاہر صحیح نہیں کہا جا سکتا۔
بیوی کے مر جانے یا اسے طلاق دیدینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے: بیلی، ۳۳۔
شیعوں کا قانون ـــــ شیعوں کے قانون کے لحاظ سے، ایک مرد اپنی بیوی کی پھپھی یا خالہ سے نکاح کر سکتا ہے، مگر بغیر اپنی بیوی کی اجازت کے بیوی کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح نہیں کر سکتا: بیلی، جلد دوم، ۲۳۔

دفعہ ۲۰۴ الف - باطل اور فاسد نکاحوں کا فرق

ـــ (۱) جو نکاح جائز نہیں وہ یا تو فاسد ہو گا یا باطل۔
(۲) باطل نکاح وہ ہے جو بنفسہ ناجائز ہو، اور جس کی ممانعت دائمی اور قطعی طور سے کی گئی ہو۔ اسی لحاظ سے ایسی عورت سے نکاح، جو بربنائے قرابت (دفعہ ۲۰۱)، ازدواج (دفعہ ۲۰۲) یا رضاعت (دفعہ ۲۰۳) ممنوع ہو[4] باطل قرار پاتا ہے، ایسی عورت سے نکاح کی ممانعت دائمی اور قطعی ہے۔

---

[1] اعز النسا بنام کریم النسا ۱۸۹۵ء، ۲۳ کلکتہ ۱۳۰۔
[2] تاج بی بنام مولی خاں ۱۹۱۷ء، ۴۱ بمبئی ۴۸۵، ۳۹ انڈین کیسز ۶۰۳۔
[3] مسماۃ کنیزہ بنام حسن ۱۹۲۶ء، ۱ لکھنو ۷، ۹۲ انڈین کیسز ۸۲، ۱۹۲۶ء آل انڈیا اودھ ۲۳۱؛ بط النساء بنام محمد ۱۹۳۱ء، ۱۲ لاہور ۲۸۵، ۱۲۹ انڈین کیسز ۱۲، ۱۹۳۰ء آل انڈیا لاہور ۹۰۷۔
[4] وہ عورتیں جن سے نکاح ممنوع ہے "محرمات" کہلاتی ہیں۔

(۳) نکاح فاسد وہ ہے جو بنفسہٖ ناجائز نہ ہو، بلکہ "کسی دوسری وجہ سے" ناجائز ہو گیا ہو؛ مثلاً وہ نکاح جس میں ممانعت عارضی یا ضمنی ہو، یا فساد کسی اتفاقی حالت کی وجہ سے واقع ہوا ہو، جیسے گواہوں کا نہ ہونا۔ اس لحاظ سے مفصلۂ ذیل نکاح فاسد ہیں:—

(الف) وہ نکاح جو بغیر گواہوں کے کیا جائے (دفعہ ۱۹۷)؛

(ب) پانچویں عورت سے نکاح چار بیویوں کی موجودگی میں (دفعہ ۱۹۸)؛

(ج) ایسی عورت سے نکاح جو عدت میں ہو (دفعہ ۱۹۹)؛

(د) وہ نکاح جو اختلافِ مذہب کی وجہ سے ممنوع ہو (دفعہ ۲۰۰)؛

(ہ) ایسی عورت سے نکاح جس کا رشتہ بیوی کے ساتھ ایسا ہو کہ اگر ایک ان میں سے مرد ہوتا تو ان میں باہم نکاح جائز نہ ہوتا (دفعہ ۲۰۴)۔

مذکورۂ بالا نکاحوں کے فاسد متصور ہونے، اور باطل نہ قرار پانے کی وجہ یہ ہے، کہ ضمن (الف) میں فساد (نقص) ایک اتفاقی حالت سے واقع ہوا ہے؛ ضمن (ب) کا نقص چار بیبیوں میں سے کسی ایک کو طلاق دیدینے سے رفع ہو سکتا ہے؛ ضمن (ج) میں عدت کے ختم ہو جانے سے جو رکاوٹ تھی وہ دُور ہو جاتی ہے؛ ضمن (د) کا نقص بیوی کے مسلمان، عیسائی یا یہودی ہو جانے، یا شوہر کے مسلمان ہو جانے سے باقی نہیں رہتا؛ اور ضمن (ہ) کا نقص مرد کے اس عورت کو طلاق دیدینے سے جو سدِ راہ ہے رفع ہو سکتا ہے؛ مثلاً ایک ایسا مرد جس کے نکاح میں ایک بہن ہے دوسری بہن سے نکاح کرلے، تو وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر، دوسری بہن کو اپنے لئے جائز کر سکتا ہے۔

بیلی، ۱۵۰، ۱۵۵۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون میں فاسد اور باطل نکاحوں کا کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔ اس قانون کے مطابق نکاح یا تو جائز ہو گا یا ناجائز۔ جو نکاح سنیوں کے قانون کی رُو سے فاسد ہیں وہ سب شیعوں کے قانون کے لحاظ سے باطل ہیں۔

دفعہ ۲۰۵ - صحیح نکاح کے اثرات ـــــ صحیح نکاح سے زوجہ کو مہر، نان ولفقہ اور شوہر کے مکان میں رہنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے، اور اس پر باوفا اور تابعدار رہنے اور شوہر کو مجامعت کا موقع دینے، اور عدت میں بیٹھنے کے وجوب عائد ہوتے ہیں۔ اسی نکاح سے فریقین میں ممنوعہ رشتوں اور باہمی توریث کے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔

بیلی، ۱۳۱- یہ امر یاد رکھنا چاہئے، کہ مسلمان شوہر کو نکاح سے زوجہ کی جائداد میں کوئی حقیت نہیں حاصل ہوتی[1]

دفعہ ۲۰۵ الف - نکاح باطل کے اثرات ـــــ نکاح باطل پر نکاح کا اطلاق ہی نہیں ہوتا، اور نہ اس سے فریقین میں دیوانی حقوق یا وجوب قائم ہوتے ہیں۔ نکاح باطل سے جو اولاد پیدا ہو وہ ولدالحرام ہے۔

بیلی، ۱۵۶- جن نکاحوں کا دفعات ۱۹۸ الف اور ۲۰۱ سے لے کر ۲۰۳ میں ذکر ہے وہ سب باطل ہیں۔

دفعہ ۲۰۶ - فاسد نکاحوں کے اثرات ـــــ (۱) نکاح فاسد کو قبل یا بعد مجامعت فریقین میں سے ہر فریق، ایسے الفاظ کے استعمال سے فسخ کر سکتا ہے، جن سے افتراق کی نیت ظاہر ہوتی ہو، مثلاً کوئی فریق یہ کہے "میں نے تجھے چھوڑ دیا"۔ مجامعت سے قبل نکاح فاسد کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(۲) اگر مجامعت ہو جائے ـــــ تو

(الف) عورت مہر مثل یا مقررہ مہر، ان میں سے جو کم ہو اس کی مستحق ہوگی (دفعات ۲۱۸، ۲۲۰)؛

(ب) اُسے عدت میں بیٹھنا پڑے گا، لیکن طلاق اور موت دونوں صورتوں میں اس کی مدت صرف تین حیض ہوگی [دیکھو دفعہ ۱۹۹ (۲)]۔

(ج) جو اولاد اس نکاح سے پیدا ہوگی وہ صحیح النسب سمجھی جائے گی۔ لیکن نکاح فاسد سے بعد مجامعت بھی زوج اور زوجہ میں باہمی حقوق توریث

---

[1] الف بنام ب ۱۸۹۶ء ۲۱ بمبئی ۷۷، ۸۴۔

نہیں پیدا ہوتے [بیلی ۶۹۴، ۷۱۰] - اودھ کی چیف کورٹ نے ایک مقدمے میں یہ تجویز کی ہے کہ اس نکاح سے بھی ایسے حقوق پیدا ہوتے ہیں[1]، لیکن یہ تجویز صحیح نہیں کہی جا سکتی -

بیلی، ۱۵۶ — ۱۵۸، ۶۹۴ - دیکھو دفعات ۱۹۷ — ۲۰۰، ۲۰۴ اور ۲۰۴ الف -

دفعہ ۲۰۶ الف - نکاح کے متعلق قیاس

— نکاح کے صریح ثبوت نہ ہونے کی صورت میں، نکاح کا قیاس، مفصلۂ ذیل امور سے کیا جائے گا —

(الف) مسلسل اور ایک مدت دراز تک مثل زن و شوہر زندگی بسر کرنے سے[2]؛ یا

(ب) مرد کے اس اقرار سے کہ جو اولاد عورت کے بطن سے پیدا ہوئی ہے اس کا وہ باپ ہے، بشرطیکہ اقرار صحیح کی وہ تمام شرطیں پوری کی گئی ہوں جن کا

---

[1] محمد شفیع بنام رونق علی ۱۹۲۸ء آل انڈیا اودھ ۲۳۱، ۱۰۷ انڈین کیسز ۸۸۲ -

[2] خواجہ ہدایت بنام رائے جان ۱۸۴۴ء ۳ مورس انڈین اپیلز ۲۹۵، ۳۱۷ — ۳۱۸، ۳۲۳ [نکاح کا قیاس کیا گیا]؛ محمد باقر بنام شرف النسا ۱۸۶۰ء ۸ مورس انڈین اپیلز ۱۳۶، ۱۵۹ [نکاح کا قیاس نہیں کیا گیا]؛ اشرف الدولہ بنام حیدر حسین ۱۸۶۶ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۹۴، ۱۱۵ [نکاح کا قیاس نہیں کیا گیا]؛ جاریۃ البتول بنام حسینی بیگم ۱۸۶۷ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۱۹۴، ۲۰۹ — ۲۱۰ [نکاح کا قیاس نہیں کیا گیا]؛ مانگ کا ئی بنام ما شا بہا ۱۹۲۰ء، رنگون ۷۷، ۱۲۱ انڈین کیسز ۱۸، ۱۹۲۹ء آل انڈیا رنگون ۱۴۱، ۳ [نکاح کا قیاس کیا گیا]؛ سیوت النسا بنام پٹھانی ۱۹۰۴ء ۲۶ الہ آباد ۲۹۵ [نکاح کا قیاس نہیں کیا گیا]؛ عبدالحکیم بنام سعادت علی ۱۹۲۹ء آل انڈیا اودھ ۱۲۶، ۱۱۲ انڈین کیسز ۵۹۶ [نکاح کا قیاس کیا گیا] -

ذکر دفعہ ۲۶۹ میں کیا گیا ہے جو آگے آتی ہے[1]۔ یہ قیاس اس جگہ کام نہ دے گا جہاں فریقین کا طرزِ عمل ایسا رہا ہو کہ وہ زوج اور زوجہ کے تعلقات سے مطابقت نہ رکھتا ہو[2] اور نہ اس جگہ جہاں عورت قبل اس کے کہ وہ مرد کے گھر میں لا کر رکھی جائے مسلّم طور سے طوائف تھی[3]۔ محض یہ واقعہ، کہ ایک عورت اس شخص کی مسلّمہ بیویوں کی طرح پردے میں نہیں رہتی، ایسے قیاس کی تردید کے لئے کافی نہیں ہے[4]۔

مقدمہ عبدالرزاق بنام آغا محمد[5] میں پرایوی کونسل کے ججوں نے لکھا کہ "دوسری بحث یہ کی جاتی ہے، کہ جب ایک مدّت دراز تک باہم بود و باش رہی ہو، خصوصاً ایسی صورت میں کہ مبیّنہ نکاح کو ہوئے اتنی مدّت گزر گئی ہو کہ اس وقت کے صحیح واقعات کا معلوم ہونا اگر ناممکن نہیں تو سخت دشوار ہو گیا ہو، تو ہر ایک

---

[1] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ آل انڈیا الہ آباد ۷۳، ۸۱ — ۸۲، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۸۹ — ۸۹۰، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ حبیب الرحمٰن بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰ — ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷؛ سنہ ۲۲ آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[2] عبدالرزاق بنام آغا محمد سنہ ۱۸۹۳ء ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶، ۶۵، ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۶۷۴؛ فتح محمد بنام عبدالرحمان سنہ ۱۹۳۱ء ۱۲ لاہور ۳۹۶، ۴۳۳، ۱۳۴ انڈین کیسز ۵۹۰، سنہ ۳۱ آل انڈیا لاہور ۲۲۳ [جس میں مرد نے عورت کو اپنی زوجہ اور بچوں کو اپنی اولاد ہونے سے انکار کیا تھا]۔

[3] غضنفر بنام کنیز فاطمہ سنہ ۱۹۱۰ء ۳۷ انڈین اپیلز ۱۰۵، ۱۰۹، ۳۲ الہ آباد ۳۴۵، ۳۵۰، ۶ انڈین کیسز ۶۷۴؛ جاریۃ البتول بنام حسینی بیگم سنہ ۱۸۶۷ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۱۹۴۔ ارشاد علی بنام مسماۃ کریمن سنہ ۱۹۱۸ء ۲۰ بمبئی لا رپورٹ ۹۰۷، ۴۲ انڈین کیسز ۲۱۷، سنہ ۱۹۱۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۶۹ میں عورت طوائف تھی مگر نکاح کی تحریری شہادت موجود تھی، اور نکاح ثابت قرار پایا۔

[4] مہابت علی بنام محمد ابراہیم سنہ ۱۹۲۹ء ۵۶ انڈین اپیلز ۲۰۱، ۲۰۹، ۱۰ لاہور ۷۲۵، ۱۱۷ انڈین کیسز ۱۷، سنہ ۲۹ آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۳۵۔

[5] سنہ ۱۸۹۳ء ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶، ۶۵، ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۶۷۴۔

قیاس نکاح کی تائید میں قائم ہونا چاہئے .... یہ حجت بہت قوی بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ناقابل تردید ہوتی، اگر یہ ثابت کیا جاتا کہ فریقین کا عمل ان تعلقات کے مطابق تھا جو زوج اور زوجہ میں ہوتے ہیں"۔ اس مقدمے میں یہ فیصلہ ہوا کہ فریقین کا طرزِ عمل ان تعلقات کے مطابق نہ تھا، اور جہان پر اِیوی کونسل نے تجویز کیا کہ اس قیاس سے یہاں کام نہیں لیا جاسکتا۔ مقدمہ غضنفر بنام کنیز فاطمہ[1] میں پریوی کونسل کے ججوں نے لکھا کہ "ذی علم ججوں نے پورے طور سے یہ تسلیم کیا ہے کہ ایک مدت دراز کی باہم بود و باش سے نکاح کا قیاس قائم ہو سکتا ہے، مگر یہ قیاس لازمی طور سے بہت زیادہ قوی نہیں ہوتا، اور جہان پر اِیوی کونسل اس امر پر متفق ہیں کہ موجودہ مقدمے میں اس سے کام نہیں لیا جاسکتا، کیونکہ ماں جب کہ باپ کے گھر میں لائی گئی تو فریقین کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک طوائف تھی۔

دفعہ ۲۰۶ ب۔ متعہ —— (۱) شیعوں کے قانون میں دو قسم کے نکاح تسلیم کئے جاتے ہیں، اول مستقل، دوسرا عارضی یا متعہ۔

(۲) شیعہ مرد کسی ایسی عورت سے جو مسلمان، عیسائی، یہودی یا آتش پرست مذہب کی ہو، متعہ کر سکتا ہے، ان کے سوائے کسی اور مذہب کی عورت سے نہیں کر سکتا۔ لیکن شیعہ عورت غیر مسلم سے متعہ نہیں کر سکتی[2]۔

(۳) متعہ کے جواز کے لئے یہ امور ضروری ہیں (اول یہ) کہ باہم بود و باش کی مدت معین کی جائے، یہ مدت ایک دن، ایک مہینا، ایک سال یا چند سال ہو سکتی ہے[3]۔

---

[1] بیلی، جلد دوم، ۲۹، ۴۰۔
[2] بیلی، جلد دوم، ۲۹، ۴۰۔
[3] بیلی، جلد دوم، ۴۲۔

اور (دوسرے یہ کہ) مہر کی کوئی مقدار مقرر کی جائے[1] جبکہ مدت اور مہر کی قرارداد ہو جاتی ہے تو معاہدہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اگر مدت کا تعین ہو گیا، مگر مہر نہیں قرار پایا، تو معاہدہ باطل ہے۔ لیکن اگر مہر مقرر ہو گیا، اور مدت کا تعین نہیں ہوا، تو اگرچہ معاہدۂ متعہ باطل ہے، مگر اس کا اثر مستقل نکاح کا ہو سکتا ہے[2]۔

(۴) متعہ کے لوازم حسب ذیل ہیں:-

(الف) متعہ سے مرد اور عورت میں باہم توریث کے حقوق نہیں پیدا ہوتے۔ لیکن جو اولاد زمانۂ قیام متعہ میں پیدا ہوتی ہے وہ ماں باپ دو طرف سے وراثت کی مستحق ہوتی ہے[3]؛

(ب) جس صورت میں متعہ کی بنا پر مرد اور عورت میں تعلقات قائم ہو جائیں، لیکن مدت متعہ کے متعلق کوئی شہادت نہ ہو اور باہم بود و باش جاری رہے، تو اس کے خلاف کسی شہادت کے نہ موجود رہنے کی صورت میں یہ نتیجہ نکالنا بجا ہوگا، کہ تمام بود و باش کی مدت میں معاہدۂ متعہ قائم رہا، اور جس اولاد کا حمل اس مدت میں قرار پائے وہ صحیح النسب اور اپنے باپ کی وراثت کی مستحق ہوگی[4]؛

(ج) متعہ کا معاہدہ ختم مدت پر خود بخود فسخ ہو جاتا ہے۔ متعہ میں طلاق کا حق تسلیم نہیں کیا گیا ہے، مگر مرد حسب مرضی خود عورت کو "بہبۂ مدت" (یعنی بقیہ مدت معاہدہ معاف کر کے) مدت مقررہ سے پہلے معاہدے کو ختم کر دینے کا مجاز ہے[5]؛

(د) اگر متعہ میں عورت سے مجامعت نہ کی جائے، تو وہ نصف

---

[1] بیلی، جلد دوم، ۴۱۔

[2] بیلی، جلد دوم، ۴۲ — ۴۳؛ کوبری، جلد اول، ۶۸۹، ۶۹۳۔

[3] بیلی، جلد دوم، ۴۴؛ شہرت سنگھ بنام جعفری بی بی ۱۹۱۵ء، ۱۲ بمبئی لا رپورٹ ۲۴۲؛ ۴۲ انڈین کیسز ۹۹۴ (پرایوی کونسل)۔

[4] ۱۹۱۵ء، ۱۲ بمبئی لا رپورٹ ۲۴۲، ۴۲ انڈین کیسز ۹۹۴ گزشتہ [اس مقدمے میں بود و باش ۱۰ سال کی تھی]۔

[5] بیلی، جلد دوم، ۴۱؛ ۱۸۸۶ء، ۱۴ کلکتہ ۲۷۶، ۲۰۴ تا ۲۰۵ گزشتہ۔

مہر کی مستحق ہے۔ اگر مجامعت ہوئی ہے، تو وہ کامل مہر کی مستحق ہوگی، اگرچہ مرد نے بقیہ مدت عورت کو معاف کر کے معاہدہ ختم کر دیا ہو۔ اگر عورت ختم مدت سے پہلے خود مرد کو چھوڑ کر چلی جائے، تو مرد کو یہ حق ہے کہ وہ مہر کا متناسب حصہ وضع کر لے[1]۔

(ہ) جس عورت کے ساتھ متعہ کیا جائے وہ شیعوں کے قانون کے لحاظ سے نان و نفقہ کی مستحق نہیں ہے[2]۔ مگر یہ قرار پایا ہے کہ وہ بحیثیت زوجہ ضابطۂ فوجداری کے احکام مندرجۂ دفعہ ۴۸۸ کی رو سے نان و نفقہ پا سکتی ہے[3]۔

سنیوں کے قانون میں متعہ مطلق تسلیم نہیں کیا جاتا۔ بیلی ۱۸۔
دفعہ ہذا کے ضمن (۱) میں جو لفظ مستقل مستعمل ہوا ہے وہ بمقابلۂ عارضی کے ہے۔ مسلمانوں کا کوئی نکاح، خواہ وہ سنیوں میں ہو یا شیعوں میں، اس معنی میں مستقل نہیں کہا جا سکتا جس معنی میں وہ عیسائیوں یا پارسیوں میں ہوتا ہے، کیونکہ مسلمان شوہر اپنی بیوی کو جب چاہے طلاق دے سکتا ہے۔

الف۔ نابالغوں کا نکاح

دفعہ ۲۰۷۔ نابالغوں کا نکاح ——— نابالغ لڑکا یا لڑکی، خود اپنا نکاح کرنے کے مجاز نہیں ہیں، البتہ ان کا نکاح اُن کے ولی کر سکتے ہیں۔

---

[1] بیلی، جلد دوم، ۱۴۱؛ ۱۸۸۶ء ۱۴ کلکتہ ۲۷۶، ۲۸۴ — ۲۸۵ گزشتہ۔

[2] بیلی، جلد دوم، ۹۷۔

[3] لڈان بنام میرزا قمر ۱۸۸۱ء ۸ کلکتہ ۷۳۶۔ اس فیصلے کی صحت مشتبہ ہے، کیونکہ جیسا کہ شرائع الاسلام میں لکھا ہے "اس عورت کو جس کے ساتھ متعہ کیا گیا ہے، زوجہ کے نام سے موسوم کرنا درحقیقت صحیح نہیں ہے"؛ بیلی، حصۂ دوم، ۳۴۴۔

بالغ لڑکا یا لڑکی دونوں اس کے مجاز ہیں کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں نکاح کرلیں، اگر نکاح برابری میں (یعنی کفو میں) کیا گیا ہے تو ولی کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے:

میکناٹن، ۸۰، ۵ دفعات ۱۴ - ۱۶ - دیکھو دفعہ ۱۹۵ گزشتہ۔

دفعہ ۲۰۸ ۔ نکاح میں ولایت (جبر) نابالغ کو نکاح میں دینے کا حق یکے بعد دیگرے حسب ذیل رشتہ داروں کو حاصل ہے:۔ (۱) باپ، (۲) دادا خواہ کسی اوپر کے طبقے کا ہو، (۳) بھائی اور دوسرے پدری رشتہ داروں کو بہ ترتیب توریث مندرجۂ نقشۂ عصبات۔ اگر پدری جانب کے رشتہ دار نہ موجود ہوں تو یہ حق ماں، ماموں یا خالہ، اور دوسرے ان مادری رشتہ داروں کو جو محرمات میں داخل ہیں پہنچتا ہے۔ مادری رشتہ داروں کے بھی نہ موجود ہونے کی صورت میں حاکم وقت کو۔

ہدایہ، ۳۶-۳۹؛ عدالت کی طرف سے نابالغ کی ذات کے لئے کسی ولی کے متقرر کئے جانے سے ولی نکاح کا یہ حق زائل نہیں ہو جاتا کہ وہ نابالغ کو کسی کے نکاح میں دیدے۔ لیکن ایسی صورت میں نابالغ کورٹ آف وارڈز کی نگرانی میں ہوتا ہے اس لئے ولی نکاح کو چاہیئے کہ وہ کورٹ آف وارڈز کی اجازت کے بغیر نابالغ کا مجوزہ نکاح نہ کردے[1]۔

ولی نکاح کا ارتداد ــــ یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا ولی نکاح کے مذہب اسلام کو ترک کردینے سے نابالغ کے نکاح کردینے کا حق زائل ہو جاتا ہے یا نہیں۔

شرع اسلام کی رو سے تو مرتد کو نابالغ کے نکاح کا حق باقی نہیں رہتا: ہدایہ، ۲۹۲؛ مگر ایکٹ نمبر ۲۱ بابت ۱۸۵۰ء میں یہ حکم ہے کہ "کوئی قانون یا رواج کسی ایسے شخص کو جو اپنا مذہب ترک کردے اس کے کسی حق یا جائداد سے محروم نہ کرسکے گا" اسی بنا پر بنگال کی ہائی کورٹ نے مچھوبنام

[1] منی جان بنام ڈسٹرکٹ جج بیربھوم سنہ ۱۹۱۲ء ۲ ہ کلکتہ ۱۵۱ ، ۳۵ انڈین کیسز ۲۲۹۔

ارزون[1] کے مقدمے میں یہ قرار دیا کہ ایک ہندو باپ عیسائی ہو جانے سے اپنی اولاد کو اپنی حفاظت میں رکھنے اور ان کی تعلیم کی نگرانی سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے بعد کے ایک مقدمے میں اسی ہائیکورٹ نے مچھو کے مقدمے کا ذکر کیے بغیر یہ قرار دیا کہ ایک مسلمان باپ جو یہودی ہو گیا تھا بوجہ ارتداد اپنی بیٹی کو نکاح میں دینے کا مجاز نہیں ہے[2]۔ پنجاب کی چیف کورٹ[3] نے مچھو کے مقدمے کا اتباع کیا جس میں ایک مسلمان باپ عیسائی ہو گیا تھا۔ بمبئی کے ایک مقدمے میں مچھو کے مقدمے کی پیروی کر کے یہ قرار دیا گیا کہ ایک ہندو جو مسلمان ہو گیا ہو وہ اپنے بیٹے کو دوسرے ہندو کی تبنیت میں دینے کے ناقابل نہیں ہے[4]۔ یہ امر قابل اظہار ہے کہ ایکٹ مذکورہ بالا کے مفہوم میں بھی نابالغ کو نکاح میں دینا ایک "حق" ہے اور اس لحاظ سے مچھو کے مقدمے میں جو فیصلہ کیا گیا وہ صحیح ہے، مگر عدالت اپنے اختیار تمیزی سے ہر مقدمے کا فیصلہ اس کے خاص حالات کے لحاظ سے کرنے کی مجاز ہے۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون میں ولی نکاح صرف باپ اور دادا (خواہ کسی اوپر کے طبقے کا ہو) مانے گئے ہیں: بیلی، جلد دوم ۶۔ نیز دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۲۱۰۔

دفعہ ۲۰۹ ۔ باپ یا دادا کے کئے ہوئے نکاح —

نابالغ کا جو نکاح باپ یا دادا نے کر دیا ہو، وہ صحیح اور قابل پابندی ہے،

---

[1] ۱۸۹۶ء ۵ ویکلی رپورٹ ۲۳۵۔
[2] بمقدمۂ ماہن بی بی ۱۸۷۴ء ۱۳ بنگال لا رپورٹ ۱۶۰۔
[3] گل محمد بنام سماۃ وزیر ۱۹۰۱ء ۳۶ پنجاب ریکارڈ ۱۹۱۔
[4] شام سنگھ بنام سنتا بائی ۱۹۰۱ء ۲۵ بمبئی ۵۵۱۔

اور اسے نابالغ بالغ ہونے کے بعد فسخ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ لیکن اگر باپ یا دادا نے اس عمل میں فریب یا بے احتیاطی برتی ہے، مثلاً، یہ کہ نابالغ کا نکاح کسی مجنون کے ساتھ کر دیا ہے، یا وہ نکاح صریح طور سے نابالغ کے حق میں مضر ہے، تو نابالغ بالغ ہو جانے کے بعد اسے فسخ کر سکے گا۔[1]

ہدایہ، ۳۷؛ بیلی ۵۰؛ امیر علی، اشاعت پنجم جلد دوم صفحہ ۳۷۰۔ نیز دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۲۱۰ — الہ آباد ہائیکورٹ نے یہ قرار دیا کہ جس شیعہ مذہب کی لڑکی کا نکاح باپ نے ایک سنی مذہب شخص سے کر دیا ہو، وہ بعد بلوغ اس نکاح کو منسوخ کر دینے کی مجاز ہے بجز اس صورت کے کہ نکاح مذکور کی توثیق مجامعت یا کسی دوسرے طریقے سے ہو گئی ہو۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے، کہ ایسے نکاح کے قیام پر لڑکی کو مجبور کرنا جسے وہ بعد بلوغ اپنے مذہبی خیالات کے منافی سمجھتی ہو، تمام اصولِ نصفت اور انصاف کے خلاف ہے۔

دفعہ ۲۱۱ ۔ دوسرے اولیا کا کیا ہوا نکاح "خیار بلوغ"۔

نابالغ کا جو نکاح باپ اور دادا کے سوائے کوئی اور ولی کر دے، اسے نابالغ بالغ ہونے کے بعد فسخ کر سکتا ہے۔ اسی کو اصطلاح میں "خیار بلوغ" [بالغ ہو جانے پر اختیار] کہتے ہیں۔ عورت کا یہ اختیار ایسی حالت میں زائل ہو جاتا ہے کہ بعد بلوغ اسے اس نکاح اور اس اختیار کی اطلاع دی جائے، اور وہ بلا نامناسب تعویق کے اسے فسخ نہ کر دے۔[2]

---

[1] عزیز بانو بنام محمد ۱۹۲۵ء، ۴۷ الہ آباد ۸۲۳، ۸۳۸؛ — ۳۹، ۸۹ انڈین کیسز ۶۹۰؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۷۲۰۔

[2] بسم اللہ بنام نور محمد ۱۹۲۲ء ۴۴ الہ آباد ۶۱؛ ۶۳؛ انڈین کیسز ۷۰۲؛ ۱۹۲۲ء آل انڈیا الہ آباد ۱۵۵؛ رحمت علی بنام مسماۃ امۃ اللہ ۱۹۳۰ء ۱۱ لاہور ۱۷۲؛ ۱۹۲۹ء آل انڈیا لاہور ۸۲۷؛ مسماۃ لکھن بنام حیدر ۱۹۳۲ء آل انڈیا لاہور ۴۴۹؛ ۱۳۷ انڈین کیسز ۳۹۷۔

مگر مرد کا یہ حق اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ وہ اس نکاح کی صریحی یا معنوی طور سے، مثلاً، مہر کے ادا کرنے یا مجامعت سے توثیق نہ کر دے۔

ہدایہ، ۳۸؛ بیلی، ۵۰ - ۵۲؛ میکناٹن، صفحہ ۵، دفعہ ۱۱۔

عورت کا اختیار فسخ کو کام میں لانے سے پہلے مجامعت پر رضامند ہو جانا، اس اختیار کو زائل کر دیتا ہے: بیلی، ۵۱۔

شیعوں کا قانون ــــ شیعوں کے قانون کے مطابق نابالغ کا جو نکاح باپ یا دادا کے سوائے کوئی اور شخص کر دے وہ بالکل بے اثر ہے، جب تک نابالغ بالغ ہونے کے بعد اس کی توثیق نہ کرے[1]۔ دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۲۰۸ "شیعوں کا قانون"۔

دفعہ ۲۱۱ ـ فسخ نکاح کا اثر ــــ محض خیار بلوغ کو کام میں لانے سے نکاح فسخ نہیں ہو جاتا۔ ایسے فسخ کی توثیق "عدالتی ڈگری" سے ہونی چاہئے۔ جب تک ایسا نہ ہو نکاح قائم رہے گا، اور اگر اس درمیان میں نکاح کا کوئی فریق فوت ہو جائے گا، تو فریق ثانی اس کی وراثت کا مستحق ہوگا۔

ہدایہ، ۳۷، ۳۸؛ بیلی، ۵۰۔ خود عورت اس استقرار کے لئے دعویٰ کرنے کی مجاز ہے کہ اس نے خیار بلوغ سے کام لے کر نکاح فسخ کر دیا ہے۔ یا وہ شوہر کے اعادۂ حقوق زناشوئی کے دعوے کے جواب میں فسخ نکاح کا عذر کر سکتی ہے، اور عدالت اس مقدمے میں اس کا استقرار کر سکتی ہے کہ نکاح فسخ ہو گیا[2]۔ لیکن ایسا کوئی عذر اس حالت میں نہیں پیش ہو سکتا جبکہ اس نے خیار بلوغ کو کام میں لانے کے بعد شوہر کو مجامعت کی اجازت دے دی ہو۔

---

[1] ملکۂ جہاں بنام محمد ۱۸۷۳ء لا رپورٹ انڈین اپیلز، جلد ضمیمہ ۱۹۲، ۲۶ ویکلی رپورٹ ۲۶۔

[2] مسماۃ بادل بنام سرکار ۱۸۹۱ء ۱۹ کلکتہ ۷۹۔

دفعہ ۲۱۲ - نکاح مجانین ——— نابالغوں کے نکاح کے متعلق جو احکام دفعات ۲۰۰ سے لے کر ۲۱۱ تک بیان ہوئے ہیں، وہ سب مجانین کے نکاحوں سے بھی متعلق ہیں، صرف اس فرق کے ساتھ کہ خیارِ بلوغ کا استعمال اس وقت ہونا چاہیے جبکہ جنون رفع ہو گیا ہو۔

بیلی، ۵۰ - ۵۴ -

ب - بیویوں کا نان و نفقہ

دفعہ ۲۱۳ - بیوی کو نفقہ دینے کا فرض شوہر پر ——— ایسی بیوی کے سوائے جو بوجہ صغر سنی ناقابل صحبت ہو[1]، ہر بیوی کو نفقہ دینا شوہر پر اس وقت تک لازم ہے کہ وہ شوہر کی وفادار بیوی رہے اور اس کے ہر معقول حکم کی تعمیل کرے۔ مگر شوہر ایسی بیوی کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں ہے جو مانع صحبت[2] یا کسی دوسرے طور سے نافرمان ہو[3]، بجز اس حالت کے کہ یہ ممانعت یا نافرمانی مہر معجل (دفعہ ۲۲۱) کے نہ ادا کیے جانے کی بنا پر معقول متصور ہو سکتی ہو۔

دفعہ ۲۱۴ - نفقے کا حکم ——— اگر شوہر اپنی بیوی کو نفقہ دینے میں بغیر کسی جائز وجہ کے غفلت یا انکار کرے[4] تو زوجہ اس پر نفقے کا دعویٰ کر سکتی ہے، مگر گزشتہ زمانے کے نفقے کی ڈگری نہیں پا سکتی جب تک کہ ایسا دعویٰ کسی صریح معاہدہ پر نہ مبنی ہو[5]۔ دوسرا چارہ کار بیوی کے لیے یہ ہے، کہ وہ ضابطہ فوجداری سنہ ۱۹۰۰ کی دفعہ ۴۸۸ کے تحت نفقہ دلائے جانے کی درخواست کرے۔ ایسی صورت

---

[1] بیلی، ۴۴۱ -
[2] بیلی، ۴۴۲ -
[3] الف بمقابلہ ب سنہ ۱۸۹۶ء ۲۱ بمبئی ۷۷، صفحہ ۸۲ -
[4] بیلی، ۴۴۲ -
[5] ابوالفتح بنام زیب النساء سنہ ۱۸۸۱ء ۶ کلکتہ ۶۳۱ -

کے پیش آنے پر عدالت شوہر کو یہ حکم دے سکے گی کہ وہ ماہانہ ایک رقم جس کی مقدار ایک سو روپیہ سے زائد نہ ہو اپنی بیوی کے نفقے کے لئے دیتا رہے[1]۔

شافعی قانون — شافعی قانون کے لحاظ سے بغیر معاہدے کے بھی زوجہ گزشتہ زمانے کے نفقے کی مستحق ہے[2]۔

دفعہ ۲۱۵ ۔ نفقہ بعد طلاق — (۱) طلاق کے بعد عدت تک زوجہ نفقے کی مستحق ہے[3] ۔ [دفعہ ۱۹۹] ۔ اگر طلاق کی اطلاع اسے زمانہ عدت کے ختم ہونے تک نہیں دی گئی ہے تو طلاق کی اطلاع ہونے کے وقت تک وہ نفقہ پانے کی مستحق ہوگی[4]۔

(۲) جو عدت شوہر کی موت کی وجہ سے ہوتی ہے اس میں عورت نفقے کی مستحق نہیں ہوتی[5]۔

ضابطۂ فوجداری ۱۹۰۵ء کی دفعہ ۴۸۸ کے تحت نفقے کا حکم — جب کوئی حکم زوجہ کے نفقے کے متعلق ضابطۂ فوجداری ۱۹۰۵ء کی دفعہ ۴۸۸ کی رو سے دیا جائے، اور اس کے بعد زوجہ کو طلاق ہو جائے، تو وہ حکم عدت کے ختم ہو جانے کے بعد نافذ نہ رہے گا[6]۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ

---

[1] ایکٹ نشان ۱۸ بابت ۱۹۲۳ء کی دفعہ ۱۳۱ کی رو سے بجائے پچاس (۵۰) یہ رقم سو (۱۰۰) کر دی گئی ہے۔

[2] محمد ہادی بنام کلیم بی ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۲۱۱، ۴۲ انڈین کیسز ۷۱۵۔

[3] ہدایہ، ۱۴۵؛ بیلی، ۴۵۰؛ مسماۃ مریم بنام قادر بخش ۲۹ء آل انڈیا اودھ ۲۷۵۔

[4] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷؛ ۵۴ الہ آباد ۴۶؛ ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲؛ ۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵؛ احمد کاظم بنام خاتون بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳، ۸۴۶، ۸۴۷ — ۸۴۷۔

[5] آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی بی ۱۸۹۷ء ۲۵ کلکتہ ۹۔

[6] بمقدمۂ عبدالعلی ۱۸۸۳ء ۷ بمبئی ۱۸۰؛ بمقدمۂ ورن محمد ۱۸۸۲ء ۵ الہ آباد ۲۲۶؛ شاہ ابو بنام الفت بی بی ۱۸۹۶ء ۱۹ الہ آباد ۵۰؛ احمد کاظم بنام خاتون بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳، ۸۴۷، ۸۴۸۔

ایک مسلمان اس حکم کو جو زیر دفعہ ۴۸۸ دیا جائے اپنی بیوی کو
فوراً طلاق دے کر بیکار کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں جو وجوب
بیوی کو نفقہ دینے کا اس پر عائد کیا گیا تھا وہ عدت کی تکمیل
کے بعد ختم ہو جائے گا۔

دفعہ ۲۱۵ الف۔ آیندہ زمانے کے نفقے کی قرار داد۔

اگر کوئی مسلمان نکاح کے قبل اپنی آیندہ ہونے والی بیوی کو برے برتاؤ سے بچانے اور برابر برتاؤ ہونے کی صورت میں اسے مناسب نفقہ دینے کی بابت قرار داد کرے، تو وہ قرار داد مصلحت عامہ کے مخالف نہ ہونے کی وجہ سے باطل (کالعدم) نہ ہوگی[1]۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان دوسرا نکاح کرنے کے بعد، اپنی پہلی بیوی سے یہ قرار داد کرے کہ اگر اس میں اور اس کی دوسری بیوی میں اتفاق نہ رہا تو اسے ایک مقررہ مقدار میں نفقہ دیا جائے گا، تو یہ قرار داد بھی مصلحت عامہ کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے باطل (کالعدم) نہ ٹھیرے گی[2]۔ دیکھو دفعات ۲۱۶ (۳) اور ۲۴۷ الف۔ بمبئی ہائیکورٹ نے یہ طے کیا ہے کہ جو قرار داد آیندہ شوہر اور زوجہ میں افتراق کے متعلق کی جائے، وہ مصلحت عامہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ایکٹ معاہدۂ ہند کی دفعہ ۲۳ کی رو سے باطل (کالعدم) ہے۔ اسی لحاظ سے یہ قرار داد بھی کہ اگر آیندہ زوج اور زوجہ میں افتراق ہو جائے تو زوجہ کو ایک مقررہ مقدار میں نفقہ دیا جائے گا باطل (کالعدم) قرار پائے گی[3]۔ اگر عقد نکاح طلاق سے ٹوٹے، تو زوجہ اسی زمانے تک نفقے کی مستحق ہے جو دفعہ ۲۱۵ میں بتایا گیا ہے، نہ کہ تمام عمر کے لئے۔

---

[1] محمد معین الدین بنام جمال ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۶۵، ۶۴۳ انڈین کیسز ۸۰۳، ۱۹۲۱ء آل انڈیا الہ آباد ۱۵۱؛ مساۃ حمیدن بنام محمد ۱۹۳۲ء آل انڈیا لاہور ۶۵، ۱۳۳ انڈین کیسز ۸۶۶۔

[2] منصور بنام عزیز ال ۱۹۲۸ء ۳ لکھنؤ ۶۰۳، ۱۰۹ انڈین کیسز ۸۱۲، ۱۹۲۸ء آل انڈیا اودھ ۳۰۳۔

[3] بائی فاطمہ بنام علی محمد ۱۹۱۳ء ۳۷ بمبئی ۲۸۰، ۱۷ انڈین کیسز ۹۴۶۔

بجز اس کے کہ تمام عمر کے نفقے کے لئے کوئی قرار داد پہلے سے ہو گئی ہو۔[5]

ج — عدالتی کارروائی

دفعہ ۲۱۶ — مقدمہ اعادۂ حقوق زناشوئی — (۱) جب زوجہ بغیر کسی جائز وجہ کے شوہر کے پاس رہنا چھوڑ دے، تو شوہر زوجہ کے مقابلے میں اعادۂ حقوق زناشوئی کا دعوی کر سکتا ہے۔[1]

(۲) **بے رحمی** — جب بے رحمی اس نوعیت کی ہو، کہ زوجہ کو اپنے شوہر کے اختیار میں جا کر رہنا خطرے سے خالی نہ ہو، تو یہ شوہر کے مقدمے کا جائز جواب ہے۔[2] "شوہر کا ان وجوب کی عمل آوری میں، جو معاہدۂ نکاح سے اس پر عائد ہوتے ہیں، بری طرح ناکام رہنا اگر بطریق مناسب ثابت کیا جائے تو یہ بھی شوہر کو عدالتی امداد دینے سے انکار کرنے کی معقول وجہ ہو سکتی ہے"۔[3]

(۳) **شوہر سے الگ رہنے کی قرار داد** — نکاح کے قبل کی یہ قرار داد کہ زوجہ کو اختیار ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے والدین کے یہاں رہے باطل (کالعدم) ہے، اور مقدمے اعادۂ حقوق زناشوئی کا جواب نہیں ہو سکتی ہے۔[4]

---

[5] محمد معین الدین بنام جمال سنہ ۱۹۲۱، ۴۳ الہ آباد ۶۵۰، ۶۳ انڈین کیسز ۸۸۳، سنہ ۲۱ آل انڈیا الہ آباد ۱۵۲ [تمام عمر کے نان و نفقہ کا قرار تھا]؛ احمد کاظم بنام خاتون بی بی سنہ ۱۹۳۲، ۵۹ کلکتہ ۸۲۳، ۸۵۴ [تمام عمر کے نان و نفقہ کا اقرار نہ تھا]۔

[1] منشی بذل الرحیم بنام شمس النسا بیگم سنہ ۱۸۶۷، ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۵۵۱۔

[2] مہر علی بنام شاکر خانو بائی سنہ ۱۹۰۵، ۷ بمبئی لا رپورٹ ۶۱۲، ۸۰۶؛ حسینی بیگم بنام محمد سنہ ۱۹۰۷، ۲۹ الہ آباد ۲۲۲؛ احمد حسین بنام کبری بیگم سنہ ۱۹۱۸، ۴۰ الہ آباد ۳۳۲، ۴۴ انڈین کیسز ۲۰۸۔

[3] عبدل بنام حسین بی سنہ ۱۹۰۴، ۶ بمبئی لا رپورٹ ۷۲۰؛ امام علی بنام عرفات النسا سنہ ۱۹۱۳، ۱۷ کلکتہ ویکلی نوٹس ۴۹۳، ۲۱ انڈین کیسز ۸۷؛ فاطمہ بی بی بنام نور محمد سنہ ۱۹۲۰، الاہور ۹۵، ۶۱ انڈین کیسز ۸۰۸۔

اسی طرح، بعد از ازدواج ایسے شوہر اور بیوی میں جو قرارداد کی تاریخ سے پہلے الگ الگ رہتے ہوں، یہ قرارداد کہ وہ ساتھ رہیں گے، لیکن اگر بیوی اور شوہر میں اتفاق نہ ہوا تو بیوی کو اختیار ہوگا کہ اسے چھوڑ کر چلی جائے باطل (کالعدم)[1] ہے۔ اور شوہر کے مقدمہ اعادۂ حقوق زناشوئی میں صحیح جوابدہی نہیں متصور ہو سکتی دیکھو دفعات ۲۱۵ الف اور ۲۳۷ الف۔

(۴) مہر معجل کے نہ ادا کئے جانے اور اعادۂ حقوق زناشوئی کے متعلق۔۔۔ دیکھو دفعہ ۲۲۲۔

(۵) شوہر کا بیوی پر زنا کا غلط الزام لگانا۔۔۔ اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا غلط الزام لگائے، تو یہ اسے اعادۂ حقوق زناشوئی کی نہ ڈگری دینے کی معقول وجہ ہو سکتی ہے[2]۔ لیکن اگر یہ الزام صحیح ہو، اور ایسے وقت میں لگایا تھا جبکہ عورت فی الحقیقت زناکاری کی زندگی بسر کر رہی تھی، تو یہ اعادۂ حقوق زناشوئی کی ڈگری دینے سے انکار کا سبب نہیں ہو سکتا[3]۔ دیکھو دفعہ ۲۴۰۔

(۶) شوہر کا ذات سے خارج کر دیا جانا۔۔۔ بمبئی کے ایک مقدمے میں جس میں فریقین بھروچ کے مسلمان کھاروا فرقے کے تھے، ہائیکورٹ نے اعادۂ حقوق زناشوئی کی ڈگری دینے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ شوہر ذات سے خارج کر دیا گیا تھا، اور اس لحاظ سے عورت پر اس کے ساتھ رہنا لازم نہ تھا[4]۔

دفعہ ۲۱۶ الف۔ ازدواج کے غلط دعوے کا مقدمہ۔۔۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں ازدواج کے غلط دعوے کے متعلق مقدمہ چل سکتا ہے[5]۔

---

[1] مہر علی بنام شاکر خانو بائی ۱۹۰۵ء، بمبئی لا رپورٹ ۶۰۲۔

[2] مسماۃ مقبولن بنام رمضان ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۴۸۲، ۱۰۱ انڈین کیسز ۲۶۱، ۱۹۲۷ء آل انڈیا اودھ ۴۵۱؛ جون بی بی بنام بیپاری ۱۸۶۵ء ۳ ویکلی رپورٹ ۹۳۔

[3] ضمیر الدین بنام سائرہ ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۳۶۳، ۱۰۱ انڈین کیسز ۹۰، ۱۹۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۵۷۹۔

[4] بائی جینا بنام کھاروا جینا ۱۹۰۷ء ۳۱ بمبئی ۳۶۶۔

[5] میر عظمت علی بنام محمود النساء ۱۸۹۷ء ۲۰ الہ آباد ۹۶۔

کسی شخص کا غلط طور سے یہ کہنا کہ اس کا نکاح فلاں شخص سے ہو گیا ہے "ازدواج کا غلط دعویٰ" ہے۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک اس شخص کو عدالت دیوانی کے توسط سے یہ حق نہ دیا جائے کہ وہ ایسی عورت کی زبان بندی کر سکے جو غلط طور سے اس کی بیوی ہونے کا ادعا کرتی ہے، تو شخص مذکور اور نیز دوسرے اشخاص کو سخت مصیبت کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث غلط دعوؤں سے پریشان کئے جاتے رہیں گے"[1]۔

دفعہ ۲۱۶ ب۔ معاہدۂ نکاح کی خلاف ورزی کا مقدمہ

معاہدۂ نکاح کی خلاف ورزی کی بناء پر ہرجے کا جو دعویٰ کسی مسلمان کی طرف سے دائر کیا جائے، اس میں مدعی وہ ہرجہ پانے کا مستحق نہ ہوگا جو انگلستان کے قانون میں خلاف ورزی معاہدۂ نکاح کے مقدمات کے لئے مخصوص ہے، بلکہ ان رقوم، زیورات، ملبوس اور دوسری اشیاء کی واپسی کا مستحق ہوگا جو اس نے بطور تحفہ (چڑھاوے) کے دئے ہوں[2]۔

---

[1] ۱۸۹۷ء ۲۰ الہ آباد ۹۶، ۹۷۔

[2] عبد الرزاق بنام محمد ۱۹۱۸ء ۴۲ بمبئی ۴۹۹، ۳۸ انڈین کیسز ۱۷، میگناٹن ۲۵۰۔ نیز ملاحظہ ہو محمد عابد علی بنام لڈن ۱۸۸۶ء ۱۴ کلکتہ ۲۷۶ [مترجم]۔

فصل پانزدہم

مہر

دفعہ ۲۱۷۔ مہر کی تعریف ــــ مہر وہ نقد رقم یا دوسری جائداد ہے جو نکاح کے بدل میں زوجہ زوج سے پانے کی مستحق ہوتی ہے۔

دیکھو بیلی ۹۱؛ اور مقدمۂ عبدالقادر بنام سلیمہ ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۱۴۹ صفحہ ۱۵۷ پر جسٹس محمود کا قول۔

شرع اسلام میں نکاح ایک دیوانی معاہدہ ہے (دفعہ ۱۹۴) اور وہ معاہدۂ بیع سے مشابہ بتایا گیا ہے۔ بیع جائداد کا بمعاوضہ قیمت منتقل کرنا ہے۔ معاہدہ (عقد) نکاح میں زوجہ بمنزلہ جائداد کے ہے اور مہر اس کی قیمت ہے۔ دیکھو الہ آباد کا مقدمۂ مذکورۂ بالا۔ سر عبدالرحیم کی یہ رائے ہے کہ مہر جو شوہر کی طرف سے مقرر ہوتا ہے وہ نکاح کا بدل (معاوضہ) نہیں بلکہ زوجہ کی توقیر کی ایک علامت ہے جو شرع اسلام نے بطور وجوب کے (شوہر پر) عائد

کردی ہے۔[1] پرایوی کونسل کے ایک مقدمے[2] میں، وہاں کے ججوں نے یہ لکھا کہ: "شرع اسلام میں مہر نکاح کا ایک اہم لازمہ ہے؛ اور اس قدر اہم سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس تعین انعقاد نکاح کے وقت نہیں کیا جاتا، تو شرع اسلام خاص اصول پر اس کے تعین کا حکم دیتی ہے۔ اگر مہر نکاح کا بدل سمجھا جائے، تو اصولاً وہ استفادۂ نکاح سے پہلے ادا ہونا چاہئے، لیکن شرع نے اسے دو اجزا (قسموں) میں تقسیم کرنے کی اجازت دی ہے، ایک ان میں سے "معجل" کہلاتا ہے جو عورت کو شوہر کے گھر لیجانے (یعنی رخصتی) سے قبل واجب الادا ہوتا ہے؛ دوسرا "موجل" ہے جو موت یا طلاق سے معاہدۂ نکاح کے فسخ ہو جانے پر ادا ہونا چاہیے۔"

دفعہ ۲۱۸ ۔ مقررہ مہر —— (۱) شوہر مجاز ہے کہ اپنی بیوی کا مہر جو چاہے مقرر کرے، اگرچہ وہ اس کی حیثیت سے زیادہ ہو اور اگرچہ وہ ایسا ہو کہ اس کے ادا کرنے کے بعد اس کے وارثوں کے لئے کچھ نہ باقی رہے۔ مگر اس کی مقدار کسی صورت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی۔

(۲) جب معاہدۂ مہر کی بناء پر دعویٰ کیا جائے، تو بجز اس کے کہ واضعان قانون کے کسی ایکٹ میں کوئی حکم دیا گیا ہو، عدالت کو حسب معاہدہ مہر کی پوری مقدار ولانی چاہیے[3]۔

ہدایہ، ۴۴؛ بیلی، ۹۲۔

درہم —— دس درہم کی قیمت تین اور چار روپے کے

---

[1] محمڈن جورسس پروڈنس صفحہ ۳۳۴۔

[2] حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۰۰؛ ۳۸ الہ آباد ۵۸۱؛ ۳۶ انڈین کیسز ۸۷، سنہ ۱۹۱۶ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۴۶۔

[3] صغرا بی بی بنام معصومہ بی بی سنہ ۱۸۷۷ء ۱ الہ ۵۷۳؛ بانو بیگم بنام میر عون علی سنہ ۱۹۰۷ء ۹ بمبئی لا رپورٹ ۸۸۱؛ بصیر علی بنام حافظ سنہ ۱۹۰۹ء ۱۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۵۳۱؛ ۴ انڈین کیسز ۶۲۴۔

درمیان ہوتی ہے[1]۔ مسلمانوں میں عموماً مہر زیادہ مقرر کیا جاتا ہے، تاکہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق نہ دے سکے، کیونکہ اس صورت میں اسے مہر مقررہ ادا کرنا ہوتا ہے[2]۔

"بجز اس کے کہ واضعانِ قانون کے کسی ایکٹ میں کوئی اور حکم دیا گیا ہو" — قوانین اودھ کے ایکٹ ۱۸۷۶ء کی دفعہ (۵) کی رو سے عدالت پر لازم نہیں ہے کہ وہ وہی مہر دلائے جو معاہدۂ نکاح میں قرار پایا ہو، بلکہ صرف اسی قدر "جو شوہر کی آمدنی اور زوجہ کی حیثیت کے لحاظ سے مناسب معلوم ہو"[3]۔ ذاکری بیگم بنام سکینہ بیگم کے مقدمے[4] میں پریوی کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ ایکٹ ان مسلمانوں سے جو اودھ کے باہر رہتے ہوں، اور انھوں نے ایسی عورت سے جو اودھ کی رہنے والی ہو، اودھ ہی میں نکاح کیا ہو، متعلق نہیں ہے۔

شیعوں کا قانون — شیعوں کے قانون میں کوئی شرعی اقل مقدار مہر کی نہیں بتائی گئی ہے۔ بیلی، جلد دوم ۶۷، ۶۸۔

دفعہ ۲۱۹ - مہر بعد نکاح کے بھی مقرر ہو سکتا ہے — مقدار مہر کا تعین نکاح سے پہلے، یا نکاح کے وقت، بلکہ نکاح کے بعد بھی ہو سکتا ہے[5]۔

---

[1] عاصمہ بی بی بنام عبد الصمد ۱۹۰۹ء ۳۲ الہ آباد ۱۶۷، ۵ انڈین کیسز ۸۱۱ -

[2] ذاکری بیگم بنام سکینہ بیگم ۱۸۹۲ء ۱۹ انڈین اپیلز ۱۵۷، ۱۶۵، ۱۹ کلکتہ ۶۸۹ -

[3] عبد الرحمن بنام عنایتی بی بی ۱۹۳۱ء آل انڈیا اودھ ۶۳، ۱۳۰ انڈین کیسز ۱۱۳ -

[4] ۱۸۹۲ء ۱۹ انڈین اپیلز ۱۵۷، ۱۹ کلکتہ ۶۸۹؛ رقیہ بیگم بنام محمد ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۷۷، ۴ انڈین کیسز ۸۵۶ -

[5] قمر النسا بنام حسینی بی بی ۱۸۸۰ء ۳ الہ آباد ۲۶۶؛ بشیر احمد بنام زبید ۱۹۲۶ء ۱ لکھنؤ ۸۳، ۹۲ انڈین کیسز ۲۶۵؛ ۱۹۲۶ء آل انڈیا اودھ ۱۸۶؛ مسماۃ آمنہ بی بی بنام محمد ۱۹۲۹ء ۴ لکھنؤ ۲۴۳، ۱۱۴ انڈین کیسز ۵۰۴، ۱۹۲۹ء آل انڈیا اودھ ۵۲۰ -

دفعہ ۲۱۹ الف۔ مہر کا معاہدہ باپ کر سکتا ہے ——— مہر کا جو معاہدہ باپ اپنے نابالغ بیٹے کی طرف سے کرتا ہے وہ بیٹے پر واجب التعمیل ہے۔ ایسا معاہدہ نکاح کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ بیٹا اس وقت بھی نابالغ ہو[1]۔ باپ ایسا معاہدہ کرنے سے دین مہر کا ذاتی طور سے ذمہ دار نہیں ہو جاتا، اور نہ صرف نکاح پر رضامندی کے اظہار کی وجہ سے اس پر دین مہر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے[2]۔

دفعہ ہذا میں 'نابالغ' سے مراد وہ شخص ہے جو (قانون متعلقہ کے لحاظ سے) حد بلوغ کو نہ پہنچا ہو[3]۔

دفعہ ۲۲۰۔ "مہر مثل" ——— اگر مقدار مہر کا تعین نہ کیا جائے (دفعہ ۲۱۸)، تو زوجہ "مہر مثل" کی مستحق ہوگی، اگرچہ نکاح اس صریح شرط کے ساتھ بھی ہوا ہو کہ زوجہ کو کسی مہر کا دعویٰ نہ ہوگا۔ مہر مثل کے تعین میں ان مہروں کا لحاظ کیا جاتا ہے جو اس کے باپ کے خاندان کی دوسری عورتوں، مثلاً اس کی پھپھیوں کا قرار پایا تھا۔

ہدایہ، ۴۵، ۵۳؛ بیلی، ۹۲، ۹۵۔

شیعوں کا قانون ——— شیعوں کے قانون کے لحاظ سے مہر مثل پانچسو درہم سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔ بیلی، جلد دوم ۱۰۷۔ درہم کے متعلق دیکھو نوٹ متعلق دفعہ ۲۱۸۔

دفعہ ۲۲۱۔ مہر معجل اور موجل ——— (۱) مہر عموماً دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے[4]۔ "ایک معجل" جو طلب پر واجب الادا ہوتا ہے۔ دوسرا "موجل" جو موت یا طلاق سے نکاح کے فسخ ہو جانے پر واجب الادا قرار پاتا ہے۔ دیکھو

---

[1] بشیر علی بنام حافظ ۱۹۰۹ء ۱۳ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۵۴، ۴ انڈین کیسز ۴۶۲۔
[2] محمد صدیق بنام شہاب الدین ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۵۵۷، ۱۰۰ انڈین کیسز ۹۳۶، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۳۶۴۔
[3] مظہر علی بنام عبدل ۱۹۲۵ء آل انڈیا کلکتہ ۳۲۲، ۸۰ انڈین کیسز ۹۱۴۔
[4] کہنا یہ چاہیئے تھا کہ مہر دو اجزا میں تقسیم ہو سکتا ہے ایک جزو معجل اور دوسرا موجل۔ مترجم

دفعہ ۲۴۳ (۲)۔

(۲) جب نکاح کے وقت مہر کا تعین نہ ہوا ہو خواہ وہ معجل ہو یا موجل، تو شیعوں کے قانون کے مطابق وہ کل معجل قرار پائے گا[1] مگر سنیوں کے قانون سے، ایک جز معجل اور ایک جز موجل قرار دیا جائے گا۔ اس امر کا فیصلہ کہ کتنا معجل اور موجل ہونا چاہیے رواج سے کیا جائے گا، رواج کی عدم موجودگی میں، فریقین کی حیثیت اور مہر مقررہ کی مقدار پر فیصلہ ہوگا[2]۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ جب مہر کا کوئی جز معجل نہ قرار پایا ہو، اس حالت میں آیا عدالت کو سنیوں کے قانون کے مطابق یہ اختیار ہے کہ وہ کل مہر کو معجل قرار دے۔ بمبئی ہائیکورٹ کا فیصلہ یہ ہے کہ عدالت کو ایسا اختیار حاصل ہے[3]۔

بیلی ۹۲۔ عیدن بنام مظہر حسین ۱۸۷۸ء، ۱ الہ آباد ۴۸۳ میں عدالت نے پانچ ہزار کے مہر میں سے ۱/۵ کو معجل قرار دیا، زوجہ ایک طوائف تھی۔ توفیق النسا بنام غلام قنبر ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۵۰۶ میں اکاون ہزار کے مہر سے عدالت نے ۱/۳ کو معجل قرار دینا مناسب تصور کیا، اور فاطمہ بنام صدرالدین ۱۸۶۵ء ۲ بمبئی ہائی کورٹ ۲۹۱ میں بھی یہی تناسب قائم کیا گیا تھا۔ ان سب مقدمات میں فریقین سنی تھے اور معاہدۂ نکاح (نکاح نامہ) میں معجل یا موجل کی کوئی صراحت نہ تھی۔

---

[1] میرزا بیدار بخت بنام میرزا خورم بخت ۱۸۷۳ء ۱۹ ویکلی رپورٹ ۳۱۵ [پرایوی کونسل]؛ مستان صاحب بنام حسن بیوی ۱۸۹۹ء ۲۳ مدراس ۳۵۱۔

[2] عیدن بنام مظہر حسین ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۴۸۳؛ توفیق النسا بنام غلام قنبر ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۵۰۶؛ عمدہ بیگم بنام محمدی بیگم ۱۹۱۰ء ۳۳ الہ آباد ۲۹۱، ۹ انڈین کیسز ۲۰۰؛ محمد بنام صغیر النسا ۱۹۱۹ء ۴۱ الہ آباد ۶۲، ۵۰ انڈین کیسز ۴۰؛ مسماۃ بی بی بنام شیخ محمد ۱۹۲۹ء ۸ پٹنہ ۴۴۶، ۱۱۷ انڈین کیسز ۲۰۷، ۱۹۲۹ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۰۷؛ فاطمہ بی بی بنام صدرالدین ۱۸۶۵ء ۲ بمبئی ہائی کورٹ ۲۹۱۔

[3] حسین خاں بنام گلاب خاتون ۱۹۱۱ء ۳۵ بمبئی ۳۸۶، ۱۱ انڈین کیسز ۸۵۵۔

دفعہ ۲۲۱ الف۔ زوجہ کا مہر معاف کر دینا ــــ زوجہ مجاز ہے کہ اپنا کل مہر یا اس کا کوئی جز شوہر یا اس کے وارثوں کو معاف کر دے۔ یہ معافی جائز ہے اگرچہ بغیر کسی بدل کے کی گئی ہو[1]۔ [بیلی ۵۵۳]

مگر معافی آزاد مرضی سے ہونی چاہیئے۔ جب زوجہ اپنے شوہر کی موت کی وجہ سے سخت دلی تکلیف میں مبتلا ہو اس وقت اس کا مہر معاف کر دینا آزاد مرضی سے نہیں سمجھا جائے گا، اور نہ وہ اس کی پابند ہوگی[2]۔ مدراس ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ ایسی زوجہ کی معافی جو ہندوستان کے ایکٹ بلوغ ۱۸۷۵ء کی رو سے سن بلوغ کو نہ پہنچی ہو نا جائز ہے، اگرچہ شرع اسلام کی رُو سے وہ بالغ قرار پاتی ہو[3]۔ الہ آباد ہائی کورٹ نے اس فیصلے سے اختلاف کر کے یہ رائے قائم کی ہے کہ ہندوستان کے ایکٹ بلوغ کی (دفعہ ۲) "نکاح یا مہر کے معاملے میں" کسی شخص کی قابلیت عمل پر مؤثر نہیں ہے، اس لئے ایک لڑکی جو سن بلوغ کو پہنچ گئی ہو معافی مہر کی مجاز ہے، اگرچہ وہ ۱۸ سال کی نہ ہوئی ہو جو ہندوستان کے ایکٹ بلوغ کا مقصد ہے[4]۔ الہ آباد ہائی کورٹ کی رائے صحیح ہے۔

دفعہ ۲۲۱ ب۔ مہر کا مقدمہ اور میعاد ــــ اگر مہر ادا نہیں ہوا ہے، تو زوجہ، اور اس کی وفات کے بعد اس کے وارث، مہر کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ مہر معجل کے دعوے کی میعاد تاریخ طلب اور انکار سے، یا جب بحالت قیام نکاح کوئی مطالبہ نہ کیا گیا ہو، تو موت یا بذریعہ طلاق نکاح فسخ ہو جانے کی تاریخ سے

[1] جانی بیگم بنام امراؤ بیگم ۱۹۰۸ء ۳۲ بمبئی ۶۱۲۔
[2] نورالنسا بنام خواجہ محمد ۱۹۲۰ء، ۴۸ کلکتہ ۵۳۰، ۹۰ انڈین کیسز ۸۔
[3] عابدالنسا بنام محمد ۱۹۱۸ء ۴۱ مدراس ۱۰۲۶، ۴۸ انڈین کیسز ۲۹۳۔
[4] قاسم حسین بنام بی بی کنیز ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۶۴۹، ۱۳۹ انڈین کیسز ۱۰۳۷۔

تین سال ہے۔

[ایکٹ میعادِ سماعت ۱۹۰۸ء ضمیمہ اوّل مد ۱۰۳] - مہر موجل کے دلا پانے کے مقدمے کی میعاد بھی موت یا طلاق کے ذریعے سے نکاح فسخ ہو جانے کی تاریخ سے، تین سال ہے [ایکٹ میعادِ سماعت حسب سابق مد ۱۰۴]۔

مہر موجل کی میعاد زوجہ کے خلاف اس وقت تک نہیں شروع ہوتی جب تک کہ وہ بربنائے دعویٰ مہر اپنے شوہر کی جائداد پر بطریق جائز قابض رہتی ہے[1]۔

دفعہ ۲۲۲ - مہر معجل کا نہ ادا کیا جانا اور طلب حقوق زناشوئی — زوجہ کو اختیار ہے کہ وہ مہر معجل کے نہ ادا ہونے تک شوہر کے ساتھ رہنے اور اسے مجامعت کا موقع دینے سے انکار کرے [بیلی ۱۲۵]۔ اگر شوہر مجامعت ہو جانے سے قبل اعادۂ حقوق زناشوئی کا مقدمہ دائر کرے، تو مہر معجل کا نہ ادا کیا جانا اس کی کامل جواب دہی متصور ہوگی، اور مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔ اگر مقدمہ زوجہ کی آزاد مرضی سے جماع کئے جانے کے بعد دائر ہوا ہے، تو مناسب فیصلہ یہ ہوگا کہ مقدمہ خارج نہ کیا جائے، بلکہ شوہر کو اعادۂ حقوق زناشوئی کی ڈگری اس شرط کے ساتھ دی جائے کہ وہ پہلے مہر معجل ادا کرے[2]۔

دیکھو دفعہ ۲۱۶ (۴) اور جن مقدمات کا حوالہ وہاں دیا گیا ہے۔ اگر عورت نکاح کے وقت حاملہ ہو، اور مرد سے اپنا حمل چھپا رکھے، تو حمل کے چھپانے سے نہ نکاح باطل ہوتا ہے اور نہ اس سے عورت کا حق مہر معجل زائل ہوتا ہے[3]۔

---

[1] حمید اللہ خاں بنام ماجو ۱۹۱۱ء ۳۳ الہ آباد ۵۶۸؛ ۱۰ انڈین کیسز ۲۸۲۔

[2] عبد القادر بنام سلیمہ ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۱۴۹؛ کنہی بنام محی الدین ۱۸۸۸ء ۱۱ مدراس ۳۲۷؛ بائی ہنسا بنام عبد اللہ ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۱۲۲؛ حمید النسا بنام ظہور الدین ۱۸۹۰ء ۱۷ کلکتہ ۶۷۰۔

[3] کلثوم بی بنام عبد القادر ۱۹۲۱ء ۴۵ بمبئی ۱۵۱؛ ۶۵ انڈین کیسز ۳۳۴؛ ۱۹۲۱ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۵۔

مدیون سے ہبہ یا عطا کی توقع نہیں کی جا سکتی ــــ اس مقولے سے زوجہ اور زوج کے تعلقات میں کام نہیں لیا جاتا۔

ایک مسلمان نے اپنی بیوی کو وقتاً فوقتاً مختلف رقمیں دی تھیں، مگر کوئی شہادت ایسی موجود نہ تھی جس سے بہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ دینِ مہر کی ادائی میں دی گئی تھیں، اس بناء پر یہ قرار پایا کہ جو رقمیں اسے دی گئی تھیں وہ دینِ مہر کی ادائی میں نہیں متصور ہو سکتیں، اور زوجہ اپنا کل مہر پانے کی مستحق ہے[1]

دفعہ ۲۲۲ الف ۔ وارثوں پر دینِ مہر کی ذمہ داری ــــ

ایک مسلمان متوفی کے وارث دینِ مہر کے ذاتی طور سے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ متوفی کے دوسرے دیون کی طرح دینِ مہر کا بھی ہر وارث بقدر اپنے حصۂ وراثت کے ذمہ دار ہوتا ہے [دفعہ ۴۳] ۔ اس لیئے، اگر بیوہ بربنائے دعوائے مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو [دفعہ ۲۲۴]، تو اس کے شوہر کے دوسرے وارثوں میں سے ہر ایک اپنے حصے کے تناسب سے دینِ مہر کا حصۂ رسدی ادا کر کے اپنا حصہ واپس پانے کا مستحق ہے[2]۔

ایک مسلمان، ایک بیوہ، ایک بیٹا، اور دو بیٹیاں چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ زوجہ کا دینِ مہر ۳۲۰۰ روپے ہے۔ بیوہ کا حصہ جائداد میں $\frac{1}{8}$ ہے، اس لیئے وہ $\frac{1}{8} \times ۳۲۰۰ = ۴۰۰$ روپے کی ذمہ دار ہوگی۔ بیٹے کا حصہ $\frac{7}{16}$ ہے، اس پر $\frac{7}{16} \times ۳۲۰۰ = ۱۴۰۰$ روپے کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ پس اگر بیوہ جائداد پر قابض ہو تو، بیٹا

---

[1] محمد صادق بنام فخر جہاں ۱۹۳۲ء ۹ آل انڈیا الہ آباد ۱؛ ۶۱ لکھنؤ ۵۶ ۱۳۶، ۵۰ انڈین کیسز ۳۸۵، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۳ ۔

[2] حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۸ الہ آباد ۵۸۱، ۳۶ انڈین کیسز ۸۷ ۔

۴۰۰ روپے اداکر کے اپنا حصہ پا سکتا ہے۔ ہر بیٹی کا حصہ ۷/۳۲ ہے، اور وہ ۷/۳۲ × ۳۲۰۰ = ۷۰۰ روپے کی ذمہ دار ہے، بیوہ کے قابض جائداد ہونے کی حالت میں وہ ۷۰۰ روپے دے کر اس سے اپنا حصہ واپس لینے کی مستحق ہو جاتی ہے۔

دفعہ ۲۲۳ ۔ مہر ایک دین ہے مگر کفالتی دین نہیں ہے ۔

(۱) مہر ایک دین متصور ہوتا ہے، اور بیوہ دوسرے دائنوں کی طرح اپنے متوفی شوہر کی جائداد سے اس کے پانے کی مستحق ہوتی ہے؛ مگر اس کا حق کسی طرح دوسرے غیر کفالتی دائنوں سے بڑھا ہوا نہیں ہوتا، بجز اس کے کہ اسے تا حد مذکورۂ دفعہ ۲۲۴ جائداد کے روک رکھنے کا حق حاصل ہوتا ہے[۱]۔ وہ اپنے شوہر کی جائداد پر کسی بار کفالت کے عائد کرانے کی مستحق نہیں ہے، اگرچہ ایسا بار کفالت قرارداد سے عاید ہو سکتا ہو[۲]۔

(۲) **آیا دین مہر کا بار کفالت ذریعہ ڈگری (جائداد پر) عاید کیا جا سکتا ہے** ۔۔۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ عدالت اپنی ڈگری کے ذریعے سے دین مہر کا بار کفالت (جائداد متوفی پر) عائد کر سکتی ہے۔ اگر ایسا بار عاید کیا گیا، اور ڈگری مرافعہ نہ ہونے سے قطعی ہو گئی، تو اس بار کفالت کے مطابق عمل ہو گا؛ اگر اسی کو دوسرے الفاظ میں کہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں، کہ جس ڈگری سے بار کفالت عاید کیا گیا وہ عدم اختیارات کی بناء پر کالعدم نہیں ہے[۳]

---

[۱] بی بی بچن بنام شیخ حامد ۱۸۷۱ء ۱۴ مورس انڈین اپیلز ۳۷۷، ۳۸۲ - ۳۸۴؛ حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۰۱؛ ۳۸ الہ آباد ۵۸۱؛ ۳۶ انڈین کیسز ۸۷ -

[۲] امیر النسا بنام مراد النسا ۱۸۵۵ء ۶ مورس انڈین اپیلز ۲۱۱ -

[۳] قاسم حسین بنام حبیب الرحمان ۱۹۲۹ء ۵۶ انڈین اپیلز ۲۵۸، ۲۵۸؛ ۸ پٹنہ ۹۲۶، ۱۱۱ انڈین کیسز ۲۹؛ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۷۴؛ محمد واجد بنام رضاعت حسین ۱۸۷۸ء ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱، ۲۲۳ - ۲۲۴، ۴ کلکتہ ۳۰۲ -

اگرچہ ڈگری کے ذریعے سے بار کفالت کا عائد کرنا عدالت کے حدود اختیار سے باہر نہیں ہے، مگر عام طور سے وہ ایسا نہ کرے گی، کیونکہ ایسی ڈگری صادر کرنا دین مہر کو متوفی کے دوسرے دیون پر ترجیح دینا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ رقم کی سادی ڈگری دی جائے۔ اگر ایسی ڈگری صادر ہوئی ہو جس سے بار کفالت عائد ہوتا ہو، تو عدالت مرافعہ کے لئے مناسب طریقہ یہ ہو گا کہ وہ اس حد تک اسے منسوخ کر دے[1]۔

(۳) وارثوں کا جائداد کو قبل ادائے دین مہر منتقل کر دینا — وارث کے اپنے حصے کے منتقل کرنے کے حق پر جیسا کہ دفعہ ۲۲۲ (۱) میں بیان ہوا ہے، مہر کے نہ ادا ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن اگر زوجہ اپنے مہر کے معاوضے میں بروقت انتقال جائداد پر قابض ہے، تو وہ انتقال بہ تحفظ حق قبضہ ہو گا[2]۔

دین مہر مثل دوسرے دیون کے ہے، اس لئے وارث
اس کا مجاز ہے کہ وہ دین مہر کے ادا ہونے سے قبل اپنا
حصہ (کسی کے نام) اسی طرح منتقل کر دے جیسا کہ وہ
دوسرے غیر کفالتی دیون کے ادا ہونے سے قبل کر سکتا
ہے۔ ایسے انتقال سے جائداد منتقل الیہ کی طرف
بطریق جائز منتقل ہو جاتی ہے۔

دفعہ ۲۲۴۔ زوجہ کا مہر کے معاوضے میں شوہر کی جائداد پر قابض رہنے کا حق — (۱) بیوہ کے دعوئی مہر سے اسے یہ حق حاصل نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے شوہر کی کسی خاص جائداد پر کوئی بار کفالت عائد کرے۔ [دفعہ ۲۲۳] ۔ مگر جب وہ اپنے متوفی شوہر کی جائداد پر قابض ہو اور وہ قبضہ "بطریق جائز بلا کسی قسم کے جبر یا فریب کے" حاصل کیا گیا ہو،

---

[1] عبدالرحمن بنام عنایتی بی بی ۱۹۳۱ء آل انڈیا او دھ ۹۳ ، ۱۳۰ انڈین کیسز ۱۱۳۔
[2] بضاعت حسین بنام و ولی چند ۱۸۷۸ء ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱ ، ۴ کلکتہ ۴۰۲۔

تو وہ متوفی کے دوسرے وارثوں کے مقابلے میں تا ادائے دین مہر جائداد پر قابض رہنے کی مستحق ہے۔ مہر کے ادا ہو جانے پر یہ حق ختم ہو جائے گا[1]۔ (انگریزی میں بعض اوقات یہ حق "lien" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن صحیح معنوں میں یہ "lien" نہیں ہے۔

اس امر کے متعلق بڑا اختلاف ہے، کہ آیا بیوہ اپنے شوہر کی جائداد پر قابض رہنے کی صرف اسی حالت میں مستحق سمجھی جاتی ہے جبکہ اس نے قبضہ "بطریق جائز اور بلا جبر او رفریب کے" حاصل کیا ہو، یا حصولِ قبضہ کے لئے "اس کے شوہر یا شوہر کے وارثوں کی صریحی یا معنوی رضامندی کا حاصل کرنا" بھی ضرور ہے۔ مدراس ہائیکورٹ[2] کی رائے میں ایسی رضامندی کی ضرورت نہیں بلکلکتہ ہائی کورٹ[3] کی رائے میں ضروری ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ نے دو قدیم مقدمات میں اسے ضروری قرار دیا[4]، حال کے مقدمات میں ایسی رضامندی ضروری نہیں متصوّر ہوئی[5]۔

[1] بی بی بچن بنام شیخ حمید سنہ ۱۸۷۱ء ۱۴ مورس انڈین اپیلز ۳۷۷؛ مینا بی بی بنام چودھری وکیل سنہ ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۱۴۹ - ۱۵۰؛ ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۲۵۴ - ۲۵۵، ۸۶ انڈین کیسز ۱۷۹، سنہ ۱۹۲۵ء آل انڈیا پریوی کونسل ۶۳ -

[2] یچولی بنام سید مرتضیٰ سنہ ۱۹۲۰ء ۴۳ مدراس ۲۱۴؛ ۵۳ انڈین کیسز ۹۰۵ -

[3] صابرہ بی بی بنام اسمٰعیل سنہ ۱۹۲۴ء ۵۱ کلکتہ ۱۲۴، ۸۰ انڈین کیسز ۲۹۴، سنہ ۱۹۲۴ء آل انڈیا کلکتہ ۵۰۸، جس میں مقدمۂ صاحب جان بنام انصرالدین سے اختلاف کیا گیا سنہ ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ۴۷۵، ۹ انڈین کیسز ۱۰۳۱ -

[4] امانت النسا بنام بشیر النسا سنہ ۱۸۹۴ء ۱۷ الہ آباد ۷۷؛ محمد کریم اللہ بنام امانی بیگم سنہ ۱۸۹۴ء ۱۷ الہ آباد ۹۳ -

[5] رمضان علی بنام اصغری بیگم سنہ ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۵۶۳، ۵۶۶، ۶ انڈین کیسز ۴۰۵؛ محمد شعیب بنام زیب جہاں سنہ ۱۹۲۸ء ۵۰ الہ آباد ۴۲۳، سنہ ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۸۵۰؛ امتیاز بیگم بنام عبدالکریم سنہ ۱۹۳۱ء ۵۳ الہ آباد ۳۱؛ ۱۲۸ انڈین کیسز ۶۰۱، سنہ ۱۹۳۰ء آل انڈیا الہ آباد ۱۸۱ -

(۲) جس بیوہ نے اپنے شوہر کی جائداد پر بمعاوضۂ مہر قبضہ نہ حاصل کرلیا ہو، وہ اپنے شوہر کے دوسرے وارثوں کے قبضے کی مانع نہیں ہوسکتی۔ دوسرے وارث بھی اس کے ساتھ مشترک قبضے کے مستحق ہیں۔ ان کے قبضے کے دعوی کرنے پر بیوہ کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ "اب میں قبضہ کئے لیتی ہوں"۔ اس کا حق صرف اتنا ہی ہے کہ وہ اسی قدر پر قابض رہے جتنے پر وہ دوسرے وارثوں کے قبضہ حاصل کرنے سے پہلے قابض تھی[۱]۔

دفعہ ۲۲۴ الف۔ روک رکھنے کا حق رہن کے مماثل نہیں ہے ——— اس بیوہ کی حیثیت، جو نا ادائی مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض رہنے کی دعویدار ہو، اس انتفاعی یا کسی دوسری قسم کے مرتہن کی حیثیت سے بالکل جدا ہے جس کے پاس مالک اپنی جائداد قرضے کی رقم کی ادائی کے اطمینان کے لئے رہن رکھتا ہے۔ ان دونوں حیثیتوں میں کوئی حقیقی یا صحیح مماثلت نہیں ہے[۲]۔ دیکھو ضمن ۲ دفعہ ۲۲۴ کی۔

[زید ایک بیوہ اور ایک بہن چھوڑ کر مرا۔ زید کے مرنے کے چند روز کے بعد بیوہ نے کلکٹری میں یہ درخواست پیش کی کہ زید کی کل جائداد پر اس کا نام داخل کیا جائے، کیونکہ وہ جائداد پر بحیثیت وارث اور اپنے مہر کی بنا پر قابض چلی آتی ہے۔ بہن کی طرف سے اس درخواست کی مخالفت کی گئی۔ مگر جائداد کا داخل خارج بیوہ کے نام منظور کر لیا گیا۔ دس سال کے بعد بہن نے بیوہ کے مقابلے میں زید کی جائداد سے اپنے حصے $\frac{3}{4}$ کے دلاپانے کا دعوی کیا۔ بیوہ کی طرف سے یہ جوابدہی ہوئی کہ تاوقتیکہ

[۱] طاہر النسا بنام نواب حسن ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۵۵۸؛ ۲۴ انڈین کیسز ۹۳۰۔
[۲] مینا بی بی بنام چودھری وکیل ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۱۵۱، ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۲۵۶؛ ۸۶ انڈین کیسز ۶۷۵، ۲۵ء آل انڈیا پریوی کونسل ۶۳۔

اس کا دین مہر نہ ادا ہو جائے وہ کل جائداد پر قبضہ رکھنے کی مستحق ہے۔ پرایوی کونسل نے طے کیا کہ بیوہ ناادائی دین مہر جائداد پر قابض رہنے کی مستحق ہے؛ بی بی بچن بنام شیخ حامد ۱۸۷۱ء ۱۴ مورس انڈین اپیلز ۳۷۷]

۱۔ بطریق جائز اور بغیر جبر یا فریب کے قابض ہونا۔ بی بی بچن کے مقدمے میں جس کا ذکر تمثیل بالا میں کیا گیا ہے، پرایوی کونسل کے ججوں نے لکھا کہ "چونکہ مرافع (بیوہ) جائداد زیر بحث پر حقیقی اور جائز طریقے سے بطور وارث اور بربنائے مہر قابض ہے اس لئے ہماری رائے میں وہ ناادائی دین مہر جائداد پر قابض رہنے کی مستحق ہے۔ .... اس صراحت کی ضرورت نہیں کہ قابض بیوہ کا یہ حق صحیح معنوں میں Lien (حق احتباس) کہا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ ہائیکورٹ نے احمد حسین بنام مساۃ خدیجہ ۱۸۶۸ء ۱۰ ویکلی رپورٹ ۳۶۹ میں اس حق کو اسی نام سے موسوم کیا ہے۔ بہر حال یہ حق خواہ کسی نام سے موسوم کیا جائے، اس کی بنیاد وہ اختیار ہے جو بحیثیت دائن مہر بیوہ کو اپنے شوہر کی اس جائداد پر قابض رہنے کا دیا گیا ہے، جس کا قبضہ اس نے بطریق جائز اور بلا جبر یا فریب کے حاصل کیا ہو۔ یہ قبضہ دین مہر کے ادا ہونے تک قائم رہتا ہے اور بیوہ دوسرے مستحقین جائداد کو حساب دینے، اور وصول شدہ منافع کے متعلق جوابدہی کی ذمہ دار ہوتی ہے"۔

۲۔ جس اختلاف آرا کا ذکر دفعہ ۲۲۴ کی ضمن (۱) میں کیا گیا ہے، وہ پرایوی کونسل کے ایک بعد کے مقدمے جمرا بی بی بنام زبیدہ بی بی[1] کی تجویز سے پیدا ہوا۔ اس مقدمے

[1] ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۰۱؛ ۳۸ الہ آباد ۵۸۱؛ ۳۶ انڈین کیسز ۸۷۔

میں حجان پرایوی کونسل نے یہ لکھا :۔

"لیکن مہر مثل قرض کے ہے، اور زوجہ کو دوسرے قرض خواہوں کی طرح یہ حق حاصل ہے، کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد اس کی جائداد سے اسے وصول کرے۔ اس کا یہ حق کسی طرح دوسرے غیر کفالتی قرض خواہوں سے بڑھا ہوا نہیں ہے، بجز اس کے کہ اگر وہ اپنا قرض جائداد کی آمدنی .... سے ادا کرنے کے لیے کل جائداد یا اس کے کسی جز پر بطریق جائز اپنے شوہر یا اس کے دوسرے وارثوں کی صریح یا معنوی رضامندی سے قابض ہو جائے، تو وہ تا ادائی رقم مہر اس پر قابض رہنے کی مجاز ہے۔ یہ بیوہ کے مہر کا "lien" (حق احتباس) کہلاتا ہے، اور شرع اسلام کا یہی ایک فرضی "lien" (حق احتباس) ہے جو برٹش انڈیا کی عدالتوں اور کونسل ہذا میں تسلیم کیا جاتا ہے۔"

۳ - مدراس ہائیکورٹ کے نزدیک حجان پرایوی کونسل کی وہ عبارت جس کے اوپر خط کھینچ دیا گیا ہے ضمنی رائے (Obiter dicta) تھی۔ کلکتہ ہائیکورٹ نے باختلاف مدراس ہائیکورٹ یہ رائے قائم کی ہے، کہ فقرۂ بالا میں حجان پرایوی کونسل نے بیوہ کے دین مہر اور اپنے شوہر کی جائداد پر قبضہ رکھنے کے حق کی تعریف کی ہے، اور اس لئے اس پر ضمنی رائے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ بعد کے مقدمہ مینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد[1] میں

---

[1] سنہ ۱۹۲۶ء ۲ انڈین اپیلیز ۱۴۵، ۱۵۰-۱۵۱، ۴۸ الہ آباد ۲۵۰، ۲۵۵-۲۵۶، ۸۶ انڈین کیسز ۵۰۹، سنہ ۲۵ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۶۳۔

پرایوی کونسل کی تجویز میں شوہر یا اس کے دوسرے وارثوں کی رضامندی کا اشارہ تک نہیں ہے۔ اس مقدمے میں یہ بحث کی گئی تھی کہ جو بیوہ اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو اس کی حیثیت قابض مرتہن کی ہوتی ہے، مگر اس کو جحاں پرایوی کونسل نے تسلیم نہیں کیا۔ انھوں نے کہا کہ "رہن میں مرتہن اس قرار داد کے مطابق جو اس میں اور راہن میں ہوتی ہے جائداد لینا اور اس پر قابض ہوتا ہے" لیکن ایک مسلمان بیوہ کو جو بربنائے مہر جائداد پر قابض ہوتی ہے" جائداد پر قبضہ کرنے اور حاصل شدہ قبضے کو قائم رکھنے کا حق متوفی شوہر کی کسی قرار داد یا عطا کی بنا پر نہیں دیا جاتا ہے۔ بلکہ جائداد کا قبضہ ایک مرتبہ بلا نزاع اور بطریق جائز حاصل ہو جانے کے بعد نا ادائے دین مہر اسے قائم رکھنے کا حق بیوہ کو شرع اسلام سے دیا گیا ہے۔"

دفعہ ۲۲۴ ب۔ روک رکھنے کے حق سے حق مالکانہ نہیں پیدا ہوتا ــــ قابض رہنے کے حق سے بیوہ کو جائداد پر کوئی مالکانہ حق نہیں حاصل ہوتا۔ اس سے وہ صرف اس جائداد پر قبضہ قائم رکھنے کی مستحق ہوتی ہے جو اس کے قبضے میں آچکی ہے [دفعہ ۲۲۴]، اور اگر وہ جائداد سے بیدخل کر دی جائے تو واپسی قبضہ کے دعوی کی مجاز ہو جاتی ہے [دفعہ ۲۲۵ ب]۔ حق مالکانہ وارثوں کو حاصل ہے جن میں خود بیوہ بھی شریک ہے، لیکن اس کے قابض رہنے کے حق کو اس حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جو اسے جائداد میں بحیثیت وارث کے حاصل ہے۔ وارث کی حیثیت سے اسے وہی تمام حقوق اور چارہ کار حاصل ہیں جو ایک وارث کو حاصل ہوتے ہیں۔[1]

---

[1] دیکھو مقدمہ مشعل سنگھ بنام احمد حسین ۱۹۲۸ء ۵۰ الہ آباد ۲۶۸؛ ۲۰۱۰ انڈین کیسز ۲۶۳؛ ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۳۴۵۔

دفعہ ۲۲۴ ج ۔ قیامِ نکاح کے زمانے میں روک رکھنے کا حق نہیں ہوتا۔ (جائداد کے) روک رکھنے کا حق شوہر کے انتقال سے شروع ہوتا ہے، بجز اس کے کہ نکاح طلاق سے فسخ ہو جائے، اس صورت میں حقِ مذکور طلاق[1] کی تاریخ سے پیدا ہوگا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر شوہر کا کوئی دائن اس کے خلاف ڈگری حاصل کرے، اور اس کی تعمیل میں شوہر کی جائداد اس کی زندگی میں فروخت ہو جائے، تو زوجہ کو اس مشتری کے مقابلے میں جس نے جائداد تعمیل ڈگری میں خریدی ہے جائداد کو روک رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اسے فوراً قبضہ دے دینا چاہیے۔

دفعہ ۲۲۴ د ۔ قابض بیوہ پر حساب دہی کی ذمہ داری۔ جو بیوہ بمعاوضۂ مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو اس پر اپنے شوہر کے دوسرے وارثوں کو جائداد کے ان کرایوں اور منافع کا جو اس نے پائے ہوں حساب دینا لازم ہے[2]۔ لیکن اس صورت میں وہ اس کی مستحق ہوگی کہ اسے اپنے دینِ مہر کے حق کی تعمیل کرانے سے باز رکھنے کا معاوضہ دلایا جائے؛ یہ معاوضہ اسے دینِ مہر پر سود دلانے سے کیا جاتا ہے[3]۔

---

[1] نراین بنام بیاری سنہ ۱۹۲۲ء ۴۵ مدراس ۱۰۳، ۶۹ انڈین کیسز ۹۷۷، سنہ ۲۳ء آل انڈیا مدراس ۵۷، عبدالرحمان بنام عنایت بی بی سنہ ۳۱ء آل انڈیا اودھ ۹۳، ۱۳۰ انڈین کیسز ۱۱۳ ۔ نیز دیکھو امیر امال بنام سن کرنارایانن سنہ ۱۹۰۲ء ۲۵ مدراس ۶۵۸ ۔

[2] بی بی بچن بنام شیخ حامد سنہ ۱۸۷۱ء ۱۴ مدراس انڈین اپیلز ۳۷۷، ۳۸۴ ۔

[3] حمیرا بی بی بنام زبیدہ بی بی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۹۴، ۳۸ الہ آباد ۵۸۱، ۳۶ انڈین کیسز ۸۷، جس میں مقدمہ سنہ ۱۹۱۰ء ۳۳ الہ آباد ۱۸۲، ۷ انڈین کیسز ۴۹۴ کی پابندی کی گئی ہے [سود بحساب ۶ فیصد سالانہ دلایا گیا]؛ امتل بنام مریم النساء سنہ ۱۸۶۸ء ۹ ویکلی رپورٹ ۳۱۸؛ صاحب جان بنام انصار الدین سنہ ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ۴۷۵، ۴۸۰ — ۴۸۱، ۹ انڈین کیسز ۱۰۳۱؛

دفعہ ۲۲۵ ۔ دینِ مہر کے ادا کرنے کے لئے جائداد کے انتقال کا حق نہیں ہے ـــــ (۱) بیوہ کا اپنے شوہر کی جائداد پر معاوضۂ مہر قابض ہونے کا حق اسے اس کا مجاز نہیں کرتا کہ وہ جائداد کو بیع یا رہن، ہبہ یا کسی دوسرے طریقے سے منتقل کردے[1]۔ اگر وہ کوئی جائداد منتقل کردے گی تو وہ انتقال خود اس کے حصے تک جائز ہوگا؛ اس کے شوہر کے دوسرے وارثوں کے حصوں پر موثر نہ ہوگا۔

(۲) اگر جائداد منتقل کرنے کے علاوہ، وہ منتقل الیہ کا اس پر قبضہ بھی کرادیتی ہے، تو دوسرے وارث بلا کسی شرط کے اپنے حصوں پر فوری قبضہ پانے کے مستحق ہوجاتے ہیں، یعنی، دینِ مہر کا حصہ رسدی ادا کرنے کے بغیر۔ اس انتقال کے منسوخ کئے جانے کے بعد، بیوہ کو دوبارہ جائداد پر قابض رہنے کا حق باقی نہیں رہتا، جائداد کا قبضہ دیدینے سے اس کا جائداد پر قابض رہنے کا حق زائل ہوگیا۔ یہ سوال کہ آیا اس عمل[2] سے اس کا دینِ مہر وصول پانے کا حق بھی زائل ہوجاتا ہے یا نہیں ہنوز غیر منفصلہ ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ نواسی بیگم بنام دل افروز ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۳۰۸، ۹۸ انڈین کیسز ۹۴۸، ۱۹۲۶ء آل انڈیا الہ آباد ۳۹ [سود بمقدار اختیار تمیزی دلایا گیا]

[1] چوہی بی بی بنام شمس النساء ۱۹۰۴ء ۲۷ الہ آباد ۹۱ [رہن]؛ مینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹، ۱۹۲۵ء آل انڈیا پریوی کونسل ۶۳ جس میں مقدمہ ۱۹۱۹ء ۴۱ الہ آباد ۵۳۸، ۵۱ انڈین کیسز ۲۴۲ [ہبہ]؛ بیجو بی بنام سید مرتضیٰ ۱۹۲۰ء ۴۳ مدراس ۲۱۴، ۲۳۸، ۵۳ انڈین کیسز ۹۰۵ [بیع]؛ مسماۃ ستارن بنام گنیش ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۵۵۳، ۱۰۱ انڈین کیسز ۱۴۷، ۱۹۲۸ء آل انڈیا اودھ ۲۰۹۔

[2] مینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹، ۱۹۲۵ء آل انڈیا پریوی کونسل ۶۳ [وارثوں کا مقدمہ اپنا حصہ پانے کے لئے]؛ مسماۃ ستارن بنام گنیش ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۵۵۳، ۱۰۱ انڈین کیسز ۱۴۷، ۱۹۲۸ء آل انڈیا اودھ ۲۰۹ [وارثوں کا مقدمہ اپنے حصوں کے لئے]۔

(۳) اگر بیوہ جائداد تو منتقل کرتی ہے، مگر اس کا قبضہ منتقل الیہ کو نہیں دیتی، مثلاً جائداد بلا قبضے کے رہن کرتی ہے، تو اس صورت میں دوسرے وارث اس اعلان کے مستحق ہیں کہ اس رہن کا ان کے حصوں پر کوئی اثر نہیں ہے مگر وہ فوری اور غیر مشروط قبضے کے مستحق نہ ہوں گے۔

اگر بیوہ جائداد بیع یا ہبہ کرتی ہے تو یہ بیع یا ہبہ جائداد کے اس کے حصے تک جائز ہے۔ بعض مقدمات میں کہا گیا ہے کہ اس قسم کی بیع یا ہبہ بالکل ناجائز ہے یہاں تک کہ وہ خود بیوہ کے حصۂ جائداد پر بھی موثر نہیں ہوتی[۱]۔ لیکن ان مقدمات کے فیصلوں میں کوئی امر ایسا نہیں جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہو۔

دفعہ ہذا کا تعلق بیوہ کے انتقال جائداد اور منتقل الیہ کو قبضہ دہی کے اثرات سے ہے۔ آگے آنے والی دفعہ میں بیوہ کے حق قبضہ کے انتقال کے اثرات سے بحث کی گئی ہے، دیکھو تمثیل (ب) زیر دفعہ ۲۲۵ الف۔

دفعہ ۲۲۵ الف۔ جائداد کے روک رکھنے کا حق آیا موروثی یا قابلِ انتقال ہے ——— (۱) بیوہ کا جائداد کو روک رکھنے کا حق موروثی یا قابلِ انتقال ہے یا نہیں، اس کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ حقِ مذکور ایک ذاتی حق ہے، اور وہ بیع، ہبہ یا کسی دوسرے طریقے سے منتقل نہیں ہو سکتا[۲] اور نہ بیوہ کے مرنے پر اس کے وارثوں کو پہنچتا ہے[۳]۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قابض رہنے کا حق بمنزلہ ایک

---

[۱] چوہی بی بی بنام شمس النساء ۱۸۹۴ء ۱۷ الہ آباد ۱۹، مسماۃ بی بی بنام مسماۃ بی بی ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۸۴، ۷۰ انڈین کیسز ۳۲، ۱۹۲۳ء آل انڈیا پٹنہ ۴۳۔
[۲] منظفر علی بنام پاربتی ۱۹۰۷ء ۲۹ الہ آباد ۶۴۰۔
[۳] ہادی علی بنام اکبر علی ۱۸۹۸ء ۲۰ الہ ۲۶۲۔

"جائداد" کے ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا حق مذکور قابل وراثت اور قابل انتقال ہے یا نہیں؛ بعض مقدمات میں وہ قابل وراثت قرار دیا گیا ہے، مگر اس کے متعلق کسی رائے کا اظہار نہیں کیا گیا ہے کہ وہ قابل انتقال بھی ہے یا نہیں[1]؛ بعض مقدمات میں حق مذکور قابل وراثت اور قابل انتقال قرار پایا ہے[2]۔ اگر وہ قابلِ انتقال ہے، تو آیا وہ دین مہر کے انتقال کے بغیر بھی منتقل ہو سکتا ہے؛ اس معاملے میں بھی اختلاف آرا ہے۔ بعض مقدمات میں یہ طے ہوا کہ قابض رہنے کا حق دین مہر سے علٰحدہ نہیں کیا جا سکتا اور حقیت جداگانہ کی طرح منتقل نہیں ہو سکتا[3]۔ دوسرے مقدمات میں اس کا

---

[1] عزیز اللہ بنام احمد سنہ ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۳۵۲؛ مجید میاں بنام بی بی صاحب سنہ ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۴، ۳۰ انڈین کیسز ۸۷۰۔

[2] علی بخش بنام الہ داد سنہ ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۵۵۱، ۵ انڈین کیسز ۶۷۶؛ امیر حسن بنام محمد سنہ ۳۲ آل انڈیا الہ آباد ۳۴۵، ۱۳۶ انڈین کیسز ۳۳۸؛ عبداللہ بنام شمس الحق سنہ ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۱۲۷، ۱۳۱، ۵۸ انڈین کیسز ۳۳۸، سنہ ۲۱ آل انڈیا الہ آباد ۲۶۳؛ بیجو بی بنام سید مرتضیٰ سنہ ۱۹۲۰ء ۴۳ مدراس ۲۲۴، ۲۳۶، ۵۴ انڈین کیسز ۹۰۵؛ مجید میاں بنام بی بی صاحب سنہ ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۴، ۴۷، ۳۰ انڈین کیسز ۸۷۰؛ مسماۃ بی بی بنام مسماۃ بی بی سنہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۴۸، ۷۰، انڈین کیسز ۳۱۲، سنہ ۲۳ آل انڈیا پٹنہ ۴۳؛ مسماۃ سوگیا بنام مسماۃ کتابن سنہ ۱۹۲۸ء ۷ پٹنہ ۱۴۱، ۱۰۷ انڈین کیسز ۳۱۶، سنہ ۲۸ آل انڈیا پٹنہ ۲۲۴؛ شیخ عبدالرحمان بنام شیخ ولی سنہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۷۵، ۶۸، انڈین کیسز ۱۰۶، سنہ ۲۳ آل انڈیا پٹنہ ۲۷۔

[3] علی بخش بنام الہ داد سنہ ۱۹۱۰ء ۳۲ الہ آباد ۵۵۱، ۵۵۷، ۶ انڈین کیسز ۶۷۶؛ امیر حسن بنام محمد سنہ ۳۲ آل انڈیا الہ آباد ۳۴۵، ۱۳۶ انڈین کیسز ۳۳۸؛ شیخ عبدالرحمان بنام شیخ ولی سنہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۷۵، ۸۶، انڈین کیسز ۱۰۶، سنہ ۲۳ آل انڈیا پٹنہ ۲۷۔

اس طرح منتقل کیا جانا جائز قرار دیا گیا ہے[1]۔ مگر صرف دینِ مہر کا منتقل کیا جانا منتقل الیہ کی طرف (جائداد پر) قبضہ رکھنے کا حق منتقل نہیں کرتا[2]۔ بینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد[3] میں پرایوی کونسل نے بیوہ کے دین مہر یا قبضے کے حق کو منتقل کرنے کی نسبت شبہ ظاہر کیا ہے، اس وقت جو کچھ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ قبضہ رکھنے کا حق قابل ارث ہے، اگرچہ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ قابل انتقال بھی ہے۔ ہندوستان میں مستند آرا کا غلبہ اسی طرف ہے کہ وہ بھی قابل انتقال ہے۔

(۲) یہ فرض کر لینے کے بعد بھی کہ بیوہ کو اپنا دین مہر منتقل کرنے، اور تا ادائی دین مذکور جائداد کو اپنے قبضے میں رکھنے کا حق حاصل ہے، اگر اس دستاویز سے جو بیوہ اس غرض سے لکھتی ہے (کسی سقم وغیرہ سے) ملکیت کا انتقال عمل میں نہیں آتا، تو اس سے نہ دین مہر منتقل ہوگا اور نہ قبضے کا حق[4]۔

---

[1] عبداللہ بنام شمس الحق سنہ ۱۹۲۱ء ۴۳ الہ آباد ۱۲۷، ۱۳۱؛ ۵۸ انڈین کیسز ۸۳۳، سنہ ۲۱ آل انڈیا الہ آباد ۲۶۲؛ مساۃ بی بی بنام مساۃ بی بی سنہ ۱۹۲۳ء ۲ پٹنہ ۴۸، ۷۰ انڈین کیسز ۳۱۲، سنہ ۲۳ آل انڈیا پٹنہ ۳۳؛ مساۃ سوگیا بنام مساۃ کتابن سنہ ۱۹۲۸ء ۷ پٹنہ ۱۴۱، ۱۰۷ انڈین کیسز ۳۱۹؛ سنہ ۲۸ آل انڈیا پٹنہ ۲۲۴۔

[2] امیر حسن بنام محمد سنہ ۳۲ آل انڈیا الہ آباد ۳۴۵، ۱۳۶ انڈین کیسز ۸۳۳۔

[3] سنہ ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵، ۱۵۹؛ ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۲۶۲، ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹، سنہ ۲۵ آل انڈیا پرایوی کونسل ۶۳۔

[4] بینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد سنہ ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵؛ ۴۷ الہ آباد ۲۵۰، ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹، سنہ ۲۵ آل انڈیا پرایوی کونسل ۶۳؛ مساۃ ستارن بنام گنیش سنہ ۱۹۲۷ء ۲ لکھنؤ ۳۵۵، ۱۰۱ انڈین کیسز ۴۱۷؛ سنہ ۲۸ آل انڈیا اودھ ۵۔

تمثیلات

(الف) ایک مسلمان، ایک بیوہ، ایک لڑکی اور باپ چھوڑ کر مرتا ہے۔ بیوہ بمعاوضۂ مہر شوہر کی جائداد پر بطریق جائز قابض ہے۔ بیوہ اپنی تنہا وارث بیٹی کو چھوڑ کر مرجاتی ہے۔ بیٹی کو جائداد پر قبضہ رکھنے کا حق ہے۔ باپ اس وقت تک اپنا حصہ پانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دین مہر کا رسدی حصہ نہ ادا کرے۔ لیکن اگر بیوہ کو خود اس کی زندگی میں جائداد پر قبضہ نہ ملا تھا، تو اس کی بیٹی بحیثیت اس کے وارث کے قبضہ پانے کی مستحق نہ ہو گی[1]۔

(ب) ایک مسلمان، ایک بیوہ اور ایک بھائی چھوڑ کر مرتا ہے۔ بیوہ بمعاوضۂ اپنے دین مہر کے شوہر کی جائداد پر بطریق جائز قابض ہے۔ بھائی جب تک اپنے حصے کے تناسب سے دین مہر نہ ادا کرے اپنے حصے پر قبضہ پانے کا مستحق نہیں ہو سکتا [دفعہ ۲۲۶]۔ ہنوز دین مہر ادا نہ ہوا تھا، کہ بیوہ نے بغرض ادائے دین کل جائداد فروخت کر دی، اور قبضہ مشتری کو دے دیا۔ اس صورت میں جائداد کے بیعنامہ سے نہ مشتری کی طرف دین مہر منتقل کرنا مقصود تھا، اور نہ جائداد پر قبضہ رکھنے کا حق، یہ فرض کر لینے کے بعد بھی کہ یہ حقوق منتقل ہو سکتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بیع کا اثر کیا ہو گا؟ اس بیع سے مشتری کی طرف صرف بیوہ کا حصہ اور اس حصے

---

[1] طاہر النساء بنام نواب حسن سنہ ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۵۵۸، ۲۴ انڈین کیسز ۹۳۸۔

پر قابض رہنے کا حق منتقل ہو جائے گا [دفعہ ۲۲۵] دوسرا سوال یہ ہے کہ مشتری کو قبضہ دینے کا کیا اثر ہوگا؟ اس کا یہ اثر ہوگا کہ بھائی جو قبضہ دینے سے قبل دین مہر کا حصۂ رسدی ادا کئے بغیر اپنے حصے پر قابض ہونے کا مستحق نہ تھا وہ دین مہر کا حصۂ رسدی نہ ادا کرنے پر بھی فوراً اپنے حصے پر قبضہ پانے کا مستحق ہو جائے گا [دیکھو دفعہ ۲۲۲ الف]۔ مشتری کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ بھائی کے حصے پر اس وقت تک قابض رہے جب تک کہ وہ دین مہر کا رسدی حصہ ادا نہ کرے، وجہ یہ ہے کہ دستاویز سے دین مہر یا قبضے کا حق منتقل کرنا مقصود نہ تھا۔ بیوہ پر اس کا یہ اثر ہوگا کہ وہ جائداد پر دوبارہ قبضہ پانے کی مستحق نہ رہے گی، کیونکہ قبضہ چھوڑ دینے کے بعد اس کا حق قبضہ زائل ہو گیا۔ مشتری کو قیمت ادا کردہ کے متعلق بیوہ کے مقابلے میں چارۂ کار حاصل رہے گا۔ یہ امر غیر منفصلہ ہے کہ آیا بیوہ اپنا دین مہر شوہر کی کسی دوسری جائداد سے بھی وصول کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ غالباً مجاز ہے۔]

دفعہ ۲۲۵ ب۔ اس بیوہ کا مقدمہ جو جائداد سے بیدخل کر دی گئی ہو واپسئ قبضے کے لئے ـــــ اگر ایسی بیوہ جو بربنائے دعوئ مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو بطریق ناجائز جائداد سے بے دخل کر دی جائے، تو وہ واپسئ قبضہ کے لئے مقدمہ دائر کر سکتی ہے۔[1]

[1] مجید میاں بنام بی بی صاحب ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۳۴، ۴۹ ــ ۵۰؛ ۳۰ انڈین کیسز ۸۷۰ [ایک بیوہ اور دوسری متوفی بیوہ کے وارثوں کی طرف سے مقدمہ]؛ عزیز اللہ بنام احمد ۱۸۸۵ء ۷ الہ آباد ۳۵۳ [متوفی بیوہ کے وارثوں کا مقدمہ]۔

اگر مقدمہ جائداد غیر منقولہ کے متعلق ہو، تو تاریخ بیدخلی سے چھ مہینے کے اندر دائر ہونا چاہیے[1] [ایکٹ میعاد سماعت بابت ۱۹۰۸ء ضمیمہ اید ۳]۔ اور اگر جائداد منقولہ کے متعلق ہو، تو اس علم کی تاریخ سے کہ وہ کس کے قبضے میں ہے تین سال کے اندر [ایکٹ میعاد سماعت حسب سابق نمبر ۴۰]۔

بیوہ جو دعویٰ [واپسی] قبضے کے لئے کرے اسے قبضے کے قائم رکھنے کے حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ہر ایسے شخص کا عام حق ہے [دفعہ ۲۲۴ ب]، جو باوجود نہ مستحق ہونے کے اس جائداد پر قبضہ دلا پانے کا دعویٰ کر سکتا ہے؛ جس سے وہ بطریق ناجائز بیدخل کر دیا گیا ہو۔ جائداد غیر منقولہ کے متعلق، ایسا حق تعمیل مختص کے ایکٹ ۱۸۷۷ء کی دفعہ ۹ سے دیا گیا ہے، اور جائداد منقولہ کے متعلق قانون عام ہے۔

دفعہ ۲۲۵ ج۔ بیوہ کا قبضہ، دین مہر کے دعوے کا مانع نہیں ہے

(۱) یہ واقعہ کہ بیوہ بر بنائے دین مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہے، اس امر کا مانع نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے شوہر کے دوسرے وارثوں پر دین مہر کی وصول یابی کا مقدمہ دائر کرے۔ لیکن اسے اس مقدمے میں اپنے قبضے سے دست بردار ہو جانے کی آمادگی کا اظہار کرنا لازم ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ قبضہ بھی قائم رکھے اور اپنے دین مہر کی ڈگری بھی پائے[2]۔

(۲) اگر وہ اپنے دین مہر کے ایک جزو کا دعویٰ کرے گی، تو بعدہ بقیہ دین مہر کے دعوے کی مجاز نہ ہوگی[3]۔ دیکھو ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء آرڈر ۲ قاعدہ ۲۔

---

[1] مشعل سنگھ بنام احمد حسین ۱۹۲۶ء ۵ الہ آباد ۸۶ ۱۰۳۰ انڈین کیسز ۳۶۳، ۱۹۲۶ء آل انڈیا الہ آباد ۳۴۵۔

[2] غلام علی بنام صغیر النساء ۱۹۰۱ء ۲۳ الہ آباد ۴۳۲۔

[3] کنیز فاطمہ بنام رام مندن ۱۹۲۳ء ۵۴ الہ آباد ۴۸ ۳۴؛ ۷۶ انڈین کیسز ۹۷۷، ۱۹۲۳ء آل انڈیا الہ آباد ۲۳۱۔

کلکتہ ہائیکورٹ نے یہ طے کیا ہے[1] کہ اگر بیوہ بربنائے دعویٰ دینِ مہر اپنے شوہر کی جائداد پر قابض ہو، تو اس کے لئے مناسب طریقہ یہ ہے، کہ وہ اہتمام ترکہ کا مقدمہ دائر کرے، جس میں جائداد عدالت کی سپردگی میں دیجاسکتی ہے اور جو منافع اس کو حاصل ہوا، اور جو سود اسے اپنے دینِ مہر پر ملنا چاہیئے، اس کا حساب کرکے جائداد کی فروخت یا دوسرے طریقے سے اس کے دینِ مہر کی ادائی کے متعلق مناسب ہدایات دیئے جاسکتے ہیں۔

دفعہ ۲۲۹۔ وارثوں کے دعوے اپنے حصوں کی بابت اور اصول امر فیصل شدہ —— جب شوہر کے دوسرے وارث بیوہ پر اپنا حصہ دلاپانے کا مقدمہ دائر کریں اور اس میں اس شرط کے ساتھ ڈگری ہوجائے کہ مدعی اپنے حصے کے تناسب سے دینِ مہر ایک مقررہ مدت کے اندر ادا کرکے قبضہ حاصل کریں، اور ڈگری میں یہ حکم بھی ہو کہ اگر مدعی مدت مقررہ کے اندر رقم ادا نہ کریں تو مقدمہ خارج کردیا جائے، اور عدم ادائی رقم کی بناء پر بالآخر مقدمہ خارج بھی ہوجائے، تو یہ اخراج امر فیصل شدہ نہ متصور ہوگا اور نہ اس امر کا مانع ہوگا کہ وہی مدعی اسی جائداد کے قبضے کے لئے مقابلہ بیوہ اس بناء پر دوبارہ مقدمہ چلائیں کہ جائداد کی آمدنی سے بیوہ کا دینِ مہر ادا ہوچکا ہے۔ ڈگری میں جو شرط قائم کی جائے اس کی نہ تعمیل کرنے سے صرف فوری قبضہ پانے کا حق زائل ہوجاتا ہے، لیکن اس سے وارثوں کا حق ملکیت اور قبضہ پانے کا حق زائل نہیں ہوتا جب کہ کسی آئندہ وقت پر جائداد کے منافع یا مدعیوں کے دینے سے بیوہ کا کل دینِ مہر ادا ہوجائے۔ اخراج مقدمے کا اثر صرف اس قدر ہوتا ہے کہ فریقین مقدمہ اسی حالت میں

---

[1] میرزا محمد بنام شاہزادی وحیدہ ۱۹۱۴ء ۱۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۵۰۲، ۲۰ انڈین کیسز ۱۹۱، نیز دیکھو واوتھمل بنام بساری ۱۹۰۵ء آل انڈیا مدراس ۱۰۶۴، ۸۶ انڈین کیسز ۳۶۷۔

آجاتے ہیں جس میں وہ مقدمے کے دائر ہونے سے قبل تھے[1]۔

دفعہ ۲۲۶ الف۔ خرچ پاندان ـــــ جب نکاح کے وقت زوج اور زوجہ دونوں نابالغ ہوں، اور زوج کا باپ زوجہ کے باپ سے زوجہ کو نکاح کے معاوضے میں ایک مقررہ ماہانہ رقم خرچ پاندان کے لئے دینے کا اقرار کرے، اور اس کا بار کفالت کسی خاص جائداد پر عائد کر کے زوجہ کو اس کی تعمیل کرانے کا اختیار دے دے، تو زوجہ کو اگرچہ وہ معاہدے کی کوئی فریق نہ تھی مگر معاہدے کی موتمن لہا (مستحق استفادہ) کی حیثیت سے یہ حق ہوگا کہ وہ شوہر کے باپ پر اس رقم کے پانے کا دعویٰ کرے[2]۔

---

[1] مینا بی بی بنام چودھری وکیل احمد ۱۹۲۵ء ۵۲ انڈین اپیلز ۱۴۵؛ ۴۷ الہ آباد ۲۵۰؛ ۸۶ انڈین کیسز ۵۰۷؛ ۱۹۲۵ء آل انڈیا پریوی کونسل ۶۳؛ نواسی بیگم بنام دل افروز ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۳۰۸، ۹۸ انڈین کیسز ۹۷۸، ۱۹۲۷ء آل انڈیا الہ آباد ۳۹۔

[2] خواجہ محمد بنام حسینی بیگم ۱۹۱۰ء ۳۷ انڈین اپیلز ۱۵۲؛ ۳۲ الہ آباد ۴۱۰، ۷ انڈین کیسز ۲۳۷؛ محمد علی بنام فاطمہ ۱۹۳۰ء ۱۱ لاہور ۸۵؛ ۱۱۹ انڈین کیسز ۸۴۶؛ ۱۹۲۹ء آل انڈیا لاہور ۶۶۰۔

فصل شانزدہم

طلاق

الف — طلاق منجانب زوج
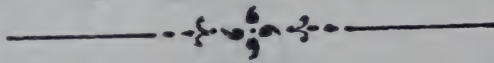
دفعہ ۲۲۷۔ طلاق کی مختلف قسمیں — شرع اسلام کی رو سے عقد نکاح منفصلۂ ذیل طریقوں سے فسخ کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) ذریعہ (طلاق) شوہر برضائے خود، بلا توسط عدالت؛ (۲) زوج اور زوجہ کی رضامندی سے، بلا توسط عدالت؛ (۳) زوج یا زوجہ کے مقدمے میں عدالت کی ڈگری سے۔ زوجہ بغیر زوج کی اجازت کے خود اپنے آپ کو طلاق نہیں دے سکتی، بہ استثنائے اس صورت کے کہ ایسا معاہدہ قبل یا بعد نکاح کے ہو گیا ہو [دفعہ ۲۳۳]، لیکن بعض صورتوں میں زوجہ عدالتی ڈگری کے ذریعے سے

طلاق لے سکتی ہے [دفعات ۲۳۹ — ۲۴۰]۔ جب زوج کی طرف سے علٰحدگی کا عمل ہوتا ہے، تو وہ طلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے [دفعات ۲۲۸ — ۲۳۴]؛ جب بہ عمل بتراضئ طرفین حسب معاہدہ ہوتا ہے تو خلع [دفعہ ۲۲۵] یا مبارات [دفعہ ۲۳۶] کہلاتا ہے۔

دفعہ ۲۲۸۔ علٰحدگی ذریعۂ طلاق — ایک عاقل اور بالغ مسلمان جب چاہے بغیر اظہار وجہ اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا مجاز ہے[1]۔

میگناٹن، صفحہ ۵۹؛ ہدایہ، ۵، ۷؛ بیلی، ۲۰۸ — ۲۰۹۔

دفعہ ۲۲۹۔ طلاق زبانی یا تحریری ہو سکتی ہے — طلاق ذریعۂ تحریر (جو عموماً طلاق نامہ کے نام سے موسوم کی جاتی ہے) یا زبانی دی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے خاص الفاظ مقرر نہیں ہیں۔ اگر ان الفاظ سے جو استعمال کئے گئے ہوں طلاق کا مفہوم صریح اور صاف طور سے ظاہر ہوتا ہو جیسے کہ "میں نے طلاق دی" تو نیت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر الفاظ مبہم ہوں تو نیت کا ثابت کیا جانا ضرور ہے[2]۔

ہدایہ، ۶، ۷؛ بیلی، ۲۱۳، ۲۲۹، ۲۳۳۔

طلاق کے الفاظ — طلاق کے الفاظ سے عقدِ نکاح کے فسخ کی نیت کا اظہار ہونا چاہئے۔ اگر وہ الفاظ صریح ہیں مثلاً "تو مطلقہ ہے" "میں نے تجھے طلاق دی" "میں اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لئے طلاق دیتا ہوں اور اسے اپنے اوپر

---

[1] احمد قاسم بنام خاتون بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳۔

[2] مامی بنام قلندر امال ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۶۱؛ ۵ رنگون ۱۸، ۱۰۰ انڈین کیسز؛ ۱۹۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵، جس میں مقدمہ ۱۹۲۴ء ۲ رنگون ۵۰۰ کی تائید کی گئی ہے، ۸۴ انڈین کیسز ۱۷۵، ۱۹۲۴ء آل انڈیا رنگون ۳۶۳؛ رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶؛ ۱۳۵ انڈین کیسز ۷۶۲؛ ۱۹۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۵؛ ابراہیم بنام سید بی بی ۱۸۸۸ء ۱۲ مدراس ۶۳؛ واحد خاں بنام زینب بی بی ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۵۸۴، ۲۵ انڈین کیسز

حرام کر لیتا ہوں[1]"، اور ان سے فسخ نکاح کی نیت کا اظہار ہوتا ہے تو نیت کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر الفاظ مبہم (کنایات) ہیں، مثلاً "اگر تو باہر جاتی ہے تو میری چچازاد بہن کے برابر ہے[2]"، یا "میں تجھ سے قطع تعلق کرتا ہوں اور آئندہ کوئی تعلق نہ رکھوں گا[3]" اس صورت میں نیت ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی۔

طلاق نامہ کا ثبوت —— دوسری شہادتوں کی طرح اصلی شہادت سے ثابت کیا جانا چاہئے۔ اگر وہ ضائع ہوگیا ہو تو اس کے مضمون کی زبانی شہادت ایسے شخص کی ہونی چاہئے جس نے اسے پڑھا ہو۔ یہ شہادت کہ گواہ نے دستاویز کو دیکھا اور اسے پڑھتے ہوئے سنا، جہاں تک مضمون دستاویز کا تعلق ہے ایک سماعی شہادت اور ناقابلِ ادخال ہے[4]۔ دیکھو قانون شہادت ایکٹ ۱۸۷۲ء دفعہ ۶۳ اور اسے دفعہ ۶۰ کے فقرہ (۲) کے ساتھ ملا کر پڑھو۔

شیعوں کا قانون —— شیعوں کے قانون کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ۲۸۰؛ عائشہ بی بی بنام قادر ۱۹۰۹ء ۳۳ مدراس ۲۲، ۳ انڈین کیسز ۳۰۷۔

[1] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، ۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

[2] حامد علی بنام امتیاز ن ۱۸۷۸ء ۲ الہ آباد ۷۱ [نیت ثابت قرار پائی]۔

[3] واجد علی بنام جعفر حسین ۳۲ء آل انڈیا اودھ ۳۴۵، ۱۳۶ انڈین کیسز ۲۰۹ [نیت غیر ثابت قرار پائی]۔

[4] ماہی بنام قلندر امال ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۶۱، ۵ رنگون ۱۸، ۱۰۰ انڈین کیسز ۱، ۲۷ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۵۔

مطابق طلاق زبانی دو معتبر گواہوں کی موجودگی میں ہونی چاہئے: بیلی، جلد دوم، ۱۱۷۔ جو طلاق ذریعۂ تحریر دی جائے وہ صحیح نہیں ہے، بجز اس کے کہ شوہر جسمانی طور سے اس قدر ناقابل ہو کہ وہ طلاق کے الفاظ زبان سے نہ ادا کر سکتا ہو: بیلی، جلد دوم، ۱۱۳ ـ ۱۱۴۔

دفعہ ۲۲۹ الف۔ طلاق جو زوجہ کی عدم موجودگی میں دی جائے ــــ طلاق کے جواز کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ زوجہ کی موجودگی میں یا اسے مخاطب کر کے دی جائے[۱] [دیکھو تحت کا نوٹ]۔ اگر طلاق زوجہ کے غیاب میں دی جائے، تو اس کا ذکر نام سے[۲] کیا جانا چاہیے یا طلاق کے الفاظ ایسے ہوں کہ ان کا تعلق بصراحت تمام اسی سے ہوتا ہو[۳]۔ اس لحاظ سے طلاق زوجہ کے باپ کو مخاطب کر کے دی جا سکتی ہے اور زوجہ کی طرف اشارہ "تمھاری بیٹی" کے الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک حنفی مسلمان اپنے خسر کو مخاطب کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ "اے فلاں شخص یہ طلاق تیری بیٹی کے لئے ہے: ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، وہ میری ماں کے برابر

۱؎ امی بنام قلندر امال ۱۹۲۷ء ۵۴ انڈین اپیلز ۶۱، ۵ رنگون ۱۸، ۱۰۰، انڈین کیسز ۱، ۲۷ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵؛ رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، ۳۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۵؛ سارہ بائی بنام رابعہ بائی ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷، ۵۴۴؛ عائشہ بی بی بنام قادر ۱۹۰۹ء ۳۳ مدراس ۲۲، ۳ انڈین کیسز ۳۰۷؛ بمقدمۂ راجہ صاحب ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۴۴، ۵۴ انڈین کیسز ۳۵۷؛ بھول چند بنام تراب علی ۹ ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۱۸۴، ۲ انڈین کیسز ۴۰۷؛ احمد قاسم بنام خاتون بی بی ۱۹۲۹ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳۔

۲؎ فرزند حسین بنام جانو بی بی ۱۸۷۸ء ۴ کلکتہ ۵۸۸ جس کا فرق مقدمۂ رشید احمد بنام انیسہ خاتون بحوالۂ سابق میں ظاہر کیا گیا۔

۳؎ عائشہ بی بی بنام قادر ۱۹۰۹ء ۳۳ مدراس ۲۲، ۳ انڈین کیسز ۳۰۷۔

ہو گئی ۔[1] بہرحال طلاق کی اطلاع زوجہ کو دی جانی اور معقول مدّت کے اندر دی جانی چاہئے۔[2] جب طلاق بذریعۂ تحریر دی جائے، تو اس کا زوجہ کو پہنچ جانا اس حالت میں تسلیم کر لیا جائے گا جب کہ معلوم ہو کہ وہ اس کے لینے سے بچتی ہے[3] یا جب اطلاع رجسٹرڈ شدہ خط سے دی گئی ہو اور ڈاکخانے کے عہدہ دار اسے "انکاری خط" کی حیثیت سے واپس کر دیں اور واقعات سے ظاہر ہوتا ہو کہ انکار نہ لینے کی غرض سے کیا گیا ہے۔[4]

طلاق ذریعۂ تحریر — چونکہ طلاق زوجہ کی عدم موجودگی میں دی جا سکتی ہے، اس لئے اگر وہ ذریعۂ تحریر دی جائے تو یہ ضرور نہیں کہ اس پر دستخط زوجہ کے مواجہے میں کی جائے۔ دستخط قاضی یا زوجہ کے باپ یا کسی دوسرے شخص کے سامنے کی جا سکتی ہے۔[5]

دفعہ ۲۳۰۔ طلاق کے مختلف طریقے — طلاق مفصلۂ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے دی جا سکتی ہے :۔

(۱) طلاق احسن — اس کی صورت یہ ہے کہ زمانۂ طہر [جب کہ عورت حائضہ نہ ہو] میں صرف ایک طلاق دی جائے، اور اس کے بعد زمانۂ عدت (دفعہ ۱۹۹) کے ختم تک عورت کے ساتھ صحبت نہ کی جائے۔

اگر نکاح کے بعد مرد اور عورت میں صحبت نہیں ہوئی ہے تو اس

---

[1] عائشہ بی بی بنام قادر ۱۹۰۹ء ۳۳ مدراس ۲۲، ۱۲ انڈین کیسز ۷۳۰۔

[2] مقدمۂ رابعہ صاحب ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۴۴، ۵۴ انڈین کیسز ۵۷۳۔

[3] ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷، ۵۴۶ گزشتہ۔

[4] ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳ گزشتہ۔

[5] واج بی بی بنام عظمت علی ۱۸۹۸ء ویکلی رپورٹ ۲۳۔

[6] بمقدمۂ راجہ صاحب ۱۹۲۰ء ۴۴ بمبئی ۴۴، ۵۴ انڈین کیسز ۵۷۳؛ احمد قاسم بنام خاتون بی بی ۱۹۳۲ء ۵۹ کلکتہ ۸۳۳، ۸۴۲۔

قسم کی طلاق حالت حیض میں بھی دی جا سکتی ہے۔

(۲) **طلاق حسن** ـــــ اس کی صورت یہ ہے کہ مسلسل تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں اور تینوں میں سے کسی طہر میں بھی صحبت نہ ہو۔

پہلی طلاق زمانہ طہر میں دی جائے، دوسری دوسرے طہر میں، اور تیسری اس کے بعد کے طہر میں۔

(۳) **طلاق بدعت یا طلاق بدعی** ـــــ اس کی صورت یہ ہے کہ:

(الف) ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دی جائیں، خواہ ایک ہی جملے میں جیسے "میں تجھے تین طلاقیں دیتا ہوں" یا الگ الگ جملوں میں جیسے "میں تجھے طلاق دیتا ہوں" "میں تجھے طلاق دیتا ہوں" "میں تجھے طلاق دیتا ہوں"[۱] یا

(ب) طہر میں ایک ہی طلاق دی جائے مگر اس سے بصراحت یہ نیت ظاہر ہوتی ہو کہ نکاح کا قطعی طور سے فسخ کر دینا مقصود ہے[۲] جیسے یہ کہنا کہ "میں تجھے طلاق بائن دیتا ہوں"۔

ہدایہ، ۲/ ۴، ۳/ ۸، بیلی ۲۰۶ ـ ۲۰۷، ۲۲۶۔

طلاق سنت اور طلاق بدعت ۔ حنفی دو قسم کی طلاقوں کو مانتے ہیں:۔ (۱) طلاق سنت یعنی وہ طلاق جو بپابندی ان احکام کے دی جائے جو رسول اللہ کی احادیث میں پائے جاتے ہیں؛ (۲) طلاق بدعت یعنی جدید یا بے قاعدہ طلاق۔ اس طلاق کو دوسری صدی ہجری میں شاہان بنی امیہ نے رائج کیا۔

---

۱ بمقدمہ عبدالعلی ۱۸۸۳ء، بمبئی ۱۸۰: امیرالدین بنام خاتون بی بی ۱۹۱۷ء ۳۹ الہ آباد ۳۷۱، ۳۹ انڈین کیسز ۵۱۳۔

۲ سارا بی بنام رابعہ بی ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷؛ شیخ فضل الرب بنام مسماۃ عائشہ ۱۹۲۹ء ۸ پٹنہ ۶۹۰، ۱۱۵ انڈین کیسز ۵۴۶، ۱۹۲۹ء آل انڈیا پٹنہ ۸۱۔

طلاق سنت کی دو قسمیں ہیں: (۱) احسن، یعنی بہترین (۲) حسن، یعنی بہتر یا مناسب۔ طلاق بدعت، قانون میں جائز قرار پائی ہے اگرچہ مذہبی لحاظ سے ناجائز ہے، اس ملک میں[1] بشمول خطۂ اودھ[2] وہی عام ہے اور اسی کا زیادہ تر رواج ہے۔

طلاق احسن اور طلاق حسن میں زوج کو اپنے فیصلے پر غور کرنے کا موقع رہتا ہے، کیونکہ یہ دونوں طلاقیں بغیر ایک معین مدت گزرنے کے قطعی نہیں ہوتیں (دفعہ ۲۳۱) اور شوہر کو اختیار رہتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو مدت معین کے اندر ان سے رجوع کرلے (یعنی انھیں منسوخ کردے)۔ مگر طلاق بدعی دینے کے ساتھ ہی بائن ہوجاتی ہے (دفعہ ۲۳۱)۔ طلاق بدعی کی بڑی خصوصیت یہی ہے۔ بائن ہوجانے کی ایک پہچان یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دی جائیں۔ لیکن اس قسم کی طلاق کے لئے ضرور نہیں ہے کہ طلاق کے الفاظ کا تین مرتبہ اعادہ کیا جائے، طلاق کو بائن کردینے کی نیت کا اظہار ایک طلاق سے بھی ہوسکتا ہے، مثلاً اگر ایک شخص یہ کہے کہ "میں نے تجھے طلاق بائن دے دی" تو یہ طلاق بدعی ہوگی اور اور فوراً اس کا اثر ہوگا، اگرچہ وہ صرف ایک بار دی گئی ہو۔ اس موقع پر لفظ "بائن" سے خود بخود طلاق کو

[1] امیرالدین بنام خاتون بی بی سنہ ۱۹۱۷ء ۱۳۹ الہ آباد ۳۷۱، ۳۷۵، ۳۹ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[2] شیخ فضل الرب بنام سماۃ عائشہ سنہ ۱۹۲۹ء پٹنہ ۶۹۰، ۱۱۵ انڈین کیسز ۵۴۶، سنہ ۲۹ آل انڈیا پٹنہ ۸۱۔

قطعی کر دینے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے۔

طلاق بدعت اور طہر ——— پٹنہ ہائی کورٹ نے ہدایہ کے ایک فقرہ مندرجۂ صفحہ ۴، کی بناء پر یہ قرار دیا ہے کہ زوجہ کے حالت حیض میں ہونے کے باوجود اگر طلاق بدعی تین مرتبہ دی جائے تو وہ موثر ہوگی[1]۔

شیعوں کا قانون ——— شیعوں کے علما بدعی طلاق کو تسلیم نہیں کرتے؛ بیلی، جلد دوم، ۱۱۶۔

دفعہ ۲۳۱۔ طلاق کب بائن ہو جاتی ہے ——— (۱)

طلاقِ احسن [دفعہ ۲۳۰ (۱)] زمانۂ عدت کی تکمیل کے بعد بائن اور کامل ہو جاتی ہے [دفعہ ۱۹۹]۔

(۲) طلاقِ حسن [دفعہ ۲۳۰ (۲)] بلالحاظ زمانۂ عدت تیسری مرتبہ طلاق دینے سے بائن اور کامل ہو جاتی ہے۔

(۳) طلاق بدعی [دفعہ ۲۳۰ (۳)] بلالحاظ زمانۂ عدت، طلاق دیتے ہی کامل ہو جاتی ہے[2] اور اسی وجہ سے وہ بائن کہلاتی ہے۔

ہدایہ، ۲، ——— ۳، ؛ بیلی، ۲۰۶ ——— ۲۰۷، ۲۲۶۔

طلاق کے بائن ہونے تک شوہر کو اختیار رہتا ہے کہ وہ اس سے رجوع کرلے (یعنی اس طلاق کو منسوخ کر دے)، اور یہ صریح اور معنوی دونوں طرح ہوسکتا ہے۔ معنوی طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ زنا شوئی کے تعلقات (جو اب تک ملتوی تھے) دوبارہ جاری کر دئے جائیں۔

طلاق کے بعد دوسرا عقد نکاح کرنے کے حق کے متعلق دیکھو

---

[1] شیخ فضل الرب بنام مسماۃ عائشہ ۱۹۲۹ء پٹنہ ۹۰، ۱۱۵ انڈین کیسز ۴۶۶، ۱۹۲۹ آل انڈیا پٹنہ ۸۱۔

[2] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷، ۴۵ الہ آباد ۴۶، ۵۲، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، ۱۹۳۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

دفعہ ۲۴۳(۱) - مطلقہ عورتوں کے نکاح کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۴۳(۵)۔

دفعہ ۲۳۲ - تحریری طلاق کب بائن ہو جاتی ہے

تحریری طلاق، طلاق بائن کا اثر رکھتی ہے اور اس کا عمل فوراً شروع ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس میں ایسے الفاظ نہ ہوں جن سے اس کے خلاف کسی ارادے کا اظہار ہوتا ہو[1]۔

بیلی، ۲۳۴۔

بمبئی کے ایک مقدمے میں[2]، ایک حنفی مسلمان نے بمبئی کے قاضی کے سامنے حاضر ہو کر ایک طلاق نامہ کی تکمیل کی جس کی عبارت یہ تھی: "بعض نااتفاقیوں کی وجہ سے ہم میں رنجش ہو گئی ہے۔ میں مقرر قاضی کے سامنے برضائے خود ذاتی طور سے حاضر ہوں، اور اپنی منکوحہ زوجہ مسماۃ سارہ بی کو ایک بائن طلاق دے کر اپنی زوجیت سے خارج کرتا ہوں"۔ جسٹس بیچلر نے اثنائے تجویز میں لکھا کہ "میری رائے میں طلاق نامہ قطعی ہے، وہ طلاق کو طلاق بائن بناتا ہے اور ان تمام حقوق اور وجوب کا جو مسمیٰ آدم مدعا علیہ اور مدعیہ میں بحیثیت زن و شو کے تھے ختم ہو جانا ظاہر کرتا ہے۔ اس رائے کی تائید کافی طور سے مستند کتابوں سے ہوتی ہے کہ ایسی دستاویز تاریخ تحریر سے طلاق بائن کا اثر رکھتی ہے اگرچہ اس کی اطلاع زوجہ کو نہ دی گئی ہو"۔ مگر ممکن ہے کہ تحریر سے اس کے خلاف کسی اور نیت کا اظہار ہوتا ہو۔ مثلاً تحریر میں یہ ہو، کہ "جب یہ خط تجھے ملے اس وقت سے تو مطلقہ ہے"، اس صورت میں جب تک

---

[1] بیلی، ۲۳۳؛ سارہ بائی بنام رابعہ بائی ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی، ۵۳۷۔
[2] ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی، ۵۳۷، دیکھو حوالجات حسب سابق۔

خطا فی الحقیقت نہ پہنچے طلاق نہ واقع ہوگی؛ بیلی، ۲۳۴-
اسی طرح اگر تحریر میں یہ ہو کہ "میں نے تجھے ۵ ستمبر ۱۹۱۳ء
کو طلاق دے دی ہے اور تیری طلاق کی مدت ۵ نومبر
۱۹۱۳ء کو ختم ہو جائے گی" تو اس سے ظاہر ہے کہ شوہر
کے خیال میں طلاقِ حسن [دفعہ ۲۳۰ (۲)] تھی، اور جب تک
اور دو طلاقیں نہ دی جائیں وہ قطعی نہیں ہو سکتی[1]۔

دفعہ ۲۳۳ - زوجہ کا معاہدہ حقِ طلاق کے متعلق

قبل یا بعد نکاح یہ قرار داد کہ زوجہ کو مخصوص حالات میں اپنے آپ کو طلاق دے لینے کا حق ہوگا جائز ہے، بشرطیکہ وہ شرائط جو کئے جائیں معقول ہوں اور ان میں کوئی امر شرعِ اسلام کے منشا کے مخالف نہ ہو۔ ایسی قرارداد ہو جانے پر زوجہ کو اختیار ہوگا کہ وہ حالاتِ مخصوص میں سے کسی حالت کے پیش آنے پر اپنے اختیار کو کام میں لا کر طلاق لے لے۔ یہ طلاق اسی طرح موثر ہوگی جس طرح کہ شوہر کی دی ہوئی طلاق موثر ہوتی ہے[2]۔ جو اختیار اس طریقے سے زوجہ کو دیا جاتا ہے وہ منسوخ نہیں ہو سکتا، اور وہ اسے ایسے وقت بھی کام میں لا سکتی ہے جب کہ اعادۂ حقوقِ زناشوئی کا دعویٰ اس کے خلاف دایر ہو چکا ہو[3]۔

بیلی، ۱۹۷-

---

[1] غلام محی الدین بنام خضر حسین ۱۹۲۹ء ۱۰ لاہور ۴۷، ۱۱۴ انڈین کیسز ۴۷، ۲۹ء آل انڈیا لاہور ۹۶-

[2] حمید اللہ بنام فیض النساء ۱۸۸۱ء ۸ کلکتہ ۳۲۷؛ آیۃ النساء بی بی بنام کرم علی ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۲۳؛ محرم علی بنام عائشہ خاتون ۱۹۱۵ء ۱۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۲۲۶، ۳۱ انڈین کیسز ۵۶۳؛ سعید الدین بنام لطف النساء بی بی ۱۹۱۹ء ۴۶ کلکتہ ۱۴۱، ۴۸ انڈین کیسز ۲۰۹ [قرارداد بعد نکاح]-

[3] ۱۹۱۹ء ۴۶ کلکتہ ۱۴۱، ۴۸ انڈین کیسز ۲۰۹، حسبِ سابق-

(الف) زید نکاح ہونے سے پہلے خالدہ سے یہ قرارداد کرتا ہے وہ کہ خالدہ کو چار سو روپیہ مہر میں اس کی طلب پر ادا کرے گا' اور اس کے ساتھ مارپیٹ یا بُرا برتاؤ نہ کرے گا' اور اس کو سال میں چار بار میکے جانے کی اجازت دے گا' اور اگر وہ ان شرائط میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کرے' تو خالدہ کو طلاق لے لینے کا حق حاصل ہوگا۔ نکاح کے چند روز بعد خالدہ نے اس بیان کے ساتھ کہ زید کا برتاؤ بے رحمانہ ہے' اور اس نے مہر ادا نہیں کیا' طلاق لے لی۔ زید نے اس پر اعادۂ حقوق زناشوہی کا دعوی دائر کیا۔ اس صورت حال میں جو شرائط کئے گئے ہیں وہ سب معقول ہیں' اور ان میں کوئی امر شرع اسلام کے منشا کے مخالف نہیں ہے۔ اس لئے طلاق جائز ہے' اور زید حقوق زناشوہی کے اعادے کا مستحق نہیں متصور ہو سکتا: حمید اللہ بنام فیض النساء ۱۸۸۱ء کلکتہ ۳۲۷]

طلاق ذریعۂ تفویض ـــــ تمثیل مذکورۂ بالا میں جس قرارداد کا ذکر ہے اس کی تائید اصول "تفویض" سے ہوتی ہے جو شرع اسلام کے قانون طلاق کا اہم جز ہے۔ شرع مذکور کی رو سے شوہر خود اپنی ذات سے زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے' یا طلاق کا اختیار شخص ثالث' یا خود زوجہ کو سپرد کر سکتا ہے: بیلی ۲۳۸؛ ایسے اختیار کی سپردگی کا نام "تفویض" ہے۔ "اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے' کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے تو وہ اسی جلسے میں طلاق لے سکتی ہے' شوہر پھر اس کا مجاز نہیں رہتا کہ یہ اختیار زوجہ سے لے لے"۔

بیلی، ۲۵۴۔ "اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو (طلاق کے لئے) یہ دن یا یہ مہینا، یا کوئی مہینا، یا سال منتخب کرلے، تو زوجہ ان معین اوقات میں سے کسی وقت بھی اپنا اختیار کام میں لاکر مطلقہ ہو سکتی ہے": بیلی، ۲۴۲۔ جس قرارداد کا تمثیل (الف) میں ذکر ہے، اسے زوجہ کی طلاق بر بنائے اختیار عطا کردہ زوج یا "طلاق تفویض"، متصور کرنا چاہئے۔ یہ طلاق اگرچہ بظاہر زوجہ زوج کو دیتی ہے، مگر قانون میں اس کا وہی اثر ہے جو زوج کا زوجہ کو طلاق دینے کا ہوتا ہے۔

[(ب) زوج اور زوجہ میں یہ قرارداد کہ اگر زوج بغیر زوجہ کی رضامندی کے دوسرا نکاح کرلے گا، تو زوجہ کو طلاق لے لینے کا اختیار ہو جائے گا، جائز ہے: محرم علی بنام عائشہ خاتون ۱۹۱۵ء ۱۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۱۲۲۶؛ ۳۱ انڈین کیسز ۵۶۲؛ بدر النسا بنام معافیت اللہ ۱۸۷۱ء، بنگال لا رپورٹ ۴۴۲۔]

کسی وقت بعد وقوع واقعۂ معہودہ ــــــ جب معاہدۂ نکاح سے زوجہ کو یہ حق دیا جائے کہ وہ زوج کے دوسرے نکاح کرلینے پر اپنے آپ کو طلاق دے لے اور اس کا شوہر دوسرا نکاح کرلے، تو زوجہ پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس خبر کے سننے کے ساتھ ہی اپنے اختیار کو کام میں لائے؛ جو عمل ناجائز اس کے مقابلے میں کیا گیا ہے وہ مسلسل ہے، اس لئے اپنے اختیار کو کام میں لانے کا حق بھی اسے مسلسل حاصل رہے گا۔[1]

---

[1] آیۃ النسا بی بی بنام کرم علی ۱۹۰۹ء ۳۶ کلکتہ ۲۳ ؛ ۱ انڈین کیسز ۵۱۳۔

دفعہ ۲۳۴ - جبریہ طلاق ـــــــ اگر طلاق کے الفاظ "صریح" [دفعہ ۲۹۹] ہیں تو طلاق جائز ہے اگرچہ وہ بالجبر دلوائی گئی ہو[1]، یا خود بیدا کردہ نشے میں، یا اپنے باپ یا کسی دوسرے شخص کو خوش کرنے کے لئے دی گئی ہو[2]۔

ہدایہ، ۵، ۷، ۷؛ بیلی، ۲۰۸ ـــ ۲۱۰۔

شیعوں کا قانون ـــ جو طلاق بحالات مذکورۂ دفعۂ ہذا دی جائے وہ شیعوں کے نزدیک ناجائز ہے: بیلی، جلد دوم ۱۰۸۔

دفعہ ۲۳۴ الف - اس نکاح میں طلاق جو انگلستان میں انگلستان کے قانون کے مطابق منعقد ہو ـــــــ جو مدنی نکاح (Civil Mariage) لندن میں ایک مسلمان متوطن ہندوستان اور ایک انگریزی قوم کی عورت سے رجسٹرار کے دفتر میں منعقد ہوا ہو، اسے شوہر زوجہ کو طلاق نامہ [دفعہ ۲۳۲] حوالے کر دینے سے فسخ نہیں کر سکتا، اگرچہ یہ شرع اسلام کی رو سے فسخ نکاح کا جائز طریقہ ہو[3]۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا نکاح عیسائی نکاح ہے، یعنی ایک مرد اور ایک عورت کا اپنی مرضی سے تمام عمر کا سنجوگ ہے، جس میں دوسروں کو کوئی دخل نہیں؛ یہ نکاح اسلامی نکاح نہیں ہے جو اسلامی طریقے سے فسخ ہو جائے۔ انگلستان کے قانون کے لحاظ سے، اسلامی نکاح، تعدد ازدواج کی وجہ سے نکاح ہی نہیں سمجھا جاتا۔

دفعہ ۲۳۵ - خلع اور مبارات ـــــــ (۱) نکاح نہ صرف

---

[1] ابراہیم بنام عنایت الرحمٰن ۱۸۶۹ء ۴ بنگال لا رپورٹ آل انڈیا کلکتہ ۱۳۔

[2] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۷، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۵۲ ـــ ۵۳، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

[3] سرکار بنام مہتمم دفتر اندراجات نکاح ۱۹۱۷ء آئی۔ کے۔ بی، ۶۳۴۔

طلاق سے فسخ ہو سکتا ہے جو کہ شوہر کا ایک خود مختارانہ عمل ہے؛ بلکہ شوہر اور زوجہ کی باہم رضامندی سے بھی اس کی تنسیخ عمل میں آسکتی ہے۔ جو تنسیخ باہمی رضامندی سے ہوتی ہے، وہ خلع یا مبارات کی شکل میں ہوتی ہے۔

(۲) طلاق بالخلع ایسی طلاق ہے جو زوجہ کی مرضی، اور خود اس کی خواہش سے دی جاتی ہے، اور جس میں وہ عقدِ نکاح سے آزاد کئے جانے کے معاوضے میں شوہر کو کوئی بدل دیتی یا دینے کا وعدہ کرتی ہے۔ ایسی صورت میں معاملے کے شرائط وہی ہوتے ہیں جو زوجہ اور زوج میں باہم قرار پا جائیں؛ ممکن ہے کہ زوجہ معاوضے میں مہر یا اپنے دوسرے حقوق سے دست بردار ہو جائے، یا شوہر کو نفع پہنچانے کا کوئی دوسرا انتظام کرے[1]۔ زوجہ کے معاوضہ نہ ادا کرسکنے کی وجہ سے جو طلاق ہو چکی ہے وہ ناجائز نہیں ہو جاتی[2] شوہر اس کے متعلق زوجہ پر دعویٰ کر سکتا ہے۔

طلاق بالخلع اس طرح عمل میں آتی ہے کہ زوجہ کی طرف سے یہ ایجاب ہوتا ہے کہ اگر زوج اسے اپنے ازدواجی حقوق سے آزاد کر دے تو وہ اس کا معاوضہ دے گی اور زوج اس ایجاب کو قبول کر لیتا ہے۔ ایجاب کے قبول کر لینے کا اثر ایک طلاق بائن کا ہوتا ہے [دفعہ ۲۳۰ (۳) ۲۳۱] اور یہ اثر خلع نامہ کی تکمیل تک ملتوی نہیں رہتا[3]۔

(۳) طلاق مبارات بھی خلع کی طرح بتراضی طرفین فسخ نکاح ہے، مگر ان دونوں کی علت میں فرق ہے۔ جب زوجہ ناراض ہو کر جدائی چاہتی ہے، تو اسے خلع کہتے ہیں۔ اور جب زوج اور زوجہ دونوں باہمی تعلقات سے ناراض ہو کر افتراق کے خواہشمند ہوتے ہیں، وہ مبارات کے نام سے موسوم

---

[1] منشی بذل الرحیم بنام لطف النساء ۱۸۶۱ء ۸ مورس انڈین اپیلز ۳۷۹، ۳۹۵؛ سدن بنام فیض بخش ۱۹۲۰ء لاہور ۴۰۲، ۵۵ انڈین کیسز ۱۸۴۔

[2] ۱۸۶۱ء ۸ مورس انڈین اپیلز ۳۷۹، ۳۹۷ — ۳۹۸، گزشتہ۔

[3] ۱۸۶۱ء ۸ مورس انڈین اپیلز ۳۷۹، ۳۹۶، ۳۹۷ — ۳۹۸، گزشتہ۔

کیا جاتا ہے۔ طلاق مبارات میں ایجاب زوج یا زوجہ دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے ہو سکتا ہے، اور اس کے قبول ہوجانے کے ساتھ ہی (نکاح کی) کامل تنسیخ ہوجاتی ہے، اور اس کا خلع کی طرح طلاق بائن کا اثر ہوتا ہے۔

(۴) طلاق کی طرح خلع اور مبارات میں بھی زوجہ پر عدت کی پابندی لازم ہوتی ہے، جیسا کہ دفعہ ۱۹۹ سابق میں بیان ہوچکا ہے[1]۔

ہدایہ، ۱۱۲ — ۱۱۶؛ بیلی، ۳۰۵ — ۳۰۸۔ "خلع کے معنی اتار دینے کے ہیں، ایک شخص کے متعلق کہا جاتا ہے خلع لباسہ یعنی اس نے اپنا لباس اتار دیا۔ شرع میں زوج کا اپنے اس حق اور اختیار سے جو اسے زوجہ پر حاصل ہے معاوضہ لے کر الگ ہوجانا ہے"؛ بیلی، ۳۰۶؛ ہدایہ، ۱۱۲۔ مبارات کے معنی ایک دوسرے سے بری ہونے کے ہیں: بیلی، ۳۰۶؛ ہدایہ، ۱۱۶۔

دفعہ ۲۳۶ - طلاق خلع اور مبارات کا اثر — جو طلاق ذریعۂ خلع یا مبارات واقع ہوتی ہے اس کا اثر یہ ہے کہ زوجہ اپنے مہر سے دست بردار ہوجاتی ہے، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی معاہدہ نہ ہوگیا ہو۔ لیکن اس سے زوج کی اس ذمہ داری پر کہ وہ زمانۂ عدت میں اسے نفقہ دے یا اس اولاد کی پرورش کرے جو اس کے بطن سے ہو، کوئی اثر نہیں پڑتا۔

بیلی، ۳۰۶ — ۳۰۷؛ ہدایہ، ۱۱۶۔

دفعہ ۲۳۷ - اسلام سے ارتداد (یعنی ترک اسلام) — زوجین میں سے کسی ایک کے مذہب اسلام ترک کر دینے سے فوراً اور پورے طور سے عقد نکاح فسخ ہوجاتا ہے[2]۔

---

[1] سنہ ۱۸۶۱ء مورس انڈین اپیلز ۹، ۳۷۹، ۳۹۶، ۳۹۷ - ۳۹۸ گزشتہ

[2] امین بیگ بنام سامن سنہ ۱۹۱۰ء ۳۳ الہ آباد ۹۰، انڈین کیسز ۳۴۲۔

ایک مسلمان شوہر عیسائی ہو جاتا ہے۔ عدت [دفعہ ۱۹۹] کے ختم ہونے سے پہلے زوجہ دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے۔ کیا وہ حسب دفعہ ۴۹۴ تعزیرات ہند "بائیگمی" کی مجرم قرار پائے گی؟ نہیں، کیونکہ ترک مذہب سے فوراً نکاح فسخ ہو جاتا ہے[1]۔ قبول اسلام کے متعلق دیکھو دفعہ ۴۴ سابق۔

ارتداد سے حق توریث پر کوئی اثر نہیں پڑتا ——

تبدیل مذہب سے حق توریث یا دوسرے حقوق متاثر نہیں ہوتے: دیکھو ایکٹ ۲۱ بابت ۱۸۵۰ء۔

دفعہ ۲۳۸۔ آئندہ افتراق کے متعلق قرارداد —— بمبئی ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ مسلمان زوج اور زوجہ میں بحالتِ نا اتفاقی آئندہ افتراق کے متعلق جو قرارداد کی جائے وہ خلافِ مصلحت عامہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے[2]۔ دیکھو دفعات ۲۱۵ الف اور ۲۱۶ (۳)

بمبئی ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ ایکٹ معاہدۂ ہند ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۲۳ پر مبنی ہے، جس میں یہ محکوم ہے کہ جو معاہدہ مصلحت عامہ کے خلاف ہو وہ کالعدم ہے۔ لیکن اس فیصلے کی صحت مشتبہ ہے۔ اگر ایک مسلمان زوجہ بطریق جائز طلاق کے متعلق شرط کرنے کی مجاز ہے جیسا کہ دفعہ ۲۳۳ میں بیان ہوا، تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ کیوں آئندہ افتراق کے متعلق شرط نہ کر سکے، خصوصاً جب کہ افتراق معقول وجہ سے ہو۔ ایسی شرط کے متعلق یہ کہنا کہ وہ شرع اسلام کی مصلحت کے خلاف ہے نہایت مشکل ہے۔

---

[1] عبد الغنی بنام عزیز الحق ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۴۰۹، ۴، انڈین کیسز ۴۱۶۔

[2] بائی فاطمہ بنام علی محمد ۱۹۱۳ء، ۳۷ بمبئی ۲۸۰، ۱۷، انڈین کیسز ۹۴۶۔

ب — زوجہ کے مقدمہ دائر کرنے پر عدالتی تفریق

دفعہ ۲۳۹ — زوج کی نامردی — زوج کی نامردی کی بنا پر زوجہ طلاق کے لئے مقدمہ دایر کرنے کی مجاز ہے، بشرطیکہ (۱) زوج میں یہ نقص نکاح کے وقت موجود ہو اور اس وقت سے برابر قائم رہا ہو، (۲) زوجہ کو اس کا علم اس وقت نہ ہوا ہو۔ ان واقعات کے ثابت ہونے پر، مقدمے کی پیشی ایک سال کے لئے ملتوی کر دی جائے گی تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا نقص مذکور رفع ہو سکتا ہے۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد، زوجہ کی درخواست، اور اس امر کے ثابت ہونے پر کہ اس درمیان میں زوج اور زوجہ میں صحبت نہیں ہوئی، عدالت فسخ نکاح کی ڈگری صادر کرے گی[1]

ہدایہ، ۱۲۶ — ۱۲۸؛ بیلی، ۳۴۷ - ۳۴۹ -

دفعہ ۲۴۰ - لعان — (۱) زوجہ اس بنا پر کہ زوج نے اس پر زنا کا غلط الزام لگایا ہے طلاق کے لئے مقدمہ دایر کرنے کی مجاز ہے۔ اگر الزام غلط ثابت ہو تو زوجہ ڈگری پانے کی مستحق متصور ہوگی، الزام کے صحیح ثابت ہونے کی صورت میں اسے ڈگری نہ دی جائے گی[2] فاسد نکاح میں ایسی نالش دائر نہیں ہو سکتی [بیلی، ۳۳۷] -

(۲) ڈگری صادر ہونے تک افتراق نہیں ہو سکتا — محض الزام

---

[1] محمد ابراہیم بنام الطاف ۱۹۲۵ء ۴۷ الہ آباد ۲۴۳، ۸۳ انڈین کیسز ۲، ۱۹۲۵ء آل انڈیا الہ آباد ۲۴؛ الف بنام ب ۱۸۹۶ء ۲۱ بمبئی ۷۷؛ واڈ کے وٹھل بنام اوڈاکیل ۱۸۸۱ء ۳ مدراس ۳۴۷ -

[2] ظفر حسین بنام امۃ الرحمان ۱۹۱۹ء ۴۱ الہ آباد ۲۷۸؛ ۹۴ انڈین کیسز ۲۵۶؛ خدیجہ بی بنام عمر صاحب ۱۹۲۸ء ۵۲ بمبئی ۲۹۵، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۳۱، ۱۹۲۸ء آل انڈیا بمبئی ۲۸۵ -

لگانے سے عقد نکاح فسخ نہیں ہو جاتا۔ صدور ڈگری تک نکاح قایم رہتا[1] ہے۔

(۳) الزام سے دست برداری — ضمنی مباحث اور آرا سے قطع نظر کر کے جو تجویزیں اس قسم کے مقدمات میں ہوئی ہیں، ان کا نتیجہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقدمے کے شروع ہونے پر یا اس سے قبل شوہر الزام سے دست بردار ہو جائے تو زوجہ ڈگری کی مستحق نہیں رہتی[2] ہے لیکن اگر دست برداری ختم شہادت[3] یا ختم تحقیقات کے بعد کی جائے[4] تو زوجہ ڈگری کی مستحق ہوگی، مگر بمبئی ہائی کورٹ کی رائے میں برطانیہ ہند کی عدالتوں کے ضابطے میں "اس قسم کی دست برداری کی کوئی گنجایش نہیں ہے[5]۔"

بیلی، ۳۳۵ — ۳۳۹؛ ہدایہ، ۱۲۳ — ۱۲۴۔

لعان — وہ شہادت ہے جو بحلف دی جاتی ہے اور جس میں بالآخر بد دعا کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ خاص شرع اسلام کے لحاظ سے اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام

---

[1] جان بی بی بنام بیپاری ۶۵ء ۲ ویکلی رپورٹ ۹۲؛ خدیجہ بی بنام عمر صاحب ۱۹۲۸ء ۵۲ بمبئی ۲۹، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۲۱، ۲۸ء آل انڈیا بمبئی ۲۸۵۔

[2] مسماۃ فخر جہاں بنام محمد ۱۹۲۹ء ۴ لکھنؤ ۱۶۸، ۱۱۴ انڈین کیسز ۳۱۴، ۲۹ء آل انڈیا اودھ ۱۶۵۔

[3] رحیمہ بی بی بنام فضل ۱۹۲۶ء ۴۸ الٰہ آباد ۸۳۴، ۹۸ انڈین کیسز ۵۷۲، ۲۷ء آل انڈیا الٰہ آباد ۱۶۵۔

[4] احمد بنام بی بی فاطمہ ۱۹۳۱ء ۵۵ بمبئی ۱۶۰، ۱۲۸ انڈین کیسز ۹۰۹، ۳۱ء آل انڈیا بمبئی ۷۶، جس میں شوہر نے مرافعہ اولیٰ میں پہلی مرتبہ الزام سے دست برداری کی اجازت چاہی تھی۔

[5] ۱۹۳۱ء ۵۵ بمبئی ۱۶۰، ۱۶۲؛ ۱۲۸ انڈین کیسز ۹۰۹، ۳۱ء آل انڈیا بمبئی ۷۶ گزشتہ۔

لگائے تو زوجہ کی درخواست پر زوج کو حکم دیا جائے گا کہ وہ یا تو اس الزام کو واپس لے یا اس کی تصدیق حلف اور لعان سے ان الفاظ میں کرے کہ: "اگر اس نے زنا کا الزام غلط لگایا ہو تو خدا اس پر لعنت کرے"۔ اس کے بعد زوجہ سے کہا جائے گا یا تو وہ الزام کی صحت قبول کرے، یا بحلف و لعان اس سے ان الفاظ میں انکار کرے کہ:
"جو الزام میرے اوپر زوج نے لگایا ہے اگر وہ صحیح ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو"۔ اس حلف لینے پر قاضی کو لازم ہے، کہ وہ اس حلف کو صحیح باور کر کے فریقین میں افتراق کرا دے۔ یہ محض شہادت کے قواعد ہیں، اور قانون شہادت ہند ۱۸۷۲ء سے ناقابل عمل ہو گئے ہیں۔ قانون حلف ہند ایکٹ ۱۸۷۳ء کے مخصوص حلفوں کے لئے دیکھو دفعات ۸، ۹، ۱۱ قانون مذکور، اور مقدمۂ مندرجہ حاشیہ نشان [۱]۔

جس صورت میں زوجہ حدِ بلوغ کو نہ پہنچی ہو ——
جو زوجہ حدِ بلوغ کو پہنچ گئی ہو وہ دفعہ ہذا کے تحت بلا کسی ولی کے دعویٰ کر سکتی ہے، اگرچہ وہ ہندوستان کے قانون بلوغ ۱۸۷۵ء کی رو سے بالغ نہ متصور ہوتی ہو[۲]۔

زنا کے الزام لگانے کی صورت میں اعادۂ حقوق زناشوئی کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۱۶ (۴)۔

دفعہ ۲۴۱ - عدالتی طلاق کی کوئی اور بنا تسلیم نہیں کی جاتی۔ زوجہ شوہر کی زناکاری یا نفقہ دینے کی ناقابلیت [بیلی، ۴۴۳]، یا بے رحمی کی بنا پر

---

[۱] خدیجہ بی بنام عمر صاحب ۱۹۲۸ء ۲ ھ بمبئی ۲۹۵، ۱۱۰ انڈین کیسز ۱۳۱، ۱۹۲۸ء آل انڈیا بمبئی ۲۰۵۔
[۲] احمد بنام بائی فاطمہ ۱۹۳۱ء ۵۵ بمبئی ۱۶۰، ۱۲۸ انڈین کیسز ۹۰۹، ۱۹۳۱ء آل انڈیا بمبئی ۷۶۔

عدالتی طلاق کی مستحق نہیں ہو سکتی۔

"شرع اسلام کی رو سے زوجہ کو طلاق لینے کا غیر مقید حق نہیں ہے۔ خاص خاص حالات اور واقعات کی بنا پر اسے ایسا حق دیا گیا ہے[1]۔" اعادہ حقوق زناشوئی کے مقدمے میں بیرحمی کی جواب دہی کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۱۶ (۲)

دفعہ ۲۴۲۔ طلاق کے مقدمے میں بیوی پر خرچے کا عاید ہونا۔

انگلستان کے قانون کا یہ قاعدہ کہ طلاق کے مقدمے میں بیوی کے خرچے کا بادی النظر طور سے شوہر ذمہ دار ہوتا ہے، تا وقتیکہ بیوی جداگانہ کافی جائداد کی مالک نہ ہو[2]، مسلمانوں کے طلاق کے مقدمات سے متعلق نہیں ہوتا۔

انگلستان کا قاعدہ مذکور قانون عمومی کے اس اصول پر مبنی ہے جس کی رو سے شوہر اپنی زوجہ کی کل منقولہ جائداد اور غیر منقولہ جائداد کی تمام آمدنی کا مالک ہو جاتا ہے۔ شرع اسلام میں شوہر کو بربنائے ازدواج زوجہ کی جائداد پر کوئی حق نہیں ہوتا، اس لئے مسلمانوں کے طلاق کے مقدمات میں اس قاعدے سے کام لینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

ج۔ طلاق کے اثرات

دفعہ ۲۴۳۔ زوجین کے حقوق اور وجوب، طلاق کے بعد۔

بعد طلاق، خواہ وہ کسی قسم کی ہو، حسب ذیل حقوق اور وجوب پیدا ہوتے ہیں:-

---

[1] محمد ابراہیم بنام الطاف سنہ ۱۹۲۵ء، ۴۸ الہ آباد ۲۴۳، ۲۴۵، ۸۳ انڈین کیسز ۲۷، سنہ ۲۵ آل انڈیا الہ آباد ۲۴، ۲۶۔

[2] الف بنام ب، سنہ ۱۸۹۶ء، ۲۱ بمبئی ۷۷۔

(۱) دوسرا نکاح کر لینے کا حق ۔۔۔۔ اگر صحبت ہوئی ہے، تو زوجہ بعد تکمیل عدت دوسرا شوہر کرنے کی مجاز ہے، اگر صحبت نہیں ہوئی ہے، تو فوراً نکاح کر سکتی ہے۔

اگر صحبت ہوئی ہو، اور مرد بشمول مطلقہ زوجہ کے چار بیویاں رکھتا ہو، تو وہ مطلقہ بیوی کی عدت کے ختم ہو جانے کے بعد دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔

ہدایہ، ۱۲۸، ۳۲؛ بیلی، ۳۵۰ ۔ ۱۵۱، ۲۴۳ ۔ ۲۵۔

عورت ۔۔ کے متعلق دیکھو دفعہ ۱۹۹ اور نوٹس، اور عدت کے نفقے کے متعلق دفعہ ۲۱۵ ۔ اگر صحبت نہ ہوئی ہو تو طلاق کے بعد عدت کی ضرورت نہیں [دفعہ ۱۹۹]۔

(۲) مہر فوراً واجب الادا ہو جاتا ہے ۔۔۔۔ اگر صحبت ہوئی ہو، تو زوجہ فوراً کل غیر مؤدی مہر کے پانے کی مستحق ہو جاتی ہے، مہر خواہ موجل ہو یا معجل ۔ اگر صحبت نہ ہوئی ہو، اور مہر حسب معاہدہ مقرر ہو، تو وہ نصف مہر پانے کی مستحق ہو گی ۔ اگر مہر کی کوئی مقدار قرار نہ پائی ہو تو وہ صرف تین پارچہ لباس بطور ہدیہ پانے کی مستحق ہو گی ۔ [جسے شرعی اصطلاح میں متعہ کہتے ہیں؛ تین پارچہ لباس مذکورۂ بالا ۔۔۔ درع، خمار، اور ملحفہ (چادر) کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں ۔ مترجم]

ہدایہ، ۴۴ ۔ ۴۵؛ بیلی، ۹۶ ۔ ۹۷۔

(۳) باہم توریث کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں ۔۔۔۔ جب تک طلاق بائن نہ ہو جائے زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے وراثت پانے کا مستحق رہتا ہے (دفعہ ۲۳۱)۔ طلاق کے بائن ہو جانے کے ساتھ ہی باہمی توریث کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں، بجز اس صورت کے کہ شوہر نے مرض الموت [دفعہ ۱۱۴] میں طلاق دی ہو، ایسی حالت میں زوجہ کا حق توریث عدت کے ختم تک قایم رہتا ہے بشرطیکہ طلاق خود زوجہ کی استدعا پر نہ دی گئی ہو۔[1]

---

[1] دیکھو مقدمۂ سارہ بائی بنام رابعہ بائی ۱۹۰۵ء، ۳۰ بمبئی ۵۳۷، ۵۴۷ ۔ ۵۴۸۔

زیلعی، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۲؛ ہدایہ، ۹۹ — ۱۰۰۔

۱۔ حق توریث زایل ہونے کا وہی وقت ہے جو طلاق کے بائن ہونے کا ہے۔ طلاق احسن میں وہ وقت ختم عدت ہے [دفعہ ۲۳۱ (۲)]، اور طلاق حسن میں تیسری طلاق [دفعہ ۲۳۱ (۱)]۔ اور طلاق بدعی میں جب طلاق کے الفاظ زبان پر آئیں [دفعہ ۲۳۱ (۳)]۔

۲۔ جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے ظاہر ہے کہ طلاق حسن اور طلاق بدعی میں حق توریث طلاق کے بائن ہو جانے ہی زایل ہو جاتا ہے، اگرچہ شوہر یا زوجہ کی موت عدت کے ختم ہو جانے سے پہلے ہی واقع ہو۔ مگر اس میں ایک استثنا مفید زوجہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر طلاق شوہر نے مرض موت میں دی ہو، اور وہ عدت کے ختم ہونے کے قبل ہی فوت ہو جائے، تو زوجہ وراثت کی مستحق ہو گی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مرض الموت میں طلاق دینے کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ طلاق دینے والا اس ترکیب سے اپنی زوجہ کو حق وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر زوجہ ختم عدت سے پہلے مر جائے تو شوہر اس کی وراثت کا مستحق نہ ہو گا، کیونکہ "تعلقات زناشوی" کا قطع کرنے والا خود شوہر تھا نہ کہ زوجہ۔ یہ احکام طلاق احسن سے متعلق نہیں ہوتے، کیونکہ اس قسم کی طلاق میں باہمی حقوق توریث ختم عدت تک قایم رہتے ہیں خواہ طلاق حالت صحت میں دی گئی ہو یا مرض الموت میں۔

[1] سنہ ۱۹۰۵ء ۳۰ بمبئی ۵۳۷، ۵۵۶ — ۵۵۷ گزشتہ۔

۳۔ ختمِ عدت کے بعد کسی صورت میں توریث کا حق باقی نہیں رہتا۔

(۴) صحبت ناجائز ہو جاتی ہے — طلاق کے بائن ہو جانے کے بعد زوجین میں صحبت ناجائز ہو جاتی ہے۔ ایسی صحبت سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ غیر صحیح النسب ہو گی [تمثیل (الف) ضمن (۵)] اور اقرار بالنسب سے بھی صحیح النسب نہ قرار پائے گی[1] [دفعہ ۲۴۰]۔ مگر زوجین پھر باہم نکاح کر سکتے ہیں جیسا کہ ضمن (۵) آیندہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) مطلقہ زوجہ سے دوبارہ نکاح — (الف) جب زوج نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیدیں (بظاہر مولف کا مقصد یہ ہے کہ جب طلاق بائن ہو جائے خواہ ایک طلاق سے ہو یا تین طلاقوں سے۔ مترجم)، [دفعہ ۲۳۰ (۲) و دفعہ ۲۳۰ (۳) الف] تو وہ دوبارہ اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ زوجہ دوسرے مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے، اور وہ مرد بعد حقیقی صحبت کے اسے طلاق نہ دے یا اسے بیوہ چھوڑ کر نہ مر جائے۔ (اولاد کی) صحیح النسبی کے اقرار [دفعہ ۲۰۶ الف] سے (اس اولاد کی ماں سے) نکاح کے متعلق جو قیاس قایم ہوتا ہے وہ زوجہ مطلقہ سے دوبارہ نکاح کے معاملے میں کارآمد نہیں ہوتا جب تک یہ نہ ثابت کیا جائے کہ طلاق سے دوبارہ نکاح کرنے میں جو موانع پیدا ہو جاتے ہیں وہ سب رفع کر دیے گئے تھے، یعنی زوجہ کا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح ہوا تھا اور حقیقی صحبت کے بعد اسے طلاق دی گئی تھی[2] [تمثیل الف]۔ اگر مطلقہ زوجہ کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا جاتا

---

[1] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۶، ۴۵ الہ آباد ۴۶، ۵۳، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، ۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

[2] رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۲۶، ۲۸، ۴۵ الہ آباد ۴۶، ۵۳ — ۵۴، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، ۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

ثابت بھی ہو تو وہ نکاح اس وقت تک جائز نہ متصور ہوگا جب تک یہ نہ ثابت کیا جائے کہ جو موانع نکاح کرر میں تھے وہ سب رفع کر دیئے گئے تھے۔ محض فریقین کے دوبارہ نکاح کر لینے سے یہ قیاس نہ کر لیا جائے گا کہ تمام شرائط مذکورۂ بالا کی تکمیل بھی کر لی گئی تھی[1] [تمثیل ب]۔ شرائط مذکورۂ بالا کی تکمیل کے بغیر جو نکاح کیا جائے وہ فاسد ہے، باطل نہیں [بیلی، ۱۵۱]۔

(ب) دوسری تمام صورتوں میں[2] زوجین دوبارہ نکاح کر لینے کے مجاز ہیں گویا کہ عدت میں یا اس کی تکمیل کے بعد کوئی طلاق ہی نہ ہوئی تھی۔

[الف) ایک حنفی مسلمان اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں ان الفاظ میں دیتا ہے "میں تجھے طلاق دیتا ہوں، میں تجھے طلاق دیتا ہوں، میں تجھے طلاق دیتا ہوں" [دفعہ ۲۳۰ (۳) الف] اور اس کے بعد زوج اور زوجہ ساتھ ہی رہتے ہیں، اور ان سے پانچ بچے پیدا ہوتے ہیں جنھیں باپ صحیح النسب تسلیم کرتا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد یہ اولاد اس کی جائداد سے بحیثیت وارث ہونے کے حصہ چاہتی ہے۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں کیا گیا ہے کہ فریقین کا دوبارہ نکاح ہوا اگر عدالت سے یہ چاہا جاتا ہے کہ وہ صحیح النسبی کے اقرار کی بناء پر دوبارہ نکاح ہونے کا قیاس قایم کرے۔ اس میں شک نہیں کہ صحیح النسبی کے اقرار سے نکاح کا قیاس قایم ہوتا ہے، مگر یہ اسی صورت میں ہوتا ہے

---

[1] اختر النساء بنام شرینیت اللہ (۱۸۶۷ء) ۷ ویکلی رپورٹ ۲۶۸۔

[2] اس ضمن میں مولف صاحب سے بظاہر کسی قدر لغزش ہو گئی ہے "دوسری تمام صورتوں" سے مراد یہی ہو سکتی ہے کہ جن صورتوں میں تین طلاقیں نہ واقع ہوئی ہوں یا طلاق بائن نہ ہو گئی ہو۔ جب طلاق بائن نہ ہوئی ہو تو تجدید نکاح کی ضرورت ہی نہیں واقع ہوتی، اس لئے یہ کہنا کہ زوجین دوبارہ نکاح کے مجاز ہیں، بیکار ہے۔ مترجم۔

جب کہ نکاح میں کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ صورت زیر بحث میں طلاق کی وجہ سے ایک شرعی مانع موجود ہے اور وہ صرف اسی طرح رفع ہو سکتا ہے کہ مدعی یہ ثابت کریں کہ طلاق کے بعد ان کی ماں کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہوا، اور وہ شخص حقیقی صحبت کرنے کے بعد اسے بیوہ چھوڑ کر مر گیا یا اس نے طلاق دے دی۔ جب تک یہ امور نہ ثابت کئے جائیں نہ دوبارہ نکاح کا قیاس قایم ہو سکتا ہے، اور نہ اولاد صحیح النسب سمجھی جا سکتی ہے، اور نہ ان کا دعویٰ تسلیم کیا جا سکتا ہے: رشید احمد بنام انیسہ خاتون سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۴۵ الہ آباد ۴۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، سنہ ۳۲ آل انڈیا پرایوی کونسل ۲۵۔

(ب) ایک حنفی مسلمان اپنی بیوی کو تین طہر میں تین طلاقیں دیتا ہے [دفعہ ۲۳۰ (۲)]۔ اس کے بعد وہ پھر اس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے۔ یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ اس کی بیوی کا درمیان میں کوئی نکاح ہوا تھا۔ مگر عدالت سے دوبارہ نکاح ہونے کی بنا پر درمیانی نکاح کے متعلق قیاس قایم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے۔ محض دوبارہ نکاح کر لینے سے ایسا قیاس قایم نہیں ہو سکتا۔ یہ نکاح فاسد ہے۔ فاسد نکاح کے نتائج کے متعلق دیکھو ۲۰۶ گزشتہ]۔

زیلی، ۲۹۲ — ۲۹۳؛ ہدایہ، ۱۰۷ — ۱۰۸ — جس عورت کو تین طلاقیں دے دی گئی ہوں اس کے ساتھ شرائط مذکورہ بالا کی تکمیل کے بغیر دوبارہ نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مانع نکاح دوسرے شوہر کی صحبت اور عدت کے گزر جانے سے رفع ہو جاتا ہے: بیلی، ۱۵۱۔ حقیقی صحبت کے لئے دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۱۹۹ ”خلوت صحیحہ“۔

نسب ۔ صحیح النسبی اور اقرار (بالنسب)

الف۔ قیامِ نسب

دفعہ ۴۴۲ ۔ پدری اور مادری نسب ــــ نسب وہ تعلق ہے جو اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ ہوتا ہے ۔ پدری نسب وہ قانونی تعلق ہے جو اولاد کو اپنے باپ کے ساتھ ہوتا ہے، اور مادری نسب اس قانونی تعلق کا نام ہے جو اولاد کو اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے ۔ ان قانونی تعلقات سے وراثت، ولایت اور نفقات کے متعلق بعض حقوق اور وجوب پیدا ہوتے ہیں۔

دفعہ ۲۴۴ الف ۔ مادری نسب کس طرح قائم ہوتا ہے ۔

اولاد کا مادری نسب اس عورت سے قائم ہوتا ہے جس کے بطن سے وہ پیدا ہوئی ہے، بلا لحاظ اس کے کہ اس کی ماں کے تعلقات اس کے باپ کے ساتھ جایز تھے یا ناجایز ۔

بیلی، ۳۹۱ ۔

مادری نسب میں اولاد کا ذریعۂ نکاح یا زنا سے پیدا ہونا ناقابل لحاظ ہے ۔ اولاد کا مادری نسب ہر صورت میں اس عورت سے قایم ہوتا ہے جس کے بطن سے وہ فی الحقیقت پیدا ہوئی ہے ۔ لیکن پدری نسب اس وقت تک نہیں قائم ہوتا جب تک کہ اولاد نکاح سے نہ پیدا ہوئی ہو ۔ اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو، اور اس سے کوئی اولاد پیدا ہو، تو صرف اپنی ماں کی اولاد متصور ہوگی اور اس سے یا اس کے رشتہ داروں سے وراثت پانے کی مستحق قرار پائے گی (دفعہ ۲۰۷) ۔ زانی اس اولاد کا باپ نہ سمجھا جائے گا، کیونکہ پدری نسب صرف نکاح سے قایم ہوتا ہے، اور نہ ازروئے قانون وہ اس شخص کی اولاد قرار دی جائے گی، بلکہ حرامی متصور ہوگی اور شخص مذکور کی وراثت نہ پا سکے گی ۔

دفعہ ۲۴۴ ب ۔ پدری نسب کس طرح قائم ہوتا ہے ۔

(۱) پدری نسب صرف اولاد کے والدین میں جایز نکاح سے قائم ہوتا ہے ۔ یہ نکاح صحیح یا فاسد ہوسکتا ہے لیکن باطل نہ ہونا چاہئے ۔ نکاح صریح اور بلاواسطہ شہادت سے ثابت کیا جاسکتا ہے، اگر بلاواسطہ شہادت موجود نہ ہو، تو غیر صریح اور استنباطی شہادت، یعنی اس قیاس سے جو خاص واقعات پر قایم کیا جائے، ثابت ہوسکتا ہے ۔ (مرد اور عورت کے) ایک زمانۂ دراز تک ساتھ رہنے سے بشمول دوسرے واقعات کے [دفعہ ۲۰۶ الف]،

یا اولاد کی صحیح النسبی کے اقرار سے، نکاح کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۲) جب اولاد کا نسب ثابت ہو جاتا ہے، تو اس کی صحیح النسبی بھی مسلم ہو جاتی ہے۔

بیلی، ۳۹۱، ۳۹۲، ۴۰۰ — ۴۰۲؛ شاماچرن سرکار کے ٹاگور لا لیکچر بابت ۱۸۷۳ء دفعہ ۳۱۵۔

مقدمہ حبیب الرحمان بنام الطاف علی[1] میں پرایوی کونسل کی تجویز کے مندرجہ ذیل فقرے سے بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسب اور اس کی صحت کا تمام تر دار و مدار نکاح پر ہے اور یہی حال اقرار بالنسب کا ہے۔ "شرع اسلام کی رو سے صحیح النسب بیٹا ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک مرد اور اس کی بیوی یا اس کی لونڈی سے پیدا ہوا ہو، اس کے سوائے جو اولاد ہو گی وہ حرامی اور غیر صحیح النسب قرار پائے گی۔ لفظ "بیوی" سے خود بخود نکاح مستنبط ہوتا ہے، مگر نکاح بغیر ادائے مراسم کے بھی ہو سکتا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ نکاح کی مقدمے میں مابہ النزاع ہو اور اس کا صریح اور بلا واسطہ ثبوت مل سکتا ہو۔ لیکن اگر ایسا ثبوت موجود نہ ہو تو اس کا غیر صریح اور استنباطی ثبوت بھی کافی ہو جاتا ہے۔ غیر صریح اور استنباطی ثبوت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ (باپ) بیٹے کی صحیح النسبی کا اقرار کرے۔"

دفعہ ۲۴۵ - صحیح النسبی کے متعلق کب قیاس قطعی ہو گا — یہ واقعہ کہ کوئی شخص اپنی ماں کے کسی مرد کے حبالۂ نکاح میں رہنے کی حالت میں،

---

[1] ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰؛ ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۸۶۰؛ ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷؛ ۱۹۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

یا اس نکاح کے انفساخ سے ۲۸۰ یوم کے اندر پیدا ہوا، اور اس اثنا میں اس کی ماں بے زوج رہی، قطعی ثبوت اس امر کا ہوگا کہ وہ (مولود) اس مرد کا صحیح النسب فرزند ہے، بجز اس صورت کے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ زوجین کو کسی وقت بھی ایک دوسرے سے ملنے کا ایسا موقع نہ تھا کہ اس کا حمل قرار پا سکتا۔

یہ قانون شہادت ایکٹ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۱۱۲ ہے۔ یہ امر کہ آیا اس دفعہ سے شرع اسلام کا جو قاعدہ صحیح النسبی کا ہے وہ منسوخ ہو جاتا ہے یا نہیں، الہ آباد کے ایک مقدمے میں[1] غیر منفصل رہا۔ اس کے بعد الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ طے کیا کہ اس دفعہ سے شرع اسلام کا قاعدہ منسوخ ہو جاتا ہے، اور دفعہ ہذا مسلمانوں سے بھی متعلق ہے[2]۔ لاہور میں بھی یہی رائے قائم کی گئی ہے[3]۔ اودھ کی چیف کورٹ نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ اگر دفعہ ۱۱۲ مسلمانوں سے متعلق بھی کی جائے، تو وہ نکاح فاسد سے متعلق نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس قسم کا نکاح دفعہ مذکور کے مفہوم کے لحاظ سے "جائز" نہیں کہا جا سکتا۔ عدالت مذکور کی رائے میں "جائز" کے معنی بغیر کسی نقص کے ہیں[4]۔ اودھ کے مقدمے میں نکاح بیوی کی بہن کے ساتھ ہونے سے

---

[1] محمد الہ داد بنام محمد اسمٰعیل ۱۸۸۸ء۔ ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۳۹۔

[2] سبط محمد بنام محمد ۱۹۲۶ء۔ ۴۸ الہ آباد ۶۲۵، ۹۶ انڈین کیسز ۵۸۲، ۱۹۲۶ء آل انڈیا الہ آباد ۵۸۹۔

[3] مسماۃ رحیم بی بی بنام چراغ دین ۱۹۳۰ء آل انڈیا لاہور ۹۷، ۱۲۰ انڈین کیسز ۵۹۴؛ غلام محی الدین بنام خضر ۱۹۲۹ء۔ ۱۰ لاہور ۷۴۰، ۱۱۴ انڈین کیسز ۲۷۴، ۱۹۲۹ء آل انڈیا لاہور ۶۔

[4] مسماۃ کنیز بنام حسن ۱۹۲۶ء۔ ۱ لکھنؤ ۱۷۷، ۹۲ انڈین کیسز ۸۲، ۱۹۲۶ء آل انڈیا اودھ ۲۳۱۔

فاسد تھا [دفعہ ۲۰۴]

شرع اسلام کے مطابق صحیح النسبی کا قیاس۔ اس بارے میں شرع اسلام کے قواعد حسب ذیل ہیں [بیلی ۳۹۲-۳۹۳، ۳۹۶-۳۹۷]:-

۱۔ جو بچہ نکاح کی تاریخ سے چھ مہینے سے کم مدت میں پیدا ہو، وہ صحیح النسب نہیں ہے۔

۲۔ جو بچہ نکاح کی تاریخ سے چھ مہینے کے بعد پیدا ہو وہ صحیح النسب قیاس کیا جائے گا، بجز اس صورت کے کہ ظاہری باپ اس کی ولدیت سے ذریعہ "لعان" (دفعہ ۲۴۰) انکار کرے۔[1]

۳۔ جو بچہ فسخ نکاح سے دو سال کے اندر پیدا ہو وہ صحیح النسب قیاس کیا جائے گا، بجز اس کے اس کی ولدیت سے ذریعہ "لعان" (دفعہ ۲۴۰) انکار کیا جائے۔ یہ حنفیوں کا قاعدہ ہے۔ شافعی اور مالکی قانون میں یہ مدت چار سال ہے اور شیعوں کے قانون میں صرف دس مہینے۔

قانون شہادت اور شرع اسلام کے اختلافات:-

(۱) قاعدہ ۱ کے مقابلے میں — قانون شہادت کی دفعہ ۱۱۲ کی رو سے جو بچہ نکاح کے ایک دن بعد بھی پیدا ہو وہ صحیح النسب ہے، بجز اس صورت کے کہ والدین کو کسی وقت بھی باہم یکجائی کا ایسا موقع نہ ملا ہو کہ اس کا حمل رہ سکتا۔

(۲) جو بچہ نکاح کی تاریخ سے چھ مہینے کے بعد، مگر تاریخ فسخ نکاح سے ۲۸۰ دن کے اندر پیدا ہوا ہو، وہ قانون شہادت اور شرع اسلام دونوں کے لحاظ سے صحیح النسب ہے، بجز اس کے لعان

---

[1] جو بچہ ٹھیک چھ ماہ میں پیدا ہو۔ اس کے متعلق کیا تصور کیا جائے گا؟ مترجم

کیا جائے یا عدم یکجائی ثابت ہو۔

(۳) جو بچہ فسخ نکاح کی تاریخ سے ۲۸۰ یوم اور دو سال کی مدت کے اندر پیدا ہو، وہ حنفیوں کے نزدیک بحالتِ عدم لعان صحیح النسب ہے۔ مگر قانون شہادت کے لحاظ سے اس سے دفعہ ۱۱۴ متعلق ہوگی، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ "عدالت ایسے واقعے کا وجود قیاس کر سکتی ہے جس کا وقوع میں آنا عدالت کی دانست میں محتمل ہو، مگر اس میں وقوع واقعات کے فطری طریقے کا لحاظ کیا جانا چاہیئے۔"

کلکتے کے مقدمے[1] میں جو قانون شہادت کے اجرا سے قبل کا ہے، عدالت نے ایک ایسے بچے کے متعلق جو طلاق کی تاریخ سے ۱۹ مہینے کے بعد پیدا ہوا تھا شرع اسلام کے قاعدے کے اس جز کی تعمیل سے اس بنا پر انکار کیا کہ ایسے بچے کو صحیح النسب قرار دینا "فطری طریقے کے خلاف اور محالات سے ہے۔"

دفعہ ۲۴۶ - قیاسی نکاح سے صحیح النسبی کا قیاس

بچے کی صحیح النسبی کا قیاس ان حالات سے کیا جا سکتا ہے جن سے اس کے والدین میں نکاح کا ہونا قیاس کیا جاتا ہے (دفعہ ۲۰۶ الف)۔

مقدمہ محمد باقر بنام شرف النساء[2] میں پریوی کونسل نے لکھا کہ "مسلمان ماں باپ کے بچے کی صحیح النسبی بطریق معقول صرف حالات سے قیاس یا مستنبط کی جا سکتی ہے بلا اس کے کہ اس کے والدین کے نکاح یا خود اسے باضابطہ

---

[1] اشرف علی بنام اسد علی ۱۸۷۱ء ۱۶ ویکلی رپورٹ ۲۶۰۔
[2] ۱۹۵۶ء مدراس انڈین اپیلز ۱۳۶، ۱۵۹۔

صحیح النسب قرار دئے جانے کا کسی قسم کا ثبوت یا کم از کم صریح
ثبوت پیش کیا جائے۔" اسی مقصد کے لئے دیکھو امیر علی
کی کتاب، اشاعت پنجم، جلد دوم، صفحہ ۲۱۲۔

ب۔ اقرار بالنسب

دفعہ ۲۴۶۔ اقرار صحیح النسبی ۔۔۔۔۔ (۱) "جب کسی بچے کا نسب، یعنی اس کا بطریق جائز اپنے باپ کے صلب سے پیدا ہونا، اس کے حمل میں رہنے یا پیدا ہونے کے وقت اس کے والدین کے ازدواج کے ثبوت سے ثابت نہ ہو سکتا ہو، تو شرع اسلام میں ایک طریقہ اقرار بالنسب کا تسلیم کیا گیا ہے جس سے باغراض وراثت اصلی قانون کے قاعدے کی طرح اس کے والدین کا نکاح اور خود اس کا صحیح النسب ہونا ثابت ہو سکتا ہے"۔

"شرع اسلام کے اقرار بالنسب اور اس کے صحیح النسبی کے اثرات کو ان صورتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے جن میں بچے کا غیر صحیح النسب ہونا ثابت اور مبین کر دیا جائے۔ خواہ یہ ثابت کر کے کہ بچے کے والدین میں بطریق جائز مجامعت ناممکن تھی، (مثلاً وہ مجامعت محرمات کے ساتھ تھی یا محض زناکاری تھی) خواہ یہ ثابت کر کے کہ جو نکاح بچے کو صحیح النسب ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا وہ پیش ہو کر نامنظور کر دیا گیا۔ یہ اصول (اصول اقرار بالنسب) صرف انھیں صورتوں سے متعلق ہوتا ہے جن میں خود واقعۂ نکاح یا بچے کی صحیح النسبی کے لحاظ سے نکاح کا ٹھیک وقت، بلحاظ اس قانونی فرق کے "جو پیش ہو کر نامنظور شدہ" (Disproved) اور غیر ثابت کردہ" (Not proved) میں کیا جاتا ہے، ثابت نہ کیا گیا ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں، کہ اس اصول سے صرف ان صورتوں میں کام لیا جاتا ہے جن میں صحیح النسبی کی نسبت اشتباہ ہوتا ہے، اور انھیں صورتوں میں اقرار موثر ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ اثر ہمیشہ اسی قیاس پر مبنی رہتا ہے کہ جس بچے کے نسب کے متعلق اقرار

کیا گیا ہے، اس کے والدین میں جو تعلقات تھے وہ جائز تھے[1]۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ اصول انھیں صورتوں میں کارآمد ثابت ہوتا ہے جہاں بلینہ نکاح یا اس کی ٹھیک تاریخ کے متعلق شبہ ہوتا ہے، یعنی نہ وہ ثابت شدہ ہوتی ہے اور نہ پیش ہو کر نامنظور شدہ ہے[2]۔ اسی کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کہ یہ اصول "صحیح النسبی کی غیر یقینی صورتوں تک محدود ہے اور ہمیشہ صحیح النسبی کے قیاس اور بربنائے اقرار اس صحیح النسبی کو تسلیم کر لینے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے[3]"۔

(۲) جس بچہ کے نسب کا اقرار کیا جائے، وہ لڑکا یا لڑکی دونوں ہو سکتے ہیں[4]۔

بیلی، ۴۰۰؛ ہدایہ، ۴۳۹۔ اصول اقرار بالنسب محض قاعدۂ شہادت

[1] محمد اللہ داد بنام محمد اسمٰعیل ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۳۰، ۳۳۴ — ۳۳۵؛ مسماۃ فضیلت النسا بنام مسماۃ قمر النسا ۱۹۰۵ء ۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۳۵۲؛ حبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۵۹ [نکاح رد کر دیا گیا]؛ صادق حسین بنام ہاشم علی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ احسان بنام پنا لال ۱۹۲۸ء پٹنہ ۶، ۱۰۳ انڈین کیسز ۳۴۴، ۱۹۲۸ آل انڈیا پٹنہ ۱۹؛ محمد شفیق اللہ بنام نوح اللہ ۱۹۲۶ء ۴۰ الہ آباد ۸۰۵، ۸۸ انڈین کیسز ۹۵۴، ۲۶ آل انڈیا الہ آباد ۸۴۰؛ آغا محمد بنام زہرہ بیگم ۱۹۲۸ء ۳ لکھنؤ ۱۹۹، ۱۰۵ انڈین کیسز ۹۰۴، ۲۸ آل انڈیا اودھ ۲۵۵؛ فیروز دین بنام نواب خاں ۱۹۲۸ء ۹ لاہور ۲۲۴، ۹۰ انڈین کیسز ۹۷۷، ۲۸ آل انڈیا لاہور ۲۲۴ [نکاح رد کر دیا گیا]؛ ابراہیم بنام مبارک ۱۹۲۰ء ۱ لاہور ۲۲۹، ۵۶ انڈین کیسز ۹۲۳؛ عثمان میاں بنام ولی محمد ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۲۸، ۳۰ انڈین کیسز ۹۰۴۔

[2] محمد اللہ داد بنام محمد اسمٰعیل ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۴۳۔

[3] ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۳۴ گزشتہ۔

[4] دیکھو رمضان بی بی بنام لالن بی بی ۱۹۱۰ء ۳۷ کلکتہ ۱۰۸۔

نہیں ہے، بلکہ اصلی قانون وراثت کا ایک جز ہے۔ اس لئے جن حالتوں میں اسے موثر ہونا چاہئے ان کا تعین اسلامی اصول فقہ سے کیا جانا لازم ہے[۱]۔

اس مضمون پر مشہور ومعروف مقدمہ محمد الہ داد بنام محمد اسمٰعیل ۱۸۸۸ء الہ آباد ۲۸۹ ہے، جس کی پیروی ہندوستان کی تمام عدالتوں میں کی گئی ہے اور جسے پرایوی کونسل نے بھی پسند کیا ہے۔ اس دفعہ میں جو فقرے نقل کئے گئے ہیں وہ جسٹس محمود کی تجویز سے لئے گئے ہیں۔ صادق حسین بنام ہاشم علی[۲] میں پرایوی کونسل نے اس قاعدے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "ایک شخص کا یہ بیان کہ دوسرا شخص جو غیر صحیح النسب ثابت ہو چکا ہے اس کا بیٹا ہے، اس دوسرے شخص کو صحیح النسب نہیں بنا سکتا، لیکن جس صورت میں (غیر صحیح النبی کا) کوئی ثبوت نہ پیش کیا گیا ہو، اس صورت میں ایسا بیان یا اقرار اس امر کی صریح شہادت ہے کہ جس شخص کی نسبت اقرار کیا جاتا ہے وہ اقرار کرنے والے کا صحیح النسب فرزند ہے، بشرطیکہ اس کی صحیح النبی حد امکان کے اندر ہو" (دفعہ ۲۵۰)

دفعہ ۲۴۸ - اقرار صریح یا معنوی، دونوں طرح کا ہو سکتا ہے ـــــ اقرار بالنسب کا صریح ہونا لازم نہیں ہے۔ اس کا قیاس اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص عادۃً اور علانیہ طور سے

---

[۱] ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۰، گزشتہ۔
[۲] ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۳۴، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۶۱، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴۔

دوسرے شخص کے ساتھ مثل اپنی اولاد اور صحیح النسب اولاد کے برتاؤ کرتا رہا ہے[1]۔

مقدمہ محمد عظمت بنام لالی بیگم[2] میں جناب پرایوی کونسل نے لکھا کہ "متعدد مقدمات میں یہ طے ہو چکا ہے کہ اقرار بالنسب کا صریح ہونا ضرور نہیں ہے، ایک مسلمان کا اپنی اولاد کے نسب کا اقرار اس کے علانیہ فرزندانہ برتاؤ سے مستنبط کیا جاسکتا ہے"۔

دفعہ ۲۴۹ - صحیح اقرار بالنسب کے شرائط — اقرار بالنسب کے صحیح اور موثر ہونے کے لئے مفصلۂ ذیل شرائط کا پورا ہونا لازم ہے:-

(۱) "اقرار نہ صرف فرزندی کا ہونا چاہئے، بلکہ اس طرح کیا جانا چاہئے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اقرار کا مقصد مقر لہ کو نہ صرف فرزند بلکہ صحیح النسب فرزند تسلیم کرنا مقصود تھا"[3] [دیکھو نوٹ ۲ جو آگے آتا ہے]۔

---

[1] محمد عظمت بنام لالی بیگم ۱۸۸۱ء ۹ انڈین اپیلز ۸، ۱۸، ۸ کلکتہ ۴۲۲؛ خواجہ ہدایت بنام رائے جان خانم ۱۸۴۴ء ۳ مورس انڈین اپیلز ۲۹۵، ۳۲۳ [مسلسل برتاؤ]؛ محمد باقر بنام شرف النساء ۱۸۶۰ء ۸ مورس انڈین اپیلز ۱۳۶، ۱۵۸—۱۵۹؛ اشرف الدولہ بنام حیدر حسین خان ۱۸۶۶ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۹۴، ۱۱۶؛ صادق حسین بنام محمد یوسف ۱۸۸۳ء ۱۰ کلکتہ ۶۶۳، ۱۱ انڈین اپیلز ۳۱؛ عبد الرزاق بنام آغا محمد جعفر ۱۸۹۳ء ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶؛ مسیت النسا بنام ٹھانی ۱۹۰۴ء ۲۶ الہ آباد ۲۹۵؛ مسماۃ بی بی فیض النساء بنام مسماۃ بی بی قمر النسا ۱۹۰۵ء ۹ کلکتہ ویکلی نوٹس ۳۵۲۔

[2] ۱۸۸۱ء ۹ انڈین اپیلز ۸، ۱۸، ۸ کلکتہ ۴۲۲۔

[3] حبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۳۷۸، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹؛ عبد الرزاق بنام آغا محمد جعفر ۱۸۹۳ء ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶؛ صادق حسین بنام محمد یوسف ۱۸۸۳ء ۱۰ کلکتہ ۶۶۳، ۱۱ انڈین اپیلز ۳۱۔

(۲) فریقین کی عمر ایسی ہونی چاہئیے کہ مقر، مقر لہ کا باپ ہو سکتا ہو[1] [دیکھو نوٹ ۳ جو ذیل میں ہے]؛

(۳) مقر لہ زنا، یعنی محرمات کے ساتھ زنا، یا ناجایز مجامعت کی اولاد نہ ہو[2]:
اگر اس کی ماں ایسے وقت میں کہ اس کا حمل رہ سکتا تھا دوسرے شخص کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے مقر کی کسی طرح جایز زوجہ نہ ہو سکتی تھی[3] یا مقر کے محرمات میں داخل تھی تو ایسی صورتوں میں اس کا ولد الحرام ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح اگر نکاح ناجایز قرار پاچکا ہے تو اس کی اولاد بھی ولد الحرام قرار پائے گی[4] [دیکھو آئندہ نوٹ ۴]؛

---

[1] حبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰ — ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۵۹۔

[2] حبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۵۹؛ صادق حسین بنام ہاشم علی ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۳۸ الہ آباد ۶۲۷، ۶۶۱، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴؛ رشید احمد بنام انیسہ خاتون ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۷۶۲، ۳۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵؛ محمد الہ داد بنام محمد اسمٰعیل ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۳۴ — ۳۳۷؛ مردان صاحب بنام رزاق صاحب ۱۹۰۹ء ۳۴ بمبئی ۱۱۱، ۴ انڈین کیسز ۲۵۴۔

[3] لیاقت علی بنام کریم النساء ۱۸۹۳ء ۱۵ الہ آباد ۳۹۶؛ مردان صاحب بنام رزاق صاحب ۱۹۰۹ء ۳۴ بمبئی ۱۱۱، ۴ انڈین کیسز ۲۵۴؛ آغا محمد بنام زہرہ بیگم ۱۹۲۸ء ۳ لکھنؤ ۱۹۹، ۱۰۵ انڈین کیسز ۹۰۴، ۲۸ آل انڈیا اودھ ۵۶۲؛ محمد شفیق اللہ بنام نوح اللہ ۱۹۲۶ء ۴۸ الہ آباد ۸۵۰، ۸۸ انڈین کیسز ۹۵۴، ۲۶ آل انڈیا الہ آباد ۴۸۰۔

[4] حبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۵۹۔

[5] دھان بی بی بنام لال بی بی ۱۹۰۰ء ۲۷ کلکتہ ۱۰۸؛ فیروزدین بنام نواب خاں ۱۹۲۸ء ۹ لاہور ۲۲۴، ۱۰۹ انڈین کیسز ۷۷۹، ۲۸ آل انڈیا لاہور ۴۳۲؛ حبیب الرحمان بنام

(۴) مقرلہ کسی دوسرے شخص کی مشہور اور معروف اولاد نہ ہو۔[1]
(۵) اقرار کی مقرلہ نے تردید نہ کی ہو[2] [دیکھو نوٹ ۵ ذیل میں]۔
شرائط مذکورۂ بالا لڑکے اور لڑکی دونوں سے متعلق ہوتی ہیں [دیکھو دفعہ ۲۴۷ (۲)]۔

ہدایہ، ۴۲۹؛ بیلی، ۴۰۸۔ شرائط مذکورۂ بالا کا خلاصہ پرایوی کونسل کے مقدمہ حبیب الرحمان بنام الطاف علی میں پایا جائے گا۔[3]

۱۔ اقرار اور اس کا بار ثبوت ـــــ چونکہ مسلمانوں میں بغیر کسی قسم کے مراسم کے نکاح منعقد ہو سکتا ہے، اس لئے بلا واسطہ نکاح کا ثبوت ہر حالت میں دستیاب ہونا مشکل ہے۔ جہاں بلا واسطہ ثبوت نہیں مل سکتا ہو وہاں بواسطہ یا قرائنی ثبوت کافی متصور ہوتا ہے۔ بواسطہ یا قرائنی ثبوت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اولاد کی صحیح النسبی کا اقرار کیا جائے۔ یہ اقرار نہ صرف فرزندی بلکہ صحیح النسب فرزندی کا ہونا چاہئے۔ مزید براں جیسا کہ دفعہ میں بیان کیا گیا ہے اقرار مذکور بادی النظر ی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۲۱؛ ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[1] عثمان میاں بنام ولی محمد ۱۹۱۶ء ۴۰ بمبئی ۲۸، ۳۰ انڈین کیسز ۹۰۴۔

[2] حبیب الرحمان بنام الطاف علی ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۱؛ ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

[3] ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰ ـــ ۱۲۱؛ ۴۸ کلکتہ ۸۵۶؛ ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، ۱۹۲۲ء آل انڈیا پرایوی کونسل ۱۵۹۔

طور سے از قسم محالات نہ ہو، جب شرائط مذکورۂ دفعۂ ہذا کی تکمیل ہو جاتی ہے، تو اقرار کی وقعت محض شہادتی بیان سے بالاتر ہو کر نکاح کا قیاس قائم کرتی ہے۔ اس قیاس سے زوجہ اور بیٹا دونوں بحیثیت مدعی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ چونکہ یہ واقعاتی قیاس ہے نہ کہ قطعی قیاس اس لئے دوسرے واقعاتی قیاسوں کی طرح اس کے خلاف ثابت کرنے سے اس کی تردید ہو سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جس دعویدار بیٹے کی تائید میں صحیح النسبی کا باضابطہ اقرار موجود ہو (اس کی ماں کا) نکاح ثابت شدہ اور اس کی صحیح النسبی مسلم متصور ہو گی، تاوقتیکہ اس نکاح کی تردید نہ کی جائے۔ جب تک کہ مدعی اقرار بالنسب نہ ثابت کرے نکاح کا بار ثبوت اسی کے ذمے رہتا ہے۔ اقرار بالنسب ثابت ہو جانے کے بعد بار ثبوت اس شخص کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو نکاح کا منکر ہوتا ہے[1]۔

۲۔ ضمن (۱) صحیح النسب قرار دینے کا ارادہ —
اقرار بالنسب نہ صرف فرزندی بلکہ صحیح النسب فرزندی کا ہونا چاہئے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ صرف فرزندی کے اقرار کی کوئی شہادتی وقعت نہیں ہے۔ اقرار فرزندی کے بادی النظری معنی صحیح النسب فرزندی کے اقرار کے ہیں[2]۔

---

[1] حبیب الرحمان بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۰-۱۲۱، ۶۰ انڈین کیسز ۸۳۷، سنہ ۲۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۱۵۹۔

[2] فضلن بی بی بنام عمدہ بی بی سنہ ۱۸۶۸ء ۱۰ ویکلی رپورٹ ۴۶۹ ، جس کا حوالہ پسندیدگی کے ساتھ مقدمۂ صادق حسین بنام ہاشم علی سنہ ۱۹۱۶ء ۴۳ انڈین اپیلز ۲۱۲، ۲۳۴ میں دیا گیا ہے۔

فرزندی کا ایسا سرسری اقرار جس سے صحیح النسبی قایم کرنے کی نیت نہ ہو، صحیح النسبی نہ قائم کر سکے گا۔ صحیح النسبی کے قایم کرنے کے لئے نیت کا ہونا لازم ہے[1]۔

۳۔ ضمن (۲): عمر — مقر کو مقرلہ سے کم از کم ساڑھے بارہ سال بڑا ہونا چاہیئے: بیلی، ۴۱۱۔

۴۔ ضمن (۳): ولد الزنا — جو اولاد زنا یا محرمات کے ساتھ یا ناجائز مجامعت سے پیدا ہوئی ہو وہ اقرار بالنسب سے صحیح النسب نہیں قرار پا سکتی۔ جو نکاح عدالتی طور سے رد شدہ ہو اس کی اولاد ولد الحرام ہو گی، اور اسی طرح اس دوبارہ نکاح کی اولاد جس میں زوجہ کو تین بائن طلاقیں دی جا چکی ہوں، اور درمیانی نکاح نہ ثابت کیا گیا ہو حرامی قرار پائے گی، اس وجہ سے کہ ایسا نکاح (یعنی بغیر درمیانی نکاح کے ثبوت کے) باطل ہے[2]۔

مدت دراز تک ساتھ رہنے سے نکاح کا قیاس نہ کیا جائے گا اگر وہ عورت جواب زوجیت کی دعویدار ہے مرد کے گھر لائے جانے سے پہلے طوائف تھی[3] لیکن اگر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: ۲۸، الہ آباد ۶۲، ۹۵۶، ۳۶ انڈین کیسز ۱۰۴، عثمان میاں بنام ولی محمد سنہ ۱۹۱۶ء، ۴۰ بمبئی ۲۰، ۳۳، ۳۰ انڈین کیسز ۹۰۴۔

[1] عبد الرزاق بنام آغا محمد جعفر سنہ ۱۸۹۳ء ۲۱ انڈین اپیلز ۵۶، ۲۱ کلکتہ ۶۶۶، ۶۶۷۔

[2] رشید احمد بنام انیسہ خاتون سنہ ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۱، ۵۴ الہ آباد ۴۶، ۱۳۵ انڈین کیسز ۶۲، سنہ ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۲۵۔

[3] غضنفر بنام کنیز فاطمہ سنہ ۱۹۱۰ء ۳۷ انڈین اپیلز ۱۰۵، ۳۲ الہ آباد ۳۴۵، ۶ انڈین کیسز ۶۲۴۔

مرد اس اولاد کو جو اس عورت کے بطن سے پیدا ہوئی
ذریعۂ اقرار صحیح النسب قرار دیتا ہے تو نکاح کا قیاس کیا جائے گا،
کیونکہ طوائف کے ساتھ نکاح ممنوع نہیں ہے، ممکن ہے
کہ اس اولاد کی پیدائش کے وقت وہ اس مرد کی جایز
بیوی ہو[1]۔ لیکن اگر یہ صحیح طور سے ثابت کر دیا جائے کہ
اولاد کی پیدائش کے وقت مرد اور عورت میں کوئی عقد
نکاح نہ تھا، یا یوں کہو کہ نکاح کو عدالت نے رد کر دیا تھا،
تو وہ اولاد ولد الحرام سمجھی جائے گی، اور کسی طرح
اقرار بالنسب سے جایز اولاد نہ قرار پائے گی، جیسا کہ مقدمات
مندرجہ فٹ نوٹ[2] صفحہ ۴۵۵ میں طے ہوا ہے۔

۵۔ ضمن (ھ) : تردید ـــــ اگر مقر لہ اس عمر کو
پہنچ گیا ہو کہ معاملے کی نوعیت کو سمجھ سکتا ہو، تو اسے اختیار
ہے کہ وہ اقرار بالنسب کو رد کر دے یعنی اسے نہ قبول
کرے۔

دفعہ ۲۵۰۔ حقِ وراثت ـــــ اگر اقرار صحیح النسب فرزندی
کا ہے، اور وہ رشتہ واقعاتی اور قانونی [دفعہ ۲۴۹]، دونوں طرح
ممکنات سے ہے، تو اس سے مقر اور مقر لہ کی ماں میں نکاح کا قیاس قائم
کیا جائے گا۔ اور بہ استثنائے اس صورت کے کہ اس کی تردید کی جائے،
مقر لہ کو بحیثیت مقر کی صحیح النسب اولاد کے[2] اور مقر لہ کی ماں کو بحیثیت مقر کی

---

[1] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۱ - ۸۲، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۹ — ۸۹۰، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[2] حبیب الرحمان بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۸۶۰، ۶۴ انڈین کیسز ۳۴۷، سنہ ۱۹۲۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۵۹؛ محمد عظمت بنام لالی بیگم سنہ ۱۸۸۱ء ۸ انڈین اپیلز ۱۲۶، ۸ کلکتہ ۴۲۲؛ صداقت حسین بنام محمد یوسف سنہ ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۶۶۳، ۱۱ انڈین اپیلز ۳۱۔

جائز زوجہ[1] کے حق وراثت پیدا ہو جائے گا۔

اس امر کی صریح اور صاف شہادت ہے کہ ایک مسلمان نے اپنی اولاد کی صحیح النسبی کا اقرار کیا ہے اس میں اور اولاد کی ماں میں جائز نکاح کا قیاس قائم ہو جاتا ہے[2]۔

دفعہ ۲۵۱ — اقرار بالنسب ناقابل رجوع ہے —

جو اقرار بالنسب ایک مرتبہ کر لیا جائے وہ پھر منسوخ نہیں کیا جا سکتا[3]۔

دفعہ ۲۵۲ تبنیت ناقابل تسلیم ہے — شرع اسلام میں تبنیت کے ذریعے سے بیٹا بنانا جائز نہیں ہے[4]۔

جن مقامات میں واضعان قانون نے رواج کو عام شریعت اسلام پر ترجیح دی ہے، جیسے پنجاب اور اودھ وغیرہ

---

[1] خواجہ ہدایت بنام رائے جان خانم سنہ ۱۸۴۴ء ۳ مورس انڈین اپیلز ۲۹۵، ۳۱۸؛ وصی بنام صندل النساء سنہ ۱۸۶۷ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۸، ۱۷، ۱۹۳؛ نواب ملکۂ جہاں بنام محمد سنہ ۱۸۷۳ء ایس یو پی، جلد انڈین اپیلز ۱۹۲؛ کھجور النساء بنام روشن جہاں سنہ ۱۸۷۶ء ۲ کلکتہ ۱۸۴، ۱۹۹، ۳ انڈین اپیلز ۲۹۱؛ ہماطالع بنام حلیم الزماں سنہ ۱۸۸۱ء ۱۰ کلکتہ لا رپورٹ ۲۹۳؛ امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۲، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۹۰۸، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ حبیب الرحمان بنام الطاف علی سنہ ۱۹۲۱ء ۴۸ انڈین اپیلز ۱۱۴، ۱۲۱، ۴۸ کلکتہ ۸۵۶، ۸۶۰، ۶۳ انڈین کیسز ۸۳، سنہ ۲۲ء آل انڈیا پراِیوی کونسل ۱۵۹۔

[2] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۱ — ۸۲، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۸۹، ۹۰۸، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[3] اشرف الدولہ بنام حیدر حسین سنہ ۱۸۶۶ء ۱۱ مورس انڈین اپیلز ۹۴؛ محمد اللہ داد بنام محمد اسمٰعیل سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۱۷۔

[4] محمد اللہ داد بنام محمد اسمٰعیل سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰ الہ آباد ۲۸۹، ۳۴۰؛ محمد عمر بنام محمد نیاز الدین سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ کلکتہ ۴۱۸، ۳۹ انڈین اپیلز ۱۹، ۱۳ انڈین کیسز ۴۳۳۔

میں [دیکھو دفعات ۱۰، ۱۰ الف، ۱۱، و ۱۲ گزشتہ] وہاں مخصوص خاندانی یا قومی رواج تبنیت کو اگر وہ ثابت کیا جائے، شریعت اسلام پر ترجیح دی جائے گی۔ اودھ کے ایکٹ تعلقداران ۱۸۶۹ء کی دفعہ ۲۹ کی رو سے ایک مسلمان تعلقہ دار تبنیت کا مجاز ہے[1]۔ جن ہندوؤں نے مسلمان ہو کر اپنے ہندوانی طریقے وراثت اور جانشینی کے قائم رکھے ہیں، ان کی نسبت یہ نہ سمجھا جائے گا کہ انھوں نے دوسرے رواجوں کے ساتھ ہندوؤں کا طریقۂ تبنیت بھی قائم رکھا ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ تبنیت کا رواج بھی قائم رکھا گیا ہے، اس کا ثابت کرنا اسی کے ذمے ہوگا[2]۔

[1] دیکھو عبد الحلیم خاں بنام سعادت علی خاں ۱۹۳۲ء ۵۹ انڈین اپیلز ۲۰۲، ۷ لکھنؤ ۱۹۴، ۱۳۶ انڈین کیسز ۴۵، ۱۹۳۲ء آل انڈیا پریوی کونسل ۱۳۷۔

[2] دیکھو بائی چھا بائی بنام بائی ہیرا بائی ۱۹۱۱ء ۳۵ بمبئی ۲۶۴، ۱۰ انڈین کیسز ۸۱۶۔

فصل ہنیر دہم

ولایت ذات و جائداد

الف۔ تقرر اولیا

دفعہ ۲۵۳ **عمر بلوغ** ــــ اس فصل میں "نابالغ" سے مراد وہ شخص ہے جس نے اٹھارہ سال کی عمر پوری نہ کی ہو۔

دیکھو بلوغ کے ایکٹ ہندستان ۹ بابتہ ۱۸۷۵ء کی دفعہ ۳ اور ایکٹ گارڈین اور وارڈ ہندستان ۸ بابتہ ۱۸۹۰ء کی دفعہ ۴ ضمن (۱)۔

شرع اسلام میں نابالغی کی عمر ــــ شرع اسلام کی رو سے نابالغی اس وقت ختم ہو جاتی ہے جبکہ مرد یا عورت جو کوئی ہو فی الحقیقت بالغ ہو جاتا ہے۔ حنفیوں اور شیعوں میں پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جانے پر بلوغ کا قیاس قایم ہوتا ہے۔ ہند کے ایکٹ بلوغ کی دفعہ ۳ کے لحاظ سے اٹھارہ سال کی تکمیل پر نابالغی ختم ہو جاتی ہے، باستثنا اس صورت کے کہ نابالغ کے اٹھارہ سال پورے کرنے سے قبل

اس کی ذات یا جائداد یا دونوں کا کوئی ولی مقرر کیا گیا ہو، یا
کیا جانے والا ہو یا نابالغ کی جائداد کورٹ آف وارڈز کی نگرانی میں
ہو ۔ ان حالات میں نابالغی کی مدت طویل تر ہو جاتی ہے
اور نابالغ کے اکیس سال پورے کرنے پر ختم ہوتی ہے ۔

شرع اسلام کے مطابق ہر شخص جو سن بلوغ کو پہنچ گیا ہو
اپنی ذات اور جائداد کے تمام معاملات میں (حسب صوابدید خود)
کارروائی کرنے کا مجاز ہو جاتا ہے ۔ لیکن ہندوستان
کے ایکٹ بلوغ نے اس میں بڑا تغیر پیدا کر دیا ہے ۔ اب ایک
مسلمان پندرہ سال کی عمر پر پہنچنے کے بعد صرف (۱) نکاح
(۲) مہر اور (۳) طلاق کے معاملات میں کارروائی کر سکتا
ہے، بقیہ معاملات میں اس کی نابالغی اٹھارہ سال کی
تکمیل تک قایم رہتی ہے ۔ اس زمانے تک ازروئے
"قانون گارڈین و وارڈ" عدالت اس کی ذات یا
جائداد یا دونوں کا کسی شخص کو ولی مقرر کرنے کی مجاز ہے۔
دیکھو نوٹس زیر دفعہ ۱۰ گزشتہ ۔

دفعہ ۳۵۳ الف ۔ ولی کے تقرر کی درخواست

نابالغ کی ذات یا جائداد یا دونوں کے لئے ولی مقرر کئے جانے کی درخواست "ایکٹ گارڈین و وارڈ ۱۸۹۰ء" کے تحت پیش ہونی چاہئے ۔

ہر شخص جو شرع اسلام کی رو سے نابالغ کا ولی ہو سکتا
ہے، وہ بحیثیت ولی کام کرنے کا مجاز ہے بلا اس کے کہ اس نے
کوئی اجازت قبل از قبل عدالت سے حاصل کی ہو ۔
اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے کہ وہ "گارڈین اور
وارڈ ایکٹ" کے تحت عدالت میں درخواست دے کہ
وہ ایکٹ مذکور کے لحاظ سے ولی مقرر یا قرار دیا جائے ۔
اس پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنا کام اس وقت تک

ملتوی رکھے جب تک کہ اس کے ولی ہونے کا قانونی استحقاق یا اس خدمت کی انجام دہی کی قابلیت، کسی شخص کے اعتراض کی بنا پر، تنازع فیہ رہے۔ ولی قرار دئے جانے کی درخواست نہ صرف وہ شخص پیش کر سکتا ہے جو ولی مقرر ہونا چاہتا یا اس کا دعویدار ہے، بلکہ نابالغ کا ہر رشتہ دار یا رفیق اور بعض صورتوں میں کلکٹر ضلع (دفعہ ۸ ایکٹ مذکور) بھی اسے پیش کرنے کا مجاز ہے۔ یہ درخواست اس شکل میں ہونی چاہئیے جو ایکٹ مذکور کی دفعہ ۱۰ میں بتائی گئی ہے۔ اس درخواست پر اس وقت تک کوئی حکم نہ صادر ہوگا جب تک کہ درخواست ہذا کی اطلاع ان لوگوں کو نہ دی جائے گی جو کہ نابالغ سے تعلق یا غرض رکھتے ہیں (دفعہ ۱۱ ایکٹ مذکور)۔

دفعہ ۲۵۴ - عدالت کو ولایت کے متعلق حکم دینے کا اختیار -

جب عدالت کو اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ نابالغ کے فائدے کے لئے (۱) نابالغ کی ذات یا جائداد یا دونوں کے لئے ولی مقرر کرنا، یا (۲) کسی شخص کو ولی قرار دینا ضرور ہے، تو وہ حسبہ حکم دے سکتی ہے۔

ایکٹ گارڈین اور وارڈز ۱۸۹۰ء کی دفعہ ۷۔

دفعہ ۲۵۵ - وہ امور جن پر ولی مقرر کرتے وقت عدالت غور کرے گی -

(۱) کسی نابالغ کا ولی مقرر کرتے یا قرار دیتے وقت عدالت دفعہ ہذا کے احکام کی پابندی کے ساتھ اس طریقے پر عمل ہوگی جو بلحاظ حالات نابالغ مذکور کی صلاح و فلاح کے لئے مفید متصور ہو، اور اس قانون کے مطابق ہو جس کا نابالغ تابع ہے۔

(۲) اس امر پر غور کرتے وقت کہ نابالغ کی صلاح و فلاح کس میں ہے، عدالت نابالغ کی عمر، جنس، مذہب اور مجوزہ ولی کے چال چلن اور قابلیت، اور نابالغ سے اس کی قرابت، اور والدین متوفی کی خواہشات (اگر کچھ ہوں)

اور ان تعلقات پر جو ولی مجوزہ کو نابالغ کی ذات یا جائداد سے اس وقت ہیں یا کسی وقت رہے ہوں، لحاظ کرے گی۔

(۳) اگر نابالغ اس سن کو پہنچ چکا ہے کہ وہ معقول ترجیح دے سکتا ہے تو عدالت اس کی ترجیح پر بھی غور کر سکے گی۔

نابالغ کی صلاح و فلاح ـــــ دفعۂ بالا ایکٹ گارڈین اور وارڈز کی دفعہ ۷، ضمن (۱)، (۲)، (۳) کی لفظاً نقل ہے۔ اس سے عدالت پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ ایسا ولی مقرر کرے جو اس قانون کے مطابق ہو جس کا تابع نابالغ ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں، کہ اصل خیال نابالغ کی صلاح و بہبود کا ہے، اگر وہ قاعدے جن سے نابالغ کی فلاح اور بہبود کا تعین کیا جاتا ہے وہی قاعدے ہیں جو اس قانون میں درج ہیں جس کا نابالغ تابع ہے۔ اس لیے ایک مسلمان نابالغ کا ولی مقرر کرتے وقت عدالت کو یہ مان لینا چاہیے کہ ولی مقرر کرنے کے جو قاعدے شرع اسلام میں بتائے گئے وہی نابالغ کی فلاح اور بہبود کے ہیں۔ عدالت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان قواعد کی جگہ اپنی اس رائے کے مطابق عمل کرے جو اس کے نزدیک نابالغ کے لئے مفید معلوم ہو۔ جو تقرر ان قواعد کے خلاف کیا جائے گا وہ حسب دفعۂ ہذا برقرار نہیں رہ سکے گا۔

اب ہم ان قواعد کو بیان کرتے ہیں۔

ب۔ نابالغ کی ذات کے اولیا

(۱) سات سال سے کم عمر کے لڑکوں اور تاحد بلوغ لڑکیوں کی حضانت۔

دفعہ ۲۵۶۔ کم عمر بچوں کی حضانت کا حق ماں کو ہے ـــ ماں کو سات سال

کی تکمیل تک اپنے بیٹے کی، اور بالغ ہونے تک اپنی بیٹی کی حضانت کا حق حاصل ہے۔ اگر بچوں کا باپ ان کی ماں کو طلاق بھی دیدے، تب بھی ماں کا یہ حق قائم رہتا ہے[1]، البتہ دوسرا شوہر کر لینے کی حالت میں وہ حق باپ کو حاصل ہو جاتا ہے[2]۔

ہدایہ، ۱۳۸؛ بیلی، ۱۳۵۔

حق حضانت کی نوعیت اور اس کی حد ــــ مقدمۂ امام باندی بنام منتصدی[3] میں حجان پرایوی کونسل نے لکھا کہ "یہ امر بالکل صاف ہے کہ شرع اسلام کی رو سے ماں کو اپنے نابالغ بچوں کی، بلحاظ جنس کے ایک خاص مدت تک صرف حضانت ذات کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مگر وہ فطری ولی نہیں ہے؛ قانونی ولی صرف باپ اور اگر وہ مرگیا ہو تو (حسب قانون حنفی) اس کا مہتمم ترکہ ہوتا ہے"۔

فقرۂ مندرجۂ بالا سے ظاہر ہوگا کہ باپ ہی اپنے نابالغ بچوں کا اصلی اور فطری ولی ہے، اور جو حق حضانت ماں اور دوسری رشتہ دار عورتوں (مندرجۂ دفعہ ۲۵۰ آئندہ) کو حاصل ہے، اس پر باپ کو بحیثیت ولی ہونے کے

---

[1] بیلی، ۴۳۵؛ زہرہ بی بی بنام عبدالرزاق سنہ ۱۹۱۰ء ۱۲ بمبئی لا رپورٹ ۸۹۱، ۸ انڈین کیسز ۶۱۸؛ سرکار بنام عائشہ بائی سنہ ۱۹۰۴ء ۶ بمبئی لا رپورٹ ۵۳۶۔

[2] الفت بی بی بنام بقاتی سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۳۷۷، ۱۰۲ انڈین کیسز ۱۰۳، سنہ ۲۷ آل انڈیا الہ آباد ۵۸۱۔

[3] سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۳ ــــ ۸۴، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ الفت بی بی بنام بقاتی سنہ ۱۹۲۷ء ۴۹ الہ آباد ۳۷۷، ۱۰۲ انڈین کیسز ۱۰۳، سنہ ۲۷ آل انڈیا الہ آباد ۵۸۱؛ مسماۃ صدیق النسا بنام نظام الدین سنہ ۱۹۳۲ء ۵۴ الہ آباد ۱۲۸، ۱۳۷ انڈین کیسز ۲۱۹، سنہ ۳۲ آل انڈیا الہ آباد ۲۱۵۔

نگرانی کا حق ہے۔ اگر فی الحقیقت ایسا ہے تو حق حضانت میں وہ تمام حقوق شامل نہیں ہیں جو گارڈین اور وارڈز ایکٹ ۱۸۹۰ء سے نابالغ کی ذات کے ولی کو حاصل ہوتے ہیں۔ دیکھو نوٹ زیر دفعہ ۲۶۰ "بعنوان باپ بحیثیت اپنے نابالغ بچوں کے ولی کے"۔

شیعوں کا قانون ــــ شیعوں کے قانون کی رو سے ماں کو اپنے لڑکوں کے متعلق دو سال، اور لڑکیوں کے متعلق سات سال کی تکمیل تک حق حضانت حاصل رہتا ہے۔ جب بچے مذکورۂ بالا عمروں کو پہنچ جاتے ہیں تو ان کی حفاظت باپ سے متعلق ہو جاتی ہے[1]۔ اگر بچوں کے ان عمروں تک پہنچنے سے پہلے ماں کا انتقال ہو جائے، تو باپ کو حق حفاظت حاصل ہو جائے گا[2]۔ ماں اور باپ دونوں کے انتقال کی صورت میں حق حفاظت دادا کو پہنچتا ہے۔ یہ امر صاف نہیں معلوم ہوتا کہ دادا کے نہ ہونے کی صورت میں وہ حق کون استعمال کرے گا:

بیلی، جلد دوم، ۹۵۔

دفعہ ۲۵۷۔ ماں کے نہ ہونے کی صورت میں رشتہ دار عورتوں کا حق (حضانت) ــــ ماں کے نہ ہونے کی صورت میں سات سال سے کم عمر لڑکوں اور نابالغ لڑکیوں کی حضانت مفصلہ ذیل رشتہ دار عورتوں کی سے بہ ترتیب مندرجۂ دفعہ ہذا متعلق رہے گی:-

(۱) ماں کی ماں بسلسلۂ صعودی؛

(۲) باپ کی ماں "

---

[1] لافؔ بی بنام محمد ۱۸۸۱ء ۱۲ کلکتہ ۶۱۵۔

[2] سلیم النساء بنام سعادت ۱۹۱۴ء ۳۶ الہ آباد ۹۹۲؛ ۲۴ انڈین کیسز ۶۳۲۔

(۳) حقیقی بہن ؛
(۴) اخیافی بہن ؛
(۵) [علاتی بہن] ؛
(۶) حقیقی بہن کی بیٹی ؛
(۷) اخیافی بہن کی بیٹی ؛
(۸) علاتی بہن کی بیٹی ؛
(۹) خالہ (بہنوں کی ترتیب میں) ؛
(۱۰) پھپھی (" ") ؛

ہدایہ ۱۳۸؛ بیلی ۴۳۵ — ۴۳۶ - علاتی بہن نشان (۵) اور اس کی بیٹی نشان (۸) کا صراحت کے ساتھ نہ ہدایہ میں ذکر ہے اور نہ فتاویٰ عالمگیری میں؛ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فروگزاشت اتفاقی ہے کیونکہ پھپھی کا نام بصراحت لیا گیا ہے۔

دفعہ ۲۵۸ - عورتیں کب ناقابل حضانت ہوجاتی ہیں — ماں اور ہر عورت کا جو بچوں کی حضانت کی مستحق ہوسکتی ہے، مفصلۂ ذیل حالتوں میں حق حضانت زائل ہوجاتا ہے :-

(۱) اگر وہ ایسے شخص سے نکاح کرلیتی ہے جو بچے کے محرموں [دفعات ۲۰۱ — ۲۰۲] میں داخل نہیں ہے، یعنی اجنبی ہے۔ لیکن اگر یہ نکاح موت یا طلاق سے فسخ ہوجائے تو حق حضانت عود کرآئے گا[1] ؛ یا

(۲) بحالت قیام نکاح وہ (بچوں کے) باپ کے مقام سکونت سے دور جاکر رہتی ہے ؛ یا

(۳) بداخلاقی کی زندگی بسر کرتی ہے مثلاً طوائف ہے[2] ؛ یا

[1] نصیحن بنام کابو ۱۸۸۴ء ۱۰ کلکتہ ۱۵ ؛ پوچا بنام الہی بخش ۱۸۸۴ء ۱۱ کلکتہ ۵۷۴، انصار احمد بنام سمیع الدین ۱۹۲۸ء آل انڈیا اودھ ۲۲۰، ۱۰۹ انڈین کیسز ۸۲۲ -

[2] عباسی بنام ڈنی ۱۸۷۸ء ۱ الہ آباد ۵۹۸ -

(۴) بچوں کی حفاظت اور نگرانی بطریق معقول کرنے میں غفلت کرنی ہے۔

ہدایہ، ۱۳۸ - ۱۳۹؛ بیلی، ۴۳۵ — ۴۳۶-
ضمن (۱) کے قاعدے کی وجہ یہ ہے کہ اگر عورت کسی ایسے شخص سے نکاح کرلے جو بچوں کا قریب رشتہ دار نہ ہو، تو ممکن ہے کہ بچوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ کیا جائے اگر ماں بچوں کے چچا، یا بچوں کی نانی، بچوں کے دادا کے ساتھ نکاح کرلے، تو یہ صورت دوسری ہے، کیونکہ یہ لوگ بمنزلہ بچوں کے باپ کے ہیں، اور ان سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے:
ہدایہ، ۱۳۸-
ارتداد - فتاویٰ عالمگیری میں ارتداد بھی بنیاد نا قابلیت قرار دیا گیا ہے - وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جو عورت اسلام سے مرتد ہو جاتی ہے وہ قید میں رکھی جاتی ہے جب تک کہ وہ پھر اسلام نہ قبول کرے: بیلی، ۴۳۵-
لیکن اب اس سے ہندوستان میں کام نہیں لیا جاسکتا اور ارتداد وجہ نا قابلیت نہیں قرار پاسکتا: بیلی، ۴۳۵ فٹ نوٹ (۳) - نیز دیکھو ایکٹ نشان ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء، اور نوٹ متعلقہ بدفعہ ۲۰۰ گزشتہ۔

دفعہ ۲۵۹ - عورتوں کے نہ ہونے کی صورت میں مردوں کا حق (حفاظت) — اگر ماں اور وہ رشتہ دار عورتیں جن کا ذکر دفعہ ۲۵۷ میں کیا گیا ہے موجود نہ ہوں، تو حق حفاظت بہ ترتیب مندرجہ دفعۂ ہذا مفصلۂ ذیل اشخاص کو حاصل ہوگا:-

(۱) باپ؛
(۲) قریب تر دادا؛

(۳) حقیقی بھائی ؛
(۴) علاتی بھائی ؛
(۵) حقیقی بھائی کا بیٹا ؛
(۶) علاتی بھائی کا بیٹا ؛
(۷) حقیقی چچا ؛
(۸) علاتی چچا ؛
(۹) حقیقی چچا کا بیٹا ؛
(۱۰) علاتی چچا کا بیٹا ؛

لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کوئی مرد کسی بے بیاہی لڑکی کی حفاظت کا مستحق نہ ہوگا جب تک کہ وہ اس لڑکی کے محرموں سے نہ ہو [دفعات ۲۰۱ - ۲۰۲]۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص بھی موجود نہ ہو، تو عدالت نابالغوں کی ذات کا ولی کسی دوسرے شخص کو مقرر کر دے گی۔

ہدایہ، ۱۳۸ - ۱۳۹؛ بیلی، ۴۳۷۔

دفعہ ہذا میں جو شرط بیان کی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک لڑکا چچا زاد بھائی کی حفاظت میں دیا جاسکتا ہے، مگر لڑکی اس کی حفاظت میں نہیں دی جاسکتی، کیونکہ وہ لڑکی کے محرموں میں نہیں ہے : بیلی، ۴۳۷۔

شوہر بطور ولی کے ۔ ایکٹ گارڈین و وارڈز کی دفعہ [۱۹ ضمن (۱)] کی تحت عدالت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو نابالغ کی ذات کا ولی مقرر کرے جب کہ نابالغ منکوحہ لڑکی ہو، اور عدالت کی رائے میں اس کا شوہر ایسا ولی مقرر کئے جانے کے قابل ہو۔ اور اگر شرع اسلام کا یہ قاعدہ ہو کہ شوہر اپنی زوجہ کی ولایت کا تا وقتیکہ زوجہ بالغ نہ ہو جائے مستحق نہیں ہوتا، تو اس مفروضہ قاعدے کی بنا پر یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ شرع اسلام کے لحاظ سے شوہر

ولایت کے ناقابل ہے۔ اگر فی الحقیقت ایسا ہے تو عدالت
گارڈین اور وارڈز ایکٹ دفعہ ۱۹ کے تحت یہ رائے قائم
کر سکتی ہے، کہ دفعہ مذکور کے مفہوم میں ایک مسلمان شوہر
اپنی زوجہ کی ذات کا (تاوقتیکہ زوجہ سن بلوغ کو نہ پہنچے)
ولی قرار دئے جانے کے ناقابل ہے، اور اس طرح
بلا خلاف ورزی احکام دفعہ مذکور عدالت زوجہ کی ماں کو
اس کا ولی اس وقت تک کے لئے مقرر کر سکتی ہے کہ زوجہ
سن بلوغ کو پہنچ جائے۔

دفعہ ۲۵۹ الف۔ نابالغ زوجہ کی حضانت — جس لڑکی کا نکاح ہو گیا ہو مگر بالغ نہ ہوئی ہو، اس کی حضانت کی بمقابلہ شوہر کے لڑکی کی ماں مستحق ہے[۱]۔

دیکھو ایکٹ گارڈین اور وارڈز ۱۸۹۰ء دفعہ ۱۹۔

(۲) سات سال سے زیادہ عمر کے لڑکوں اور بالغ لڑکیوں کی حضانت

دفعہ ۲۶۰۔ سات سال سے زیادہ عمر کے لڑکوں اور بالغ لڑکیوں کی حضانت کا حق باپ اور باپ کے رشتہ داروں کو — جس لڑکے کی عمر سات سال سے زیادہ ہو گئی ہو[۲] اور جو غیر منکوحہ لڑکی حد بلوغ کو پہنچ گئی ہو، اس کی حضانت کا حق باپ کو ہے، اگر باپ نہ ہو، تو حق حضانت ان پدری

---

[۱] نور قادر بنام زلیخا بی بی ۱۸۸۵ء ۱۱ کلکتہ ۶۴۹؛ قربان بنام سرکار ۱۹۰۴ء ۳۲ کلکتہ ۴۴۴۔

[۲] عیدو بنام امیرن ۱۸۸۶ء ۸ الہ آباد ۳۲۲۔

رشتہ داروں کو اسی ترتیب اور اسی شرط کے ساتھ پہنچتا ہے جو دفعہ ۲۵۹ بالا میں بتائی گئی ہے۔

ان لوگوں میں سے کوئی شخص موجود نہ ہو تو عدالت کسی دوسرے شخص کو نابالغ کا ولی مقرر کرنے کی مجاز ہے۔

ہدایہ، ۱۲۹؛ بیلی، ۴۳۸۔

باپ بحیثیت اپنے نابالغ بچوں کے ولی کے ــــ گارڈین اور وارڈز ایکٹ کی دفعہ [۱۹(۲)] کی رو سے عدالت مجاز نہیں ہے کہ ایسے نابالغ کی ذات کا کسی شخص کو ولی مقرر کرے جس کا باپ زندہ ہو اور جو اس کی رائے میں نابالغ کے ولی ہونے کے ناقابل نہ ہو[1]۔ شرع اسلام کی رو سے باپ اپنے ایسے بیٹے کا جس کی عمر سات سال سے زیادہ ہو گئی ہو اور نابالغ بیٹی کا ولی مقرر کئے جانے کا مستحق ہے، لیکن شرع اسلام میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں ہے کہ اس کام کے ناقابل ہونے کے باوجود بھی وہ ولی مقرر کئے جانے کا مستحق ہے، اس لئے اگر عدالت کی رائے میں باپ اس کام کے ناقابل ہے، تو وہ نابالغ کی ذات کے لئے اس کی ماں یا کسی دوسرے شخص کو ولی مقرر کر سکتی ہے۔ باپ کی ناقابلیت کی حالت میں عدالت اس امر پر مجبور نہیں ہے کہ وہ اس کے بعد کے مستحق شخص مثلاً دادا کو نابالغ کی ذات کا ولی مقرر کرے، کیونکہ باپ کی موجودگی میں دادا کو کوئی قانونی حق نہیں ہوتا۔ ایسی صورتوں میں سب سے زیادہ جو امر

[1] بیسنٹ بنام نارائینہ ۱۹۱۴ء انڈین اپیلز ۳۱۴، ۳۲۴، ۳۸ مدراس ۸۰۷، ۲۲، ۲۴ انڈین کیسز ۲۹۰۔

قابلِ لحاظ ہے وہ نابالغ کی فلاح اور بہبود ہے۔ باپ دوسرا نکاح کر لینے سے بچے کی ولایت کے ناقابل نہیں ہو جاتا۔[1]

وصیتی ولیٔ ذات — بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باپ اس کا مجاز ہے کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت اس شخص کے سپرد کرے جسے وہ وصیت نامہ کے ذریعے سے اپنا وصی مقرر کر جائے۔

(۳) ولد الحرام بچوں کی ولایت۔

دفعہ ۲۶۱ ۔ ولد الحرام بچوں کی ولایت — ولد الحرام بچوں کی ولایت کا حق ان کی ماں اور ماں کے رشتہ داروں کو پہنچتا ہے [میکناٹن ۲۹۸]۔

ج ۔ نابالغوں کی جائداد کے اولیا

دفعہ ۲۶۲ ۔ جائداد کے قانونی اولیاء — نابالغوں کی جائداد کے اولیا ہونے کے حسب ذیل اشخاص بہ ترتیب مندرجہ مستحق ہیں:[2]

(۱) باپ؛

(۲) مہتمم ترکہ جسے باپ نے ذریعۂ وصیت نامہ مقرر کیا ہو؛

---

[1] صدیق النساء بنام نظام الدین ۱۹۳۲ء ۵۴ الہ آباد ۱۲۸، ۱۳۷ انڈین کیسز ۲۱۹، ۱۹۳۲ء آل انڈیا الہ آباد ۲۱۵۔

[2] امام باندی بنام متصدی ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۳ — ۸۴، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۹۲ — ۸۹۳، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

(۳) دادا؛

(۴) مہتمم ترکہ جسے دادا نے ذریعہ وصیت نامہ مقرر کیا ہو؛
ایبلی، ۶۸۹؛ میکناٹن، ۳۰۴۔

ماں، بھائی، چچا وغیرہ قانونی ولی نہیں ہیں ــــ جو چار ولی اس دفعہ میں بیان ہوئے ہیں وہ آئندہ "قانونی اولیا" کے نام موسوم کئے جائیں گے۔ نابالغوں کی جائداد کے جو رشتہ دار قانونی ولی ہو سکتے ہیں وہ صرف (۱) باپ اور (۲) دادا ہیں۔ کوئی اور رشتہ دار بطور حق کے نابالغوں کی جائداد کی ولایت کا دعویدار نہیں ہو سکتا، حتیٰ کہ ماں، بھائی، اور چچا بھی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ البتہ نابالغ کا باپ یا دادا، نابالغ کی ماں، بھائی یا چچا کو بطور مہتمم ترکہ مقرر کر سکتا ہے؛ اس صورت میں وہ لوگ قانونی ولی ہو جاتے ہیں اور قانونی اولیا وہ تمام اختیارات کام میں لا سکتے ہیں جو دفعات ۲۶۴ اور ۲۶۷ الف میں بیان ہوئے ہیں۔ دیکھو نوٹ نشان متعلق بدفعہ ۲۶۵ آئندہ۔

ذریعہ وصیت نامہ نابالغ کی جائداد کے ولی مقرر کرنے کا حق صرف باپ اور دادا کو حاصل ہے۔ ماں کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ وصیت نامہ کے ذریعے سے نابالغوں کی جائداد کا کسی شخص کو ولی مقرر کرے۔ ماں یا بھائی یا چچا کا مہتمم ترکہ قانونی ولی نہیں ہو سکتا۔ باپ یا دادا کے مہتمم ترکہ کے سوائے، کوئی دوسرا مہتمم ترکہ نابالغ کی جائداد کا قانونی ولی نہیں ہو سکتا؛ میکناٹن، ۳۰۴۔ قانونی اولیا کے اختیارات کے متعلق دیکھو دفعات ۲۶۳، ۲۶۷۔

وصیتی اولیاء جائداد ــــ جس شخص کو نابالغ کا باپ یا دادا بذریعہ وصیت نامہ مہتمم ترکہ مقرر کرے وہ بحیثیت

اپنی خدمت کے نابالغ کی جائداد کا قانونی ولی ہو جاتا ہے۔
مگر کیا یہ ممکن ہے کہ نابالغ کا باپ یا دادا ایک شخص کو اپنی
جائداد کا مہتمم ترکہ اور دوسرے شخص کو نابالغ کی جائداد
کا ولی مقرر کرے؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس
کا مجاز ہے[1]: بیلی، ۶۸۲۔

دفعہ ۲۶۲ الف۔ عدالت کا مقرر کردہ ولی جائداد ـــــ اگر
قانونی اولیاء مذکورۂ دفعہ ۲۶۲ موجود نہ ہوں، تو نابالغ کی جائداد کی حفاظت
اور قیام کے لئے کسی ولی کے مقرر کرنے کا فرض عدالت کے جج پر بحیثیت شاہی
نمائندے کے عاید ہوتا ہے[2]۔

بیلی، ۶۸۹۔

عدالت سے ولی کا تقرر ـــــ اگر کوئی قانونی ولی
(دفعہ ۲۶۲) موجود نہ ہو تو عدالت نابالغ کی جائداد کا ولی کسی دوسرے
شخص کو مقرر کر سکتی ہے۔ اس تقرر میں عدالت پر لازم ہوگا
کہ بلحاظ صورت حال نابالغ کی فلاح اور بہبود کو پیش نظر
رکھے [دفعہ ۲۵۵ (۱) و (۲)]۔ اس لحاظ سے عدالت
نابالغ کی ماں کو بمقابلہ اس کے ماموں کے جائداد کا ولی
مقرر کر سکتی ہے[3]۔ ماں کا پردہ نشین ہونا اس کے تقرر
کا مانع نہیں ہو سکتا[4]۔

---

[1] ماتادین بنام احمد علی ۱۹۱۲ء ۳۹ انڈین اپیلز ۴۹، ۵۵، ۳۴ الہ آباد ۲۱۳، ۱۳ انڈین کیسز ۹۷۶۔
[2] امام باندی بنام متصدی ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۴، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۹۳، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔
[3] علیم اللہ بنام آبادی ۱۹۰۶ء ۲۹ الہ آباد ۱۰۔
[4] جیونتی بنام گجدھر ۱۹۱۱ء ۳۸ کلکتہ ۸۳، ۸۵، ۱۰ انڈین کیسز ۳۳۴۔

عدالت پر لازم نہیں کہ وہ جائداد کا ولی مقرر کرنے میں ددھیالی رشتہ داروں کو ننھیالی رشتہ داروں پر ترجیح دے۔ اگر نابالغ کی فلاح اور بہبود اس کی مقتضی ہو تو وہ ننھیالی رشتہ دار کو بھی مقرر کر سکتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں ایک مقدمے میں واقع ہوئیں جس میں نابالغ کے باپ کی پہلی بیوی کا بھائی بمقابلہ علاتی چچا کے جائداد کا ولی مقرر کیا گیا[1]۔

دفعہ ۲۶۲ ب۔ واقعی ولی ـــــ ممکن ہے کہ ایک شخص نہ قانونی ولی ہو (دفعہ ۲۶۲) اور نہ اسے عدالت نے مقرر کیا ہو (دفعہ ۲۶۲ الف)، مگر اس نے بطور خود نابالغ کی ذات اور جائداد کی حفاظت اپنے ذمے لے لی ہو۔ ایسا شخص "ولیٔ واقعی" کہلاتا ہے۔ ولیٔ واقعی نابالغ کی ذات اور جائداد کا صرف محافظ ہوتا ہے[2]۔

"واقعی ولی" (de facto guardian) کی اصطلاح بمقابلہ "ولی بالحق" (de jure guardian) کے مستعمل ہوتی ہے۔ قانونی ولی (دفعہ ۲۶۲) اور ولی مقرر کردۂ عدالت (دفعہ ۲۶۲ الف) "ولی بالحق" ہیں۔ ماں، بھائی، چچا، اور دوسرے رشتہ دار، بہ استثنائے باپ اور دادا کے "واقعی ولی" ہیں، بشرطیکہ انھیں باپ یا دادا نے ذریعۂ وصیت نامہ مہتمم ترکہ (دفعہ ۲۶۲) یا عدالت نے ولی (دفعہ ۲۶۲ الف) نہ مقرر کیا ہو۔

---

[1] محمد سعید بنام اسمٰعیل سنہ ۳۱ آل انڈیا رنگون ۶۶، ۱۳۱ انڈین کیسز ۷۹۴۔

[2] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۴، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۹۴۔ ۸۹۵، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ محمد اعجاز بنام محمد افتخار سنہ ۱۹۳۲ ۵۹ انڈین اپیلز ۹۲، ۱۰۱، ۷ لکھنو، ۱۳۶ انڈین کیسز ۹۷، سنہ ۳۲ آل انڈیا پریوی کونسل ۷۸۔

دفعہ ۲۶۳ - قانونی ولی کا جائداد غیر منقولہ کو منتقل کرنا —

نابالغ کی جائداد کا قانونی ولی [دفعہ ۲۶۲] اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو فروخت کر دے، اِلّا مفصلۂ ذیل صورتوں میں:—

(۱) جب کہ اس کی المضاعف قیمت ملتی ہو؛

(۲) جب کہ نابالغ کی کوئی اور جائداد نہ ہو اور اس کی بسر برد کے لئے فروخت کی ضرورت ہو؛

(۳) جب کہ متوفی کے ذمّے قرض ہو اور اس کی ادائی کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو؛

(۴) جب کہ وصیتی ہبہ کی رقمیں ادا کرنی ہوں، اور ان کی ادائی کی کوئی اور سبیل نہ ہو سکتی ہو؛

(۵) جب کہ جائداد کے مصارف اس کی آمدنی سے بڑھ جاتے ہوں؛

(۶) جب کہ جائداد خراب ہوی جاتی ہو؛

(۷) جب کہ جائداد غصب کر لی گئی ہو اور ولی کو یہ اندیشہ ہو کہ اب بظاہر اس کی واپسی کی کوئی معقول امید نہیں ہے[۱]۔

بیلی، ۶۸۷ — ۶۸۸؛ میگناٹن، صفحہ ۶۴، دفعہ ۱۴، صفحات ۳۰۵ - ۳۰۶۔

جب نابالغ کا حق متنازع فیہ ہو۔ جس انتقال کی ممانعت دفعہ ہذا میں کی گئی ہے وہ اس جائداد غیر منقولہ سے متعلق ہے جس کا غیر متنازعہ حق نابالغ کو حاصل ہے

---

[۱] امام باندی بنام متصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۹۱، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۴۷ انڈین کیسز ۱۳ ۵؛ حور بائی بنام ہیراجی سنہ ۱۸۹۶ء ۲۰ بمبئی ۱۱۶، ۱۲۱؛ کالی دت بنام عبد العلی سنہ ۱۸۸۸ء ۱۶ کلکتہ ۶۲۷، ۱۱۶ انڈین اپیلز ۹۶؛ تھوٹولی بنام کنا حامد سنہ ۱۹۱۰ء ۳۴ مدراس ۲۷۵، ۸ انڈین کیسز ۱۰۹۳۔

جہاں نابالغ کا حق متنازعہ فیہ ہوگا وہاں یہ ممانعت متعلق نہ ہوگی۔ ایک نابالغ کے باپ نے اس جائداد غیر منقولہ کا ایک جزو فروخت کر دیا تھا جو نابالغ کو اس کی ماں کی طرف سے ملی تھی اور جس کا حق متنازعہ فیہ تھا۔ یہ فروخت ایک باہمی سمجھوتے کی بنا پر عمل میں آئی تھی جس نے مقدمۂ متنازعہ کو ختم کر دیا تھا، اس فروخت کو عدالت نے نابالغ کے لئے قابل پابندی قرار دیا، کیونکہ یہ عمل نابالغ کی فلاح اور بہبود کے لئے تھا۔[1] ولی کو جائداد منقولہ کے علیحدہ کر دینے کے متعلق جو اختیارات ہیں ان کے لئے دیکھو دفعہ ۲۶۷ جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۲۶۴۔ عدالت کے مقرر کردہ ولی کا جائداد غیر منقولہ منتقل کرنا ــــــ جو شخص ایک گارڈین اور وارڈز ۱۸۹۰ء [دفعہ ۲۶۲ الف] کی رو سے نابالغ کی جائداد کا عدالت کی طرف سے ولی مقرر کیا جائے وہ بغیر اس کے کہ پہلے عدالت سے منظوری حاصل کرے نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کے کسی جز کو رہن یا زیر بار مواخذہ یا بذریعۂ فروخت، ہبہ، تبادلہ یا کسی دوسرے طریقے پر منتقل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اور نہ اس جائداد کے کسی جز کو پانچ سال سے زیادہ یا ایسی مدت کے لئے جو نابالغ کے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ایک سال سے زیادہ مدت تک قائم رہے اجارے پر دے سکتا ہے۔ اگر ولی کوئی جائداد غیر منقولہ ان احکام کی خلاف ورزی کر کے منتقل کر دے گا تو وہ انتقال نابالغ یا کسی دوسرے ایسے شخص کی تحریک پر جس پر اس کا اثر پڑتا ہو قابل ابطال قرار پائے گا۔[2]

افعال مذکورۂ بالا میں سے کسی فعل کی اجازت عدالت سے ولی کو

[1] کالی دت بنام عبد العلی ۱۸۸۸ء ۱۶ کلکتہ ۶۲۷، ۱۶ انڈین اپیلز ۹۶۔
[2] سلیمہ بی بی بنام حافظ محمد ۱۹۲۷ء ۵۴ کلکتہ ۶۰۷، ۱۰۴ انڈین کیسز ۸۳۳، ۱۹۲۷ء آل انڈیا کلکتہ ۶۳۶۔

نہ دی جانی چاہیئے بجز اس کے کہ اس کی ضرورت پیش آئے یا اس میں نابالغ کا صریح فائدہ ہوتا ہو [گارڈین اور وارڈز ایکٹ ۱۸۹۰ء کی دفعات ۲۹، ۳۰، ۳۱]۔

عدالت کے مقرر کردہ ولی کا کسی معاملے کو سپرد ثالثی کرنا۔
الٰہ آباد ہائی کورٹ نے ایک تجویز میں ضمنی طور سے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ عدالت کا مقرر کردہ ولی بغیر عدالت کی منظوری کے ایسی نزاعات کو جو نابالغ کے باپ کی جائداد غیر منقولہ کی تقسیم کے متعلق ہوں سپرد ثالثی کر سکتا ہے، مگر ایکٹ مذکورۂ بالا کی دفعہ ۳۳ کی رو سے بغیر عدالت کی "رائے، مشورہ یا ہدایت" کے ایسی سپردگی بے ضابطہ ہے۔ مگر تجویز میں کہیں اس کا اشارہ نہیں ہے کہ اس بے ضابطگی کا نتیجہ کیا ہوگا[1]۔

عدالت کے مقرر کردہ ولی کو جائداد منقولہ کے علیحدہ کرنے کے اختیار کے متعلق دیکھو دفعہ ۲۶۷ الف جو آگے آتی ہے۔

دفعہ ۲۶۵۔ ولیٔ واقعی کا جائداد غیر منقولہ کو منتقل کرنا — واقعی ولی [دفعہ ۲۶۲ ب] کو اختیار نہیں ہے کہ وہ نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کا کوئی حق یا حقیت منتقل کرے۔ ایسا انتقال نہ صرف قابلِ ابطال بلکہ باطل (کالعدم) ہے[2]۔

---

[1] سعید النسا بنام رقیہ بی بی ۱۹۳۱ء ۵۳ الٰہ آباد ۴۲۸؛ ۱۳۰ انڈین کیسز ۲۰۱، ۱۹۳۱ء آل انڈیا الٰہ آباد ۳۰۷۔

[2] امام باندی بنام متصدی ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ ماتادین بنام احمد علی ۱۹۱۲ء ۳۹ انڈین اپیلز ۴۹، ۳۴ الٰہ آباد ۲۱۳، ۱۳ انڈین کیسز ۹۷۶؛ خوشیا بنام فیض ۱۹۲۸ء ۹ لاہور ۳۳، ۱۰۳ انڈین کیسز ۳۶۵، ۱۹۲۸ء آل انڈیا لاہور ۱۱۵ [ماں کی منتقل کردہ جائداد کی تنسیخ کے مقدمے سے ایکٹ میعاد سماعت ۱۹۰۸ء متعلق ہوگا]؛ نیز ملاحظہ ہو مقدمۂ مولوی ابو محمد بنام امۃ الکریم ۱۸۳۴ء ۱۵ انڈین اپیلز ۲۲۰ [فروخت ماں کی طرف سے۔ مدت کا گزرنا — خاموشی]۔

۱۔ ماں، بھائی، چچا وغیرہ واقعی ولی ہیں ——— ماں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، اپنی نابالغ اولاد کی جائداد کی قانونی ولی نہیں ہے (دیکھو نوٹ متعلق بدفعہ ۲۶۲)۔ وہ صرف ولیٔ واقعی ہے، یعنی محض اس کی جائداد کی محافظ۔ وہ اس کی جائداد غیر منقولہ کو فروخت، رہن نہیں کر سکتی اور نہ کسی دوسری کارروائی کی مجاز ہے جیسا کہ ججان پریوی کونسل نے مقدمۂ امام باندی بنام متصدی[1] میں لکھا ہے، جو اس بارے میں مشہور مقدمہ ہے؛ وہ لکھتے ہیں کہ "ماں کو اپنی اولاد کی جائداد پر اس سے زیادہ کوئی حق نہیں ہے جو ایک ایسے بیرونی یا غیر رشتہ دار شخص کو ہوتا ہے جو فی الوقت بچے کا محافظ ہو جائے۔" جو فروخت یا رہن یا انتقال مال کرے، وہ باطل (کالعدم[2]) ہے۔ یہی حالت بھائی، چچا اور دوسرے رشتہ داروں کی ہے: نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کا بھائی[3]، چچا[4] یا کسی دوسرے رشتہ دار کا منتقل کر دینا بالکل باطل ہے۔ اگر منتقل الیہ کا جائداد پر قبضہ کرا دیا گیا ہے، تو جہاں تک کہ نابالغ کے حصے کا تعلق ہے، اس کا قبضہ مداخلت بیجا کنندہ کا قبضہ متصور ہو گا[5]۔

---

[1] ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۳؛ ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۹۴؛ ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[2] امام باندی بنام متصدی ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳؛ ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳؛ محمد شفیع بنام مسماۃ کلثوم بی بی ۱۹۲۳ء ۴ لاہور ۴۶۷، ۷۹ انڈین کیسز ۲۶۰، ۲۴ء انڈین اپیلز ۲۰۰۔

[3] تاج دین بنام احمد علی بحوالۂ سابق؛ فتح دین بنام گرمکھ سنگھ ۱۹۲۹ء ۱۰ لاہور ۳۰۸، ۱۲۳ انڈین کیسز ۲۲۶، ۲۹ء آل انڈیا لاہور ۸۱۰۔

[4] نظام الدین بنام آنندی ۱۸۹۶ء ۱۸ الہ آباد ۳۷۳۔

[5] امام باندی بنام متصدی ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۹۲-۹۳؛ ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۹۰۳-۹۰۴؛ ۴۷ انڈین کیسز ۹۷۶۔

دوسرا سوال قابل غور یہ ہے کہ آیا وہ بیع یا رہن جو ولئ واقعی نابالغ کے باپ یا کسی دوسرے مورث کے انفکاک رہن یا ادائے قرضہ کے لئے کرے، اس کا پابند نابالغ ہوگا یا نہیں۔ ماتا دین بنام احمد علی[1] میں، ایک مسلمان اپنی غیر منقولہ جائداد رہن کرنے کے بعد مرگیا۔ جو وصیت نامہ اس نے لکھا اس میں جائداد چار پوتوں کو مساوی حصوں میں اپنے دیون کی مساوی ذمہ داری کے ساتھ دی گئی تھی، ان پوتوں میں سے ایک پوتا نابالغ تھا، تین بالغ پوتوں نے مورث کے مرنے کے بعد کل جائداد بشمول حصۂ نابالغ رقم رہن اور دوسرے قرضوں کی ادائی کے لئے فروخت کردی۔ پرایوی کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ اگرچہ بیع متوفی کے قرض کی ادائی کے لئے کی گئی تھی مگر نابالغ اس کا پابند نہیں ہے، اور وہ جائداد مرہونہ کی ایک چوتھائی کے انفکاک کا مستحق ہے۔ لاہور کے ایک مقدمے[2] میں ایک مسلمان نے اپنی غیر منقولہ جائداد زید کے پاس رہن کی اور اس کے بعد ایک بیوہ اور نابالغ بچے چھوڑ کر مرگیا۔ بیوہ نے تین ہزار روپے عمر سے قرض لئے، جس میں سے دو ہزار پانچسو روپے اس نے زید کو اس کے زر رہن کی بابت ادا کئے اور وہی جائداد عمر کے پاس رہن کردی پانچسو روپے جو باقی رہ گئے وہ اس نے بچوں کے کفاف میں صرف کئے۔ رہن ۲۰ سال کے لئے تھا، اور عمر کو جائداد پر قبضہ دلا دیا گیا تھا۔ عمر نے جائداد کی درستی میں چار سو روپے

---

[1] سنہ ۱۹۱۳ء ۳۹ انڈین اپیلز ۴۹، ۳۴ الہ آباد ۲۱۳، ۱۳ انڈین کیسز ۹۷۶۔

[2] رنگ الٰہی بنام محبوب الٰہی سنہ ۱۹۲۶ء، لاہور ۳۵، ۹۴ انڈین کیسز ۲۵، سنہ ۱۹۲۶ء آل انڈیا لاہور ۱۷۰۔

صرف کیے گئے تھے۔ اس کے بعد بچوں نے بمقابلہ عمر کے اپنے حصوں کی واپسی کا دعویٰ کیا۔ عدالت نے یہ فیصلہ کیا کہ بچوں کے حصوں کا رہن باطل تھا، اور رہن کو اس شرط کے ساتھ منسوخ کر دیا کہ بچے وہ رقوم ادا کریں جن سے وہ منتفع ہوئے تھے، یعنی ۳۴۰۰ = ۴۰۰ ۵۰ + ۲۵۰۰ = یہ فیصلہ غالباً حد سے متجاوز ہے اور ممکن ہے کہ اس پر دوبارہ غور کیا جائے۔

۲ - واقعی ولی کی منتقل کردہ جائداد کے فسخ کے مقدمات کی میعاد ـــــ ایکٹ میعاد سماعت ۱۹۰۸ء مد ۴۴ ضمیمہ ا سے تین سال کی مدت مقرر ہے، جس میں نابالغ بعد بلوغ کے ولی کی منتقل کردہ جائداد کے فسخ کا دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ یہ میعاد نابالغ کے بالغ ہونے کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اس مد کا تعلق قانونی اولیا سے ہے نہ کہ واقعی یا بے قاعدہ اولیا سے۔

واقعی ولی کے انتقالات سے جو مد متعلق ہوتی ہے وہ ۱۴۴ ہے جسے ایکٹ مذکور کی دفعہ ۸ کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ مد ۱۴۴ جائداد غیر منقولہ کے متعلق ہے، اور اس میں بارہ سال کی مدت دی گئی ہے، اس وقت سے جب کہ مدعیٰ علیہ کا قبضہ مدعی کے مقابلے میں مخالفانہ ہو جاتا ہے۔[1]

۳ - واقعی ولی کے معاملے کو سپردِ ثالثی کرنا ـــ مقدمۂ امام باندی بنام متصدی کا اصول اقرار دادۂ پرایوی کونسل جس کا ذکر نوٹ نشان امین ہو چکا ہے، واقعی ولی کے

[1] ناتا دین بنام احمد علی ۱۹۱۲ء ۳۹ انڈین اپیلز ۹۴، ۳۴ الہ آباد ۲۱۳، ۱۳ انڈین کیسز ۹۷۶۔

معاملے کو سپردِ ثالثی کرنے سے بھی متعلق کیا گیا ہے۔ ایسے ولی کو اختیار نہیں کہ وہ نابالغ کے باپ کی جائداد غیر منقولہ کی تقسیم کی نزاع کو سپردِ ثالثی کرے، اور نہ نابالغ اس فیصلے کا پابند ہے جو اس طرح سپرد کئے جانے پر صادر ہوا ہو۔ واقعی ولی کا بعدہ ایکٹ گارڈین ووارڈز سنہ ۱۸۹۰ کی دفعہ ۸ کے تحت ولی مقرر ہو جانا بھی فیصلۂ ثالثی کا نابالغ کو پابند نہیں کرتا، اگر کوئی ایسی شہادت موجود نہ ہو جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ عدالت نے اس سپردگی کو پسند کیا تھا۔[1]

۴۔ کاروبار میں شراکت کا جاری رکھنا —— اس اصول کے اتباع میں جو پریوی کونسل سے مقدمۂ امام باندی بنام متصدی میں طے ہوا، اور جس کا ذکر نوٹ ا مندرجۂ بالا میں ہو چکا ہے، یہ قرار پایا کہ جس صورت میں نابالغ کا باپ ایک کمپنی کا شریک تھا جو دھان کی گرنی کی مالک تھی اور دھان کوٹنے اور صاف کرنے کا کاروبار کرتی تھی، ماں کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ نابالغ کی طرف سے باقیماندہ شرکا کے ساتھ شراکتی کاروبار جاری رکھنے کی قرارداد کرتی۔ ایسی قرارداد کالعدم ہے۔[2]

واقعی ولی کو جو اختیارات نابالغ کی جائداد منقولہ کے متعلق حاصل ہوتے ہیں، ان کے لئے دیکھو دفعہ ۲۶۸ جو آگے آتی ہے۔

---

[1] محمد اعجاز بنام محمد افتخار سنہ ۱۹۳۲، ۵۹ انڈین اپیلز ۹۲، لکھنؤ ۷، ۳۶ انڈین کیسز ۹۷، سنہ ۳۲ آل انڈیا پراویوی کونسل ۸، بمسیح الدین بنام کے احمد سنہ ۱۹۲۰، ۴۷ کلکتہ ۱۳، ۵۷ انڈین کیسز ۹۴۵۔

[2] مکورا ساتی بنام اچا سنہ ۱۹۲۸، ۶ رنگون ۱۹۸، ۱۱۰ انڈین کیسز ۳۴۹، سنہ ۲۸ آل انڈیا رنگون ۱۶۰۔

دفعہ ۲۶۶ - ولی کی قرارداد نابالغ کے لئے جائداد غیر منقولہ خریدنے کی ــــــ نہ نابالغ کا ولی اور نہ اس کی جائداد کا منتظم اس کا مجاز ہے کہ وہ کسی جائداد غیر منقولہ کی خرید کی قرارداد کر کے نابالغ یا اس کی جائداد کو اس قرارداد کا پابند کرے۔ ایسی قرارداد کالعدم ہے[1]۔

[زید، عمر نابالغ کی جائداد کا منتظم ہے، وہ عمر کے لئے بکر سے جائداد غیر منقولہ خریدنے کی قرارداد کرتا ہے۔ یہ قرارداد کالعدم ہے، اس کی بنا پر تعمیل مختص کا نہ عمر دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ بکر۔]

دفعہ ۲۶۷ - قانونی ولی کا اختیار جائداد منقولہ کو علیحدہ کر دینے کا ــــــ نابالغ کی جائداد کے قانونی ولی [دفعہ ۲۶۲] کو اختیار ہے کہ وہ نابالغ کی قطعی ضرورتوں مثلاً اس کے کھانے پینے، کپڑوں اور پرورش کے لئے[2] اس کی غیر منقولہ جائداد فروخت یا رہن کر دے۔

دفعہ ۲۶۷ الف - ولی مقرر کردۂ عدالت کا اختیار جائداد منقولہ کی علیحدگی کا ــــــ نابالغ کی جائداد کا جو ولی عدالت سے مقرر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ نابالغ کی جائداد منقولہ کے ساتھ وہ عمل کرے جو ایک معمولی فہم کا آدمی اپنی ذاتی جائداد کے ساتھ کرتا [گارڈین اور وارڈز کے ایکٹ سنہ ۱۸۹۰ء دفعہ ۲۷]۔

دفعہ ۲۶۸ - واقعی ولی کا اختیار جائداد منقولہ کو علیحدہ کر دینے کا ــــــ واقعی ولی [دفعہ ۲۶۲ ب] کو نابالغ کی جائداد منقولہ فروخت یا رہن کر دینے کا وہی اختیار حاصل ہے جو نابالغ کے قانونی ولی کو ہوتا ہے[3]۔

---

[1] میر سرور جان بنام فخرالدین سنہ ۱۹۱۲ء ۳۹ انڈین اپیلز ۱، ۳۹ کلکتہ ۲۳۲، ۱۲ انڈین کیسز ۳۲۱۔

[2] امام باندی بنام منتصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۶ ــ ۸۷، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۹۵ ــ ۸۹۶، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

[3] امام باندی بنام منتصدی سنہ ۱۹۱۸ء ۴۵ انڈین اپیلز ۷۳، ۸۶ ــ ۸۷، ۴۵ کلکتہ ۸۷۸، ۸۹۵ ــ ۸۹۶، ۴۷ انڈین کیسز ۵۱۳۔

دفعہ ۲۶۸ الف۔ نفقے کی تعریف —— یہ فصل "نفقہ"
خوراک، لباس، اور رہنے کے مکان پر حاوی ہے۔

بیلی، ۴۴۱۔

دفعہ ۲۶۹۔ اولاد اور اولاد کی اولاد کا نفقہ —— (۱) باپ
کا فرض ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو بالغ ہونے، اور بیٹیوں کو نکاح ہونے تک
نفقہ دے۔ جوان بیٹوں کو نفقہ دینا اس کے فرائض میں داخل نہیں ہے بجز
اس حالت کے کہ وہ کسی نقص یا بیماری کی وجہ سے ناقابلِ کار ہوں۔ بچوں
کے بچپن میں ماں کی حضانت [دفعہ ۲۵۶] میں رہنے سے ان کے نفقے کا
وجوب باپ کے ذمے سے ساقط نہیں ہو جاتا ہے[۱] مگر باپ پر ایسی اولاد کا نفقہ

---

[۱] سرکار بنام عائشہ بائی سنہ ۱۹۰۴ء، ۶ بمبئی لا رپورٹ ۵۳۶؛ محمد جوسب بنام حاجی آدم
سنہ ۱۹۱۳ء، ۳۷ بمبئی ۱، ۱۵ انڈین کیسز ۵۲۰ [کچھی میمنوں کا مقدمہ]۔

واجب نہیں ہے جس کی پرورش خود اس کی جائداد سے ہو سکتی ہو۔

(۲) اگر باپ مفلس اور کمائی کے ناقابل ہو، تو ماں، بشرطیکہ اس کی مالی حالت اچھی ہو، باپ کی طرح اولاد کے نفقے کی ذمہ دار ہے۔

(۳) اگر باپ مفلس اور ضعیف ہو اور ماں بھی مفلس ہو، تو اولاد کے نفقے کا ذمہ دار ان کا دادا ہو گا بشرطیکہ اس کی مالی حالت اچھی ہو۔

ہدایہ، ۱۴۸؛ بیلی ۴۵۹ — ۴۶۲ - بیٹی نکاح کے بعد شوہر کے خاندان میں شمار ہوتی ہے، اور اس کے نفقے کی ذمہ داری اس کے اصلی خاندان کے ارکان سے ساقط ہو جاتی ہے، اگرچہ اسے طلاق بھی دیدی گئی ہو[1]۔

نفقے کا حق : اور وہ کب تک قائم رہتا ہے ——— ہندوستان کے ایکٹ بلوغ ۱۸۷۵ء کا اثر جہاں تک کہ اس کا تعلق مسلمانوں سے ہے، یہ ہے کہ اس سے نابالغی کا زمانہ بڑھ گیا ہے اور وہ اٹھارہ سال کی تکمیل کے بعد ختم ہوتا ہے، بہ استثنائے نکاح، مہر اور طلاق کے معاملات کے۔ ان معاملات میں ایک مسلمان شرع اسلام کے مطابق بالغ ہو جانے پر کارروائی کرنے کا مجاز ہے۔ شخص مذکور اس عمر کو اس وقت پہنچتا ہے جب کہ وہ بالغ یعنی پندرہ سال کا ہو جاتا ہے۔ سر رولینڈ ولسن کا یہ خیال ہے کہ نفقہ مستثنیٰ مضامین میں نہیں ہے، اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ نفقے کے لئے بھی نابالغی کے زمانے میں وسعت ہو گئی ہے اور نفقے کے لئے نابالغی کا زمانہ اٹھارہ سال تک قرار پایا ہے [اینگلو محمڈن لا دفعات ۱۴۰، ۱۴۲]۔ اس رائے کی نسبت یہ عرض کیا جاتا ہے،

[1] پکریچی بنام کنھاچا ۱۹۱۳ء ۳۶ مدراس ۳۸۵، ۱۲ انڈین کیسز ۲۳۶۔

کہ وہ صحیح نہیں ہے۔ ہندوستان کے ایکٹ بلوغ کا اثر یہ ہے کہ اس نے بجز ان تین معاملات کے جن کا ذکر اوپر ہو چکا بقیہ معاملات مثلاً معاہدات، وصایا، ہبہ اور اوقاف وغیرہ میں ناقابلیت کی مدّت کو بڑھا دیا ہے۔ مگر حقوق اور اس کے بالمقابل وجوب کے قایم رہنے کی مدّت میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، اس لئے ایک مسلمان کے بیٹوں کو بالغ ہو جانے کے بعد نفقہ پانے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا، اور نہ اس عمر پر پہنچنے کے بعد والدین پر ان کا نفقہ واجب رہتا ہے، بجز اس صورت کے کہ وہ کسی نقص یا بیماری سے ناقابل کار ہوں۔

دفعہ ۲۷۰۔ **والدین کا نفقہ** ——— (۱) اس اولاد پر جس کی مالی حالت اچھی ہو مفلس والدین کا نفقہ واجب ہے، اگرچہ والدین خود اپنے لئے کچھ کما بھی سکتے ہوں۔

(۲) بیٹا، مالی حالت نہ اچھی ہونے پر بھی اپنی مفلس ماں کے نفقہ کا ذمہ دار ہے اگرچہ ماں ناقابل کار نہ ہو۔

(۳) بیٹا جو کچھ کماتا ہو اگرچہ مفلس ہو، اپنے مفلس باپ کے نفقے کا جو کچھ نہیں کماتا ذمہ دار ہے۔

ہدایہ، ۱۴۸؛ بیلی ۴۶۵، ۴۶۶۔

دفعہ ۲۷۰ **الف** ۔ **اجداد کا نفقہ** ——— ہر شخص پر اپنے دادا، دادی، نانا اور نانی کا نفقہ اسی طرح واجب ہے جس طرح اپنے مفلس باپ کا نفقہ، بشرطیکہ وہ لوگ مفلس ہوں۔ اگر وہ مفلس نہیں ہیں تو کوئی وجوب عاید نہیں ہوتا۔

بیلی، ۴۶۶۔

دفعہ ۲۷۱۔ **دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ** ——— ان لوگوں پر، جو خود مفلس نہیں ہیں، اپنے مفلس محرم رشتہ داروں کا نفقہ اسی تناسب

سے واجب ہے جس تناسب سے وہ ان کی موت پر ترکہ پانے کے مستحق ہو سکتے ہیں[1]

بیلی ۲، ۴۶۷ -

دفعہ ۲۷۲ - باپ پر اپنی اولاد کے نفقے کا قانونی وجوب ——

اگر ایک مقدرت والا باپ اپنی ایسی صحیح النسب یا غیر صحیح النسب اولاد کو جو خود کما کر بسر اوقات نہیں کر سکتی نفقہ دینے میں غفلت یا انکار کرے، تو وہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کے احکام کے مطابق ان کے نفقے کے لئے ایک ایسی ماہانہ رقم دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے جو ایک سو روپے سے زیادہ نہ ہو۔

دیکھو ضابطۂ فوجداری ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۴۸۸ جس میں ضابطۂ فوجداری کے ترمیمی ایکٹ نشان ۱۸ ۱۹۲۳ء کی دفعہ ۳۱ سے ترمیم ہوئی ہے۔ اگر اولاد صحیح النسب نہیں ہے تو ماں کا اس اولاد کو باپ کے حوالے کرنے سے انکار کی بنا پر باپ حکم نفقہ کی تعمیل سے انکار کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

دیکھو دفعہ ۲۶۱ گزشتہ۔

دفعہ ۲۷۳ - بیبیوں کا نفقہ —— دیکھو دفعات ۲۱۳ تا ۲۱۵ گزشتہ۔

———

[1] کارسی یا دھن بنام کیات بیرن ۱۸۹۵ء ۱۹ مدراس ۴۶۱ -

اشاریہ

اُصول شرعِ اسلام

فصل اوّل

برطانوی ہند میں شرع اسلام کا رواج صفحات ۱ تا ۱۲

فصل دوم

قبول اسلام　صفحات ۱۳ تا ۱۹

فصل سوم

مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور فرقے　صفحات ۲۰ تا ۲۲

فصل چہارم

شرع اسلام کے ماخذ اور اُس کی تعبیر صفحات ۲۳ تا ۲۷

فصل پنجم

وراثت اور اہتمام ترکہ صفحات ۲۸ تا ۴۸

فصل ششم

فصل ہفتم

حنفی قانون وراثت

وارثوں کی تین قسمیں

نشان ۵ و ۷ - بھائی اور بہنیں۔
نشان ۶ - حقیقی بہنیں بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ۔
نشان ۸ - علّاتی بہنیں بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ خواہ کسی درجے کی ہوں

دوسرے عصبات — صفحہ ۹۵

عصبات کی تقسیم۔
وہ عصبات جو در اصل ذوی الفروض ہیں۔
اناث عصبات۔
ذوی الفروض اور عصبات میں توریث کے اصول
اصلی وارث۔
قائم مقام وارث۔
پس انداز یا بچت۔

رد (Return) — صفحہ ۱۰۳

تمثیلات
عصبات بوجہ خاص
زوج و زوجہ۔
رد اور عول کا فرق۔
باپ اور دادا (جدّ صحیح)

ذوی الارحام

ذوی الارحام — صفحہ ۱۱۰
چار قسمیں:- — ″ ۱۱۰

اول متوفی کی اولاد۔
دوم متوفیٰ کے آبا و اجداد۔

ذوی الارحام کی چوتھی قسم

متفرقات

فصل ہشتم

شیعوں کا قانون وراثت　صفحات ۱۵۷ تا ۱۹۷

تقسیم جائداد قسم اوّل کے وارثوں میں

رد اور عول

متفرقات

فصل نہم

وصیّت

فصل دہم

فصل یازدہم

فصل دوازدہم

وقف

متفرقات

فصل سیزدہم

شفعہ

فصل چہار دہم

نکاح، نفقہ، اعادۂ حقوق زناشوئی : صفحات ۳۶۵ تا ۳۹۱

نکاح

نابالغوں کا نکاح

فصل شانزوہم

طلاق

طلاق منجانب زوج صفحات ۴۱۷ تا ۴۴۱

فصل سیزدہم

ولایت ذات وجائداد صفحات ۴۵۹ تا ۴۸۱

تقرر اولیا

فصل نوزدہم

رشتہ داروں کا نفقہ

صحت نامہ

اصول شرع اسلام

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۴	حاشیہ سطر ۳	بمبئی	بمبئی	۲۴۲	۱۱	مامی	مامی
۴۶	۳	بروبیٹ	پروبیٹ	"	حاشیہ سطر ۲	اپیلز ۱، ۶ لکھنو	اپیلز ۱، ۱۳، ۶ لکھنو
۵۸	۲۴	وارت	وارث	۲۴۶	۹	نہ ہو سکے گی؂	ہو سکے گی؂
"	۲۴	وراتت	وراثت	۲۴۷	۲	موموب لہ	موہوب لہٗ
۶۶	۲۰	ہوحانے	ہوجانے	۲۴۹	۶	دو علیحدہ کر سکے	وہ علیحدہ کر سکے
۹۰	۷	بحیثت	بحیثیت	۲۵۰	۱۱	حو حصہ	جو حصہ
۹۵	۱۵	روسرے عصبات	دوسرے عصبات	"	۱۵	تقسیم ہو جانا جائز ہے	تقسیم ہونا جائز ہے
۱۵۴	۲۰	محتلف	مختلف	۲۵۲	۱۹	کیا گبا ہے	کیا گیا ہے
۱۷۰	۲۱	قانوں	قانون	۲۵۴	۱	کالعدم ہے	کالعدم ہے
۱۸۰	۱۴	۳/۲	۲/۳	۲۷۴	۱۷	پرائیسری نوٹ	پرامیسری نوٹ
۱۸۹	۱۵و۳	مورت	مورث	"	۱۹	اختلاف آرہا تھا	اختلافِ آرا تھا
۱۹۲	۳	زریعۂ رد	ذریعۂ رد	۲۷۵	۸	پرائیسری نوٹوں	پرامیسری نوٹوں
۲۲۹	۱۵	قبصے	قبضے	"	۵	انڈین کیز	انڈین کیسز
۲۳۹	۱۶	موموب لہ	موہوب لہٗ	۲۹۵	۱۴	بطریق وقف	بطریق وقف
۲۴۱	۱۷	کرائے	کرایہ	۲۹۷	۵	غیر متتقن	متیقین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۹۸	۶	توریت	توریث	۳۵۷	۱	کلات	کلمات
۳۱۱	۱۶	دولوں	دونوں	۳۷۵	۲۳	سینوں	سُنّیوں
۳۲۲	۱	پٹنہ لاجزل	پٹنہ لاجرنل	۳۸۶	۱۱	نقفة	نفقہ
۳۲۳	پیشانی کتاب	وصول شرع اسلام	اُصول شرع اسلام	۳۹۰	۱۲	دیکھو	دیکھو
〃	۱۵	آلہ آباد	الٰہ آباد	۳۹۴	۶	دودہی	وہ وہی
۳۲۵	۱۴	مستجد	مسجد	〃	۱۵	مقداہر	مقدار مہر
۳۲۶	۵	〃	〃	۳۹۵	۶	مرادوہ	مراد وہ
〃	۲۲	کرتی ہو	کرنی ہو	〃	۱۹	فسح	فسخ
〃	حاشیہ سطر (۱)	پٹنہ لاجزنل	پٹنہ لاجرنل	۳۹۶	۲	مقداریر	مقدار پر
۳۲۷	〃 〃	ال انڈیا	آل انڈیا	۳۹۸	۴	تین ساں	تین سال
۳۲۹	۱۲	جیر یٹیبل	چیریٹیبل	۴۰۵	۱۳	حقِ اختباس	حقِ احتباس
۳۳۲	حاشیہ سطر ۲	دلسن	ولسن	۴۰۶	۵	جہاں پرایوی کونسل	جہان پرایوی کونسل
۳۴۰	۵	کے دعوئی	کے دعوے	۴۰۹	۱۲	انے	آنے
۳۴۲	۳	بایع	بایع	۴۱۱	۱۱	غرص	غرض
۳۴۳	حاشیہ سطر ۹	آلہ اباد	الٰہ آباد	〃	حاشیہ سطر ۸	نڈیں	انڈین
۳۴۴	۱۱	جوڈیشل کمپنی	جوڈیشل کمیٹی	۴۳۴	〃 سطر ۳	مساہ	مسماۃ
〃	۱۲	یہ ہے، کو	یہ ہے، کہ	۴۴۰	۶	زوجیں	زوجین
۳۴۵	۱	اور چو پندرہ فروری کو	اور چونکہ پندرہ فروری کو	۴۴۷	۲	تاریح	تاریخ
۳۴۶	۱۱	متصو	متصور	۴۵۴	۹	موجودہ	موجود
۳۴۷	حاشیہ سطر ۲	آل مذکورہ سابق؛	آل انڈیا ۹۴۷؛	۴۵۷	حاشیہ سطر (۲)	روشن جہاں ۱۸۷۶ء	روشن جہاں ۱۸۷۶ء
۳۴۹	۹	جیسے	جسے	۴۶۲	۱۸	نابالغ	نابالغ
۳۵۱	۱۱	رگھبیر	رگبھیر	۴۶۴	۴	دفعہ ۲۶	دفعہ ۲۶۰